GREEN FORCE

2

گرین فورس

PDFBOOKSFREE.PK

ایم اے راحت

گرین فورس

(حصہ دوم)

ایم۔اے راحت

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار لاہور

فون: 042-7352332-7232336

بہر حال صوفی یہاں بے مقصد تو نہیں آیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب اس کے اندر بھی ایک عجیب وغریب فطرت پیدا ہوگئی تھی اور ایسا اس لڑکی کی موت کے بعد ہوا تھا جس کے بارے میں اب تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ صوفی کے دل کے دروازے پر دستک دینے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

اس وقت رات کا ایک بجا تھا۔ وہ بستر سے اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ چاروں طرف سناٹا تھا لیکن حویلی کے کسی بھی کمرے کی روشنی نہیں بجھائی گئی تھی۔ برآمدے میں رک کر اس نے آڑلی اور پھر تیر کی طرح اس کمرے کی طرف بڑھا جس میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ یہ بہت بڑا کمرہ تھا اور یہاں کرنل کے خاندان والے اکٹھے تھے۔ ایک حیرت انگیز منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ جتنے افراد موجود تھے سب کے آگے ایک ایک رائفل رکھی ہوئی تھی۔ حسن وغیرہ شدت سے بور نظر آرہے تھے۔ ناظمہ آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ہاشم درانی اس طرح صوفے پر ایک طرف بیٹھا تھا جیسے وہ کوئی بت ہو اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ صوفی احمقوں کی طرح سیدھے چلتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ اسے دیکھ کر سب اچھل پڑے تھے۔ ہاشم درانی کے چہرے پر شدید غصے کے آثار پیدا ہوئے۔

''کیا بات ہے تم بغیر اجازت اس طرح کمرے میں کیوں داخل ہوگئے۔''

''اصل میں ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا تم جانتے ہو کہ طریقہ کار کیا ہوتا ہے کسی جگہ آنے سے پہلے اجازت لی جاتی ہے اور پھر میرا ذہن ابھی تمہاری طرف سے صاف نہیں ہوسکا ہے۔''

''حق اللہ ہمیشہ درویش قسم کے لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم اس کے عادی ہیں لیکن ہمارا سوال اپنی جگہ ہے۔''

''کیا سوال.....؟''

''اگر آپ چند نامعلوم افراد سے خوف زدہ ہیں تو یہ بتایئے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دیتے۔''

''پولیس.....'' ہاشم درانی کا منہ بگڑ گیا۔

''ہمیں تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ نامعلوم لوگوں کو آپ اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ کیا واقعی

وہ لوگ آپ کے لیے نامعلوم ہیں۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ہاں۔ مگر یہ درویش۔"

"جانے دیجیے جناب! بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیوں.....؟"

"سیدھی سی بات ہے اگر آپ ان کو جانتے نہیں تو ان سے خوف زدہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔" ہاشم درانی جواب دینے کے بجائے صوفی کو گھورتا رہا۔ پھر بولا۔

"آؤ بیٹھو! میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" صوفی بیٹھ گیا۔ باقی لوگ کڑی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت شیروانی اتری ہوئی تھی۔ صرف قمیص تھی اور ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ۔ وہ عجیب وغریب چیز لگ رہا تھا۔ ہاشم درانی نے اسے نظر انداز کر کے کہا۔

"میں انہیں جانتا ہوں۔"

"تب پھر پولیس ظاہری بات ہے۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔"

"جی ہاں مم..... مم..... مطلب در..... در..... درویش۔"

"بکواس کرنے سے پہلے منہ پر قابو نہیں پا سکتے تم۔ جانتے ہو کہ تم کس کے سامنے ہو۔"

"بیٹھ جایئے۔" صوفی نے بے پروائی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ آپ لوگ کسی بھی وقت ان کی گولیوں کا نشانہ بن سکتے ہیں۔" ہاشم درانی اسے گھورتا رہا۔ صوفی نے پھر کہا۔

"وہ کسی بھی وقت اس عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"نہیں داخل ہو سکتے۔ باہر کئی پہاڑی پہرہ دے رہے ہیں۔"

"پھر اس طرح رائفلیں سامنے رکھ کر بیٹھنے کا کیا مطلب ہے؟" صوفی نے کہا اور پھر ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔

"دیکھیے میں یہاں قوالیاں کرنے نہیں آیا ہوں درویشوں کی دعاؤں سے۔ آپ کا رویہ میرے ساتھ اچھا نہیں ہے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں ہے جہاں سے مجھے بھیجا گیا ہے وہاں سے مجھے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ یہ مسئلہ حل کرنا ہے۔ ہاشم درانی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے لیکن اس کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ آپ مجھے مکمل طور پر تفصیل بتایئے۔ میں یہاں آپ کے گارڈ کے فرائض انجام دینے نہیں آیا۔ ایک بار پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ صوفی کے چہرے پر موجود مرنجاں مرنج کیفیت چھائی رہتی تھی۔ وہ اس وقت نہیں تھی بلکہ اس عجیب وغریب نقوش والے شخص کے لہجے کی کرختگی میں عجیب سی سفاکی تھی۔ وہ بوکھلا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے پھر کہا۔

"آپ مجھے ان آدمیوں کے بارے میں بتایئے۔" ہاشم درانی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں نہیں جانتا کہ کیا بتاؤں؟"

"کیا..... آپ نے اس دوران ان میں سے کسی کو دیکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"ہوں..... کیا..... آپ لوگ کھانے میں ثقیل چیزیں کھاتے ہیں۔"

"دیکھو میری شاہ میر صاحب سے بات ہو چکی ہے کیا بات ہوئی یہ میں تمہیں بتانا پسند نہیں کروں گا لیکن اتنا بتائے دے رہا ہوں کہ میں ان لوگوں کے نشان سے واقف ہوں۔ سبز ستارہ ان کا نشان ہے اور یہ نشان میری کوٹھی میں پایا گیا ہے۔ خاص طور سے اس طرح جیسے مجھے اس کی جانب متوجہ کیا گیا ہو۔"

"وہ نشان آپ کو کب ملا درویشوں کے کرم سے۔"

"یار کمال کی بات ہے ایک تو تم نے یہاں درویش درویش کر کے ہمارا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"نہیں جناب! درویشوں کے نام سے دماغ خراب نہیں ہونا چاہیے۔ یہی دماغ کی خرابی ہے کہ درویشوں کا احترام نہ کیا جائے۔ بہرحال آپ مجھے جواب دیجیے۔"

"کیا جواب دوں؟"

"یہ نشان آپ نے کب دیکھا؟"

"مجھے ایسے تین نشان مل چکے ہیں۔ ایک مخصوص عرصے میں۔"

"آخری بار کب؟"

"میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو شاہ میر سے میری بات ہوئی ہے۔ شاہ میر نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ جو شخص میرے پاس آیا ہے وہ کام کا آدمی ہے ممکن ہے تم شاہ میر کی نگاہوں میں کام کے آدمی ہو لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کام تمہارے بس کا نہیں ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم کل صبح واپس چلے جاؤ۔ تمہارے ساتھ جو لوگ آئے ہیں۔ میری سمجھ میں وہ بھی نہیں آئے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تم لوگ..... تم لوگ..... تم لوگ۔" ہاشم درانی نے بہ مشکل تمام اپنے آگے کے الفاظ پر قابو پایا تھا۔

"اگر آپ نے مجھے وہ نشان نہ دکھایا تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ پورے سراج پور میں سبز ستاروں کے اسٹیکر لگوا دوں گا۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔ میں اصل میں دہری کیفیت کا شکار ہوں۔"

"آپ بے شک دہری کیا آٹھ دس کیفیتوں کا شکار رہیں لیکن میں وہ نشان دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ہاشم درانی تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس نے اپنے اندرونی لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک بے حد خوب صورت کارڈ نکالا جس پر سبز رنگ کا ایک ستارہ چھپا ہوا تھا۔ صوفی نے وہ کارڈ ہاتھ میں لے لیا۔ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا عمدہ پرنٹنگ ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔ پھر اچانک ہی اس کی نگاہیں ناظمہ وغیرہ کی طرف اٹھیں اور اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے درانی صاحب آپ ان لوگوں کے سامنے میرے سوالوں کے جواب دینا پسند نہ کریں۔"

"یار کیوں بور کر رہے ہو؟"

''میں نے احتیاطاً یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ یہ بتایئے کہ کیا کبھی آپ کا تعلق منشیات کی ناجائز تجارت سے بھی رہا ہے۔'' ہاشم درانی بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ صوفی کو اس طرح گھور رہا تھا کہ جیسے اس نے اسے ڈنک مار دیا ہو پھر اس نے جلدی سے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جاؤ تم لوگ آرام کرو۔'' لڑکوں کے چہرے تو کھل اٹھے لیکن ناظمہ کے انداز سے تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ نہ جانا چاہتی ہو۔''

''جاؤ تم بھی جاؤ۔'' ہاشم درانی نے کہا۔

''مم..... مم مگر۔''

''جاؤ۔ دفع ہو جاؤ اور اس کے بعد وہ لوگ وہاں نہ رکے تھے۔ تب ہاشم درانی نے صوفی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا بکواس کر رہے تھے تم؟''

''میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا آپ درویشوں کی دعاؤں سے ناجائز منشیات کا کام بھی کرتے رہے ہیں؟''

''تم اس بارے میں کیا جانتے ہو؟'' درانی نے سبز کارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بہت کچھ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کیسے جانتے ہو؟''

''کشف کرتا ہوں اور درویش مجھ پر بہت سے عقدے کشا کر دیتے ہیں لیکن آپ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے مجھے میرے سوالات کے جواب دیجیے۔ میرا خیال ہے اصولی طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''نہیں۔ میں نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔''

''تو پھر آپ ان لوگوں کے متعلق کچھ جانتے ہیں ورنہ نشان اس کوٹھی میں کیوں آیا؟''

''اوہ میرے خدا، اب کھل رہے ہو تم میرا خیال ہے کھل رہے ہو اس کا مطلب ہے کہ تم کام کے آدمی ہو۔''

''لیکن مجھے آپ کے حکم کے مطابق صبح واپس بھی جانا ہے۔''

''نہیں۔ بس ایسے ہی اصل میں بہت چڑچڑا ہو گیا ہوں میں۔ تم نہیں سمجھتے۔ ارے ہاں کمال کی بات ہے تم تو.....''

''اگر میرا خیال غلط نہیں ہے درانی صاحب تو آپ شمیان ہو سے خوف زدہ ہیں ایک بار پھر ہاشم درانی اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کی آنکھیں خوف زدہ انداز میں پھیل گئی تھیں۔ پھر اس نے کہا۔

''تت..... تت..... تم تو جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسے جا رہے ہو۔''

''جوتے اتار دوں۔'' صوفی نے کہا۔

''نہیں پلیز اوہو..... تم یہ بتاؤ شمیان ہو کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

''بس۔ میں اس کے بارے میں آپ کو بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔ اس کا نام بہت قدیم ہے اور ان کے نام سے منشیات کی ناجائز تجارت ہوتی ہے سین اسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔''

''اف۔ میرے خدا بہت کم لوگوں کو یہ تفصیل معلوم ہے میں نہیں جانتا کہ تمہیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ آہ! دیکھو، دیکھو مجھے معاف کر دینا۔ اصل میں میں ایک پریشان حال آدمی ہوں، اچانک ہی یہ خیال میرے ذہن میں آیا ہے کہ کہیں تم شمیان ہو سے ہی تو تعلق نہیں رکھتے۔''

''درویش رحم کریں۔'' صوفی نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ پھر بولا۔

''اچھا ایک بات بتایئے یہ نشان آپ کے پاس کیوں آیا ہے؟''

''یہی تو میں نہیں جانتا۔''

''درانی صاحب یہ نام بہت پرانا ہے کئی سو سال پرانا۔''

''اور یہ بات صرف شمیان ہو کے گروہ کے لوگ جانتے ہیں۔''

''یہ ہوئی ناں بات۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا تعلق اس گروہ سے رہ چکا ہے۔''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تم غلط سمجھے۔''

''مجھے بتایئے کہ پھر یہ نشان آپ کے پاس کیسے پہنچا۔ وہ آپ سے کس چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔''

''تم یہ بھی جانتے ہو۔'' ہاشم درانی نے کہا اور پھر ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم وہی آدمی ہو، تمہیں شاہ میر سے بات کرنی ہو گی۔''

''دیکھیے میں یہ آپ کو بتا دوں کہ یہ سبز ستارہ ہے اس کے بعد کالا ستارہ آئے گا اور اگر آپ نے اس دوران ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو پھر ستارہ سرخ ہو جائے گا اور جس دن آپ کو سرخ ستارہ ملا اس کے دوسرے دن آپ کا صفایا ہو جائے گا۔ بتا دیجیے مجھے کہ آخر وہ کیا چاہتے ہیں آپ سے۔''

''اتنا کچھ جاننے کے باوجود تم اب تک زندہ کیسے ہو؟''

''بس درویشوں کے کرم سے اب تو آپ کو درویشوں پر یقین آ گیا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔''

''میرے بارے میں سوچنے کے بجائے آپ اپنے بارے میں سوچیے۔ جتنی جلدی آپ مجھے اپنے بارے میں بتا دیں گے اتنا ہی اچھا ہو گا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' ہاشم درانی کے چہرے پر ایک ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔ اسی وقت صوفی نے کہا۔

''شمیان ہو کے بارے میں..... صرف اسی صورت میں اس قسم کی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ وہ ایک ایسا گروہ ہے جو منشیات کی ناجائز خرید و فروخت کرتا ہے۔ شمیان ہو کون ہے، کسی کو نہیں معلوم لیکن تجارت کا سارا نفع اسی کو پہنچتا ہے۔ اس کا کوئی ایجنٹ بے ایمانی پر آمادہ ہو جائے تو اسے اس قسم کی وارننگ دی جاتی ہے پہلی دھمکی سبز ستارہ، دوسری سیاہ ستارہ اور تیسری سرخ ستارہ۔ اگر آخری دھمکی کے بعد بھی مطالبات ادا نہ کیے جائیں تو ان ایجنٹوں کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔'' ہاشم درانی گہری گہری سانسیں لیتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ میں اس کا ایجنٹ ہوں۔''

''آپ مجھے بتایئے کہ میں اور کیا سمجھوں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔''

"تو پھر.....؟"

"میرا خیال ہے میرے پاس شمیان ہو کا سراغ ہے۔" ہاشم درانی نے کہا۔

"تفصیل....."

"کچھ ایسے کاغذات ہیں جو کسی طرح شمیان ہو کے لیے مخدوش ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"سراغ والی بات کریں۔"

"یہ میرا خیال ہے۔"

"کس بنا پر.....؟"

"یہ بتانا مشکل ہے۔"

"وہ کاغذات آپ کو ملے کہاں سے؟"

"میں شاہ میر کو بتا چکا ہوں ارے اوہو ہاں۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے یہ تفصیل شاہ میر نے ہی شاید تمہیں بتائی ہو۔ لاحول ولا قوۃ میں بلاوجہ پریشان ہو رہا ہوں۔ بہرحال بات وہی ہے جو تمہیں شاہ میر نے بتائی ہے۔ وہ کچھ تجارتی قسم کے کاغذات ہیں لیکن تجارت کی نوعیت صاف ظاہر ہو جاتی ہے شمیان ہو کا نام اس میں کئی جگہ دہرایا گیا ہے۔"

"آپ کو شمیان ہو کی ہسٹری کس طرح معلوم ہوئی۔"

"میں۔ فرانگ کانگ میں شمیان ہو کے بارے میں چھان بین کی تھی لیکن یہ نہیں پتا چلا سکا کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے۔ اس کے ایجنٹ آئے دن گرفتار ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے آج تک شمیان ہو کا پتا نہیں دیا۔ ویسے یہ نام ڈھائی سو سال سے زندہ ہے۔" صوفی کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"یہ لوگ کب سے آپ کے پیچھے لگے ہیں۔"

"یہ..... آج کی بات نہیں ہے۔ کاغذات ملنے کے فوراً بعد ہی وہ میرے پیچھے لگ گئے تھے، لیکن میں نے انہیں کاغذات واپس نہیں کیے۔ کئی بار وہ میری قیام گاہ میں بھی داخل ہوئے لیکن انہیں کاغذات کی ہوا نہیں لگ سکی اور اس کے بعد انہوں نے موت کے یہ نشان دینے شروع کر دیے۔"

"وہ شخص کبھی آپ کو دوبارہ نظر آیا جس نے آپ کو کاغذات کا یہ لفافہ دیا تھا۔"

"نہیں۔ کمبخت نظر نہیں آیا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ صرف اس وقت تک زندہ ہیں جب تک کاغذات آپ کے قبضے میں ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" ہاشم درانی نے بے خیالی میں کہا اور پھر ایک دم چونک پڑا۔

"بھئی۔ تم تو واقعی بہت ذہین ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان کاغذات کو واپس نہیں کرنا چاہتا ورنہ مجھے ان سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے ایک سانپ کا سر پکڑ رکھا ہے، چھوڑتا ہوں تو پلٹ کر ڈس لے گا۔"

"کیا میں ان کاغذات کو دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ تم مجھ سے سانپ کی گرفت ڈھیلی کرنے کو کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک۔ پھر آپ مجھے بتائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"بس۔ اب یہ تم جانتے ہو صورت حال تو تمہارے علم میں آ ہی گئی ہے۔"

"اس طرح رائفلوں کے ساتھ شب بیداری کا کیا مطلب ہے؟"

"بس۔ میں ان بچوں کو بہلانے کے لیے کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں واپس جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔" صوفی نے کہا۔

"سنو! میں قائل ہو چکا ہوں اس بات کا کہ شاہ میر نے بالکل صحیح بات کہی تھی۔ تم اتنے ہی ذہین اور سمجھ دار آدمی ہو نہ جانے کیوں مجھے ایک آس سی بندھ گئی ہے۔ براہ کرم میری اب تک کی باتوں کا برا نہ ماننا۔"

"حق اللہ، حق اللہ، حق اللہ۔" صوفی نے کہا اور اس کے بعد وہ کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ راہ داری طے کر کے سرونٹ کوارٹر یا دوسرے الفاظ میں مہمان خانے پہنچا چونکہ یہاں انہیں ایک ہی کمرا دیا گیا تھا چنانچہ اس ایک کمرے میں آگ اور پانی کہاں رہ سکتے تھے۔ مہابھارت جاری تھی۔ حسینہ کی آواز سنائی دی۔

"جھاڑو پھرے آنکھیں نکال کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔"

"کیسے نکالو گی۔" معشوق نشیلے کی آواز ابھری۔

"میں کہتی ہوں یہ صوفی کو کیا سوجھی ہے مجھے تو یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں۔ سازش ہے صوفی صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ سلور جوبلی کا نکاح مجھ سے کرا دیا جائے گا۔"

"اے تجھے مروڑ کر لے جائے میں تیرے ساتھ نکاح کروں گی؟ چوڑیاں پہنیں کرنہ کھاؤں گی اس سے پہلے۔"

"بلاوجہ مشکل کا شکار ہو گی، مرنے کے اور بھی بہت سے نسخے ہیں۔ میں تمہیں ایک آسان نسخہ بتاؤں، مجھ پر مر جاؤ۔" معشوق نشیلے نے کہا اور حسینہ نے آنکھیں بند کر لیں، غصے سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ تو شکر تھا کہ یہ احساس تھا کہ دوسرے کا گھر ہے اس لیے ہاتھا پائی شروع نہیں کی تھی ورنہ امکان تو اس بات کے تھے کہ معشوق نشیلے کی کھوپڑی کھل جائے، کیونکہ پان دان سامنے ہی رکھا ہوا تھا اور اس کے اجزا ایسے تھے کہ ہتھیار کے طور پر استعمال کیے جا سکیں۔ صوفی عین موقع پر اندر پہنچ گیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہو رہی ہے؟"

"سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔"

"حسینہ بدتمیزی بالکل بند شرافت سے سو جاؤ۔"

"تم شریف....." حسینہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ صوفی اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا کیفیت نظر آئی تھی اس کو ایک لمحے کے لیے منہ کھول کر رہ گئی۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا تھا۔

"سو جاؤ۔" صوفی کی غراہٹ ابھری اور حسینہ نے لپک کر اپنے بستر کا رخ کیا اور لیٹ کر کمبل اوڑھ لیا۔ معشوق نشیلے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ صوفی نے پلٹ کر اسے دیکھا اور معشوق نشیلے نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو صوفی کی آواز ابھری۔

''کیا گگن شاہ نے یہ بھی بشارت دی تھی کہ تم اس طرح کی حرکتیں کرو۔ لیٹ جاؤ اور خیال رکھو ایک شریف گھرانے میں ہو، عزت بڑی چیز ہوتی ہے کیا فائدہ کہ کان سے پکڑ کر یہاں سے نکال دیے جاؤ اور اگر یہاں سے نکالے گئے تو پھر میرے پاس بھی تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی درویشوں کے کرم سے۔''
معشوق نشیلے کان دبا کر اپنے بستر پر دراز ہو گئے تھے۔

♥.....♥.....♥

دوسری صبح صحیح طریقے سے سورج بھی نہیں نکلا تھا کہ کئی ملازم مہمان خانے میں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے صوفی سے کہا جو جلدی جاگ جانے کا عادی تھا۔

''معافی چاہتے ہیں جناب! وہ درانی صاحب کا حکم ہے کہ آپ لوگوں کو اندر منتقل کر دیا جائے۔ براہ کرم زحمت کیجیے ہم آپ کا سامان اٹھانا چاہتے ہیں۔'' صوفی نے معشوق نشیلے اور حسینہ کی طرف دیکھا جو آرام کی نیند سو رہے تھے۔ پھر وہ مسکرا کر بولا۔

''اٹھالو۔'' حسینہ شاید جاگ ہی گئی تھی۔ ملازم آگے بڑھ گئے۔ حسینہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''مم..... مم..... مجھے..... مجھے بھی اب اٹھاؤ گے کیا بھیا! میں تو خود اٹھ گئی۔''

''نہیں بڑی اماں اب خود ہی چلیے ہمارے ساتھ۔''

''ب..... ب..... ب بڑی اماں..... اے تو اندھا ہے کیا یا دماغ میں کوئی خرابی ہے۔ میں تجھے بڑی اماں نظر آ رہی ہوں۔''

''بھرم تا دیق من جانم کہ من آنم کہا دل نے۔'' معشوق نشیلے کی آواز ابھری تو صوفی نے اسے گھور کر دیکھا۔

''یہ لوگ سامان اٹھانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کو کوٹھی کے اندرونی حصے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ہاشم درانی نے ان سے ابھی تک ملاقات تو نہیں کی تھی لیکن بہر حال صوفی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہاشم درانی کے دماغ کی برف پگھل گئی ہے، ویسے اس نے ان معاملات کے بارے میں کافی دیر تک سوچا تھا اور اپنے ذہن میں کچھ منصوبہ بندیاں کرتا رہا تھا۔ گرین فورس کے بقیہ ارکان کو ہدایات دے دی گئی تھی کہ پہلے حالات کا جائزہ لے لیا جائے پھر انہیں اطلاع دی جائے گی، پھر وہ سراج پور پہنچ جائیں۔ ویسے سراج پور اس قدر حسین ہوگا اس چیز کا تو صوفی کو خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ پہلے یہاں پر کبھی آنا نہیں ہوا تھا۔

بہر حال معشوق نشیلے اور حسینہ کو لے تو آیا تھا۔ مزہ بھی آ رہا تھا ان دونوں کے آنے سے لیکن حد سے آگے بات نہیں ہونی چاہیے تھی چنانچہ اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ تھوڑا سا سخت رویہ اختیار کرے گا تا کہ دونوں سر میں رہیں۔ پھر ہاشم درانی کے اہل خاندان نے دیکھا تھا کہ ہاشم درانی نے اپنے اور صوفی کے لیے الگ ناشتہ لگوایا ہے۔ ایک انتہائی بے تکا آدمی لیکن اب ہاشم درانی اس کی بڑی عزت کرنے لگا تھا۔ یہ بات بھی ان سب کو معلوم ہو چکی تھی کہ صوفی کو مہمان خانے سے کوٹھی کے اندرونی حصے میں منتقل کر لیا گیا ہے۔
بہر حال ناشتہ خاموشی سے کیا گیا۔ ہاشم درانی نے کہا۔

''صوفی صاحب ہمارے اور آپ کے درمیان اب تک جو صورت حال رہی ہے مجھے امید ہے کہ

آپ اسے ذہن سے نکال دیں گے۔ اصل میں میرا مزاج کچھ تیز ہے اور پھر ان حالات نے مجھے اور زیادہ الجھا رکھا ہے ورنہ میں اتنا برا انسان نہیں ہوں۔''

''درویش رحم کریں۔''

''یہ درویشوں کا کیا قصہ ہے یہ بتایئے آپ۔''

''آپ نے ہمارا حلیہ نہیں دیکھا۔ بس یہ بھی درویشوں ہی کا عطیہ ہے۔''

''آپ کے بارے میں تو اب بہت کچھ جاننے کو جی چاہتا ہے۔''

''جان لیں گے بہت کچھ جان لیں گے۔ ذرا وقت گزرنے دیجیے ہم خود بہ خود آپ کی سمجھ میں آ جائیں گے۔'' صوفی نے کہا اور ہاشم درانی پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

♥.....♥.....♥

صوفی کی فطرت میں واقعی کئی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں مثلاً اب اس وقت حسینہ اور معشوق نشیلے کو ساتھ لے آنا دونوں میں چونچیں چلتی تھیں اور صوفی ان سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ لیکن کسی سنجیدہ جگہ ایسے دو افراد کو لے جانا بھی ایک دلچسپ عمل تھا۔ اس کے علاوہ اس نے گرین فورس کے کارکنوں کو اس بار اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ خاص طور سے شازیہ جو درحقیقت گرین فورس کی ٹیم میں اپنا ایک الگ مقام رکھتی تھی۔ سراج پور صوفی کے لیے ایک اجنبی جگہ تھی۔ اس سے پہلے وہ یہاں نہیں آیا تھا لیکن یہاں پہنچ کر تو یہ اندازہ ہوا تھا کہ یہ تو کمال کی جگہ ہے۔ اس وقت بھی وہ باہر نکل آیا تھا۔ پہاڑیوں میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور اس کی نگاہیں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ سراج پور کی شاداب پہاڑیاں گرمیوں میں کافی آباد ہو جاتی تھیں۔ نزدیک اور میدانی علاقوں کی دھوپ سے گھبرائے ہوئے صاحب حیثیت لوگ یہاں نکل آتے تھے اور انہی کی وجہ سے اس چھوٹے سے علاقے میں چھوٹے ہوٹل بنائے گئے تھے۔ ویسے سیزن میں مقامی لوگوں کے چھوٹے چھوٹے مکان بھی بہت عمدہ ہو جاتے تھے۔ وہ ان کی تزئین کرتے اور گرمیوں میں ان کو کرائے پر اٹھا دیتے۔ خود چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بنا کر رہتے۔ اپنے کرائے داروں کی خدمات بھی سرانجام دیتے جس کے صلے میں انہیں اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی اور پھر سردیوں کا زمانہ اسی کمائی کے بل بوتے پر گزر جاتا تھا۔ ہاشم درانی ویسے تو ایک سرمایہ کار، سرمایہ دار اور صنعت کار تھا۔ ایک بڑا بزنس مین جس کے ہاتھ پاؤں نہ جانے کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے تھے لیکن سراج پور اس کا آبائی گاؤں تھا اور اس کی مستقل رہائش یہی تھی۔ ویسے وہ یہاں کے انتہائی سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی حویلی بھی بہت شاندار تھی اور سراج پور میں شاید اس جیسی بڑی اور شاندار عمارت اور کوئی نہیں تھی۔

بہر حال اس وقت صوفی یہاں کی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا کہ عقب سے ناظمہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ انداز سے یونہی لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس کے پاس آ رہی ہو۔ صوفی کے پاس آ کر وہ رک گئی اور اسے دیکھنے لگی۔ صوفی نے منہ میں بھری ہوئی پیک رخ بدل کر ایک کیاری میں تھوک دی اور اس کے بعد ناظمہ کی طرف منہ کر کے بولا۔

''خوش آمدید درویشوں کے کرم سے۔'' ناظمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''اتنا تو میں جانتی ہوں کہ آپ جو کچھ خود کو ظاہر کرتے ہیں وہ ہیں نہیں۔''

''نہیں۔ جو ہیں وہ خود کو ظاہر نہیں کرتے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔ آپ نے جس طرح انکل کا موڈ بدل دیا اس پر میں ہی نہیں سارا گھر حیران ہے۔''

''ہاشم درانی تو بہت ہی خوش مزاج اور خوش اخلاق انسان ہیں۔''

''آپ یقین کریں صوفی صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ واقعی ایسے ہیں لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ کچھ الجھنوں نے انہیں گھیر لیا ہے۔ دیکھیے میں آپ کا بے حد احترام کرتی ہوں۔ لازمی بات ہے کہ وزارت داخلہ سے کسی ایسے ویسے شخص کو یہاں نہیں بھیجا گیا ہوگا البتہ بہت سی باتیں میرے ذہن میں الجھی ہوئی ہیں۔''

''اگر ہم انہیں سلجھا سکے تو ہم اس سے گریز نہیں کریں گے درویشوں کے کرم سے۔''

''ایک بات آپ بتائیے صوفی صاحب ویسے تو آپ کا حلیہ واقعی کسی پیر پرست کا ہی ہے لیکن یہ آپ بار بار ہر بات پر درویشوں کے کرم سے اور درویشوں کی دعاؤں سے کیوں کہتے ہیں۔''

''بی بی۔ درویشوں کا سایہ ہے ہم پر۔ بس آپ یوں سمجھ لیجیے کہ عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔ آپ کی یہ جو دنیا ہے نا یہ ایک روایتی دنیا ہے لیکن اس سے الگ ایک اور دنیا ہے ناظمہ صاحبہ جو پیروں، بزرگوں اور ولیوں کی دنیا ہے اور اس دنیا کی بادشاہت کمال کی ہوتی ہے۔ آپ اس کے رمز کیا سمجھیں گی۔ بس یوں سمجھ لیجیے تھوڑا سا سایہ ہم پر پڑ گیا ہے۔''

''کمال ہے۔ اچھا ایک بات بتائیے آپ گورنمنٹ کے کوئی اعلیٰ ذمے دار افسر ہیں؟''

''توبہ..... توبہ..... توبہ ہم اس جال کو توڑ چکے ہیں اور اب کوئی افسر وغیرہ نہیں ہیں۔''

''تو پھر شاہ میر صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟''

''بس ہمارے کسی کے کچھ ہیں وہ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کسی کے کچھ.....؟''

''ہاں۔ یہ بھی ایک رشتہ ہوتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ بتانا نہیں چاہتے۔ اچھا یہ چھوڑیے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ انکل کے لیے کیا کر رہے ہیں؟''

''جو مناسب ہوگا وہ کریں گے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ مجھے کچھ بتائیں گے نہیں۔'' ابھی وہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ برآمدے سے ہاشم درانی کی آواز سنائی دی۔

''اوہو۔ ناظمہ ایک مصیبت آ گئی ہے مجھ پر اس وقت ان حالات میں۔'' ناظمہ کے ساتھ ساتھ صوفی بھی چونک کر ہاشم درانی کو دیکھنے لگا تھا۔ ہاشم درانی خود ہی اس طرف آ گیا۔ اس نے صوفی کی طرف دیکھ کر گردن خم کی اور پھر ناظمہ سے کہا۔

''جلدی کرو بھئی۔ وقت ہونے والا ہے۔''

''کس کا انکل.....؟''

''یار بس میں کیا بتاؤں ان حالات میں واقعی اس کی آمد میرے لیے بڑی تکلیف دہ ہوگی، حالانکہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔''

''مگر انکل کون کون آ رہا ہے؟''

''فیلکس۔''

''اوہو..... مسٹر فیلکس۔''

''ہاں۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی لیرا بھی ہے اور اسمشیر۔''

''میں مسٹر اسمشیر کو نہیں جانتی؟''

''اب پوری طرح جاننے کی کوشش مت کرو۔ فون آیا ہے وہ لوگ آ چکے ہیں۔ مجھے سرپرائز دینا چاہتے تھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مجھے بتائیے میں کیا کروں؟''

''انہیں لینے جانا ہے اور وہ تقریباً آ چکے ہوں گے۔''

''کیا وہ کچھ دن یہاں ٹھہریں گے؟''

''ہاں۔ شاید گرمیاں یہیں گزریں۔''

''واقعی۔ اس وقت تو یہ الجھن کی بات ہے۔''

''یار تم کھڑی ہوئی ہو جلدی کرو۔''

''جا رہی ہوں انکل بے فکر رہیں۔ ہم انہیں ریسیو کر لیں گے۔ ناظمہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ صوفی تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

''یہ اسمشیر کچھ عجیب سا نام نہیں ہے۔''

''میرے دوست فیلکس کا گہرا دوست ہے۔ میں بھی اس سے پہلے کبھی نہیں ملا۔ اس سے سنا ہے وہ مصور بھی ہے ایک بار فیلکس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس بار وہ آئے گا تو اسے ساتھ لے کر آئے گا۔''

''کیا آپ ان لوگوں سے شمیان ہو کے معاملے کا تذکرہ کریں گے؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں اسے ڈھول کی طرح تھوڑا ہی گلے میں لٹکائے ہوئے ہوں۔''

''ہوں۔'' صوفی نے پُرخیال انداز میں کہا۔ پھر بولا۔

''معاف کیجیے جناب میں ایک بات سوچ رہا ہوں درویشوں کے کرم سے۔''

''کیا.....؟''

''بقول آپ کے وہ لوگ ابھی تک آپ پر قریب قریب سارے حربے استعمال کر چکے ہیں لیکن کاغذات حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ کاغذات حاصل کیے بغیر وہ آپ کو قتل بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہو سکتا

ہے کہ اس کے بعد وہ کسی اور کے ہاتھ لگ جائیں۔ اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا آپ ناظمہ، حسن یا نصرت وغیرہ کی موت برداشت کر سکیں گے۔"

"کک..... کک..... کیا بک رہے ہو؟" ہاشم درانی کانپ کر بولا۔

"جو کچھ عرض کر رہا ہوں ٹھیک عرض کر رہا ہوں درویشوں کے کرم سے۔ فرض کیجیے وہ ناظمہ کو پکڑ لیں اور آپ سے کاغذات کا مطالبہ کریں ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے۔ کیا آپ یہ فیصلہ کر کے مجھے بتا سکتے ہیں کہ ناظمہ، حسن، نصرت آپ کے لیے زیادہ قیمتی ہیں یا وہ کاغذات..... دیکھیے ناں یہ سوال میں آپ سے اس لیے کر رہا ہوں درویشوں کی دعاؤں سے کہ میری ذمے داری لگائی گئی ہے۔"

"میرے خدا..... میرے خدا۔" ہاشم درانی لڑکھڑا گیا۔ اس نے ایک ستون سے ٹیک لگائی۔ صوفی جیب میں پانوں کا بٹوا اور ڈبیا تلاش کرنے لگا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد ہاشم درانی کی آواز ابھری۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی بالکل ٹھیک۔ میرے خدا اگر تمہاری آمد سے پہلے وہ یہ قدم اٹھا بیٹھتے تو کیا ہوتا میں نہیں سمجھ پا رہا کہ میں کیا کروں یہ تو ایک نئی مشکل پیدا ہو گئی میرے لیے۔"

"پہلا کام یہ کیجیے کہ ناظمہ کو اسٹیشن نہ بھیجیے۔"

"اب تو میں اپنے بھتیجوں میں سے بھی کسی کو نہیں بھیج سکتا۔"

"ٹھیک ہے آپ خود کیوں نہیں جاتے.....؟"

"میں..... میں..... میں بہت زیادہ ڈر گیا ہوں۔ اب تو میں ان لوگوں کو تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اس کی فکر مت کیجیے، میں موجود ہوں۔"

"تم.....؟" ہاشم درانی نے اسے اس طرح دیکھا جیسے اس کا دماغ خالی ہو گیا ہو۔

"تم کسی خطرے کا مقابلہ کر سکو گے.....؟"

"میں کیا درویش کریں گے..... درویش۔" صوفی نے کہا اور پھر بولا۔

"بس تین دافع البلیات دعائیں پڑھوں گا اور دشمن کا خاتمہ۔ پر ایک شرط ہو گی درانی صاحب۔"

"کیا.....؟"

"جب آپ اس مشکل سے نکل آئیں گے تو آپ کو نادر میاں اور ہمنوا کی قوالی کرانا پڑے گی۔"

"قق..... قق..... قق۔ قوالی۔"

"کیوں حلق میں بلغم اٹک گئی کیا؟" صوفی نے کہا۔

"نہیں۔ مم..... مم..... میرا مطلب ہے۔" ہاشم درانی بری طرح الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت کبھی پیلی پڑ جاتی اور کبھی اصلی حالت میں آ جاتی۔

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آپ جائیے سیدھے سیدھے اپنے دوستوں کو لینے کے لیے۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"الجھن سے نکال بھی رہا ہوں آپ کو، یا تو سب کچھ اپنی مرضی سے کیجیے یا پھر....."

"ٹھیک ہے۔" ہاشم درانی نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

سمیر تیز تیز قدموں سے جا رہا تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور حسینہ بیگم باہر نکل آئیں۔ سمیر ان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

"ہائے ہائے ایسے مت چلا کرو آندھی طوفان کی طرح، نظر لگ جائے گی۔" حسینہ بیگم نے کہا۔

"جج..... جی معافی چاہتا ہوں۔"

"میری بات تو سنو! وہ پان کے پتے مل جائیں گے یہاں کہیں۔"

"پپ پان کے پتے.....؟"

"ہاں۔"

"مقصد یہ کہ آپ کون سے پان کے پتوں کی بات کر رہی ہیں تاش میں جو ہوتے ہیں۔"

"ہائے مٹی ڈالو تاشوں کو میں کھانے والے پانوں کی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ۔ پپ پتا نہیں مجھے، کسی ملازم سے پتا کر کے بتاتا ہوں۔"

"میرے پاس پان ختم ہو گئے ہیں اور پھر اس طرح ڈھینگے کو بھی پانوں کی ضرورت ہو گی بغیر پانوں کے یوں لگتا ہے جیسے پیاسا کوا۔" سمیر رک گیا۔ اس نے حسینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بتائیں گی مجھے آپ۔"

"بتا دوں گی پوچھو۔ اس وقت تو موت کا لیا بھی موجود نہیں ہے، مجھے ایک بات بتاؤ کوئی ایسی دوا نہیں ہے جو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا سکے۔"

"کک..... کک کسے۔"

"اوہ۔ وہی۔ بھڑم چوں، بھڑم چوں، بھڑم چوں۔ پتا نہیں کیا کیا بھونکتا رہتا ہے۔ کتیا کا پلا۔"

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں مجھ سے۔"

"میں۔ تم ہی کہہ رہے تھے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ وہ آپ نے ابھی نام لیا تھا طرڈھینگے۔"

"آئے اسی چغے کو کہہ رہی ہوں جو اونٹ کا نواسا معلوم ہوتا ہے۔"

"صوفی صاحب۔"

"ہاں۔"

"آپ سے رشتہ ہے ان کا۔"

"توبہ کرو میاں توبہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرا بھلا اس سے کوئی رشتہ ہو سکتا ہے۔ میں پھنسا دی گئی ہوں۔"

"کک کک..... کیا مطلب؟"

"ارے میاں بس زبان بڑی گندی چیز ہوتی ہے اگر اسے سوچ سمجھ کر استعمال نہ کیا جائے تو ایسی گلے پڑتی ہے کہ اللہ معافی۔ کرنل صاحب نے کہا کہ بی حسینہ! میرے ایک اہم آدمی کو آپ کی ضرورت ہے۔

کیا آپ وہاں جانا پسند کریں گی۔ کرنل کی روٹی کھائی، زندگی بھر نہ صرف میں نے بلکہ میرے ماں باپ نے بھی۔ اسی کے ہاں پلی بڑھی، جوان ہوئی بھلا انکار کیسے کرسکتی تھی۔ پر یہ پتا نہیں تھا کہ اس کے سر ماردی جاؤں گی۔ ہائے۔ میں نے تو کرنل صاحب کو کبھی نقصان بھی نہیں پہنچایا تھا۔"

"کون کرنل صاحب؟"

"اوہو اگر تم کچھ نہیں جانتے تو کیا تمہاری پیدائش کی باتیں بھی میں ہی بتاؤں۔ جاؤ پان مل جائیں تو ٹھیک ہے بلاوجہ مغز کھائے جارہے ہو۔" حسینہ بیگم نے کہا اور واپس مڑ کر کمرے میں چلی گئیں۔ سمیر ایک لمحے تک سر کھجاتا رہا۔ اس کے بعد اس کا بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ سامنے سے ناظمہ اور نصرت چلے آ رہے تھے۔ سمیر ہنستا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

"خدا کی قسم کمال کی شخصیتیں ہیں۔"

"وہ کالی بلا کیا کہہ رہی تھی۔" نصرت نے پوچھا۔

"یار ہری مرچ بھی اتنی تیز نہیں ہوگی جتنی یہ کالی بلا ہے۔"

"چھوڑو ہم تعزیت کرنے آرہے تھے۔" نصرت نے کہا۔

"تعزیت.....؟"

"ہاں یار۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم اسٹیشن نہیں جاسکے لیرا کو میں نے کوئی پانچ چھ سال پہلے دیکھا تھا۔ اس وقت بھی غضب تھی اور اب تو غضب ناک بن گئی ہوگی۔"

"درویش رحم کریں۔" پیچھے سے آواز آئی۔ وہ چونک پڑے۔ صوفی منہ چلاتا ہوا آرہا تھا۔

"ارے آپ نہیں گئے صوفی صاحب درانی صاحب کے ساتھ۔" نصرت نے پوچھا۔ ناظمہ بھی صوفی کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"ویسے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ صوفی صاحب نے جس طرح انکل پر قابو پالیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔"

"بس درویشوں کی دعائیں ہیں۔"

"مگر آخر آپ نے انکل کو کس طرح شیشے میں اتارا۔ ہمیں بھی کچھ بتادیجیے۔"

"کوئی خاص بات نہیں بس ایک شیشہ لیا ان کے سامنے کیا ایک وظیفہ پڑھا اور صاحب شیشے میں اتر گئے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

"یہ درویشوں کا کرم واقعی ہم پر بھی اگر ہوجائے تو ہمارا بیڑا پار ہوجائے صوفی صاحب۔ ہمیں بھی کچھ بتایئے صوفی صاحب۔"

"چلہ کشی کرنا پڑے گی۔ ویسے اگر آپ لوگوں کو دلچسپی ہے تو تھوڑے دن رک جایئے۔ یہاں محفل قوالی ہوگی بس خلوص دل سے اس میں شریک ہوجایئے اور جو میں بتادوں وہ کرلیجیے کسی بزرگ کا تصور اور اس کے بعد دیکھیے تماشا۔" وہ تینوں ہنسنے لگے اور اس کے بعد نصرت اور سمیر کسی کام سے چلے گئے۔ ناظمہ جان بوجھ کر رک گئی تھی۔

"جی صوفی صاحب! ویسے یہ حسینہ بیگم آپ کی کون ہیں۔ یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔"

"چھوڑیئے حسینہ بیگم کے معاملے کو زیادہ نہ اچھالیے۔ بس اوہو دیکھیے یہ معشوق نشیلے آرہے ہیں۔ کمال کے شاعر ہیں۔ مشاعروں میں تو خیر ان کا گزر نہیں ہوتا لیکن ویسے آپ کبھی ان کے اشعار سنیے۔"

"سنوایئے پھر کبھی کسی وقت۔" صوفی نے مسکراتے ہوئے گردن ہلادی تھی۔ حسینہ بیگم پھر ایک بار باہر نکل آئیں تھیں اور ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔

"ارے صوفی صاحب پان ختم ہوگئے ہیں اس کے بعد گھاس میں کتھا چونا لگا کر کھانا پڑے گی۔"

"پان آجائیں گے حسینہ بیگم آپ اندر آرام کیجیے۔"

"بھاڑ میں جائے یہ اندر باہر۔ کمرے میں گھسے گھسے جان نکل رہی ہے۔ اے ہے پھر آمرا کہیں سے" معشوق نشیلے پاس پہنچ گئے تھے۔

"بس حسینہ بیگم آمرے کیا بلکہ مرگئے ہیں آپ پر، وہ جو کہتے ہیں نا کہ مرگئے ہم کھلی رہی آنکھیں وہ پٹاچوں پٹاچوں کاب رکاب۔"

"تیری دھریٹاچوں کو بھاڑ میں ڈالوں کمبخت کبھی سیدھے راستے بھی چل لیا کر۔" معشوق نشیلے ہنسنے لگے تھے۔ ناظمہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"آپ نے پہلا مصرعہ تو خیر جو کچھ پڑھا ہی تھا لیکن یہ دھریٹاچوں کیا ہوتا ہے؟"

"یہی تو سب کچھ ہوتا ہے۔ بیگم صاحب آپ نے زندگی میں کبھی دھریٹاچوں نہیں کیا۔"

"کک..... کک کیا مطلب؟"

"بس معشوق نشیلے کی شاعری کو سمجھنے والے ابھی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کے لیے نصاب کی کچھ کتابیں تیار کرانی پڑیں گی۔ چلیے اندر تشریف لایئے۔ پانوں کے بارے میں کوئی میٹنگ ہوجائے۔" صوفی نے معشوق نشیلے اور حسینہ سے کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

تقریباً بارہ بجے تھے جب ڈاکٹر فیلکس، اس کی بیٹی لیرا اور اسمشیر ہاشم درانی کی کوٹھی میں داخل ہوئے لیکن اس وقت ہاشم درانی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ڈاکٹر فیلکس ایک دبلے پتلے جسم کا آدمی تھا۔ آنکھیں نیلی مگر دھندلی تھیں۔ بھری بھری مونچھیں بہت خوب صورت لگتی تھیں۔ اس کی لڑکی نوجوان اور کافی حسین تھی۔ خاص طور سے ہنستے وقت وہ پریتی بن جاتی تھی یعنی اس کے رخساروں میں گڑھے بہت خوبصورت لگتے تھے۔ تیسرا آدمی اسمشیر تھا۔ جو اسمشیر کم اور ریسلر زیادہ لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی بڑی خوب صورت داڑھی تھی۔ چہرہ زیادہ جان دار نہیں تھا لیکن آنکھیں بہت جان دار تھیں۔ ناظمہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔ ڈاکٹر فیلکس نے ناظمہ کو ماتھے سے چومتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔ ڈارلنگ تم لوگ ہمیں لینے اسٹیشن نہیں آئے۔" اس سے پہلے کہ ناظمہ کوئی جواب دیتی لیرا ناظمہ سے لپٹ گئی تھی۔ پھر تعارف شروع ہوا۔ صوفی بھی وہیں موجود تھا۔ ڈاکٹر فیلکس نے اسے دیکھا اور سوالیہ نگاہوں سے ناظمہ کی طرف دیکھا تو صوفی خود آگے بڑھا۔

''احقر کو صوفی کہتے ہیں۔ میں درانی صاحب کا سیکرٹری ہوں۔''

''ہوں۔ درانی ویسے درانی کہاں ہے۔'' ڈاکٹر فیلکس نے کہا اور صوفی آنکھیں بند کر کے جگالی کرنے لگا لیکن ناظمہ چونک کر بولی۔

''کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں ہیں؟''

''میرے ساتھ نہیں تو۔'' ڈاکٹر فیلکس چونک کر بولا۔

''کک..... کک..... کیا مطلب کیا وہ آپ کو اسٹیشن پر نہیں ملے؟'' ناظمہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے صوفی کی طرف دیکھا اور صوفی نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی لیکن ناظمہ کی پریشانی میں کمی نہیں ہوئی۔

''وہ..... وہ..... وہ تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔''

''آیئے پلیز میں آپ کو آپ کا کمرا دکھا دوں۔''

''مگر کیا وہ مجھے لینے اسٹیشن گیا تھا۔''

''صحیح نہیں معلوم کہہ تو یہی رہے تھے بلکہ ہمیں بھی یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ وہ خود آپ کو لینے جائیں گے۔''

''تعجب ہے وہ اتنا غیر ذمے دار تو نہیں ہے خیر۔ ان لوگوں کو ان کے کمروں تک پہنچانے کے بعد ناظمہ بری طرح صوفی کی طرف بھاگی تھی۔

''کہاں گئے انکل.....؟''

''پتا نہیں۔ درویش ہی جانتے ہیں۔''

''اور آپ اتنے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں؟''

''آپ فکر مت کیجیے۔ میں ذمے دار ہوں۔''

''میں انہیں تلاش کرنے جا رہی ہوں۔''

''کوٹھی سے باہر بھی قدم نہ نکالیے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آخر کیوں.....؟''

''درانی صاحب کا یہی حکم ہے اور انہوں نے خاص طور سے مجھے اس کی ہدایت کر دی ہے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''آپ عجیب آدمی ہیں۔ کیا آپ کا انداز حکم چلانے والا نہیں ہو گیا ہے؟''

''ذمے داری، ذمے داری ہوتی ہے محترمہ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''اگر میں جانا چاہوں تو آپ مجھے کیسے روکیں گے؟''

''منت سماجت سے درویشوں کا حوالہ دے کر۔'' صوفی نے عاجزی سے کہا اور سخت پریشانی کے باوجود ناظمہ اس کے انداز پر ہنس پڑی۔

''کمال کی بات ہے۔ ویسے آپ مجھے بہت عجیب لگ رہے ہیں اس وقت۔''

''غریب بھی ساتھ ساتھ ہی سمجھیے۔ خادم عجیب و غریب ہے درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے جواب دیا پھر بولا۔

''دیکھیے کچھ درخواستیں ہیں جنہیں نوٹ فرما لیجیے گا مثلاً موجودہ حالات کا علم مہمانوں کو نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے کزن کو بھی منع کر دینا۔''

''ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔''

''ویسے ڈرنے کی بات نہیں ہے درانی صاحب بالکل خطرے میں نہیں ہیں۔''

''آپ میرا خیال ہے مجھے پریشان کر رہے ہیں صوفی صاحب۔''

''درویش رحم کریں۔'' صوفی نے مغموم لہجے میں کہا۔ شام ہو گئی لیکن ہاشم درانی واپس نہیں آیا تھا۔ ناظمہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس دوران ڈاکٹر فیلکس کئی بار ہاشم درانی کے بارے میں سوال کر چکا تھا۔ پھر اس نے پھیکے لہجے میں کہا۔

''یوں لگ رہا ہے جیسے ہاشم اب اپنے دوستوں سے گھبرانے لگا ہے، اگر ایسی بات تھی تو اس نے صاف صاف ہی کیوں نہ کہہ دیا۔'' پھر جس وقت نصرت اور حسن سے حماقت ہوئی ناظمہ وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ کچن میں باورچیوں کو دیکھ رہی تھی۔ صوفی بھی کچن ہی میں تھا۔ ادھر ڈاکٹر فیلکس وغیرہ برآمدے میں تھے اور حسن اور نصرت سے باتیں کر رہے تھے۔ حسن لیرا کے اردگرد پھر رہا تھا اور اسے البم دکھا رہا تھا۔ ادھر خوب صورت برآمدے سے ڈاکٹر فیلکس دور کی پہاڑیوں کی چوٹیوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسلسل افسردگی کے تاثرات تھے۔ اس نے کہا۔

''درانی سے ایسی امید نہیں تھی۔'' حسن اس وقت لیرا میں کھویا ہوا تھا اور لیرا کے انداز گفتگو سے اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بھی حسن میں دلچسپی لے رہی ہے بس اس وقت کھوپڑی کے لٹو نہ گھوم جاتے تو اور کیا ہوتا۔ اس نے لیرا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس انکل آج کل بڑی مشکل کا شکار ہیں۔''

''مشکل.....؟'' ڈاکٹر فیلکس اسے گھورنے لگا۔

''ہاں۔'' وہ تقریباً دس پندرہ دن سے سخت پریشان تھے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے انکل فیلکس کہ اس دوران میں ہم رات رات بھر تک جاگتے رہے ہیں۔ انہیں کسی کا خوف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ میں کسی بھی وقت کسی حادثے کا شکار ہو سکتا ہوں۔''

''کیا واقعی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تم اس پر بھی اتنے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو۔'' ڈاکٹر فیلکس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسمٰعیر اور لیرا انہیں گھورنے لگے۔ نصرت نے شاید ان کی گفتگو سن لی تھی۔ وہ حسن کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا حالانکہ اسے اس بات کو مہمانوں سے چھپانے کی ہدایت نہیں کی گئی تھی لیکن اسے کم از کم یہ احساس تھا کہ ہاشم درانی ان باتوں کو راز ہی رکھنا چاہتا ہے۔

''ناظمہ کہاں ہے؟'' ڈاکٹر فیلکس نے حسن سے کہا۔

''شاید کچن میں۔'' ڈاکٹر فیلکس کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔ بقیہ لوگ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ ناظمہ

کچن میں باورچیوں کی نگرانی کر رہی تھی اور خود بھی وہیں کچن میں ہی تھیں۔ صوفی بھی وہیں قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر فیلکس نے ناظمہ کو آواز دی۔

"یہ کیا معاملہ ہے ناظمہ کیا قصہ ہے یہ؟"

"اوہو۔ انکل آپ یہاں تو بہت گرمی ہے میں ابھی آتی ہوں۔"

"لعنت بھیجو گرمی پر۔ یہ بتاؤ درانی کا کیا معاملہ ہے۔ کیا ہوا ہے اسے۔ کس سے خوف زدہ ہے وہ؟" صوفی کا جگالی کرتا منہ ایک دم رک گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ ناظمہ کو کھانوں کے بارے میں ہدایت دے رہا تھا اور ناظمہ ہنس رہی تھی۔ بڑا اچھا موڈ تھا اس کا کیونکہ صوفی کی باتیں بڑی مزے دار تھیں۔ وہ کچن کے بارے میں اپنی معلومات کا مظاہرہ کر رہا تھا اور ایسی ایسی بے تکی باتیں بتائی تھیں اس نے مثلاً لہسن کی چٹنی، باجرے کی روٹی کے ساتھ اسی طرح کے اور بہت سے تجربات ناظمہ کے لیے بات بتانا مشکل ہوگیا۔ وہ کہنے لگی۔

"پتا نہیں انکل ان دنوں کچھ ایسی ہی گزر رہی ہے۔ انکل درانی بغیر کسی کو بتائے ہوئے چلے جاتے ہیں اور جب ان کی مرضی ہوتی ہے تو واپس آتے ہیں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ مجھے حسن نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" ناظمہ کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ اسی وقت صوفی بول اٹھا۔

"حسن صاحب بڑی سنجیدگی سے مذاق کرتے ہیں۔ ویسے ڈاکٹر صاحب ساری باتیں بڑی عجیب وغریب ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے اگر وہ کسی پریشانی کا شکار ہے تو کم از کم میں تو خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔"

"آپ یقین کیجیے انکل کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"میں مطمئن نہیں ہوا۔ تم برآمدے میں آؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" ڈاکٹر فیلکس کچن سے باہر نکل گیا۔

"میری عجیب مصیبت ہے میں کیا کروں؟"

"آپ نے ان بے وقوفوں کو منع کیوں نہیں کیا درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"مگر یہ تو..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ سخت پریشان ہوں میں۔"

"میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے درانی صاحب کو ایک محفوظ جگہ پہنچا دیا ہے۔"

"مگر میں ان لوگوں کو کیا بتاؤں زبردستی کے مہمان۔"

"قصور ان دونوں کا ہے۔ حسن اور نصرت۔"

"خیر ایک کام تو کر لیجیے آپ۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے متعلق ان لوگوں کو کچھ معلوم ہو۔" ادھر نصرت حسن کو کافی ذلیل کر چکا تھا۔

"ہاں مجھے بتاؤ کیا قصہ ہے یہ سب۔" ڈاکٹر فیلکس نے ناظمہ سے کہا۔

"میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ مجھ سے زیادہ تو سیکرٹری صاحب کو تفصیلات معلوم ہیں۔" ڈاکٹر فیلکس صوفی کی طرف گھوم گیا۔

"جناب عالی میں سیکرٹری ضرور ہوں، محبوبہ نہیں ہوں درانی صاحب کی۔ ویسے مجھے درانی صاحب کی دماغی حالت پر شبہ ہے رنگین ستاروں سے خوف زدہ ہیں۔"

"رنگین ستارے.....؟"

"جی ہاں۔ بس ایک بات ہی کرتے رہتے ہیں سبز، سیاہ، سرخ۔"

"تم لوگ مجھے بڑے پراسرار معلوم ہو رہے ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

"جی ہاں۔ ہم اپنی عزت چھپاتے رہے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"دیکھیے میں بتاتی ہوں آپ کو مجھے حالات کا زیادہ علم نہیں ہے۔ انکل کو ایک دن ایک کارڈ ملا جس پر سبز رنگ کا ستارہ بنا ہوا تھا۔ اس وقت سے وہ پریشان نظر آنے لگے۔ اس رات بھی انہوں نے ٹہل ٹہل کر صبح کی اور دوسری صبح انہوں نے آٹھ پہاڑی ملازم رکھے جو رات بھر عمارت کے باہر پہرہ دیتے ہیں۔ ہمیں انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ستاروں والا کارڈ۔"

"جی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"مگر تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی۔"

"کسی کو بھی نہیں بتائی جا رہی تھی۔ آپ کے بارے میں تو کوئی تذکرہ بھی نہیں ہوا تھا۔" ناظمہ نے کہا اور ڈاکٹر فیلکس پریشانی کے انداز میں سوچ میں ڈوب گیا۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا کی جان نکل گئی۔ آئی جی کی طرف سے بلاوا آیا تھا۔ بہرحال وہ نہ جانے کیا کیا دعائیں پڑھتا ہوا آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہوا۔ سیلوٹ کیا اور سامنے کھڑا ہوگیا، لیکن حیرت ناک طور پر آئی جی صاحب کا لہجہ نرم تھا۔

"بیٹھو۔"

"یس سر! تھینک یو سر!"

"مبارک باد پیش کرنی چاہیے تمہیں۔ وہ فولادی انسانوں کا مسئلہ حل ہوگیا۔"

"جی سر! یس سر۔ تھینک یو سر۔"

"میرا خیال ہے تمہیں گولڈ میڈل ملنا چاہیے اس سلسلے میں۔ تمہیں بھی تو ایک پینل کا انچارج بنایا گیا تھا۔"

"سر آپ بس یوں سمجھ لیجیے کہ میں بھی معاملے کی تہ تک پہنچنے ہی والا تھا لیکن بعد میں سر! کچھ عجیب سا گھپلا ہوگیا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے جو پینل پولیس نے بنائے تھے۔"

"ہاں تم یہ کہنا چاہتے ہو گے کہ وہ مسئلہ ان میں سے کسی نے حل نہیں کیا بلکہ ہوم سیکرٹ سروس کے

کسی ممبر نے۔"

"نہیں سر۔ یہ بات نہیں ہے۔ بات وہی مداخلت بے جا کی آجاتی ہے، مگر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"سر! آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اس ایک شخص کے بارے میں جو پہلے کبھی محکمہ پولیس میں رہ چکا ہے۔ نہ جانے کس طرح اس نے وزارت داخلہ کی سرپرستی حاصل کر لی ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے بہ ظاہر وہ کوئی عہدے دار نظر نہیں آتا لیکن مکمل طور پر اسے تحفظ دیا جاتا ہے۔ سرجار حیت کرتا ہے، خاص طور سے پولیس کے ساتھ۔"

"دیکھیے مسٹر جمشید مرزا! آپ ایسا کریں تحریری طور پر مجھے رپورٹ کریں اور اس شخص کے بارے میں تفصیل معلوم کریں جس کا نام صوفی ہے اور جس کی آپ کئی بار شکایت کر چکے ہیں۔ جمشید مرزا کے ادسان خطا ہو گئے تھے۔ یہ بم اس طرح پھٹ جائے گا اسے نہیں معلوم تھا، لیکن پھر تقدیر نے یہ مسئلہ خود حل کر دیا۔

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں فی الحال یوں کریں کہ سراج پور چلے جائیں۔ سراج پور میں ایس پی شاہد علی سے ملیں۔ ایس پی شاہد علی آپ کو تفصیل بتائے گا۔ وہاں آپ کو کام کرنا ہے۔ فوری طور پر یہ بندوبست کر لیں۔"

"یس سر!..... یس سر!" اور جمشید مرزا نے جان بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ اگر فولاد کے اس ٹکڑے کے بارے میں بات ہو جاتی اور اسے طلب کیا جاتا تو شاید جمشید مرزا وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔ بہرحال تیاریاں کیں اور اس کے بعد سراج پور پہنچ گیا۔ سراج پور میں اس نے ایس پی شاہد علی سے ملاقات کی۔ شاہد علی نے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا۔

"جمشید مرزا صاحب! یاد ہوں میں آپ کو۔ میری اور آپ کی ملاقات دارالحکومت میں ہی ہوئی تھی۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ بالکل مجھے یاد ہے۔"

"ویسے آپ نے خاصی ترقی کی، بہت سے خاص واقعات آپ کے نام سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ آپ کس طرح اتنے الجھے ہوئے واقعات کا سراغ لگا لیتے ہیں۔" جمشید مرزا نے چونک کر ایس پی کو دیکھا۔ اس خیال کے ساتھ کہ کیا شاہد اس کا مذاق اڑا رہا ہے لیکن ایسا کوئی تاثر شاہد کے چہرے پر نہیں ملا تھا۔

"بس محنت میں عظمت ہے۔ خیر آپ مجھے ان واقعات کے بارے میں بتائیے۔"

"ایک نام آج کل بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔"

"کیا نام ہے؟"

"شیرٹن۔ یہ نام بڑی پراسرار اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ شیرٹن کے بارے میں علم ہوا ہے کہ یہاں موجود تمام لوگوں کو اس کی طرف سے دھمکی آمیز خطوط ملتے ہیں اور انہیں موت کی دھمکی دے کر کہا جاتا ہے کہ اتنی اتنی رقوم ادا کرنی ہے ورنہ موت کی تیاریاں کر لیں۔"

"جن لوگوں کو یہ دھمکی آمیز خطوط ملے ہیں ان میں سے کوئی ہلاک ہوا.....؟"

"نہیں۔ سب زندہ ہیں اور ان میں سے کسی نے ابھی تک یہ اطلاع نہیں دی کہ ان سے کوئی رقم

وصول کر لی گئی ہے۔ دو ہی باتیں ہیں یا تو وہ لوگ اصل بات بتاتے نہیں ہیں یا پھر کوئی شریر طبیعت آدمی خواہ مخواہ سنسنی پھیلانے کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ بے شمار افراد کو اس قسم کے خطوط ملے ہیں اور ان سے بڑی رقم کے مطالبے کیے گئے ہیں۔"

"بڑے بڑے لوگ ہیں یقیناً ان کی فہرست ہوگی آپ کے پاس۔"

"ہاں ہے لیکن ایک حیرت انگیز بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا.....؟"

"یوں سمجھیے کہ سراج پور کا سب سے بڑا آدمی جو بہت بڑا بزنس مین بھی ہے اور بے پناہ دولت مند بھی۔ اس کا نام ہاشم درانی ہے اس کی طرف سے کوئی ایسی شکایت نہیں ملی۔"

"مطلب.....؟"

"نہیں۔ جمشید مرزا صاحب میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہوں گا جو میرے لیے مشکل بن جائے۔"

"ہوں۔"

"لیکن مجھے اسی مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ میں ہاشم درانی سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ براہ کرم مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتا دیجیے۔" جمشید مرزا نے کہا اور ایس پی شاہد علی جمشید مرزا کو ہاشم درانی کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔

♥.....♥.....♥

رات کے کھانے پر فضا بڑی سوگوار سی تھی۔ انہوں نے بڑی خاموشی سے کھانا ختم کیا اور پھر کافی پینے کے لیے برآمدے میں جا بیٹھے فیلکس بری طرح سنجیدہ تھا۔ اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"افسوس مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس بار یہاں آکر اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے اپنے دوست کی پریشانی سے پریشانی ہے باقی اور کوئی بات نہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سیدھے سیدھے اس بارے میں پولیس کو اطلاع دی جائے۔ آخر ہاشم کہاں غائب ہو گیا، مگر تم لوگ بھی کمال کے لوگ ہو اس طرح بے حس بیٹھے ہو جب کہ میں یہ سمجھتا ہوں۔"

"آپ نہیں سمجھتے انکل فیلکس۔ یہ سب انکل ہی کی خواہش پر ہو رہا ہے۔ میں کیا کر سکتی ہوں؟ وہ اس معاملے کو عام نہیں کرنا چاہتے۔ پولیس کے شروع سے ہی خلاف ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں کبھی اچانک غائب ہو جاؤں تو تم لوگ فکرمند نہ ہونا۔ میں خطرہ دور ہوتے ہی واپس آجاؤں گا لیکن پولیس کو اس کی اطلاع مت دینا۔"

"حالانکہ میرے خیال میں یہ ایک احمقانہ بات ہے۔" اسمشیر نے رائے دی اور لیرا سر جھکائے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فیلکس بولا۔

"وہ ہمیشہ ہی پراسرار رہا ہے ابھی یہ لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک ملازم نے آکر اطلاع دی۔

"جناب عالی! ایک پولیس آفیسر ملنا چاہتے ہیں۔ وردی میں ملبوس ہیں۔" ان کی نگاہیں گیٹ کی جانب اٹھ گئیں۔ دور سے انہیں پولیس کی جیپ نظر آ گئی تھی۔ پہلے انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی۔

آنے والا شاید اندر بھی آ گیا تھا۔ برآمدے سے آگے ایک اور برآمدہ تھا۔ وہ وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ ناظمہ نے صوفی کی طرف دیکھا۔ صوفی نے ملازم سے کہا۔

"بلاؤ۔" لیکن جب آنے والا اندر آیا تو صوفی ایک دم سے بھونچکا رہ گیا تھا۔ وہ جمشید مرزا تھا۔ جمشید مرزا نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور پھر اچانک صوفی کو دیکھ کر وہ اس طرح اچھلا کہ سبھی نے محسوس کر لیا۔ ایک لمحے تک وہ صوفی کو اور صوفی اسے دیکھتا رہا۔ یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو ہپناٹائز کر رہے ہوں۔ جمشید مرزا کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صوفی کی کرخت نگاہوں میں ایک پیغام چھپا ہوا ہے۔

بہرحال وہ پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھا اور اس وردی پر اس کے عہدے کے بیج لگے ہوئے تھے۔ خاص طور سے ڈاکٹر فیلکس نے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر بولا۔

"میرا نام فیلکس ہے کہیے آفیسر کیسے تشریف لائے آپ۔" جمشید مرزا نے اب گردن گھمائی۔ ایک ایک کو دیکھا اور بولا۔

"میں ہاشم درانی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ ناظمہ ایک دم آگے بڑھی اور بولی۔

"میں ان کی بھتیجی ہوں آفیسر۔ وہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔"

"کب تک واپسی ہوگی۔ کیا میں انتظار کر لوں؟"

"نہیں وہ آؤٹ آف سٹی ہیں۔"

"واپسی کب تک ہو جائے گی؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اپنا پروگرام بتا کر نہیں جاتے۔"

"کیا آپ لوگ اپنا تعارف مجھے کرائیں گے؟"

"درویشوں کی دعاؤں سے پہلے میں اپنا تعارف کرا دوں۔ خادم کو صوفی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ صوفی نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ جمشید مرزا ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر اس نے بھی ہاتھ آگے بڑھا کر صوفی سے مصافحہ کیا۔ صوفی کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

"یہ ڈاکٹر فیلکس ہیں اور یہ مسٹر اسمتھ ہیں درویشوں کی دعاؤں سے اور یہ محترمہ لیراباتی سب میرا مطلب ہے یہ خاتون ہیں۔" صوفی نے ایک ایک کے بارے میں بتایا۔

"مجھے تو ہاشم درانی صاحب سے بڑا ضروری کام تھا۔ میں دارالحکومت سے آیا ہوں۔ ان سے ایک بہت ضروری کام تھا مجھے۔"

"آپ کام بتا دیجیے ہم انہیں بتا دیں گے۔" ناظمہ بولی۔

"آپ میں سے کوئی صاحب میرے ساتھ آئیں۔ میں تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں بلکہ صوفی صاحب آپ تشریف لے آیئے۔"

"بہ سروچشم..... بہ سروچشم۔" صوفی نے کہا اور اس کے بعد جمشید مرزا اسے کوٹھی کے گیٹ سے باہر ہی لے گیا۔ اس نے اسے پولیس جیپ میں بیٹھنے کی دعوت دی۔

"جاؤں گا کہیں نہیں یہاں سے۔"

"تم لوگ جاؤ۔ ہمیں تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔" جمشید مرزا نے اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں سے کہا۔ یہ انسپکٹر وغیرہ تھے۔ شاہد علی مصروف تھا اس لیے ساتھ نہیں آیا تھا یا جمشید مرزا اسے خاص طور سے ساتھ نہیں لایا تھا۔ جیپ میں بیٹھ کر جمشید مرزا نے کہا۔

"تمہاری یہاں موجودگی میرے لیے بڑی حیران کن ہے؟"

"یہی کیفیت ہماری بھی ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔ کیا آپ کا ٹرانسفر ہو گیا؟"

"صوفی صاحب ایک بڑی عجیب بات ہے۔ آپ بار بار درویشوں کا تذکرہ کرتے ہیں، میری پیری مریدی تو نہیں ہے کسی سے لیکن تھوڑا سا شگون اور بدشگونی پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ بہت سے واقعات تجربات میں آ چکے ہیں۔ میری اور آپ کی ملاقات جب بھی ہوئی غلط انداز میں ہوئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مخالف بن کر سامنے آئے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ ہم لوگ اکثر سامنے آ جاتے ہیں۔"

"حق اللہ۔ درویشوں کا کرم ہے۔ بس کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اور آپ نے بھی یہ ٹھان لی ہے کہ میرے خلاف ہی کام کرتے رہیں گے۔"

"یہ خدا ایسی بات نہیں ہے۔ بس آپ ہمارے راستے کاٹتے ہیں اور ہم ان کٹے ہوئے راستوں کو جوڑتے جاتے ہیں۔ مجبوری ہے۔ کیا کیا جائے؟"

"آپ نے وہ لوہے کا ٹکڑا لے جا کر مجھے جس مصیبت میں ڈال دیا تھا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ سولی پر چڑھا ہوا تھا میں۔ وہ تو کیس ختم ہو گیا بلکہ جہاں تک میری اطلاع ہے آپ ہی نے ختم کیا تھا وہ کیس۔"

"لوہے کا وہ ٹکڑا آپ ہمیں عنایت نہ فرماتے درویشوں کی دعاؤں سے تو شاید ہم بھی اصلیت تک نہ پہنچ پاتے۔"

"دل میں بڑی آرزو تھی کہ آپ سے مل کر کم از کم یہ تو معلوم کروں کہ سارا قصہ کیا تھا؟"

"تو یہی معلوم کرنے آپ یہاں تشریف لائے تھے درویشوں کے کرم سے۔"

"جی نہیں۔ یہاں میں ایک اور مسئلے میں آیا تھا۔ کچھ عجیب و غریب واقعات ہو رہے ہیں یہاں۔ اچھا ایک بات بتایئے۔ کیا آپ بھی شیرٹن کے چکر میں یہاں آئے ہیں؟"

"نہیں۔ ہمیں کسی شیر کی ٹن ٹن سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اصل میں درانی صاحب بہت ہی نفیس انسان ہیں۔ پچھلے دنوں دارالحکومت گئے تھے۔ ہماری پرانی یاد اللہ ہے۔ کہنے لگے صوفی میاں کبھی سراج پور آؤ۔ دیکھا ہے سراج پور یا نہیں۔ ہم نے انہیں بتایا کہ حضرت کبھی جانا نہیں ہوا۔ تو کہنے لگے آؤ یہاں کی بہار دیکھو۔ خاص طور پر ایسے موسم میں تو سراج پور انتہائی خوبصورت ہو جاتا ہے۔ حسینہ بیگم کہنے لگیں کہ صوفی مجھے پہاڑ دکھا دو۔ بس کچھ اس انداز میں کہا انہوں نے کہ ہم مجبور ہو گئے۔ اب ساتھ میں معشوق نشیلے بھی چلے آئے۔" صوفی نے کہا۔

جمشید مرزا اچھل پڑا۔ اس نے یقین نہ کرنے والے انداز میں صوفی کو دیکھا پھر بولا۔ "وہ..... وہ دونوں بھی ہیں۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں صوفی صاحب!"

"ہم آپ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔"

"جمشید مرزا کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

"کب تک قیام ہے آپ کا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ حق اللہ۔"

"دیکھیے یہ بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ شیرٹن کے بارے میں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ آپ اسی سلسلے میں آئے ہیں۔"

"درویش آپ پر رحم کریں۔" صوفی بولا۔

"پھر بتایئے۔ شیرٹن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے صوفی صاحب! میں آپ کی طرف مسلسل دوستی کا ہاتھ بڑھاتا رہا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ نے ابھی تک میری دوستی قبول ہی نہیں کی ہے۔"

"قبول کی ہم نے، لیکن شیرٹن کا کیا قصہ ہے ہمیں بھی بتایئے۔"

"کیا واقعی آپ کو نہیں معلوم؟"

"واقعہ یہی ہے درویشوں کے کرم سے۔"

"وہ ایک بلیک میلر ہے۔ لوگوں کو دھمکی آمیز خطوط لکھتا ہے۔ یہاں کے تمام بڑے لوگوں کو اس کی طرف سے خطوط مل چکے ہیں۔ یہ اطلاع تو مل جاتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی بڑے آدمی کو کوئی خط موصول ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ ہاشم درانی صاحب سے بھی میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ انہیں کوئی بھی ایسا خط ملا یا نہیں اور اگر ملا تو کیا انہوں نے اس بلیک میلر کو کوئی رقم ادا کی ہے۔ مجھے اسی تفتیش کے لیے دارالحکومت سے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے، اب ہم آپ کو یقین دلا رہے ہیں کہ ہمیں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں معلوم۔ ہم تو بس سیر و سیاحت کی غرض سے چلے آئے تھے۔"

"تب تو میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھتا ہوں کہ میری آپ سے ملاقات ہوگئی اور اس بار میں آپ کو مجبور کر ہی دوں گا کہ آپ میری مدد کریں اور میری دوستی قبول کرلیں۔"

"دوستی تو ہم نے قبول کرلی ہے۔ جہاں تک مدد کا معاملہ ہے اس کے بارے میں ذرا غور کرنا ہوگا۔ ویسے یہ سلسلہ کتنے عرصے سے چل رہا ہے۔"

"جہاں تک میری معلومات کا سوال ہے ایک ماہ سے ایک پراسرار آدمی یا گروہ یہاں کے دولت مند لوگوں کو دھمکی کے خطوط لکھ کر ان سے بڑی رقموں کا مطالبہ کرتا ہے۔ دھمکی کے مطابق عدم ادائیگی کی صورت میں انہیں قتل کردیا جائے گا۔ ویسے ان سب نے اس کی رپورٹ کی ہے لیکن....."

"لیکن سے آگے کیا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"براہ کرم راز کو راز ہی رکھیے گا۔ ہاشم درانی کی طرف سے اس قسم کی کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔"

"تو آپ زبردستی شکایت موصول کرانا چاہتے ہیں۔" صوفی نے کہا۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آخر درانی صاحب ہی کو کیوں چھوڑا گیا اور اگر انہیں

کوئی دھمکی ملی ہے تو انہوں نے اس کی رپورٹ کیوں درج نہیں کرائی؟"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ فرض کیجیے کہ انہیں بھی دھمکی کا خط ملا تو ضروری ہے کہ وہ آپ کے محکمے کو اس کی اطلاع دیں۔ ممکن ہے انہوں نے اسے صرف مذاق سمجھا ہو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اپنی قوت بازو کے علاوہ کسی پر بھروسا نہیں ہوتا۔"

"میں صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہاشم درانی کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہے یا نہیں؟"

"یہ بات ظاہر ہے میں نہیں بتا سکتا۔"

"بتا سکتے ہیں آپ صوفی صاحب! میں بتاؤں میرے دل میں کیا ہے؟"

"نہ..... خدا کے لیے دلوں کی باتیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں، درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"پھر بھی کہے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ آپ کو اسی سلسلے میں یہاں طلب کیا گیا ہے یا بھیجا گیا ہے اور ہاشم درانی نے آپ کو اسی سلسلے میں اپنا مہمان بنایا ہے۔"

"دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں میری طرف اور یقین کرتے نہیں ہیں میری بات پر۔"

"ایک بار پھر ایک مودبانہ درخواست کرتا ہوں صوفی صاحب! اگر آپ چاہیں تو اس معاملے میں مجھے شریک کرلیں اور میری مدد کریں۔ بے عزتی کی انتہا ہوچکی ہے۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ میرے عہدے میں کمی کردی جائے۔ کیونکہ بہت عرصے سے مسلسل ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ۔"

"خدا حافظ۔ اس تکلیف کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ویسے ہاشم درانی صاحب سے ملاقات ضروری ہے۔ ان کے لیے مجھے یہاں انتظار کرنا ہوگا۔" صوفی جیپ سے نیچے اتر گیا اور جمشید مرزا کے اشارے پر اس کے ساتھی جیپ میں آبیٹھے۔ جیپ اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی تھی۔

صوفی واپس اندر آگیا تھا لیکن اندر تمام لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیا ہوا..... کیا بات ہے؟"

"عجیب سی کہانی تھی درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"کیا مسٹر صوفی؟"

"وہ دارالحکومت سے آیا ہے ایس پی کا عہدہ رکھتا ہے۔"

"وہ تو ہمیں بھی اندازہ ہوگیا تھا لیکن وہ یہاں آیا کس سلسلے میں ہے؟" ڈاکٹر فیلکس نے کہا اور صوفی نے پوری بات دہرادی۔ وہ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے پھر صوفی نے ناظمہ سے پوچھا۔

"کیا درانی صاحب کو بھی شیرٹن کی طرف سے کوئی خط ملا ہے؟"

"نہیں۔ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہوا ہو، لیکن ہاشم درانی صاحب نے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں؟"

''تم نے دوسرے معاملے کا تذکرہ نہیں کیا ایس پی سے۔'' ڈاکٹر فیلکس نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں جناب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''یار! یہ تمہارے درویش کیا چیز ہیں میری سمجھ میں بات ہی نہیں آتی۔''

''درویش آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے مسٹر فیلکس! ان کے سلسلے میں ایک لفظ بھی الٹا سیدھا نہ کہیں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' ڈاکٹر فیلکس نے غرا کر کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

''اڑتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ ہاشم درانی واپس نہیں آیا تھا۔ باقی تمام لوگوں کو تشویش تھی لیکن صوفی نے ان سے صاف صاف لہجے میں کہا تھا۔

''آپ لوگوں کو علم ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں اور یہ بھی علم ہے آپ کو کہ ہاشم درانی صاحب نے مجھ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے اور یہ بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں درویشوں کی دعاؤں سے کہ وہ خیریت سے ہیں اور میری ہدایت پر روپوش ہوئے ہیں کیونکہ یہ بے حد ضروری ہے اور یہ بھی بتا چکا ہوں آپ کو کہ اس بارے میں ڈاکٹر فیلکس یا کسی اور سے تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے باقی اگر آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی خوشی ہے تو پھر خوشی سے پریشان ہوں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔''

''یار صوفی صاحب! مر جانے کی حد تک بور ہو رہے ہیں۔ ادھر یہ مہمان آئے ہوئے ہیں وہ الگ بور کر رہے ہیں۔ وہ لڑکی لیرا مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہے کہ سراج پور کیا صرف اسی کوٹھی تک محدود ہے۔ اب آپ بتایئے میں کیا کروں؟'' صوفی نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور پھر ناظمہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

''آپ کیا کہتی ہیں محترمہ! درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''درویش سے تو خیر ابھی تک میرا واسطہ نہیں پڑا ہے نہ ہی میں سمجھتی ہوں کہ ان کی دعائیں میرے لیے بلاوجہ ہو سکتی ہیں لیکن اگر یہ لوگ باہر جانا چاہتے ہیں تو کم از کم ذاتی طور پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر آپ لوگ انہیں سیر کرایئے۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' صوفی نے محسوس کیا تھا کہ حسن، نصرت اور سمیر تو بے حد خوش ہو گئے ہیں۔ سمیر نے کہا۔

''تو پھر کیوں نہ آج کا پورا دن سراج پور کے نواحات کی سیر کر کے گزارا جائے اور رات کو کسی عمدہ سے ہوٹل میں ڈنر۔''

''تمہاری طرف سے۔'' ناظمہ نے مسکرا کر کہا۔

''سو بار۔ لیکن لیرا......'' یہ کہہ کر سمیر کھانس کر حسن اور نصرت کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ہم میں سے ہر کوئی یہ خرچ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ تم اپنے آپ کو تیس مار خاں نہ سمجھو۔'' حسن نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

''اچھا فضول بات بالکل بند ورنہ ہو سکتا ہے انگلینڈ میں بھی جوتے بازی کا رواج پڑ گیا ہو۔'' ان لوگوں کو یہ پیش کش کی گئی تو سب خوشی سے تیار ہو گئے۔ کسی اور نے تو خیر اس وقت تک نہیں کہا تھا سب سے پہلے ڈاکٹر فیلکس نے کہا۔

''دیکھو مسٹر صوفی! میں چاہوں گا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔''

''ان لوگوں کا جو پروگرام ہے جناب من درویشوں کی دعاؤں سے وہ خراب ہو جائے گا۔''

''ہرگز نہیں۔'' ناظمہ نے کہا۔

''دیکھیے میرا یہ لباس آپ کے لیے تماشا بن جائے گا۔''

''پلیز صوفی صاحب! آپ لباس تبدیل نہیں کر سکتے؟''

''لباس تبدیل کر لوں گا لیکن میری باڈی تو تبدیل نہیں ہو گی؟''

''وہ چلے گی۔'' صوفی کو بھی نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے باقاعدہ سوٹ پہن لیا تھا۔ باقی جو کچھ تھا سو تھا ہی لیکن نہ جانے سوٹ کیوں اس پر جچ گیا تھا۔ لیرا نے کہا۔

''ونڈر فل۔ آپ نے بلاوجہ اپنے آپ کو تماشا بنا رکھا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس کی بھی کوئی خاص وجہ ہے سیکرٹری صاحب۔'' صوفی نے گھبرا کر معشوق نشیلے کی طرف دیکھا تھا اور معشوق نشیلے نے ایک آنکھ دبا لی تھی۔

طے یہ کیا گیا تھا کہ معشوق نشیلے اور حسینہ بیگم کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ دن بھر کے پروگرام میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ شام کو ڈنر کے معاملے میں ان لوگوں نے صوفی کی خوشامد کی تھی کہ ان لوگوں کو ساتھ نہ لیا جائے اور صوفی مان گیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

دن بھر کی تفریح کے بعد ان کو دوسری گاڑی میں بٹھایا جائے اور یہ کہہ کر حویلی بھیج دیا جائے کہ ہم لوگ بھی آ رہے ہیں اور اس کے بعد کہیں بھی چلا جائے۔ پھر سارا دن حسینہ بیگم کے لطیفے جاری رہے تھے۔ معشوق نشیلے بھی فارسی میں شاعری کرتے رہے تھے اور تو اور یہ باہر سے آنے والے لوگ بھی ان دونوں میں خوب دلچسپی لے رہے تھے۔ ڈاکٹر فیلکس نے ناظمہ سے درخواست کی تھی کہ جو کچھ یہ عورت کہہ رہی ہے اس کا ترجمہ اسے بتاتی رہیں لیکن بہت سی ایسی باتیں تھیں جن کا ترجمہ ناظمہ کو بھی نہیں آتا تھا۔

بہر حال شام تک کی یہ تفریح بہت اچھی رہی۔ اس کے بعد معشوق نشیلے اور حسینہ کے سامنے واپسی کا مسئلہ رکھا گیا۔

''دل نہیں بھرا سراج پور تو بہت اچھی جگہ ہے اس پر تو پورا دیوان لکھا جا سکتا ہے۔''

''گھر چل کر اس مسئلے پر آپ سے گفتگو ہو گی نشیلے صاحب!''

''بالکل بالکل۔ تو اب گھر چل رہے ہیں؟''

''نہیں جانا......؟''

''نہیں نہیں جانا تو ہے۔''

''چلیے بیٹھیے گاڑی میں۔'' حسینہ اُچک کر کار میں بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیور کو خاص طور سے ہدایت کر دی گئی کہ ان دونوں کو لے کر چل پڑے۔ معشوق نشیلے بیٹھے ہی تھے کہ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ حسینہ بیگم بولی۔

''اے موئے! اڑا کر تو نہیں لے جا رہا، باقی لوگ کہاں ہیں؟''

”ارے ڈرائیور صاحب! فارسہ سمجھتے ہیں آپ؟“

”نہیں جناب!“

”یہ جا کہاں رہے ہیں آپ؟“

”گھر جی۔“

”اور باقی افراد۔“

”دوسری گاڑی میں آ رہے ہیں۔“

”جلد بازی نہیں کر دی تم نے۔“

”نہیں جناب! آپ بالکل بے فکر رہیں وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہوں گے۔“ ڈرائیور نے جواب دیا تھا۔

♥......♥......♥

ہوٹل واقعی شاندار تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ سراج پور جیسی چھوٹی سی آبادی میں ہے۔ اصل میں وہی مسئلہ تھا سیاحوں کی یہاں زبردست آمد و رفت رہتی تھی۔ سراج پور کے خوب صورت پہاڑی علاقوں کو دیکھنے کے لیے باقی اور کچھ ہوا ہو نہ ہوا ہو یہاں لیکن ہوٹل بڑے اعلیٰ درجے کے تعمیر ہوئے تھے اور سیزن میں ان میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ ڈاکٹر فیلکس اور لیرا کو اسی خوب صورت ہوٹل میں لایا گیا تھا۔ ہاشم درانی کے تینوں بھتیجے اور چوتھی بھتیجی صوفی کے ساتھ تھے۔ صوفی اس وقت برا نہیں لگ رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد وہ لوگ کافی خوش نظر آنے لگے۔ دن بھر کی سیر و تفریح نے لیرا کو بھی خوش کیا تھا۔ ہوٹل بہت شان دار تھا۔ ریکر ہال میں رقص کا آغاز ہوا تو لیرا نے حیرت انگیز طور پر صوفی کو پیش کش کر دی۔

”آپ میرے ساتھ ڈانس کریں گے۔“ حسن، نصرت اور سمیر کا منہ بگڑ گیا تھا، لیکن صوفی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”بخدا...... صرف قوالیوں میں ڈانس کیا کرتے ہیں۔ ویسے ہم نے کبھی ڈانس نہیں کیا۔“

”پر قوالیوں کا کوئی کلب ہے؟“

”نہیں۔ اگر ہاشم درانی صاحب کا مسئلہ حل ہو گیا تو آپ کو قوالیاں بھی دکھا دیں گے۔“

”پلیز تھوڑی دیر۔“

”عرض کیا نا بغیر شیروانی اور پاجامے کے ہمیں رقص کرنے کا لطف بھی نہیں آتا۔“ یہ لوگ یہاں یہ باتیں کر رہے تھے اور وہاں ایک گوشے میں ایس پی جمشید مرزا، ایس پی شاہد علی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے باقاعدہ سادہ لباس والے یہاں لگا رکھے تھے اور خصوصی طور پر یہاں کے بارے میں رپورٹیں جمع کر رہے تھے۔ شاہد علی جمشید مرزا سے پوری طرح تعاون کر رہا تھا اور جمشید مرزا ہی کے آدمی یہ تعاقب کر رہے تھے۔ سارا دن وہ سیر و سیاحت میں کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں کے پیچھے رہے تھے اور اب اس وقت انہوں نے ایس پی شاہد علی کو اطلاع دی تھی کہ یہ لوگ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی جانب جا رہے ہیں چنانچہ جمشید مرزا ایس پی شاہد علی کے ساتھ تیار ہو کر یہاں آ گیا تھا۔

”وہ صوفی ہے اور یہ لوگ غیر ملکی مہمان اور وہ ہاشم درانی کے خاندان کے لوگ ہیں۔“

”صوفی...... صوفی...... نہ جانے کیوں اس شخص کا چہرہ مجھے جانا پہچانا لگ رہا ہے۔“ شاہد علی پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر گہری شکنیں پڑ گئی تھیں۔

♥......♥......♥

حسینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ان لوگوں کی گاڑیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ تھوڑی دور چل کر اس نے کہا۔

”اے نشیلے ذرا پیچھے تو دیکھو۔“

”نہیں دیکھتا۔“ معشوق نے کہا۔

”اے دیکھو تو سہی۔ کوئی نہیں آ رہا۔“

”تو میں کیا کروں؟“

”اے تم پر نحوست کیوں طاری ہے؟“

”میرا پورا نام کیا ہے۔“

”تمہارا......؟“

”ہاں۔“

”معشوق نشیلے یا کچھ اور بھی ہے؟“

”یہی ہے بالکل یہی ہے۔“

”تو پھر تم آدھا نام کیوں لے رہی ہو؟“

”آدھا نام۔“ حسینہ نے پیشانی پر بل ڈال کر سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔

”اے کیا کھوپڑی گھوم گئی ہے۔ کیا فضول بک بک کر رہے ہو۔ میں کہتی ہوں ان لوگوں نے ہمیں دھوکا دے دیا ہے۔“

”پہلے نام کا مسئلہ حل کرواگر آدھا نام ہی لینا ہے تو پہلا آدھا نام لو۔“

”پہلا آدھا...... یعنی...... یعنی...... معشوق۔“

”ہاں بالکل وہی۔“ معشوق نشیلے نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”گھوڑے جیسے منہ والے تو کیا سمجھتا ہے میں نام کا مطلب نہیں سمجھتی۔ تجھے معشوق کہوں گی جسے دیکھ کر ہی شرم آتی ہے۔“

”اور تمہیں اپنی یہ کالی چڑیل جیسی شکل دیکھ کر شرم نہیں آتی۔ بگڑی ہوئی بڑھیا۔“

”بس دیکھ میرے منہ مت لگ۔ نہیں جوتا اتار کر شروع ہو جاؤں گی۔“

”ابے چھوڑ چھوڑ چڑیل کی بچی۔ پتا نہیں کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو۔ وہ تو صوفی کی وجہ سے ذرا سی عزت کر لیتا ہوں۔ درخواست کی ہے انہوں نے مجھ سے ورنہ ایسا فارسہ سناتا کہ تیرے چودہ طبق روشن ہو جاتے۔“

"اے ڈرائیور بھیا ذرا گاڑی روکو اسے اتارنا ہے۔" ڈرائیور نے حسینہ کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں کوٹھی میں پہنچ گئے۔

"ہاں۔ اب بول کالی بھوتنی۔"

"اندر آ بتاؤں تجھے۔"

"شرم نہیں آتی مردوا۔ سے اندر آنے کے لیے کہہ رہی ہے۔"

"اے تیرا بیڑا غرق نجھاڑو پھرے تیرے منہ پر خاک پڑے آگ لگ جائے۔"

"آگ تو تیرے لگی ہوئی ہے حسینہ۔ آ جائیں صوفی صاحب کہوں گا ان سے اس بھنگن کو کیوں ساتھ لے آئے؟"

"بھنگن۔ بھنگن۔" دونوں اسی طرح لڑتے رہے تھے۔ ادھر صوفی ہوٹل میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا قرب وجوار پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ اس نے ابھی تک جمشید مرزا اور ایس پی شاہد علی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ بس ان لوگوں کے ساتھ ہی ان کی تقریب میں حصہ لے رہا تھا اور اسمشیر وغیرہ اس ماحول سے کافی متاثر نظر آ رہے تھے۔ لیرا اسمشیر سے زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی تھی جب کہ اسمشیر کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لیرا کی قربت چاہتا ہے۔ اسی وقت اچانک ہی صوفی اس ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا جو ان کے لیے کافی لا رہا تھا۔ اس ٹرے میں ایک گلاس اورنج اسکواش کا بھی تھا جو لیرا نے اپنے لیے منگوایا تھا۔ ویٹر ابھی دور ہی تھا کہ اس کے قریب سے گزرتا ہوا ایک آدمی اس سے ٹکرا گیا۔ ویٹر لڑکھڑایا ضرور لیکن سنبھل گیا۔ اس نے ٹرے بھی سنبھال لی۔ صوفی سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس ایک لمحے اس کے ہونٹوں سے ایک سرسراہٹ نکلی۔

"حق اللہ۔" وہ اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جو ویٹر سے ٹکرانے کے بعد اس سے معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا تھا لیکن جو کچھ اس نے کیا تھا وہ صوفی نے بہ خوبی دیکھ لیا تھا جیسے ہی ویٹر نے ٹرے میز پر رکھی صوفی اس طرف اس طرح مڑا کہ اس کا ہاتھ اورنج اسکواش کے گلاس پر لگا اور گلاس الٹ گیا۔

"در...... در...... درویش...... درویش۔" صوفی کے منہ سے نکلا اور وہ گلاس سیدھا کرنے لگا۔

"افوہ...... یہ...... یہ کیا بے وقوفی ہے۔" ڈاکٹر فیلکس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا لیکن اسمشیر صوفی کو عجیب سی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"میں ابھی دوسرا لاتا ہوں۔" صوفی نے بوکھلاہٹ کے عالم میں کہا اور گلاس اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ لیرا کچھ نہیں بولی تھی لیکن اس کے چہرے پر بھی ناگواری کے اثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ ویٹر نے گلاس صوفی کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"آپ تشریف رکھیے سر! میں لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ میز وغیرہ صاف کرنے لگا۔

"اب میں کچھ نہیں پیوں گی۔" لیرا نے کہا۔ ناظمہ اور لیرا کے لباس پر اورنج اسکواش کے دھبے پڑ گئے تھے اس لیے وہ بڑی ہی شدت سے بور نظر آ رہی تھیں۔ ایسی حالت میں وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا تقریباً ناممکن تھا لیکن یہی مشکل پیش آ رہی تھی کہ وہ اٹھیں کس طرح۔ اسکرٹ اور شلوار کے دھبے کافی بڑے تھے اور دور سے صاف نظر آ رہے تھے۔

"مجھے معاف کرنا دوست تم انتہائی بے تکے آدمی ہو۔ بالکل بے تکے۔ تم جیسے بدحواس آدمی...... توبہ...... توبہ لڑکیوں کو کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں جناب عالی درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"کوئی بات نہیں ہے...... کوئی بات نہیں ہے۔ آیئے۔ اٹھیے۔" ناظمہ نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی اور پہلے خود اٹھ گئی۔ اس کی شلوار کا دھبا تو لمبے فراک کے نیچے چھپ گیا تھا لیکن لیرا کی سفید اسکرٹ کا دھبا بڑا بدنما معلوم ہو رہا تھا۔ بہرحال بہ مشکل تمام وہ کار تک پہنچی۔ اس واقعے کی وجہ سے جو بے لطفی ہوئی اس کا احساس ہر ایک کو تھا لیکن کوئی کر ہی کیا سکتا تھا۔ گاڑی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔ رات کافی خوشگوار تھی اور لیرا نصرت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جب کہ دوسرے لوگوں کے منہ بگڑے ہوئے تھے۔ نصرت البتہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ڈرائیونگ وہی کر رہا تھا اور اس نے جان بوجھ کر گاڑی کی رفتار ہلکی رکھی ہوئی تھی۔ اچانک ایک سنسان سڑک پر انہیں تین باوردی پولیس والے نظر آئے جو ہاتھ اٹھائے گاڑی رکوانے کا اشارہ کر رہے تھے۔ نصرت نے رفتار کم کر دی اور گاڑی پولیس والوں کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ ان میں ایک سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل۔ سب انسپکٹر آگے بڑھ کر گاڑی کے نزدیک پہنچ کر بولا۔

"اندر کی بتی جلاؤ۔"

"کیوں خیریت؟" نصرت نے کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس گاڑی میں ایک بے ہوش لڑکی ہے۔" صوفی نے اپنے مخصوص انداز میں منہ چلایا اور بولا۔

"حق اللہ۔" لیکن اتفاق کی بات ہے کہ اس گاڑی میں کوئی بے ہوش لڑکی نہیں ہے۔"

"نیچے اترو سب لوگ۔ لڑکی کہاں گئی۔"

"پتا نہیں۔ دو لڑکیاں تو ہوش میں ہیں۔ تیسری لڑکی ہو سکتا ہے کہ سیٹ کے نیچے ہو۔ ویسے تمہیں یہ اطلاع کس گدھے نے دی ہے۔"

"کیا بے ہودگی ہے جانتے ہو تمہارا کیا حشر کیا جائے گا؟"

"روز حشر سے قبل ہمارا کوئی حشر ہونا ممکن نہیں ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔ بس اب جاؤ وہ کوئی دوسری گاڑی ہوگی۔" سب انسپکٹر گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا۔ نصرت نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ لیرا ناظمہ سے کہنے لگی۔

"پتا نہیں یہ آدمی کس طرح کا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا میری تو۔ کبھی تو یہ بہت چالاک دکھائی دیتا ہے اور کبھی انتہائی بے وقوف۔" بہرحال اس کے بعد سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا تھا۔ ابھی زیادہ رات نہیں گزری تھی کہ سب کے سب کسی نہ کسی تفریح میں مشغول ہو گئے۔ نصرت اور اسمشیر بلیئرڈ کھیلنے لگے اور باقی لوگ بھی اپنی اپنی مصروفیات میں لگ گئے۔ ناظمہ اور لیرا لباس تبدیل کرنے اپنے کمروں میں چلی گئی تھیں۔ نہ جانے صوفی کو کیا سوجھی کہ وہ لیرا کے کمرے کی جانب چل پڑا اور پھر اس نے لیرا کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے آواز آئی۔

''احقر کو صوفی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔'' قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ لیرا نے دروازہ کھولتے ہی پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کے کپڑے خراب ہو گئے۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔''

''وہ آپ کا اسکرٹ؟''

''ہاں وہ کرسی پر پڑا ہوا ہے۔ کیوں؟''

''براہ کرم مجھے وے دیجیے۔''

''کیا......؟''

''در...... در...... درویش رحم کریں۔ میرا مطلب ہے کہ میں اسکرٹ دھو دوں گا۔ ورنہ وہ دھبا مستقل ہو جائے گا۔''

''اوہو نہیں کیا بے وقوفی کی بات کر رہے ہیں۔ صوفی صاحب میں آپ سے اسکرٹ دھلواؤں گی۔''

''لائیے پلیز دے دیجیے ورنہ مجھے اور زیادہ افسوس ہوگا۔''

''کمال کے آدمی ہیں آپ۔ آپ بھی یہاں مہمان ہیں۔ میں بھی مہمان ہوں۔ کیا فضول باتیں کر رہے ہیں آپ؟''

''دے دیجیے پلیز۔ دے دیجیے۔'' صوفی بڑے جذباتی انداز میں آگے بڑھا اور اس نے اسکرٹ اٹھا لیا۔ اچانک ہی لیرا کی نگاہ اس کے دوسرے ہاتھ پر پڑی۔ اس ہاتھ میں دودھ کی بوتل تھی۔ لیرا نہ سمجھنے والے انداز میں صوفی کو دیکھنے لگی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے حیرت سے سوال کر ڈالا۔

''کچھ نہیں۔ میں ذرا...... میں ذرا ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ اتنے میں یہ آوازیں سن کر ناظمہ بھی اسی کمرے میں آ گئی تھی۔ اس کا کمرا غالباً لیرا کے کمرے کے برابر میں ہی تھا۔ اس نے حیرت سے صوفی کے ہاتھ میں لیرا کا اسکرٹ دبا ہوا دیکھا۔

''یہ...... یہ کیا ہے صوفی صاحب؟''

''پاجامہ ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔ یہ...... یہ یہ کہ میں...... مس لیرا...... لیرا۔''

''کوئی نیا تجربہ کر رہے ہیں آپ۔ دودھ کی بوتل آپ کے ہاتھ میں ہے اور لیرا کا اسکرٹ؟''

''آپ کی...... شش...... شش...... شلوار بھی درکار ہے۔''

''کیا بدتمیزی ہے؟'' ناظمہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''خ...... خ...... خدا کی قسم بدتمیزی نہیں۔ تجربہ...... تجربہ۔ براہ کرم آئیے آپ میرے تجربے میں شریک ہو جائیے درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے کہا اور ناظمہ کو وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ناظمہ

اور لیرا اس کے پیچھے پیچھے باہر آئی تھیں لیکن ناظمہ نے جب اسے اپنے کمرے میں گھستے دیکھا تو دوڑیں۔

''کیا بدتمیزی ہے صوفی صاحب! میں کہتی ہوں رکیے...... رکیے پلیز۔'' لیکن صوفی اندر گھس گیا تھا۔ ناظمہ کی شلوار بھی صوفے کے ہتھے پر پڑی ہوئی تھی۔ صوفی نے جھپٹ کر اٹھا لیا۔ ناظمہ اس کی طرف لپکی۔

''لائیے...... میں کہتی ہوں لائیے۔''

''مم...... مم...... معافی چاہتا ہوں۔ بعد میں میرے ساتھ آپ جو سلوک کرنا چاہیں کریں لیکن ابھی...... ابھی۔''

''میں کہتی ہوں آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟''

''اگر مجھے کرنے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔'' صوفی نے کہا اور ایک کونے میں دودھ رکھ کر دھبوں کو ملنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دھبے صاف ہو گئے۔ تھوڑے فاصلے پر ناظمہ کی بڑے بالوں والی ایرانی بلی صوفی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ صوفی نے پیالہ اس کی جانب بڑھایا تو وہ جلدی سے آگے بڑھ آئی۔ صوفی نے پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ وہ دودھ پر جھپٹ پڑی۔

''آخر یہ کون سا تجربہ ہے آپ کا۔ دودھ سے دھبے دھو کر بلی کو پلا رہے ہیں۔ اچانک ہی ناظمہ کا جملہ ادھورہ رہ گیا۔ بلی نے ابھی دودھ پورا پیا بھی نہیں تھا کہ دفعتاً ہی اس نے اپنے دونوں پاؤں آگے رکھے اور پھر اس طرح اچھلنے لگی جیسے شدید تکلیف میں مبتلا ہو۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں تشنج سے اکڑ گئے اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ارے یہ کیا ہوا...... یہ کیا ہو گیا؟'' ناظمہ بلی کی طرف جھپٹی۔ صوفی نے بلی کے پاؤں پکڑ کر اسے الٹا لٹکا لیا تھا۔

''کیا ہوا اسے؟''

''نہیں میرا خیال ہے صرف بے ہوش ہوئی ہے درویشوں کا کرم ہوا تو صبح تک ہوش میں نہیں آئے گی۔''

''میں کہتی ہوں آپ یہ سب کیا کر رہے ہیں؟ یہ سب کیا ہے؟''

''محترمہ! اب یہ آپ خود سوچیے کچھ بھی ہے۔ میں خواتین کو ناقص العقل تو سمجھتا ہوں چونکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے لیکن اتنا نہیں کہ کسی کی بات نہ سمجھ سکیں۔ وہ نقلی پولیس والے ایک بے ہوش لڑکی کو ضرور ہماری گاڑی میں پاتے مگر میں اس بے ہوش لڑکی کو اس طرح نہیں لٹکا سکتا تھا۔ ناظمہ نے ایک لمحہ غور کیا پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ارے...... ب...... باپ...... جب باپ رہے تو یہ دھبے۔''

''جی ہاں۔ یہ امرت دھارا کے دھبے تھے مگر میں اسے امرت دھارا کہتا ہوں درویشوں کے کرم سے۔''

''مم...... مم مطلب یہ ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ آپ کو برائے تاوان...... لیکن میں نے ان کی نہیں چلنے دی۔''

''اوہ...... میرے خدا تو آپ نے جان بوجھ کر ...س پر ہاتھ مارا تھا۔''

''تت.....تو کیا کرتا۔ آپ کو بے ہوش ہوجانے دیتا۔ بڑی صفائی سے اپنی آنکھوں کے سامنے اغوا ہوجانے دیتا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''مم.....مم.....مگر صوفی صاحب آپ کو.....آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا؟''

''بس درویشوں کا رحم ہے کوئی وظیفہ پڑھ کر بیٹھ جاؤ درویش خود بہ خود راستے منتخب کرتے رہتے ہیں۔ آپ چاہیں گی تو میں آپ کو بھی ایک وظیفہ بتادوں گا۔ آپ کے تمام اعمال درست ہوجائیں گے۔''

''میرے خدا بہ ظاہر تو کوئی شبہے والی بات نہیں تھی اس ویٹر کی طرف سے لیکن.....''

''کیا.....؟''

''کسی سے اس کا تذکرہ نہ کیجیے گا درویشوں کے کرم سے۔''

''مائی گاڈ.....مائی گاڈ۔''

''اب چلو گے اندر یا یہیں مرتے رہو گے۔ عورتوں کی شلواریں دھونے کا تمہیں بڑا شوق ہے۔ میں کہتی ہوں کرنل صاحب سے شکایت کرنی پڑے گی تمہارے بارے میں۔ جو کچھ نظر آتے ہو وہ ہو نہیں۔ رنگے سیار ہو، رنگے سیار۔'' حسینہ کی آواز دروازے میں سنائی دی اور صوفی جل تو جلال تو پڑھنے لگا۔

''چلتے ہو کمرے میں یا میں آؤں اندر۔'' حسینہ نے کہا اور صوفی کان دبائے ہوئے باہر نکل گیا۔ لیرا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے ناظمہ سے کہا۔

''یہاں تو بہت کچھ ہو رہا ہے ناظمہ! کیا یہ جگہ ہم لوگوں کے لیے خطرناک نہیں ہوگئی؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں؟'' ناظمہ نے پریشان لہجے میں کہا۔ دفعتاً لیرا ہنس پڑی پھر بولی۔

''یہ بگڑا ہوا آدمی ہے کیسا؟''

''بگڑا ہوا آدمی؟''

''ہاں وہی جسے تم صوفا.....صوفا بولتی ہو۔''

''صوفا نہیں صوفی۔''

''ہاں وہی، وہی۔ یہ عورت اس کی بیوی تھی۔''

''نہیں۔'' ناظمہ نے کہا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

''پھر کون تھی؟''

''نوکرانی۔ ملازمہ۔''

''اوہ مائی گاڈ۔ وہ تو اتنی خوب صورت بھی نہیں ہے کہ اس کی بات اس طرح مان لی جائے۔''

''صوفی صاحب کی کوئی بات اگر کبھی تمہاری سمجھ میں آجائے تو مجھے بھی سمجھا دینا۔'' ناظمہ نے کہا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا اور ایس پی شاہد علی سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آرہے تھے۔ شاہد علی نے کہا۔

''میری سمجھ تو بس ایک ہی بات آئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم اسے اٹھا کر لے آئیں۔ تشدد کریں اور اس سے حقیقت معلوم کریں۔''

''یار! اتنا کچھ بتا چکا ہوں اس کے بارے میں۔ اس کے باوجود تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ جان مصیبت میں آجائے گی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم لوگ اسے ہلاک بھی کرنا چاہیں تو نہیں کر پائیں گے عذاب الٰہی ہے وہ۔ عذاب الٰہی۔ اس قدر چالاک، اتنا پھرتیلا اور اتنا ذہین کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''تعجب کی بات ہے.....تعجب کی بات ہے۔ اس قدر تعریفیں کر رہے ہو تم اس کی جمشید مرزا۔ ابھی تک تو میں نے اس میں کوئی خاص بات نہیں دیکھی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی چکر چلا رہا ہے یہاں پر، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہاشم درانی کی گمشدگی میں بھی اس کا ہاتھ ہے۔ ویسے میرے آدمی بھی کام کر رہے تھے۔ میں نے ہاشم درانی کے نوکروں کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کی تھی اور آخر کار ایک نے اُگل دیا۔ مجھے آج ہی رپورٹ ملی ہے۔''

''کیا.....؟'' جمشید مرزا نے چونک کر سوال کیا۔

''ہاشم درانی کہیں باہر نہیں گیا بلکہ اچانک ہی غائب ہوگیا ہے۔''

''اوہو۔ یہ بات تمہیں ہاشم درانی کی کوٹھی سے معلوم ہوئی؟''

''ہاں۔ میں نے کہا نا اس کے ایک ملازم سے۔ وہ اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے تنہا اسٹیشن گیا تھا پھر واپس نہیں آیا مگر بہ ظاہر اس کے گھر والوں کو کوئی تشویش نہیں محسوس ہوئی۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کے مہمان بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں مگر انہیں کوئی تشویش نہیں ہوئی۔''

''واقعی یہ تو حیرت کی بات ہے؟''

''کیا خیال ہے پھر تمہارا؟''

''ابھی تک میں کسی نتیجے پر ہی نہیں پہنچ سکا۔''

''ویسے میرا یہ اندازہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہاشم درانی بھی شیرٹن کی دھمکیوں سے نہ بچا ہو لیکن وہ غائب ہوگیا۔ اس نے پولیس کو اطلاع نہیں دی جب کہ دوسروں نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔ کیا خیال ہے اس لائن پر کیوں نہ سوچیں؟''

''میں سوچ چکا ہوں۔''

''کوئی خاص نتیجہ؟''

''نہیں۔''

''میرا خیال ہے اس سے تھوڑی بہت بات بنتی ہے اور سمجھ میں آتی ہے۔''

''دیکھو! دو ایسے آدمیوں کے نام دھمکیوں کے خطوط لکھو جن میں سے ایک تم سے واقف ہو اور دوسرا ناواقف۔ فرض کرو، تم اپنی موجودہ حیثیت میں دونوں کو لکھو کہ وہ خطرے میں ہیں اور کسی بھی لمحے گرفتار کیے جاسکتے ہیں۔ وہ شخص جو تمہیں نہیں جانتا اسے مذاق سمجھے گا اور یہ سوچے گا کہ کسی نے اسے بے وقوف بنایا ہے، لیکن اس شخص پر کیا اثر ہوگا جو تم سے اور تمہارے عہدے سے بہ خوبی واقف ہے۔''

''بات سمجھ آ رہی ہے۔''

''ٹھیک اسی طرح شیرٹن کے معاملے کو لے لو۔ ہمارے لیے بھی یہ نام نیا ہے اور جن لوگوں کو یہ خط موصول ہوئے ہیں ان کے لیے بھی۔ ہاشم درانی ہمارے پاس شکایت لے کر نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ شیرٹن سے واقف ہے۔ اس طرح غائب ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ شیرٹن واقعی خطرناک ہے۔ اتنا خطرناک کہ پولیس بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''

''ایک بات اور بھی ہے۔ کہیں ہاشم درانی ہی شیرٹن نہ ہو؟''

''فضول بکواس نہیں۔ یہاں سراج پور میں طویل عرصے سے تعینات ہوں، اگر ہاشم درانی اچانک شیرٹن بن گیا ہے تو اس کے احمق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔'' شاہد علی بولا۔

''وہ کیوں.....؟''

''بھئی اگر وہ شیرٹن ہی ہے تو بھی اسے ہمارے پاس ضرور آنا چاہیے تھا تاکہ کوئی اس پر شبہ نہ کر سکتا۔ نہیں ڈیئر جمشید مرزا وہ شیرٹن نہیں ہے ورنہ اس طرح غائب نہ ہوتا۔''

''ہوں۔ پھر اب کیا کیا جائے؟''

''دیکھو! میرا خیال یہ ہے کہ صوفی کے چکر میں پڑنے کے بجائے ہم کیوں نہ ہاشم درانی ہی کو تلاش کریں۔ ویسے یہ صوفی واقعی پراسرار شخصیت کا مالک ہے۔''

''اب کیا کیا جا سکتا ہے جو کچھ بھی ہے لیکن یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالنا ایک مشکل کام ہوگا۔''

کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ دونوں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

♥.....♥.....♥

سراج پور کا موسم ایک دم بھاری ہو گیا تھا۔ تاحد نظر بکھری ہوئی پہاڑیوں میں دھند پھیل گئی تھی۔ سرد، سرد ہواؤں نے اس مہینے کو انتہائی حسین بنا دیا تھا۔ کئی دن سے یہی کیفیت چل رہی تھی اور درحقیقت موسم پُر بہار ہو گیا تھا۔ نصرت، سمیر اور حسن نے لیرا کو کھلونا بنا لیا تھا۔ تینوں قسمت آزمائی کر رہے تھے اور لیرا ان تینوں سے کھیل رہی تھی۔ یورپ کی پروردہ تھی۔ عورت کی اہمیت سے واقف تھی۔ چنانچہ وہ اپنے طور پر تینوں ہی کو رجھائے ہوئے تھی۔ ادھر صوفی بھی موسم کی اس بہار سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ حسینہ اس پر اس طرح حکم چلا رہی تھی جیسے کرنل رحیم شاہ نے اسے صوفی کی خدمت کے لیے نہیں بلکہ صوفی کو اس کی خدمت کے لیے متعین کیا ہو۔

''میں پوچھتی ہوں اس دن کہاں مر گئے تھے تم۔ جب ہم بازار گئے ہوئے تھے گھومنے پھرنے۔''

''زندہ تھا محترمہ بزرگوں کی دعاؤں سے۔''

''یہی تو افسوس ہے کہ تمہارے لیے بھی بزرگ جینے کی دعائیں کرتے ہیں۔''

''آپ کے خیال میں مجھے مر جانا چاہیے؟''

''بالکل مر جانا چاہیے۔''

''آپ کے اوپر؟''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ جو کہتے ہیں نا کہ مرتے ہیں ہم تم پر درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''جھاڑو پھرے تمہارے منہ پر۔ تمہیں تو کوئی چیل کوا بھی قبول نہ کرے۔ مر گئے تو گدھ تک لاش کھانے سے گریز کریں گے۔ سوچیں گے کہ اپنے کسی رشتے دار کی لاش بھی بھلا کھائی جاتی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں پھر انہیں آپ کی لاش پیش کر دوں گا۔ گدھ تو کیچڑ میں بھی اتر جاتے ہیں۔''

''مطلب میں سمجھی نہیں۔''

''میں سمجھاتا ہوں آپ کو فارسہ میں۔'' معشوق نشیلے دروازے پر کھڑے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

''لو دوسرا جھڑوس آ گیا۔ نہ بابا نہ، اب کے جیسے ہی کرنل رحیم شاہ مجھے ملے میں کہہ دوں گی کہ بھیا نکالو مجھے ان دو وحشیوں کے جال سے۔''

''بی بی بات اصل میں یہ ہے کہ ہم ٹھہرے خدا ترس اور کہا یہ جاتا ہے کہ دل توڑنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ آپ کی اس کالی منحوس صورت کی پذیرائی زندگی میں کسی نے نہ کی ہوگی۔ وہ جو ایک شعر کہا ہے نا، فارسہ میں..... در معشوق دوش آنم در معشوق موچھ آنم نشانم تم نہ شانم ہم نہ شانم وہ نہ می شانم۔''

''اسے باہر نکال دو صوفی ورنہ یقین کرو لکڑی کے کھڑاؤں سے منہ پیٹوں گی۔''

''آپ شوق فرمایئے۔ ہم خود ہی باہر چلے جاتے ہیں۔'' صوفی نے کہا اور باہر نکل آیا۔ ناظمہ سامنے ہی نظر آ رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''صوفی صاحب! براہ کرم اوپر آیئے۔''

''جی۔ جی۔ جی۔'' ناظمہ اسے عمارت کے سب سے اوپری حصے میں لے گئی تھی۔

''یہاں سے دھکا دیجیے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''نہیں۔ صوفی صاحب! بات پریشانی کی حد میں داخل ہو گئی ہے۔ یہ شخص فیلکس بار بار مجھ سے ہاشم درانی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ میں تو عجیب سی الجھن کا شکار ہو گئی ہوں۔ آپ بھی میری کچھ مدد نہیں کر رہے۔ دو تین بار انکل سے بھی ملنے کی کوشش کر چکی ہوں لیکن ان سے رابطہ ہی قائم نہیں ہوتا۔''

''انکل.....؟'' صوفی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ انکل شاہ میر کی بات کر رہی ہوں۔ ان سے بھی میرا رابطہ نہیں ہو سکا۔ آپ یقین کیجیے صوفی صاحب! سخت پریشان ہوں اب تو۔''

''واقعی بات پریشانی کی ہے۔'' صوفی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پہاڑوں پر اترتی ہوئی دھند بہت ہی خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔ آنے والا اسمشیر تھا۔ اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔

''وہ ادھر ان پہاڑیوں میں..... ان پہاڑیوں میں وہ جو اوپر سے کالی نظر آتی ہیں اور جن پر ایک اکیلا درخت کھڑا ہوا ہے۔''

''کیا ہوا ان پہاڑیوں میں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میں نے...... میں نے ہاشم درانی کو دیکھا ہے۔''

''کیا......؟'' ناظمہ اچھل پڑی۔

''یہ دیکھیے دوربین۔ میں دوربین سے ان پہاڑیوں کا نظارہ کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ مسٹر ہاشم درانی آہستہ قدموں سے ایک پہاڑی سے دوسری طرف جا رہے ہیں۔ آپ یقین کیجیے۔ میں نے انہیں فوراً پہچان لیا حالانکہ میں پہلے ان سے نہیں ملا لیکن یہاں میں نے ان کی تصویریں دیکھی تھیں اور پھر مسٹر فیلکس کے پاس بھی ان کی تصویر موجود ہے۔''

''اوہ! میرے خدا یہ نصرت اور سمیرو غیرہ۔'' ناظمہ نیچے کی طرف بھاگی تو صوفی نے دوڑ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''میں بھی چل رہا ہوں۔'' اسمشیر نے کہا اور اس کے بعد تینوں نیچے اتر آئے۔ صوفی کے چہرے پر حماقتیں ہی حماقتیں برس رہی تھیں۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ گھر میں نہ تو نصرت موجود تھا، نہ سمیرا اور حسن تینوں باہر نکل آئے۔ صوفی تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ ناظمہ اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی اور اسمشیر ان سب سے آگے تھا اور ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

''کتنی دور اور جانا ہے بھائی درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے چیخ کر سوال کیا۔

''چلیے آئیے کیا تھک گئے؟'' ابھی فاصلہ ہی کتنا طے ہوا ہے۔'' اسمشیر نے تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے کہا۔ ناظمہ ان کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اسمشیر ان چٹانوں کے درمیان اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے اس نے صحیح راستے کا انتخاب پہلے ہی سے کر لیا ہو۔ صوفی بھی اس سے پیچھے نہیں تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ وہ جان بوجھ کر پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے اس کی ٹانگیں اسمشیر کی رفتار کا ساتھ نہ دے پا رہی ہوں۔ ناظمہ کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا۔ چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور بلندیوں پر کہر چھائی ہوئی تھی۔ ہر طرف اس کہر سے اندھیرا اندھیرا سا پھیلا ہوا تھا۔ انتہائی بھیگا بھیگا اور خوشگوار موسم، کافی فاصلہ طے ہو گیا اور پھر اس طرح کی چٹانیں درمیان میں حائل ہو گئیں کہ کوٹھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ فاصلہ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ تب صوفی رک گیا۔

''در...... در...... درویش رحم کریں۔ آپ تو ایسا لگتا ہے جیسے مسٹر اسمشیر ان پہاڑیوں کے دوسری طرف جا رہے ہو۔'' صوفی کی تیز نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ دفعتاً ہی اس نے بائیں سمت والی چٹان کے عقب سے تین سر ابھرتے دیکھے۔ اسمشیر کی نگاہیں اب بھی دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ پھر کچھ اور افراد چٹانوں کی اوٹ سے نکلے اور صوفی نے محسوس کیا کہ اب وہ اور اسمشیر ان کے نرغے میں ہیں۔ چٹانوں سے نمودار ہونے والوں نے اپنے چہرے کالی نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ دو ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ دفعتاً اسمشیر کے منہ سے نکلا۔

''یہ...... یہ کیا ہوا؟ یہ کون ہیں؟''

''فقیران ملت معلوم ہوتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔ اماں بھائی ان چٹانوں میں کیوں بھیک مانگ رہے ہو تم؟''

''کیا چاہتے ہو تم لوگ اور یہ ریوالور تمہارے ہاتھ میں۔'' اسمشیر کی آواز ابھری۔ وہ سب کے سب آہستہ آہستہ قریب آتے جا رہے تھے۔ اچھے تن و توش کے مالک تھے اور بہت مستعد نظر آ رہے تھے۔

''مم...... میں کہتا ہوں کہ آخر تم...... آخر تم۔'' اسمشیر بھی بولا اور دفعتاً ہی اس کے قریب والے نے سر کی ایک بھرپور ٹکر اس کی پیشانی پر ماری۔ اسمشیر کے حلق سے ایک شدید کراہ نکلی اور وہ تیورا کر اس طرح گرا کہ پھر اس سے نہ اٹھا گیا۔ شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

''پکڑ لو اسے۔'' ان لوگوں نے صوفی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''نن...... نن...... نا پیارے بھائی ایسے نہ پکڑو جیسے آج کے اخبار میں ایک لومڑی کی تصویر چھپی ہے جسے عقاب پکڑ رہا ہے اخبار پڑھتے ہو روزانہ۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''سس...... سس...... سچ کہہ رہا ہوں۔ یقین نہ آئے تو دیکھ لو۔ لومڑی بڑے پیارے انداز میں بیٹھی ہوئی ہے اور عقاب اس پر جھپٹ رہا ہے بلکہ اس نے لومڑی کی کھوپڑی پر چونچ شفقت رکھی ہوئی ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''پکڑو اسے۔'' ایک اور شخص نے پھر اپنے ساتھیوں کو للکارا۔

''ایک منٹ ایک منٹ تم میں سے کوئی پان کھاتا ہے۔'' صوفی نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

''خبردار ورنہ گولی سینے کے پار ہو جائے گی۔'' جواب میں صوفی نے بٹوہ اور پانوں کی ڈبیا نکال لی تھی۔ ''چھینو اس سے شاید اس میں بم ہے۔''

''حق اللہ...... حق اللہ!...... پیارے بھائی اس میں صرف پان ہے اور اس میں چھالی اور تمباکو۔ مناسب سمجھیں تو ایک پان نکال لینے دیں۔'' تین آدمی صوفی پر ٹوٹ پڑے اور صوفی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ تینوں اپنے ہی زور میں ایک دوسرے ٹکرا گئے تھے پھر ان میں سے ایک نے اچھل کر صوفی پر دوبارہ چھلانگ لگائی۔

''ارے...... ارے صرف ایک پان صرف ایک پان...... صرف ایک پان کا سوال ہے۔'' صوفی نے کہا اور جلدی سے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ شخص صوفی سے الجھ کر اس بری طرح دوسری جانب جا کر گرا کہ اس کے حلق سے زوردار چیخ نکل گئی۔ صوفی نے پانوں کی ڈبیا سے پان نکالا اور پھر کھلی ہوئی ڈبیا باقی لوگوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''گلوریاں ہیں پیارے بھائی، صرف گلوریاں ہیں۔'' درویشوں کی دعاؤں سے۔ اتنی سی ڈبیا میں بھلا بم کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ایک چھوٹی سی چیخ بم ہی کا درجہ رکھتی ہے۔ صوفی نے ڈبیا سے پان نکال کر منہ میں رکھا۔ تمباکو کا بٹوہ کھولا۔ اس میں سے چھالی تمباکو کو نکال کر ہتھیلی پر رکھے اور ان کی بھی پھنکی لگا دی۔ پھر قوام کی شیشی نکالنے لگا۔

''الو کے پٹھو، تم لوگ ایک اس آدمی کو نہیں پکڑ پا رہے اور ادھر سے ادھر گھوم رہے ہو۔ اچانک ہی

صوفی نے پانوں کی ڈبیا پوری فرسی کی طرح اچھالی اور تانبے کی بنی ہوئی نقشین ڈبیا پوری قوت سے اس شخص کی پیشانی سے ٹکرائی۔ وہ چیخ مار کر الٹ گیا اور پھر ریوالور والے ایک دوسرے ساتھی نے بے اختیار صوفی پر فائر جھونک مارا۔ صوفی کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر ایک نشیب میں لڑھکنے لگا۔

''اوہ..... اوہ..... اوہ یہ کیا کیا تو نے۔'' وہ آدمی چیخا جس کی پیشانی پر پانوں کی ڈبیا لگی تھی۔ وہ اپنا ایک ہاتھ ماتھے پر رکھے ہوئے تھا پھر دوسرے ہاتھ سے اس نے فائر کرنے والے کو دھکیلا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ چٹان کے سرے پر آ کر اس نے نیچے کی طرف دیکھا۔ اسے صوفی کی ٹانگیں دکھائی دیں بقیہ جسم بڑے سے پتھر کی اوٹ میں تھا۔ وہ تیزی سے نیچے اترنے لگا پھر جیسے ہی وہ پتھر پر ہاتھ ٹکا کر صوفی کی لاش پر جھکا۔ لاش نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن پکڑ لی۔ حملہ آور نے بڑا زور مارا تھا مگر اس کی گردن صوفی کی گرفت سے نہ نکل سکی۔ اب صوفی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ادھر دوسرے حملہ آور بھی چٹان کے سرے پر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔

''خبردار! چھوڑ دو اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔'' ادھر صوفی نے اپنے شکار پر اتنا دباؤ ڈالا ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں بھی بند ہونے لگی تھیں چنانچہ صوفی نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اسے اپنی ڈھال ہی بنا لے۔''

''مارو گولی پیارے بھائی، لیکن پیش گوئی کیے دیتا ہوں کہ گولی اس کا سینہ چیرتی ہوئی میرے سینے سے پار ہوگی۔ اب ایسا کرو اپنے دونوں ریوالور ادھر میرے پاس پھینک دو ورنہ میں اسے جنت الفردوس کی جانب روانہ کر دوں گا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''صوفی کی گرفت سے جکڑے ہوئے نقاب پوش کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو گئے تھے۔ اوپر سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صوفی نے پھر ہانک لگائی۔

''حق اللہ! تم لوگ فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دو، ہر ذی روح کو اس دنیا سے جانا ہوتا ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''ٹھہرو..... ٹھہرو۔'' اوپر سے آواز آئی۔

''ابے کتنی دیر ٹھہروں، ٹھہر ٹھہر اکر تم نے میری جان نکال دی ہے۔''

''گولی مار دو اسے۔ پروا مت کرو۔'' دوسرے نے کہا لیکن اچانک ہی ایک فائر ہوا اور وہ سب بوکھلا گئے۔ کیونکہ یہ فائر سامنے والی چٹانوں سے ہوا تھا اور اس کے بعد مزید دو تین فائر ہوئے۔ انہوں نے دوڑ کر ایک پتھر کی آڑ لی اور سامنے والی چٹانوں پر فائر کرنے لگے۔ صوفی نے ایک نگاہ اپنے شکار دیکھا۔ اس وقت صوفی بالکل مستعد نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈھیلا ڈھالا پن جو اس کی فطرت کا ایک حصہ تھا بالکل دور ہو گیا تھا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنے شکار کا جائزہ لیا اور اسے وہیں چھوڑ کر خود ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا جو دوسری طرف سے چلنے والی گولیوں کی زد سے باہر تھا۔ ایک لمحے تک تو یہ اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ فائر کرنے والے کون ہو سکتے ہیں۔ کیا اسے بچانے کی کوشش ہے۔ دفعتاً ہی اسے اسمشیر یاد آیا جو اوپر ہی رہ گیا تھا لیکن ظاہر ہے اس وقت اسے بھی دیکھنے کا موقع نہیں تھا۔ دونوں طرف گولیاں چلتی رہیں اور صوفی بدستور پتھر کی اوٹ میں چھپا رہا۔ اس کا منہ جگالی کی طرح چل رہا تھا اور پان کی پیک اس کے منہ میں بھرتی جا رہی تھی۔ ویسے

اسے اندازہ تھا کہ ذرا بھی سر ابھارتا تو کسی طرف کی گولی اس کے سر کے پرخچے ضرور اڑا دیتی۔ کچھ دیر کے بعد فائرنگ بند ہو گئی۔ صوفی تین چار منٹ دیکھتا رہا پھر سامنے کی طرف سے ایک اور فائر ہوا لیکن اس کے بعد خاموشی ہی طاری رہی۔ شاید کوئی فائر کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے جواب دیا جاتا ہے یا نہیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ صوفی رینگتا ہوا پتھر کی اوٹ سے نکلا پھر اس طرف بڑھا جہاں اس نے اس آدمی کو چھوڑا تھا لیکن اب وہ وہاں نہیں تھا۔ دفعتاً ہی صوفی کو اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ کسی سانپ کی طرح پلٹا لیکن جو شخص سامنے نظر آیا اسے دیکھ کر صوفی کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ نظر آئی لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''غم..... غم..... کم کم عم قم۔''

''سلام عرض کرتا ہوں جناب صوفی صاحب!''

''مغم، مم، مم۔''

''جی نہیں مذہب کا حکم ہے کہ سلام کا جواب ضرور دیا جائے۔ خدا کے فضل سے آپ بھی مسلمان ہیں اور میں بھی مسلمان۔'' صوفی نے پان کا ملغوبہ ایک چٹان پر اُگل دیا اور پھر بڑے صاف ستھرے لہجے میں بولا۔

''وعلیکم السلام! کہیے مرزا جی کہاں سیاحت ہو رہی ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''یہ سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں صوفی صاحب۔''

''تو کر ڈالیے۔ ہم جواب دینے کی کوشش کریں گے۔''

''آپ یہاں کیا تلاش کر رہے ہیں؟''

''سکون حیات تو۔ آپ ان چٹانوں کی خاموشی دیکھ رہے ہیں۔''

''جی ہاں۔ یہ ابھی چند لمحے قبل خاموش ہوئی ہیں۔''

''جی نہیں۔ یہ تو صدیوں سے خاموش ہیں درویشوں کی دعاؤں سے اور نہ جانے کب تک خاموش رہیں گی البتہ آپ کیا کر رہے ہیں یہاں یہ نہیں معلوم؟''

''آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔''

''درویشوں کی دعائیں ہیں درویشوں کا کرم ہے ہم چوٹ پروف ہیں۔''

''اب غرور کے الفاظ نہ کہیے صوفی صاحب! کسی بھی وقت کسی بھی جگہ ڈھیر ہو سکتے ہیں۔''

''ان ہڈیوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ ہڈیوں کا ایک ڈھیر ہے جو چل پھر رہا ہے۔'' صوفی نے کہا اور پھر اچانک اسے اسمشیر یاد آیا اور وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جمشید مرزا اس طرح اس کے پیچھے لپکا جیسے اسے صوفی کے بھاگ جانے کا خدشہ ہو لیکن صوفی اس جگہ پہنچ گیا جہاں اسمشیر اب بھی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی ریوالور کے بہت سے خالی کارتوس بھی پڑے ہوئے تھے۔ صوفی نے اسے غور سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''اتنی دیر کی یہ خاموشی کہیں آپ اللہ کو پیارے تو نہیں ہو گئے۔'' اس نے بیٹھ کر اسمشیر کی نبض اور سینے کا جائزہ لیا۔ جمشید مرزا پھر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

''گولیاں کون چلا رہا تھا؟''

''بچے شرارت کر رہے ہوں گے اور شرارت میں یہ پٹاخوں کے خول بھی یہاں پڑے ہوئے ہیں۔''

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ گولیاں میں نے چلائی ہیں یا اس بے ہوش شخص نے۔''

''صوفی صاحب! آپ نے واقعی قانون کو مذاق بنا ڈالا ہے دیکھیے۔''

''واہ اچھا مذاق ہے۔ میں آپ سے یہ سوال کر رہا ہوں جناب مرزا صاحب کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ کیا خرگوشوں کی تلاش میں نکلے ہیں؟''

''جی نہیں۔ آپ سے ملنے کوٹھی گیا تھا لیکن آپ کے بارے میں پتا چلا کہ آپ ادھر آئے ہیں۔ یہاں آیا تو گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ مجبوراً مجھے بھی گولیاں چلانی پڑیں۔''

''اوہو۔ شکریہ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کیا.....؟'' جمشید مرزا نے کہا۔

''کوٹھی یہاں سے بہت فاصلے پر نہیں ہے۔ کیا وہاں فائروں کی آوازیں نہیں پہنچی ہوں گی؟''

''ضرور پہنچی ہوں گی۔ کوئی ادھر آیا نہیں۔ حیرت کی بات ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' ابھی جمشید مرزا کے منہ سے الفاظ ادا ہی ہوئے تھے کہ اسمشیر نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا پھر ایک دم وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''وہ.....وہ.....وہ لوگ؟''

''بس شرارتیں کر کے چلے گئے۔''

''پپ.....پپ پتا نہیں کون تھے؟''

''پتا نہیں، بتا کر نہیں گئے۔'' صوفی نے کہا اور کوٹھی کی طرف واپس مڑا تو اسمشیر نے کہا۔

''براہ کرم مجھے سہارا دیجیے۔ میں شدید قسم کی اعصابی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ صوفی خاموش ہو گیا تھا۔ اسمشیر اس کے ساتھ لنگڑاتا ہوا چلنے لگا۔ جمشید مرزا نے کہا۔

''انہیں کیا ہو گیا تھا۔'' صوفی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کوٹھی کے قریب پہنچ کر دفعتاً ہی صوفی اپنی جگہ رکا اور پھر اچانک ہی جمشید مرزا کی طرف مڑ کر بولا۔

''مرزا جی سنبھالیے۔ کیا آپ کچھ محسوس کر رہے ہیں؟''

''ہاں ایک عجیب سی بو ہے۔''

''ایک منٹ، ایک منٹ۔'' صوفی نے کہا اور اس کے بعد اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور کوٹھی کی طرف دوڑتا ہوا چلا گیا لیکن اس نے سامنے کی طرف رخ نہیں کیا تھا بلکہ وہ کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف پہنچا تھا اور پھر وہاں سے دروازے میں داخل ہوا تھا۔ جمشید مرزا اور اسمشیر نے بھی اس کا تعاقب کیا تھا۔ جمشید مرزا کی آواز ابھری۔

''کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔ اندر کچھ گڑبڑ ہے۔ میرا خیال ہے کسی قسم کی خواب آور گیس ہے

درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''گیس بھی درویشوں کی دعاؤں سے پھیلتی ہے؟''

''اماں آخر تم لوگ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ کیوں اڑاتے ہو۔'' دفعتاً ہی انہوں نے ایک چیخ سنی اور ساتھ ہی ڈاکٹر فیلکس عمارت کے عقبی حصے سے نکل کر باہر آ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑا تھا اور کرب کے عالم میں اپنے ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور ناک سے پانی بہہ رہا تھا۔ جمشید مرزا نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن صوفی نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''نہیں۔ مرزا جی اس وقت نہیں۔ ہمیں اندر والوں کی خبر لینی چاہیے ورنہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی مر ہی جائے۔ مسٹر اسمشیر آپ یہیں ٹھہریں اور پھر اس نے جمشید مرزا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور بے تحاشا دوڑنے لگا۔ دونوں چکر کاٹ کر کوٹھی کے بیرونی برآمدے میں آئے۔ یہاں بو اور زیادہ تیز تھی۔ صوفی نے اپنی ناک دبائی اور تیزی سے اندر گھس گیا۔ جمشید مرزا نے اس کی تقلید کی لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ پلٹنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے صوفی کو دیکھا جو کسی کو پیٹھ پر لادے ہوئے واپس آ رہا تھا۔ یہ نصرت تھا۔ صوفی نے اسے باہر باغ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی تشریف لائیے جناب اور آپ بھی۔ اندر موجود تمام لوگوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ کیا آپ لوگ سانس نہیں روک سکتے۔'' بہرحال صوفی کے ساتھ جمشید مرزا اور اسمشیر بھی مصروف ہو گیا تھا۔ انہوں نے ایک ایک کر کے ان سب کو کوٹھی سے نکالا۔ ناظمہ ان میں نہیں تھی۔ بعد میں صوفی نے کوٹھی کا پورا چکر لگا ڈالا لیکن ناظمہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ جمشید مرزا بڑا الجھا ہوا نظر آ رہا تھا پھر اس نے صوفی کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

''دیکھیے میں آپ سے عرض کروں صوفی صاحب! یہ بھی بڑا ضروری ہے ہم لوگ یہاں کا خاص طور سے جائزہ لیتے رہے ہیں۔ محترمہ ناظمہ بڑی اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ خود ہاشم درانی صاحب کا بھی کہیں پتہ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے گھر میں؟''

''آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ سب کچھ ہنگامہ ہم نے برپا کیا ہے؟''

''نہیں۔ میں آپ سے ایک عرض کروں۔ براہ کرم شیرٹن کے بارے میں آپ کو جو معلوم ہے مجھے بتا دیجیے۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا۔''

''شیرٹن سے آپ کی کیا رشتے داری ہے جمشید صاحب!''

''کچھ نہیں۔ دیکھیے آپ نے پہلے شیرٹن سے بے پروائی اور لاعلمی ظاہر کی تھی۔''

''میں اب کیا خالہ کا ممانی زاد بھائی بتا رہا ہوں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''نہیں۔ آپ صورت حال کو الجھا رہے ہیں۔''

''اور اس پر آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کی مدد کروں۔''

''وہ دیکھیے۔ بات اصل میں یہ ہے.....اب کیا کہوں؟''

''کچھ کہہ دیجیے ہم لکھ کر رکھ لیں گے۔''

’’میں کم از کم اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ہاشم درانی صاحب شیرٹن کے شکار ہیں۔ ایس پی شاہد صاحب کا بھی یہی خیال ہے۔‘‘ بہرحال یہ کیفیت دیر تک طاری رہی۔ اچانک ہی اسمشیر نے کہا۔

’’میں تم لوگوں کو ایک بات یاد دلاؤں۔ جب ہم اس دن ڈنر سے واپس آ رہے تھے تب بھی ناظمہ پر اٹیک کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور کچھ لوگ اسے حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری کارروائی اسی لڑکی کے لیے کی گئی ہے اور اب وہ لوگ اسے اغوا کر کے لے گئے۔

اچانک ہی صوفی کی نظر ایک طرف پڑی اور پھر وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر کیاریوں کی طرف پہنچ گیا۔ یہاں ایک زنانہ سینڈل پڑا ہوا تھا۔ اسمشیر بھی ساتھ ہی تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

’’سو فی صدی ناظمہ ہی کا ہے۔‘‘ صوفی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر سینڈل سے ہٹ کر کسی دوسری چیز پر جم گئی پھر وہ اچانک ہی جمشید مرزا کی طرف مڑا اور بولا۔

’’ذرا ادھر آؤ۔‘‘ جمشید مرزا نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے صوفی کے پاس پہنچ گیا۔ صوفی ایک جگہ پر زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے زمین پر پڑی ہوئی کوئی چیز اٹھاتے ہوئے کہا۔

’’کیا یہاں کوئی ایسا علاقہ ہے جہاں اس طرح کی بجری پائی جاتی ہو۔‘‘

’’اوہو...... اوہو۔‘‘ جمشید مرزا نے جلدی سے اس بجری کو دیکھا اور مدھم لہجے میں بولا۔

’’یہ بات ایس پی شاہد بتا سکے گا اگر آپ تھوڑی سی کوشش کریں تو۔‘‘

’’ٹھیک...... صوفی صاحب! میں ہر طرح آپ کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہوں۔‘‘ تھوڑے ہی فاصلے پر حسینہ اور نشیلے بھی بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ صوفی نے تشویش بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا اور اس کے بعد جمشید مرزا سے بولا۔

’’کوئی سواری ہے تمہارے پاس؟‘‘

’’میں موبائل فون پر طلب کر لیتا ہوں۔‘‘

’’اور وہاں ان چٹانوں پر آپ بذریعہ ہیلی کاپٹر پہنچے تھے؟‘‘

’’بس بتا دوں گا اس بارے میں تفصیلات آپ کو۔‘‘ جمشید مرزا نے کہا اور موبائل فون پر ایس پی شاہد کو صورت حال کے بارے میں بتانے لگا پھر موبائل فون بند کر کے بولا۔

’’صرف دس منٹ دیں گے آپ مجھے۔‘‘

’’ہم آپ کو محبت سے تو ساری زندگی دے سکتے ہیں۔‘‘

صوفی کی تشویش زدہ نگاہیں معشوق نشیلے اور حسینہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ہوش میں آنے کے بعد ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔ بہرحال یہ بعد کی باتیں تھیں۔ ایس پی شاہد علی نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اسے کوئی تفصیل اس وقت نہیں بتائی گئی۔ یہ لوگ جیپ میں بیٹھ کر جا رہے تھے کہ جمشید مرزا نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔

’’گڈ۔ صوفی صاحب کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔‘‘ ایس پی شاہد نے مسکراتی نگاہوں سے صوفی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’حق اللہ! درویش ہم سب پر رحم کریں گے۔ ویسے مرزا جی آپ نے ایس پی صاحب کو اس سرخ مٹی کے بارے میں نہیں بتایا جس کی تلاش میں ہم جا رہے ہیں۔‘‘

’’سرخ مٹی......؟‘‘

’’میرا مطلب ہے وہ بجری جو بھوری مائل سرخ یا سرخی مائل بھوری تھی۔ آخر یہ کون سے علاقے میں ہے؟‘‘

’’بھوری مائل سرخ یا سرخی مائل بھوری بجری۔‘‘ ایس پی شاہد علی نے کہا۔

’’ہاں۔ میں تمہیں بتاؤں کوٹھی میں ایک جگہ اس طرح کی بجری نظر آ رہی تھی۔‘‘

’’یار تمہیں کوٹھی پر دکھانا چاہیے تھا مجھے۔ ویسے...... ویسے۔‘‘ شاہد علی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ جمشید مرزا اور صوفی اس کی صورت دیکھتے رہے۔ کچھ لمحوں کے بعد شاہد علی نے کہا۔

’’میرا خیال ہے کہ میں ایک ایسی جگہ کو جانتا ہوں لیکن کاش تم وہ بجری مجھے وہیں عمارت میں دکھا دیتے۔ خیر چلو چلتے ہیں۔‘‘ پھر شاہد علی انہیں لیے ہوئے ایک ایسے علاقے میں پہنچا جو سراج پور کا نواحی علاقہ تھا۔ یہاں خوب صورت کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ بالکل اتفاقیہ طور پر ایک ایسی کوٹھی میرے علم میں آئی ہے جہاں مصنوعی طریقے سے بجری کو رنگوا کر ایک روش بنوائی گئی ہے۔ میں کسی کام سے ادھر سے گزر رہا تھا کہ مجھے ایک جگہ بڑی خوب صورت نظر آئی۔ میں نے رک کر اسے دیکھا تھا۔‘‘

’’کہاں ہے وہ......؟‘‘

’’بالکل الگ تھلگ۔ ابھی ہم جس موڑ سے مڑیں گے وہاں سے گہرائی میں وہ نظر آتی ہے۔ ایک پہاڑی موڑ مڑتے ہوئے اچانک ہی ایک حادثہ رونما ہو گیا۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور اگر ایس پی شاہد ایک ماہر ڈرائیور نہ ہوتا تو یقینی طور پر جیپ گہرائیوں میں گر پڑی ہوتی۔ بڑی خوف ناک جگہ تھی۔ دھواں ایک عظیم الشان بادل فضا بلند ہوا اور ایس پی شاہد علی اور جمشید مرزا بری طرح کھانسنے لگے۔ دھوئیں میں وہ یہ بھی نہیں دیکھ سکے تھے کہ اچانک صوفی جیپ سے اترا ہے اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا ہے۔

◆......◆......◆

ناظمہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ کمرا اعلیٰ پیمانے پر آراستہ تھا اور وہ ایک آرام دہ بستر پر تھی۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر اٹھ نہ سکی۔ یوں لگا جیسے بدن کی ساری جان نکل گئی ہو۔ ذہن بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ ذہن پر زور دینے سے اچانک ہی سر میں درد اور پھر تاریکی کا احساس ہوا اور غالباً دوبارہ غنودگی طاری ہو گئی اور پھر دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کی نگاہ سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر پڑی۔ آٹھ بجے تھے اور سامنے رکھا ہوا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ اس مرتبہ کیفیت پہلے جیسی نہیں تھی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر سر پکڑے بیٹھی رہی پھر کھڑی ہو گئی لیکن پھر شدت سے چکر آیا اور سنبھلنے کے لیے اس نے میز کا کونا پکڑا۔ سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

’’آپ کو درانی صاحب یاد کر رہے ہیں؟‘‘ اس نے مودب لہجے میں کہا۔

"کیا.....؟" ناظمہ اچھل پڑی۔

"جی ہاں۔"

"کک.....کہاں ہیں وہ؟"

"آیئے میرے ساتھ۔" نقاہت کے باوجود اس کی رفتار خاصی تیز تھی اور اس آدمی کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ محض اس کی وجہ سے تیز تیز چل رہا ہو۔ وہ کئی راہداریاں پار کر کے اس بڑے سے کمرے میں آئے اور پھر وہاں اس نے جو کچھ دیکھا وہ اسے بری طرح نروس کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے ہاشم درانی کو دیکھا جو ایک کرسی سے بندھا ہوا تھا اور اس کے گرد چار آدمی کھڑے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ دفعتاً ہاشم درانی کی نگاہ ناظمہ پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک دہشت بھری آواز نکلی۔

"تم.....تم۔" لیکن اسکی کرسی سے اٹھنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ وہ بندش بہت مضبوط تھی۔

اس کے بعد خاموشی ہی طاری رہی تھی۔ ناظمہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔ اچانک ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ایک بار پھر تمہیں بتایا جا رہا ہے مسٹر درانی کہ تم نے غلط آدمی سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ شمیان ہو کے بارے میں اگر تم معلوم کر لیتے تو شاید تم یہ ہمت نہ کر پاتے۔ شمیان ہو.....ایک عظیم رہنما! جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔" ہاشم درانی کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس کی آنکھیں ناظمہ کے چہرے سے ہٹ کر نیچے جھک گئی تھیں۔ اس نے پھر کہا۔

"اور اگر تم نے وہ کاغذات واپس نہیں کیے تو اب ہمیں مجبوراً دہشت گردی پر اترنا پڑے گا۔ ہم تمہارے سامنے اس لڑکی کے بدن کی بوٹیاں الگ کریں گے۔ کیا تم اس کے تڑپنے کا منظر دیکھ سکو گے مسٹر درانی!"

"نہیں.....نہیں۔" ہاشم درانی بے ساختہ چیخ پڑا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ ناظمہ کے پورے بدن میں بھی تھرتھری دوڑ رہی تھی۔ اس کا سر دوبارہ چکرانے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کمرے کی روشنی پر غبار کی تہیں چڑھتی جا رہی ہوں اور پھر اس آدمی نے جو اس کے ساتھ آیا تھا اسے سنبھال لیا۔ ایک بار پھر ناظمہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

"اسے آرام سے کرسی پر ڈال دو۔" بھاری جبڑے والے آدمی نے کہا اور پھر وہ ہاشم درانی سے بولا۔

"اور اگر اب بھی تمہیں ہوش نہ آئے تو اسے تمہاری بدبختی سمجھنا چاہیے۔" ہاشم درانی تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر اپنے ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"ٹھیک ہے تمہیں جو کرنا ہے کر لو سمجھے! میں تم پر کاغذات کا سایہ تک نہیں پڑنے دوں گا۔" بھاری جبڑے والے نے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"مسٹر ہاشم درانی! تم شمیان ہو کی قوتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ اس کے باوجود بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ شمیان ہو کی قوت نے تمہیں کہاں سے کھوج نکالا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ایسی جگہ چھپے تھے جہاں فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے، لیکن شمیان ہو جب باعمل ہوتا ہے تو ایسے ہی کارنامے سرانجام دیتا ہے۔ آخر تمہیں کھوج نکالا گیا اور یہ شمیان ہو ہی کی قوت تھی جو دن دھاڑے اس لڑکی کو یہاں اٹھا لائی حالانکہ

ہم میں سے سب جانتے ہیں کہ کاغذات تمہارے لیے بے کار ہیں۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ویسے تم عقل مند ضرور ہو کہ تم نے ابھی تک وہ کاغذات پولیس کے حوالے نہیں کیے۔ ان کاغذات کو اپنی تحویل میں رکھ کر تم کیا کرنا چاہتے ہو.....بتاؤ تو سہی۔"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ اب تمہارا جو دل چاہے کر لو۔ چاہو تو تم اس لڑکی کی بوٹیاں کر دو۔ تم دیکھو گے کہ میرے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکے گی۔"

"ہوں....." اس شخص نے اس انداز میں گردن ہلائی جس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اب کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے پھر اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس لڑکی کے پیر کا انگوٹھا کاٹ دو۔" اس آدمی نے میز پر سے ایک چمک دار کلہاڑی اٹھائی اور بے ہوش ناظمہ کی جانب بڑھا لیکن اسی وقت ایک دھماکا ہوا اور سامنے والے شیشے کے پرخچے اڑ گئے۔ یہ ایک پتھر تھا جو شیشے پر پڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔

"یوپاؤ، چوچاؤ، ہو ہاشمیان ہو درویشوں کے کرم سے۔" ساتھ ہی ایک اور دھماکا ہوا لیکن یہ دھماکا اس بڑے پلیسیڈ بلب کا ہوا تھا جو اس وسیع و عریض کمرے کو روشن کیے ہوئے تھا۔ بلب ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی افراتفری پھیل گئی۔ دھڑا دھڑ فرنیچر لڑھکنے لگا۔ ہاشم درانی کی بھی کرسی الٹ گئی لیکن اسے اتنا ہوش تھا کہ اس نے اپنا سر فرش سے نہ لگنے دیا۔ کمرے کے دوسرے لوگ کتوں کی طرح شور مچا رہے تھے۔ اچانک ہاشم درانی کی بندشیں کھلنے لگیں اور پھر اسے کسی نے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد اس کا ہاتھ پکڑا گیا اور اسے ایک طرف کھینچا جانے لگا۔ ہاشم درانی کچھ اس قدر بدحواس ہو رہا تھا کہ وہ اس نامعلوم آدمی کے ساتھ کھنچتا چلا گیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے خود کو تازہ ہواؤں میں محسوس کیا۔ اس کے سر پر تاروں سے بھرا آسمان تھا۔ اس نے اندھیرے میں اس آدمی کو پہچاننے کی کوشش کی جو اس کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تیزی سے نشیب میں اتر رہا تھا۔ اس نے اپنے کندھے پر بھی کسی انسانی جسم کو لاد رکھا تھا۔ اس کے باوجود اس کے قدم اس تیزی سے اٹھ رہے تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ ہاشم درانی کو اتنا ہوش تو تھا ہی کہ وہ ان الفاظ پر غور کر سکتا جو یوپا اور چوچا کی شکل میں ادا کیے گئے تھے اور آخر میں درویشوں کے کرم سے۔ ان الفاظ نے اس آدمی کی پول کھول دی تھی۔ ایک لمحے میں اس نے پہچان لیا کہ یہ صوفی ہی ہے پھر اس کے منہ سے لرزتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"صص.....صوفی صاحب!"

"ابھی نہیں چپ چاپ چلے آیئے۔ درویشوں کے رحم کے سائے میں۔ صوفی کی آواز سنائی دی۔

وہ جلد ہی چٹانوں میں ایک محفوظ جگہ پہنچ گئے۔ چٹانیں کچھ اس طرح کی تھیں کہ ان میں کسی کو تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تب ہاشم درانی نے ناظمہ کو دیکھا جو صوفی کے کاندھے سے لگی ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد صوفی نے بڑے اہتمام سے اسے اتار کر ایک پتھر پر لٹا دیا۔ ہاشم درانی نے کہا۔

"ارے.....ابھی ہم زیادہ دور نہیں آئے۔ وہ محل یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔"

"اسی لیے تو میں رک گیا ہوں ذرا یہ تماشا تو دیکھ لوں کہ یہ لوگ کرتے کیا ہیں؟"

''مگر تم اف میرے خدا تم تو واقعی ایک عظیم شخصیت نکلے صوفی!''

''تن..... تن..... نکلے۔ جناب عالی! یہاں آپ اردو کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔'' جواب میں ہاشم درانی ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔

''مگر آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟''

''بس صوفی صاحب! میں ایسی جگہ چھپا تھا کہ وہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے لیکن انہوں نے مجھے وہاں سے نکال لیا۔ قرب و جوار میں گیس کے بم پھینکے پھر آخر کار مجھے غار سے باہر نکلنا پڑا۔ اچانک ہی صوفی اس طرح آواز سننے لگا جس طرح کوئی آ رہا ہو پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''جمشید مرزا واقعی احمق نہیں ہے۔''

''یہ..... یہ..... یہ آوازیں تو شاید گاڑیوں کی ہیں۔ وہ لوگ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''نہیں۔ وہ لوگ نہیں تلاش کر رہے، آیئے۔''

''مم..... مم..... مگر یہ گاڑیاں۔''

''ہاں میں نے کہا ناں آ جایئے۔'' یہ کہہ کر صوفی نے ناظمہ کو پھر اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔

''لاؤ اسے مجھے دے دو۔''

''نہیں۔ آپ اسے میرے کندھوں پر ہی رہنے دیجیے۔'' صوفی نے کہا۔ اترائی بڑی مخدوش تھی اور بڑے سنبھل سنبھل کر یہاں سے اترنا پڑ رہا تھا۔ پھر انہیں پتلی سی بل کھاتی سڑک نظر آئی۔ مطلع ابر آلود نہ ہونے کی وجہ سے تاروں کی چھاؤں میں سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی اور پھر ایک تیز روشنی چٹانوں میں پھیل گئی اور پھر جلد ہی پانچ چھ آدمی ان کی مدد کے لیے اوپر چڑھ آئے جن میں ایس پی جمشید مرزا اور ایس پی شاہد علی بھی تھے۔''

''وہ عمارت ہے مرزا جی ذرا اس کا جائزہ لے لیجیے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''اس نے ہاشم درانی کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔'' آپ پولیس کو کوئی بیان نہیں دیں گے۔'' لیکن یہ الفاظ شاہد علی نے سن لیے تھے۔ وہ بولا۔

''یہ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں؟''

''چپ..... پتا نہیں۔'' پولیس کے آدمی اس عمارت کی طرف دوڑ گئے تھے جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ تعداد اچھی خاصی تھی۔ جمشید مرزا نے صوفی کے غائب ہوتے ہی بہترین انتظامات کر لیے تھے۔ بہر حال وہ عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ وہاں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے باہر لے آئے۔ وہ سب پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور بری طرح ہانپ رہے تھے۔ صوفی نے کہا۔

''یہ شیرٹن کے آدمی ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔ تم..... م..... تم کون ہو؟'' ایک قوی ہیکل آدمی نے جس کے جبڑے بہت بھاری تھے چیخ کر کہا۔

''کوئی بات نہیں میں جو کوئی بھی ہوں تمہیں پتا چل جائے گا۔''

''دیکھو اگر تم نے ہم پر ہاتھ ڈالا تو گہری مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔''

''میں تو بچپن سے بڑی گہری مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے جواب دیا اور پھر ان سب کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ جب وہ گاڑی میں بٹھائے جا چکے تو ایس پی شاہد علی نے صوفی سے کہا۔

''جی صوفی صاحب! میرا آپ سے براہ راست کوئی تعارف نہیں ہوا ہے لیکن اس وقت آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کی قدر کی جا سکتی ہے آپ براہ کرم شیرٹن والے معاملے میں مجھے اپنے اعتماد میں لے لیجیے۔''

''گود لینے کے بارے میں تو ہم نے سنا ہے درویشوں کی دعاؤں سے یہ اعتماد میں کیا لیا جاتا ہے۔'' یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں بہر حال ہاشم درانی اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ ناظمہ کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا اور پھر نہ جانے کتنے وقت تک ہاشم درانی اور صوفی کمرے میں بند رہے تھے اور صوفی نے ہاشم درانی کو آگے کے بارے میں بہت سی تفصیلات بتا دی تھیں۔

جمشید مرزا اور ایس پی شاہد علی گرفتار شدگان کو لے کر چلے گئے تھے۔ ان کے ذہن میں شیرٹن ہی تھا۔ بعد میں وہ ان لوگوں کا بیان لینے کے لیے آئے۔ ہاشم درانی سے سوال کیا گیا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا تو اس نے بتایا کہ اسے شیرٹن کا خط موصول ہوا تھا اور اس سے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا چنانچہ وہ اسی کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس سے پہلے بھی ایک بار شیرٹن کا شکار ہو چکا ہے اور اسے پچیس لاکھ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

بہر حال شمیان ہو اور اس کے معاملات کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ روپوش تھا کہ شیرٹن نے اس کے آدمیوں کو تلاش کر لیا اور پھر اس کی بھتیجی کو بھی اغوا کر لیا گیا اور ان دونوں پر تشدد کر کے رقم کا مطالبہ کیا گیا چونکہ صوفی صاحب پہلے ہی سے ان لوگوں کی تلاش میں مصروف تھے اس لیے وہ بھی اس جگہ پہنچ گئے۔ جمشید مرزا صوفی کی شکل دیکھ رہا تھا جو اس سارے ماحول سے لاتعلق بے تاثر پان کی جگالی کر رہا تھا۔ ادھر ناظمہ بھی کافی خوف زدہ تھی اسے بیان دینے کے ناقابل قرار دے دیا تھا۔ دوپہر کے بعد اچانک ہی ہاشم درانی نے صوفی سے رابطہ قائم کیا اور اسے اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں ایک خنجر پڑا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا بھی۔

''واہ! درویش ہم سب پر رحم کریں یقیناً شمیان ہو کی طرف سے کوئی دھمکی دی گئی ہے۔''

''ہاں اور اب تو میں واقعی شاہ میر صاحب کا معتقد ہو گیا ہوں۔ بڑا صحیح انتخاب کیا ہے انہوں نے تمہارا صوفی صاحب!'' صوفی نے آگے بڑھ کر میز سے خط اٹھا لیا۔ لکھا ہوا تھا۔ ''آخری موقع دیا جا رہا ہے تمہیں ہاشم درانی! اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تم نے میرے کاغذات مجھے واپس نہ کیے تو تمہارے گھر کا ایک شخص کل شام تک قتل کر دیا جائے گا اور اس پر بھی تمہیں ہوش نہ آیا تو پھر تمہاری بھتیجی اگر تم کاغذات واپس کرنے پر تیار ہو تو آج رات کو آٹھ بجے اپنی کوٹھی کے گیٹ پر ایک سرخ رنگ کا بلب روشن کر دینا۔''

''گیٹ بڑا ڈرامائی انداز ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے پر خیال انداز میں کہا۔

''ادھر ڈاکٹر فیلکس میری جان کھائے جا رہا ہے۔ وہ حقیقت کو جاننا چاہتا ہے ویسے یہ شیرٹن تو

میری سمجھ میں واقعی نہیں آیا۔ پتا نہیں اس کا کیا قصہ ہے؟"

"شیرٹن کچھ بھی نہیں ہے اسے آپ شمیان ہو کی ایک چھوٹی سی چال کہہ لیجیے۔ اس نے یہ حرکت اس لیے کی ہے کہ آپ پولیس کی مدد نہ کرسکیں درویشوں کی دعاؤں سے۔ ذرا سوچیے شہر کے سارے بڑے لوگ پولیس سے شیرٹن کی شکایت کرتے ہیں اور اچانک آپ بھی پولیس کی مدد طلب کرتے ہیں اور آپ دوسری داستان سناتے ہیں نتیجہ یہ کہ پولیس شیرٹن اور شمیان ہو دونوں کو بکواس سمجھے گی اور آپ کی مدد کے بجائے یہی جواب ملے گا کہ شہر کے کسی شریر نوجوان نے لوگوں کو پریشان کرنے کی کوشش ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میری عقل اب جواب دیتی جارہی ہے۔ ڈاکٹر فیلکس میرا بہت اچھا دوست ہے۔ ہمارے درمیان کوئی راز راز نہیں رہا، لیکن......"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ سب کچھ اسے بتا دیجیے تا کہ ہم سب لوگ مل کر آپس میں مشورہ کرسکیں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"کوئی نہ کوئی تو کچھ سوچے گا۔"

"اگر یہ کاغذات پولیس کے حوالے کردیے جائیں تو۔" ہاشم درانی نے کہا۔

"اس صورت میں آپ شمیان ہو کے انتقام سے نہ بچ سکیں گے۔"

"یہی سوچ کر تو خاموش ہو جاتا ہوں۔"

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو یہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"جو کچھ میں کہوں وہ کیجیے گا۔ میں نے درویشوں سے رہنمائی طلب کی ہے۔"

"بتاؤ۔"

"فی الحال خاموشی، میں باقی لوگوں سے بھی مشورہ کرلوں۔" اور اسی دن رات کو آٹھ بجے سرخ رنگ کا ایک بلب گیٹ پر لگوا دیا گیا۔ ان سب کو شمیان ہو کی داستان سنا دی گئی تھی اور سب نے ایک ہی رائے دی تھی کہ اس خطرناک آدمی کے کاغذات واپس کردیے جائیں۔ ڈاکٹر فیلکس نے کہا۔

"ایک بار پہلے بھی یہ نام سن چکا ہوں اور یقینی طور پر جرم کے کسی بڑے سلسلے میں یہ نام سنا گیا تھا۔ بہر حال یہ سرخ بلب شمیان ہو کے لیے اشارہ تھا اور شمیان ہو کی طرف سے بالکل توقع کے مطابق اس کا جواب بھی آ گیا۔ نصرت نے ایک دروازے کی چوکھٹ میں ایک خنجر پیوست دیکھا جس کی نوک کاغذ کے ٹکڑے کو چھیدتی ہوئی دروازے میں گھس گئی تھی۔ یہ شمیان ہو کا خط تھا جس میں ہاشم درانی کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ دوسرے دن ٹھیک نو بجے ان کاغذات کو ایک ایسی جگہ پہنچا دے جہاں گھوڑے کے سر جیسی چٹان بنی ہوئی ہے۔ اس چٹان کے کسی رخنے میں یہ کاغذات رکھ دیے جائیں۔ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر ہاشم درانی کو کسی قسم کا خوف ہو تو وہ اپنے ساتھ جتنے بھی آدمی لانا چاہے لاسکتا ہے البتہ کسی فریب کی صورت میں اس کے بعد اسے کوئی وارننگ نہیں دی جائے گی۔ سب لوگ اس بات پر خوف زدہ تھے کہ شمیان ہو کے خط اور خنجر وغیرہ اس طرح آسانی سے کوٹھی میں کیسے پہنچ جاتے ہیں جبکہ اس وقت ہر شخص مستعد تھا۔

"ایک تجویز میرے ذہن میں ہے۔" اسمشیر نے ہاشم درانی سے کہا۔

"بتاؤ۔"

"نہیں۔ سب کے سامنے نہیں، خاص طور پر بچوں کے سامنے نہیں۔"

"میں اپنی عمر کا سرٹیفکیٹ پیش کرسکتا ہوں درویشوں کے کرم سے۔" صوفی نے کہا۔

"تم...... تم تو سب کے بزرگ ہو مسٹر صوفی!" اسمشیر بے اختیار مسکرا کر بولا۔

"بہت بہت شکریہ۔ درویش آپ پر اپنی عنایتوں کی بارش کریں۔"

"یہ تو نہ کہیے صوفی صاحب کہ میں ان درویش صاحب کو جانتا بھی نہیں ہوں۔"

"جان بھی نہیں پاؤ گے۔" ڈاکٹر فیلکس بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بہر حال باقی لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ ہاشم درانی اسمشیر مشورے کا انتظار کررہا تھا۔ اسمشیر نے کہا۔

"میں نے پوری زندگی آرٹ کی خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ بنیادی طور پر میں ایک آرٹسٹ ہوں بہ ظاہر کبھی اس طرح کے معاملے میں کوئی مشورہ کسی کو نہیں دے سکا ہوں لیکن اس وقت جو کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے اور جس انداز میں ہو رہا ہے اس نے مجھے بھی بہت متاثر کیا ہے حالانکہ میں مسٹر فیلکس کے ساتھ یہ سوچ کر آیا تھا کہ پراسرار مشرق کو قریب سے دیکھوں اور اسے اپنے ذہن میں محفوظ کرلوں بہر حال اگر میری حقیری رائے معلوم کرنا چاہیں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شمیان ہو اس وقت سراج پور میں موجود ہے۔"

"اوہ!...... اس بات کے امکانات تو ہمارے ذہن میں بھی ہیں۔"

"تو ہمیں اس موقع پر فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"کیسے......؟"

"اگر ہم اسے پکڑ سکیں تو یہ انسانیت کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔" اسمشیر بولا۔

"یار کمال کی باتیں کر رہے ہو۔ کون پکڑے گا اسے، جسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکا ہے۔ آج تک کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ جس وقت چاہے ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔" اسمشیر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ شمیان ہو کوئی مافوق الفطرت قوت کا مالک ہوگا۔ میں معاف کیجیے گا بہت بڑی بات کہنے جا رہا ہوں میں دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ اس وقت گھر کا کوئی شخص اس سے ملا ہوا ہے۔ کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ ہاشم درانی سانس روکے ہوئے اسمشیر کو دیکھ رہا تھا۔

"درویش...... درویش رحم کریں مسٹر اسمشیر کی بات میں وزن ہے؟" صوفی نے کہا۔

"ہم...... ہم مگر کون ہوسکتا ہے وہ؟"

"کوئی بھی ہو۔" اسمشیر نے بے پروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "ہمیں کسی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔"

"کمال ہے آپ اتنی دیر سے کیوں خاموش تھے مسٹر اسمشیر۔"

"بہت عجیب و غریب بات ہے میری سمجھ میں نہیں آتا آخر ان کاغذات میں کیا ہے؟"

"اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے شمیان ہو کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے۔ کمال کی بات ہے۔ بہر حال میں طے کرچکا ہوں کہ وہ کاغذات شمیان ہو کو پہنچا دوں گا۔"

''آپ انسانیت پر ظلم کریں گے۔'' اسمشیر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''بہتر یہ ہوگا کہ آپ خود کو پولیس کی تحویل میں دے دیں اور کاغذات ان کے حوالے کر دیں۔''

''نہیں۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ کاغذات عرصہ دراز سے میرے پاس محفوظ ہیں اگر مجھے پولیس کی مدد حاصل کرنی ہوتی تو کبھی کی حاصل کر لیتا۔''

''پھر آخر انہیں آپ کیوں رکھے ہوئے ہیں؟''

''بھئی سیدھی سی بات ہے ہاشم درانی ابھی تک اسی لیے زندہ ہے کہ وہ کاغذات اس کے قبضے میں ہیں۔ اگر شمیان ہوکا ہاتھ ان پر پڑ گیا ہوتا تو ہاشم درانی ہم میں نہ ہوتا۔''

''ہوں۔'' اسمشیر نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

''تمہاری اسکیم کیا تھی؟'' ہاشم درانی نے کہا۔

''شمیان ہو بتائی ہوئی جگہ پر تنہا آئے گا اگر وہاں کچھ لوگ پہلے سے چھپا دیے جائیں تو۔''

''بات تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتایئے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی پہلے کون باندھے گا۔ ہاشم صاحب اس معاملے میں پولیس کو ڈالنا نہیں چاہتے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ وہاں چپ چاپ گلے میں گھنٹی بندھوا ہی لے گا۔ تم مجھے وہ جگہ دکھا دو پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ گھنٹی کون باندھے گا۔'' اسمشیر نے اکڑ کر کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ سرگوشیوں کے سے انداز میں مشورہ کرنے لگے۔ آخر یہ طے پایا کہ یہ لوگ اسی وقت چل کر اس گھوڑے کے منہ جیسی چٹان کا جائزہ لیں۔ ہاشم درانی ہچکچا رہا تھا لیکن صوفی کی سرگرمی دیکھ اسے بھی ہاں میں ہاں ملانا پڑی۔ صوفی پر اب وہ بہت زیادہ اعتماد کرنے لگا تھا۔

♥.....♥.....♥

رات تاریک تھی۔ ہاشم درانی، ڈاکٹر فیلکس سمشیر اور صوفی دشوار گزار راستوں پر چکراتے ہوئے اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں وہ گھوڑے کے منہ جیسی چٹان موجود تھی۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی ٹارچیں تھیں جنہیں وہ اکثر روشن کر لیتے تھے۔ ڈاکٹر فیلکس، اسمشیر اور ہاشم درانی مسلح تھے۔ صوفی کے پاس شاید کوئی اسلحہ نہیں تھا البتہ وہ بہت زیادہ مستعد تھا۔ چٹان کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ چٹان بہت بڑی تھی اور اندھیرے میں بہت زیادہ خطرناک نظر آ رہی تھی۔ اس کی بناوٹ گھوڑے کے منہ جیسی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اسمشیر اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''بہت آسان..... بہت آسان ہے۔ ذرا ان غاروں کو تو دیکھو ان میں ہزاروں آدمی چھپ سکتے ہیں۔ ہمیں اس کے لیے یہ غار استعمال کرنے چاہئیں۔''

''اس کے لیے صرف ایک آدمی کافی ہوگا۔'' اچانک صوفی نے کہا۔

''یار میری سمجھ میں تم آ ہی نہیں سکے کہ تم ہو کیا چیز۔ ایک آدمی اتنے خوفناک آدمی کا کیا بگاڑے گا؟''

''تو ہزار آدمی کیا آپ کے اپنے ہی خاندان سے ہوں گے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''چونکہ میں تمہیں جانتا ہی نہیں ہوں اس لیے تمہاری فضول باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ میری

رائے ہے کہ پولیس کو اس سلسلے میں شامل کر لینا چاہیے۔''

''تمہاری رائے آخر حیثیت کیا رکھتی ہے۔'' صوفی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''دانت توڑ دوں گا ایک گھونسے میں۔ سمجھتا کیا ہے تو اپنے آپ کو۔'' صوفی بے تکے انداز میں بولا اور سب ششدر رہ گئے۔

''پاگل کے بچے بکواس کیے جا رہا ہے درویشوں کے کرم سے۔ ابے تو درویشوں کو نہیں جانتا۔'' صوفی کی کیفیت عجیب سی ہوتی جا رہی تھی اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''تھوکتا ہوں میں تم لوگوں پر، لعنت بھیجتا ہوں ایک ہزار، دو ہزار، تین ہزار، چار ہزار..... ہاہا۔ ہاہا۔'' صوفی کا قہقہہ فضاؤں میں بلند ہوا اور وہ سب ششدر رہ گئے پھر صوفی نے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور دوڑتا چلا گیا۔

''ارے..... ارے..... یہ اسے کیا ہوا اس کا دماغ کیوں خراب ہو گیا۔'' بہرحال اس کے بعد صوفی کی تلاش میں نہ جانے کتنی دیر وہاں گزاری گئی لیکن وہ نظر نہیں آیا تھا۔

دوسری صبح سب لوگ بڑی بے چینی کا شکار تھے۔ آخرکار یہ طے کر لیا گیا تھا کہ ہاشم درانی ہی کاغذات کا وہ پیکٹ لے کر اس چٹان تک جائے۔ اب وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ صوفی بھی غائب تھا اور شامت آ گئی تھی حسینہ اور معشوق نشلیے کی۔

''تم دونوں حرام خورو یہاں کیا کر رہے ہو۔ آخر صوفی ہے کہاں؟''

''ارے..... ارے آپ تو بالکل فارسہ ہو گئے۔ آپ کو پتا ہے کہ ہمیں صوفی صاحب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا۔''

''تو پھر تم یہاں مرے کیوں ہو آ کر؟''

''زندہ ہیں اس طرح کہ غم زندگی نہیں اور اگر اس شعر کو فارسہ میں کہا جائے تو حسینہ کیا کہیں گے۔''

''تیرا منہ، مری کے کتے میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ اے بڑے صاحب مجھے ریل میں بٹھا دو۔ یہاں لا کر ان لوگوں نے میری مٹی پلید کر دی ہے۔'' وہ لوگ اپنی ہی سنانے لگے۔ ہاشم درانی کی کیفیت کافی خراب تھی۔ اس نے طے کیا تھا کہ اب وہ شمیان ہو کے کاغذات کا پیکٹ لے کر تنہا ادھر جائے گا اور اس نے کسی کی نہیں مانی تھی۔ سب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اس کا تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے مگر ہاشم درانی کسی کو اپنے ساتھ لے جانے پر رضامند نہیں ہوا تھا۔ صوفی کی گمشدگی نے اس پر نہ جانے کیا اثرات مرتب کیے تھے۔ خود ناظمہ بھی صوفی کی اس حرکت پر حیران تھی۔ تقریباً نو بجے ہاشم درانی چلا گیا تھا پھر اس کی واپسی کوئی ساڑھے دس بجے کے قریب ہوئی۔ اس کے چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے کرسی پر گر کر اپنا جسم پھیلاتے ہوئے انگڑائی لی۔ سب سے پہلے ڈاکٹر فیلکس نے ہی اس سے پوچھا تھا۔

''کیا رہا.....؟''

''کچھ نہیں ہوا بالکل سناٹا تھا۔ میں ایک پیکٹ محفوظ پر رکھ کر واپس آ گیا۔ وہاں سے صحیح سلامت آنے کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھے یا میرے خاندان والوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا

چاہتا تھا کہ اچانک ہی دروازے سے صوفی کی آواز سنائی دی۔

''درویش رحم کریں۔ حق اللہ!'' وہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ بڑی عجیب سی صورت حال تھی۔ ملگجا لباس، منہ میں پان کے ملغوبے کا فضلہ، پان کی پیک ہونٹوں سے نیچے ٹھوڑی کو رنگین کیے ہوئے۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ! درانی صاحب خوب بے وقوف بنایا آپ نے شمیان ہو کو۔ واقعی آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو اور کہاں مر گئے تھے سب لوگوں کو بے وقوف بنا کر۔ میں صرف شاہ میر صاحب کی وجہ سے تمہارے ساتھ رعایت برتے ہوئے ہوں۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے اور یہ کسے لے کر آئے ہو تم۔ ساتھ یہ عورت اور مرد کون ہیں؟''

''ایک فارسہ ہے اور دوسری فارسی ہے۔ ویسے یہی پیکٹ رکھا تھا نا آپ نے۔'' صوفی نے جیب سے ایک براؤن رنگ کا پیکٹ نکال کر ان کے سامنے میز پر ڈال دیا۔

''ارے یہ کیا کیا تم نے؟'' ہاشم درانی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ صوفی آگے بڑھا اور اس نے پیکٹ پھاڑ کر اس کے کاغذات اس کے سر پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''شمیان ہو سے مذاق کرتے ہوئے آپ کو کچھ سوچنا چاہیے تھا درانی صاحب! اس شریف آدمی کو دیکھو کہ اس نے اس کے باوجود آپ کو زندہ رہنے دیا۔ فرش پر بہت سارے کاغذ بے ترتیبی سے بکھر گئے۔ ہاشم درانی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کاغذات کو دیکھا اور پھر ان پر جھک پڑا۔

''ارے مگر وہ..... وہ میں نے تو کاغذات رکھے تھے۔ اوہ! مگر تم نے اسے اٹھایا ہی کیوں؟''

''اس لیے کہ میں ہی شمیان ہو ہوں۔'' صوفی نے گرج کر کہا اور سب پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔

''تت..... تت..... تم۔'' ان سب کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ انہوں نے صوفی کے چہرے کو دیکھا لیکن اب صوفی کے چہرے پر وہ کیفیت نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک عجیب بھیانک چہرہ نظر کے سامنے تھا۔ آنکھیں پھٹی ہوئی اور چہرے پر سفاکی قابل دید۔ دفعتاً ہی ناظمہ کے حلق سے چیخ سی نکل گئی۔ اچانک ہی صوفی نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور اسے اسمشیر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اور تم نے..... تم رات کو مجھے پکڑنے کی اسکیم بنا رہے تھے۔ اب بتاؤ میرا خیال ہے سب سے پہلے تمہیں ہی ختم کرنا چاہیے۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہاشم درانی صاحب! میں اسے برداشت نہیں کر سکتا اور آپ کمال کے آدمی ہیں ڈاکٹر فیلکس، نہ جانے کیا کیا کہانیاں سنائی تھیں آپ نے مجھے ان لوگوں کے بارے میں کہ وہ کس قدر ملنسار، مخلص اور خوش اخلاق ہیں۔ یہ تماشا دکھانے کے لیے لائے تھے آپ مجھے یہاں۔ بہتر ہے کہ میں کسی ہوٹل ہی میں قیام کروں اور پھر یہ آدمی..... یہ آدمی تو مجھے زہر ہی لگتا ہے۔''

''درانی واقعی اسمشیر کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہیں۔ کیا ہو رہا ہے یہ ہمارے ساتھ اس آدمی سے کہو کہ معافی مانگے اسمشیر سے۔''

''مسٹر اسمشیر میں معافی چاہتا ہوں مگر تم اصل کاغذات کا پیکٹ ہضم نہیں کر سکو گے۔ بہتر یہی ہوگا کہ اسے میرے حوالے کر دو۔'' صوفی نے ریوالور کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب!'' ہاشم درانی ایک بار پھر اچھل پڑا۔ اسمشیر کا ہاتھ بڑی تیزی سے جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے صوفی کے ریوالور سے ایک فائر ہوا اور اسمشیر چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا پھر دفعتاً ہی اس نے صوفی پر چھلانگ لگائی اور صوفی نے اسے اس طرح کیچ کر لیا جیسے کوئی بڑا ریسلر کسی چھوٹے کو رسوں پر کودنے کی وجہ سے کیچ کر لیتا ہے اور اس کے بعد اس نے گھما کر زمین پر دے مارا پھر اس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر بولا۔

''ریفری گنتی گنو درویشوں کی دعاؤں سے۔'' اسمشیر نے پلٹ کر صوفی کو دولتی مارنے کی کوشش کی اور پھر الٹی قلابازی کھا کر کھڑا ہوگیا پھر اس کے بعد اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ہاشم درانی حلق پھاڑ کر چیخا اور ٹھیک اسی وقت جمشید مرزا اور شاہد علی اندر داخل ہوئے۔ جمشید مرزا نے بھاگتے ہوئے اسمشیر کی کمر پکڑ لی۔ حالانکہ اسمشیر شدید زخمی ہوگیا تھا لیکن پھر بھی اس کا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ جمشید مرزا اچھل کر دور جا گرا۔ صوفی نے چھلانگ لگائی اور اسمشیر کے بال پکڑ لیے۔

''ابے جاتا کہاں ہے درویشوں کے کرم سے۔ ہم سے تو مل لے۔'' یہ کہہ کر صوفی نے اسمشیر کی ٹانگوں پر ٹانگیں ماریں اور پھر اسے اس طرح زمین پر دے مارا کہ اسمشیر کا سر زمین سے ٹکرا دیا۔

''حضرات بلکہ خواتین و حضرات کیا آپ شمیان ہو کی شکل دیکھنا پسند کریں گے۔ اس نے صدیوں سے دنیا کو چکر میں ڈال رکھا ہے۔''

''تم پاگل ہوگئے ہو کیا؟'' ڈاکٹر فیلکس چیخ کر بولا۔

''اور مسٹر جمشید مرزا اس کے پاس سے اصلی کاغذات کا پیکٹ برآمد کرو اس دوران پیچھے سے بہت سے پولیس کانسٹیبل، سب انسپکٹروں کی سرکردگی میں اندر داخل ہوگئے۔ صوفی نے اسمشیر کو ایک کرسی پر دھکیل دیا۔ پھر جمشید مرزا نے اس کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے ایک لفافہ برآمد ہوا جسے جمشید مرزا نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اسمشیر کے زخم سے خون کافی حد تک بہ گیا تھا۔ اس پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی پھر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

''مگر تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ شمیان ہو ہے؟''

''بس جناب عالی درویشوں نے رہنمائی کی۔ کل رات اس نے کیا کہا تھا؟ یہی نا کہ شمیان ہو کاغذات خود حاصل کر لے گا آپ دیکھ لیجیے کاغذات اسی کے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ ویسے ہاشم درانی صاحب آپ نے اسی کے سامنے کاغذات کا پیکٹ بنایا تھا نا۔''

''سبھی موجود تھے۔''

''بہرحال یہ جمشید مرزا کا کارنامہ ہے۔ ہمارے دارالحکومت کے ایس پی جمشید مرزا صاحب! جن کی رہنمائی میں میں نے یہ سب کچھ کیا ہے اور انہی کی نشان دہی پر مجھے یہ پتا چلا کہ یہ شخص شمیان ہو ہو سکتا ہے۔'' جمشید مرزا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ صوفی نے اسے آنکھ ماری پھر جمشید مرزا نے اسمشیر کے

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں۔ سب لوگ بڑے حیران تھے۔ صوفی پھر پہلے جیسی کیفیت میں آ گیا تھا۔ ادھر شاہد علی حیرانی سے جمشید مرزا کو دیکھ رہا تھا۔ بعد میں جمشید مرزا نے اس سے کہا۔

"یار مائنڈ مت کرنا صوفی میرا ہی آدمی ہے۔ میری ہدایت پر کام کر رہا تھا۔"

"مگر مرزا صاحب کم از کم آپ کو مجھے تو لاعلم نہیں رکھنا چاہیے تھا؟"

"بھئی ہم پولیس والے اپنے علاوہ کسی پر بھروسا نہیں کرتے اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔ بعض اوقات ہم ایسے لوگوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں شبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ کسی طور ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"جمشید مرزا نے صوفی سے ملاقات کی اور اسے الگ لے گیا۔"

"صوفی صاحب! یہ سب کچھ.....؟"

"سر! آپ ہی کی راہنمائی میں میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں شاید آپ نے میری درخواست قبول کر لی تھی۔"

"چھوڑیے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے مرزا صاحب! درویشوں کی دعاؤں سے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ ہم نے آپ کے کہنے پر کچھ نہیں کیا۔ پیر ڈھکن شاہ کی طرف سے بشارت ہوئی تھی کہ اس کیس کا سہرا جمشید مرزا کے سر بندھوا دو۔ شادی شدہ ہو جائیں گے۔" جمشید مرزا ہنسنے لگا تو اس نے کہا۔

"آپ کی ذہانت کا لوہا تو میں مانتا ہی ہوں لیکن یہ بتائیے کہ میں رپورٹ کیا تیار کروں شمیان ہو کے بارے میں۔ ذرا مکمل تفصیل مجھے بتا دیجیے۔

یہ شخص دو سال سے مشہور ہے۔ بہر حال یہ ایک جرائم پیشہ آدمی ہے۔ ایک ایسا شخص جو گم نام زندگی گزار رہا ہو، جو کچھ کر سکتا ہے وہ کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں ہوتا۔"

"مگر دو سو سال پرانی بات.....؟"

"دو سو سال تو بہت کم ہیں جو طریقہ کار شمیان ہونے اختیار کر رکھا تھا اس کے تحت اس کا نام ہزاروں سال تک زندہ رہتا۔ شمیان ہو صرف ایک نام ہے جسے نسلوں سے لوگ اختیار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ طریقہ بڑا عجیب ہے۔ کسی شمیان ہونے کبھی اپنی اولاد کو اپنا وارث نہیں بنایا۔ وہ دراصل شمیان ہو کا اپنا انتخاب ہوتا تھا۔ وہ اپنے گروہ کے کسی معتبر آدمی کو اپنی وراثت سونپ کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور یہ انتخاب وہ اس وقت کرتا ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ وہ بہت جلد مر جائے گا۔ پھر دوسرا شمیان ہو بالکل اسی کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ بہر حال اب نئے شمیان ہو کا انتخاب نہیں ہو سکا۔"

"لیکن اس کا گروہ.....؟"

"بالکل نہیں۔ یوں سمجھ لو گروہ ٹوٹ گیا۔ اصل میں ان پر شمیان ہو کی دہشت سوار رہتی تھی اور وہ اس کے غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ دہشت کی وجہ آپ جانتے ہیں شمیان ہو کا وجود تاریکی میں ہوتا تھا۔"

"اب ایک بات بتائیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"اخبارات کو اس سلسلے میں رپورٹ دے دی جائے۔ ان کاغذات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا

ہے کہ یہ اس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ تھی جس سے اس کی شخصیت منظر عام پر آ گئی تھی۔ سمجھ رہے ہیں؟"

"اور آپ کا شکریہ میں کس طرح ادا کروں گا؟"

"بس ہمارے اور آپ کے درمیان ملاقاتیں ہوتی ہی رہیں گی۔ کسی مناسب وقت پر یہ کر ڈالیے گا۔"

"بعد میں شاہ میر صاحب نے کرنل رحیم شاہ اور صوفی کو براہ راست خفیہ طریقے سے اپنے گھر میں دعوت دی تھی۔

"بس میرے ہاں کی تقریب بڑی سنسنی خیز ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اسی چکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس تقریب کا مقصد کیا تھا۔ بس بہت زیادہ شہرت بھی بعض اوقات مشکل کا باعث بن جاتی ہے۔ ہم اپنی گھریلو تقریبات کو بھی دوسروں سے چھپاتے پھرتے ہیں۔ خیر اب ان باتوں کو چھوڑیے کرنل رحیم شاہ صاحب! آخر کار صوفی صاحب نے ایک اور خطرناک مجرم کو نیست و نابود کر دیا۔ مجھے ساری رپورٹ حاصل ہو چکی ہے۔" کرنل رحیم شاہ نے مسکرا کر فخریہ انداز میں صوفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"گوشت اور ہڈیوں کے اس پنجر میں خداوند عالم نے وہ دماغ محفوظ کیا ہے کہ بس کیا کہا جائے اس کے بارے میں!"

"صوفی صاحب! ایک بات بتائیے بلا تکلف، کیا میں آپ کے لیے ایک محکمہ ترتیب دے دوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ آپ طویل عرصے کے بعد پھر فارم میں آ گئے ہیں۔"

"حضور اعلیٰ ہمیں فارم میں ہی رہنے دیجیے۔ یونیفارم میں آئے تو سمجھ لیجیے کہ سارا کام بھنڈ۔"

"یعنی آپ....."

"جی ہاں۔ ہمیں کرنل رحیم شاہ کی رہنمائی میں ہی کام کرنے دیجیے۔" "ویسے ایک بات بتائیے یہ جمشید مرزا کو آپ نے اس طرح عروج پر کیوں پہنچا دیا؟"

"نہیں جناب! بس درویشوں کا کرم ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے کسی اچھے مزار پر منت مان لی اب مزارات پر مانی جانے والی منتیں تو پوری ہوتی ہیں۔ ہم کیا اور ہماری اوقات کیا کہ ہم منتوں کو پورا ہونے سے روک دیں۔ حق اللہ، حق اللہ۔"

"یار کرنل صاحب! اب تو میرا بھی دل چاہتا ہے کہ پیری مریدی اختیار کر لی جائے۔ کسی اچھے سے پیر کو میرے بھی منتخب کر دیں۔" کرنل رحیم شاہ نے ہنس کر وعدہ کیا کہ شاہ میر صاحب کو اب کسی قوالی کی محفل میں ضرور بلائے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ محفل تو کہیں بھی ہو سکتی ہے درویشوں کے کرم سے کیوں نہ شاہ میر صاحب کے ہاں۔"

"نہیں بھئی نہیں۔ میں افسوس کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میرے اس عہدے نے مجھے بہت سے ایسے معاملات سے الگ کر دیا ہے۔"

"حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ۔" صوفی نے اپنی چغگی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"شمیان ہو کا معاملہ نمٹ چکا تھا۔ ہاشم درانی بہت خوش تھا۔ اس کا پورا خاندان جس میں ناظمہ بھی

شامل تھی۔ اکثر صوفی کے بارے میں باتیں کرتا رہتا تھا۔ ناظمہ نے کہا۔

''بڑا عجیب وغریب کردار تھا۔ بالکل کچلی میں لپٹا ہوا سانپ۔''

''جس طرح بھی چاہو کہہ لو۔ شخصیت بڑی عجیب تھی۔''

''انکل کیوں نہ ہم انہیں ایک بار پھر اپنے ہاں بلائیں۔''

''پتا نہیں بھئی۔ یہ لوگ خفیہ اداروں سے تعلق رکھتے ہیں کسی کیس کے سلسلے میں تو سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن ویسے ذرا مشکل پیش آجاتی ہے۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' ادھر جمشید مرزا بھی خوشیوں کے گہوارے میں جھول رہا تھا۔ شمیان ہو کے خاتمے کا ذمے دار اسے ہی قرار دیا جارہا تھا اور اسے اس واقعے کے سلسلے میں کافی شہرت ملی تھی۔ اتنے خطرناک مجرم کو اس نے گرفتار کیا تھا۔ بہت بڑی بات تھی یہ، اس کے قرب وجوار کے لوگ اسے مبارک بادیں دے رہے تھے اور جمشید مرزا ان سے خوشی خوشی مبارک بادیں وصول کررہا تھا۔ ایک دن بیوی نے کہا۔

''سچ بتاؤ، کیا واقعی تم اتنے خراب ہوگئے ہو؟''

''خ..... خراب؟'' جمشید مرزا نے حیرت سے کہا۔

''تو اور کیا آج کل مبارک باد کے بے شمار ٹیلی فون آتے ہیں۔ اگر تم نے کام کرنا شروع کردیا تو میرا کیا ہوگا؟''

''طنز کررہی ہو مجھ پر.....؟'' جمشید مرزا نے کہا اور بیوی منہ پھاڑ کر ہنس پڑی۔

''سچ سچ بتادو۔ اصل قصہ کیا ہے؟'' جمشید مرزا ان دنوں خوش تھا۔ موڈ میں آکر کہنے لگا۔

''اصل میں میں نے پیری مریدی کا کام شروع کردیا ہے۔ اب پولیس کے کیس حل کرنے کے لیے چلہ کشی ہوا کرے گی۔ ایک پیر صاحب سے دوستی کرلی ہے۔''

''ہوں۔ کبھی چکر میں مت پڑنا ایسے پیروں کے۔ گھن چکر ہوجاؤ گے۔''

''ارے تمہارے چکر میں ہی تو گھن چکر ہوئے ہیں۔ اس کے بعد بھلا کس بات کی گنجائش ہے۔''

جمشید مرزا کو صوفی یاد آگیا جو بات بات میں درویشوں کا کرم درویشوں کی دعائیں وغیرہ کے الفاظ استعمال کیا کرتا تھا۔ یہ بھی معلوم تھا اسے یا معلوم ہوگیا تھا کہ صوفی بزرگوں وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتا ہے۔ جمشید مرزا چونکہ بہت خوش تھا ان دنوں اس لیے اس نے صوفی کو فون گھما ہی ڈالا۔ دوسری طرف سے کالی مرچ کی آواز آئی تھی۔ یعنی حسینہ بیگم نے فون اٹھایا تھا۔

''ہیلو!'' اس کی بھاری آواز سنائی دی۔

''صوفی صاحب سے ملنا ہے؟''

''بلاتی ہوں۔'' کچھ دیر کے بعد صوفی فون پر آگیا۔

''کون صاحب.....؟''

''آپ کا خادم صوفی صاحب!''

''درویش رحم کریں۔ ہم نے تو کبھی خادم نہیں رکھے۔ بلکہ ہم تو خود خادم قوم ہیں۔''

''بے شک ہیں! بھلا اس کی گواہی مجھ سے زیادہ اور کون دے سکتا ہے؟ آپ کا خادم جمشید مرزا بول رہا ہے!''

''مم..... مم..... مذاق فرمارہے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''بالکل نہیں صوفی صاحب! آپ نے جس طرح مجھے متاثر کیا ہے میں جانتا ہوں کہ میں آپ کی کس قدر قدر کرنے لگا ہوں۔''

''درویش ایک بار پھر ہم پر رحم کریں۔ فرمائیے!''

''صوفی صاحب! آپ کے ساتھ درویشوں کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔''

''بہ خدا سچ فرمارہے ہیں۔ اصل میں ہم نے اپنا حلقہ احباب وسیع نہیں کیا ہے، لیکن اگر کوئی درویشیت کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو ہم اس کی بڑی پذیرائی کرتے ہیں۔''

''تو پھر مجھے اپنے حلقے میں قبول فرمائیے۔''

''قبول فرمایا ہم نے..... میرا مطلب ہے قبول کیا ہم نے۔''

''اے جھاڑو پھرے کیا ٹیلیفون پر نکاح کررہے ہو؟'' حسینہ جو کمرے میں موجود تھی۔ بولی۔ دوسری طرف سے جمشید مرزا کے ہنسنے کی آواز سنائی دی تھی۔ صوفی نے گھبرا کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور حسینہ سے بولا۔

''چلی جاؤ یہاں سے!''

''نہیں جاؤں گی۔ بتاؤ مجھے نکاح کررہے ہو تم!''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا قبول کررہے تھے؟''

جمشید مرزا کی آواز ابھری۔ ''یہ کالی مرچ کیا چیز ہے یار! میری تو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ صوفی صاحب آپ نے بہت سے جھگڑے پال رکھے ہیں۔''

''ہاں۔ کسی نے تحفے میں دی ہے۔ بعد میں تفصیل بتادوں گا۔ اچھا پھر یہ بتائیے کہ کیا کررہے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے گھر میں قوالی کرائیے۔ اس میں شرکت کریں گے۔ اس کے بعد کچھ ہوگا۔''

''وہ تو جیسا آپ حکم دیں گے میں کرڈالوں گا۔ لیکن پہلے مجھے ذرا ان سارے معاملات سے روشناس تو کرادیجیے۔''

''آپ اطمینان رکھیے! جیسے ہی کہیں محفل ہوئی ہم آپ کو اطلاع دیں گے۔''

''وعدہ.....!''

''ہاں بالکل۔'' صوفی نے فون بند کیا تو حسینہ کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

''ہاں۔ اب بولو کون تھی وہ حرام زادی!''

''ہیں..... ہیں۔ فون تو تم نے ہی ریسیو کیا تھا؟''

''اے بڑی چالاک ہوتی ہیں یہ۔ میں سمجھتی ہوں اچھی طرح۔''

''حسینہ بیگم اپنے کام سے کام رکھیے۔ صبح شام آپ کی صورت نظر آ جاتی ہے بس کافی ہے، بھلا اب کسی اور کی گنجائش ہے۔''

''کیا..... کیا مطلب ہے؟'' حسینہ کی آواز میں لڑکھڑاہٹ محسوس ہونے لگی۔

''مم..... مم..... مطلب یہ ہے درویشوں کی دعاؤں سے کہ آپ اس گھر میں موجود ہیں۔ لوگ تو اکثر پوچھتے ہیں کہ حسینہ عالم آخر ہیں کون اور اب ہم انہیں کیا جواب دیں۔ شرما کر چپ ہو جاتے ہیں درویشوں کے کرم سے۔'' حسینہ نے صوفی کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور اس کے بعد ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ صوفی آنکھیں پٹپٹا پٹپٹا کر کمرے کے دروازے کو دیکھتا رہا تھا اور غور کرتا رہا تھا کہ کون سے ایسے الفاظ کہہ دیے جس سے حسینہ عالم کا موڈ بدل گیا، لیکن اس دن کے بعد سے حسینہ بیگم کا موڈ واقعی بدل گیا۔ صبح کے ناشتے میں بادام اور اخروٹ کا حلوہ آیا تو صوفی نے کہا۔

''ایں! یہ حلوہ..... حلوہ کہاں سے آیا؟''

''میں نے بنایا ہے اور سنو! جو کچھ میں کہوں خاموشی سے کرتے رہا کرو۔ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ گالوں میں گڈھے پڑے ہوئے ہیں۔ موا منہ پچکا ہوا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ گال بھر جائیں اس لیے تمہیں میری بنائی ہوئی خوراک کھانا پڑے گی۔''

''ب..... بب باپ رے باپ رے، مگر یہ ہے کہ ہمارے گال بھرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟''

''اب فائدہ نقصان سب بعد کو دیکھیں گے جو میں کہوں وہ کرتے رہا کرو۔'' حسینہ بیگم نے واقعی اس دن سے غضب ہی ڈھا دیا۔ ایک سے ایک شاندار کھانا پک رہا ہے۔ یہ بھی نہیں پتا چلا کہ یہ سب کچھ آ کہاں سے رہا ہے۔ بہرحال صوفی کو سب زہر مار کرنا پڑتا تھا۔ ادھر معشوق نشیلے مسلسل صوفی پر نازل تھے۔ کھانے میں وہ بھی شریک ہو جایا کرتے تھے۔ حسینہ بیگم نے ایک دن کھانا کھاتے ہوئے ہنگامہ برپا کر دیا۔

''صوفی صاحب! اس کتے کو کہاں سے پال لیا ہے آپ نے۔ چپڑ چپڑ کر کھائے جا رہا ہے۔ میں کرتی ہوں محنت اور دیکھتی ہوں کہ کھا جاتا ہے یہ۔''

''آپ اپنے کام سے کام رکھیے حسینہ بیگم!''

''ارے واہ! کیسے کام رکھوں جو کچھ میں کر رہی ہوں، اس کا ایک مقصد ہے؟''

''کیا مقصد ہے؟''

''نہیں بتاؤں گی۔ بس یہ دسترخوان پر آپ کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔''

''نہیں حسینہ بیگم ہم آپ کی یہ شرط قبول نہیں کرتے۔''

''لیجیے پھر کل سے کھلاؤں گی باسی روٹی اور چنے کا ساگ۔''

''بہ خدا اس میں بھی وہی لطف آئے گا۔'' صوفی نے کہا۔

''ہاں ہونا جنگل کے جانور۔ اس کم بخت کو دیکھو پھول، پھول کر کپا ہوا جا رہا ہے۔ بتاتی ہوں سب کچھ تمہارے لیے کھایا جاتا ہے۔''

''حسینہ بیگم معشوق نشیلے یہاں صرف تمہاری وجہ سے آتے ہیں۔ تم ان کی اس قدر بے عزتی نہ

کیا کرو کہ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میرے لیے..... میرے لیے کیوں آتے ہیں یہ۔''

''اماں کیا مرواؤ گے صوفی صاحب! سر و ر پھاڑ دے گی میرا۔ اس جنگلی بلی کو پتا نہیں تم نے کیوں پال رکھا ہے؟'' حسینہ پاؤں سے جوتی نکال کر معشوق نشیلے کی طرف دوڑی تو معشوق نشیلے نے باہر چھلانگ لگا دی۔ حسینہ بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل گئی تھی۔

''کرنا پڑے گا کچھ کرنا پڑے گا۔'' صوفی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

♥..... ♥..... ♥

کرنل رحیم شاہ گرین ہاؤس میں موجود تھا یہ تمام ہی لوگ اس کے سامنے موجود تھے۔ خاموشی چھائی ہوئی تھی اور شاید کسی کا انتظار ہو رہا تھا۔ آنے والا صوفی کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ صوفی اپنی مخصوص سج دھج میں اندر داخل ہوا تو سب نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے گہری نگاہوں سے سب کا جائزہ لیا اور بولا۔

''کوئی بہت ہی سنجیدہ مسئلہ زیر غور ہے؟''

''آیئے صوفی صاحب! تشریف رکھیے۔ یہ سب لوگ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''درویش رحم کریں۔ میں حاضر ہوں۔ فرمایئے!'' کرنل رحیم شاہ نے ان کی طرف دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ تب اس نے کہا۔

''صوفی صاحب! اصل میں انہیں یہ شکایت پیدا ہو گئی ہے کہ گرین فورس تشکیل تو پا گئی ہے لیکن آج تک اس سے کوئی ایسا کام نہیں لیا گیا جو یہ بات ظاہر کرتا کہ گرین فورس بھی ملک کی بہتری کے لیے اپنی ذمے داری پوری کر رہی ہے۔ ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی سربراہی میں گرین فورس کی تشکیل نو کی جائے۔ آپ ان کی تربیت کریں۔ شاہ میر صاحب سے میری بات ہوئی تھی۔ انہوں نے بڑی ضد کی کہ گرین فورس کو باقاعدہ محکماتی شکل دے دی جائے۔ لیکن میں آپ کی بات سے سو فی صدی اتفاق کرتا ہوں کہ اس کے بعد ہم سرکاری ملازم ہو جائیں گے۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں اور آزادانہ طریقے سے جس طرح ہم اب تک کام کرتے رہے ہیں کام کرتے رہنا چاہتا ہوں، لیکن اس کے باوجود میری یہ خواہش ہے کہ اب گرین فورس کا چولہ بدل لیا جائے۔''

''چچ..... چچ چولہ۔'' صوفی اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ اب یہ فیضان اور عادل ہیں۔ میرے بچے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنی صلاحیتیں دکھائیں، اگر آپ سے پوچھا جائے صوفی صاحب کہ کیا طریقہ ہو تو آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟'' صوفی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''کسی پہنچے ہوئے بزرگ کی بیعت کرا دی جائے ان سب کی پھر ایک مزار شریف کے برابر میں ایک حجرہ تشکیل دیا جائے اور وہاں یہ سب جاروب کشی کریں۔'' کرنل رحیم شاہ بے اختیار ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔

''بہ خدا اگر آپ ایسا کرنا بھی چاہیں تو ہم میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہوگا، لیکن بات وہی آ جاتی ہے کہ اس کے بعد.....؟''

''خیر۔ میں اس بارے میں غور کروں گا۔''

''صوفی صاحب! ضرور کیجیے گا۔ میں خود بھی بہت سی تجاویز آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ یہ شازیہ تو آپ سے بہت ہی ناراض ہے۔''

''ہیں..... خیریت مس شازیہ درویش آپ پر رحم کریں۔''

''نہیں۔ چھوٹے بابا میں سچ مچ آپ سے ناراض ہوں۔ آپ بہت تبدیل ہو گئے ہیں۔ خاص طور سے اس وقت سے جب سے رابعہ سلطان والا کیس ہوا ہے۔'' صوفی نے ایک نگاہ شازیہ کو دیکھا اور بولا۔

''آپ جو کچھ چاہیں کہہ لیجیے۔ میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔''

''صوفی صاحب! میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کی بات مان لیجیے۔''

''کیا مطلب.....؟'' صوفی نے سوال کیا۔

''آپ تھوڑا سا تبدیل ہو جائیے۔ ان لوگوں کا ایک تربیتی کورس شروع کر دیجیے۔''

''میں بہت جلد اس سلسلے میں آپ لوگوں کو اپنی تجاویز پیش کروں گا درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''کیوں بھئی! تم لوگ مطمئن ہو.....؟''

''چھوٹے بابا غلط بات نہیں کرتے۔ یقینی طور پر کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' فیضان نے کہا۔

''بس تو پھر مجھے اس کے لیے تھوڑا سا وقت دیجیے۔ میں طے کر لوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟'' صوفی نے جواب دیا۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا نے چائے کی پیالی سے ایک گھونٹ لے کر پیالی ایک طرف رکھ دی اور ساتھ میں بستر پر لیٹی ہوئی بیوی سے بولا۔

''یار اٹھو یہ ملازم کبھی کبھی ایسی چائے بنا دیتا ہے ایک پیالی پینے سے دل سیراب نہیں ہوتا۔ مجھے چائے کا ایک اور کپ بنا کر دو۔''

''بیڈ ٹی ایک پیالی کافی ہوتی ہے اٹھو جاؤ غسل خانے میں جاؤ۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر آ جاؤ میں بھی باہر جا رہی ہوں موسم بہت خوشگوار ہے۔'' بیوی نے جواب دیا۔

''حرام خوری کر رہی ہو، چلو میں خود ہی بنا لیتا ہوں۔ تم پیو گی۔''

''نہیں بابا، میرے لیے ایک ہی پیالی کافی ہوتی ہے۔'' جمشید مرزا نے کاہلوں کے انداز میں کھڑکی سے باہر کے موسم پر نگاہ ڈالی اور بولا۔

''نوکری چاہے وزیر اعظم کی کیوں نہ ہو۔ نوکری ہی ہوتی ہے اب بھلا اس موسم میں غسل خانے میں جا کر نہانا وردی پہننا اور اس کے بعد ڈیوٹی پر نکل جانا کس قدر بدذوقی ہے۔''

''ہو کیا رہا ہے آج تمہیں۔''

''نہیں کچھ نہیں، بس ویسے ہی واقعی، موسم بہت خوشگوار ہے۔'' جمشید مرزا نے باہر بادلوں کے

پرے آسمان پر اڑتے ہوئے دیکھ کر کہا اور ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ گیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی اور اس نے کہا تھا۔

''لاحول ولا قوۃ۔ یہ ایجاد جس قدر فائدہ مند ہے اسی قدر نقصان دہ بھی دیکھو کسکا فون ہے۔''

''ارے ہر کام مجھ سے کہہ رہے ہو اٹھ کر بیٹھ گئے ہو اٹھ کر ایک فون بھی نہیں سن سکتے۔''

''غلط کہا ہے کسی نے بیوی نصف بہتر ہوتی ہے اسے نصف بدتر تو کہا جا سکتا ہے نصف بہتر نہیں۔''

جمشید مرزا اسی وقت فون کے پاس پہنچا اور اسے کان سے لگا لیا.....

''ہیلو کون بول رہا ہے بھائی۔'' لیکن دوسری طرف سے جس کی آواز سنائی دی تھی۔ اسے سن کر وہ ایک دم الرٹ ہو گیا۔

''یس سر! یس سر! معافی چاہتا ہوں سر! جی سر! جی، جی جی ہاں، جی، سر یس بیس منٹ کے اندر اندر ٹھیک ہے سر! پندرہ منٹ ہی صحیح بس سر میں پہنچ رہا ہوں براہِ کرم آپ مجھے پتا نوٹ کرا دیجیے۔ ہاں، ہاں، ہاں، جی، جی، پیڈ اور قلم پاس ہی رکھا ہوا تھا۔ جمشید مرزا دوسری طرف سے بتائے جانے والے پتے کو نوٹ کرنے لگا پھر بولا۔

''یس سر! میں پہنچ رہا ہوں۔ یس سر! یس سر! اور اس کے بعد اس نے فون کا ریسیور کریڈل پر پٹخا اور غسل خانے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ بیوی ارے، ارے ہی کرتی رہ گئی تھی۔ جمشید مرزا نے غسل خانے ہی سے آواز لگائی۔

''وردی، فوراً وردی ساری چیزیں نکال دو۔'' بیوی غسل خانے کے پاس پہنچ گئی اور دروازے کے قریب کھڑے ہو کر بولی۔

''ہوا کیا ہے۔''

''جو پولیس کو ہوتا ہے وہی ہوا ہے۔'' جمشید مرزا نے اندر سے جواب دیا۔

''پولیس کو سب کچھ ہوتا ہے تمہیں کیا ہوا ہے۔''

''ڈی آئی جی صاحب کا فون تھا۔ کوئی قتل ہو گیا ہے وہاں جا رہے ہیں مجھے فوراً پہنچنے کی ہدایت کر دی ہے۔'' جمشید مرزا نے کہا۔ بیوی مستعد رہتی تھی وردی وغیرہ سب تیار تھی جوتے، موزے، سب کچھ موجود تھے۔ اس وقت بھلا غسل کرنے کی کیا گنجائش تھی پندرہ منٹ میں پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے جلدی جلدی شیو کھرچا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ وردی تبدیل کرتے ہی اس نے کہا۔

''بالکل سچ کہا ہے بزرگوں نے افسر کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی ہمیشہ غلط ہوتی ہے۔ ڈی آئی جی صاحب کی مہربانی اگر اسی طرح رہی تو مصیبتوں میں گرفتار رہوں گا۔''

''ہوا کیا ہے۔''

''یار بتایا ناں کوئی قتل ہو گیا ہے، جا رہے ہیں تفتیش کے لیے اصل میں پچھلی بار ایک کیس سرانجام دے لیا ہے نا بس! ان کی گڈ بک میں آ گئے اور افسر اعلیٰ کی گڈ بک میں آ جانے کا مطلب یہ ہے کہ مصیبتوں کا نزول شروع ہو گیا..... آج کل ڈی آئی جی صاحب بہت مہربان ہیں کیونکہ پچھلی بار ایک انتہائی خطرناک مجرم

کا تیا پانچہ کیا ہے بس بھائی سرٹیفکیٹ مل گیا اور اس کے ساتھ ہی مصیبتوں کا نزول۔"

"ناشتہ نہیں کرو گے۔" بیوی نے پوچھا۔

"توبہ کرو۔ بھلا ناشتے کی کیا گنجائش ہے ڈی آئی جی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔" جمشید مرزا نے کہا اور پھر جلدی جلدی تیاریاں کر کے وہ بادل ناخواستہ باہر نکل آیا اور جیپ لے کر چل پڑا جو پتا ڈی آئی جی صاحب نے ذہن نشین کرایا تھا۔ اس کا اسے پوری طرح علم تھا بریگیڈیئر شیر خان کی اس کوٹھی پر وہ پہلے تو کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن اس نے یہ کوٹھی دیکھی تھی۔ چنانچہ اس کی گاڑی برق رفتاری سے اس طرف دوڑ رہی تھی۔ شمیان ہو کے بارے میں صوفی نے اس پر بڑی مہربانی کی تھا اور یہ کیس مکمل طور پر جمشید مرزا کے کریڈٹ پر آ گیا تھا۔ جمشید مرزا جو خود متنوع مزاج آدمی تھی صوفی کی اس مہربانی سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے باقاعدہ محکمہ پولیس کی ایک میٹنگ میں سرٹیفکیٹ دیا گیا تھا اور تعریفی کلمات سے نوازا گیا تھا۔ اس کے بہت سے ساتھیوں نے اسے مبارک باد بھی دی تھی۔ کیونکہ شمیان ہو کا کیس بہت بڑا کیس تھا۔

لیکن اس کی سوفی صدی ذمے داری صوفی پر جاتی تھی۔ صوفی ہی نے یہ کرم کیا تھا۔ ڈی آئی جی نادر حیات کافی سخت گیر آدمی تھے اور جمشید مرزا کی ان سے جان نکلتی تھی۔ عام طور سے کوئی ایسا کیس جمشید مرزا کے کریڈٹ پر نہیں تھا جس میں اسے کامیابی حاصل ہوئی ہوتی اور اس کی وجہ سے اکثر اسے سرکاری لعن طعن بھی سننا پڑتی تھی یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایک بہت بڑا کام سرانجام دے دیا تھا۔ یہی تمام باتیں سوچتا ہوا وہ وہاں پر پہنچا تھا۔ جہاں پولیس کا ایک باقاعدہ گروہ نظر آ رہا تھا۔ کئی موبائل گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ چھوٹے پائے کے افسران بھی ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ وہ باہر ہی سے نگرانی کر رہے تھے۔ ڈی آئی جی کی جیپ بھی کھڑی ہوئی نظر آئی۔ جمشید مرزا کے بارے میں شاید ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ وہاں پہنچ جائے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہوا تھا جو جمشید مرزا کے لیے نئی بات تھی۔

♥.....♥.....♥

بریگیڈیئر شیر خاں ہی کے سلسلے میں کرنل رحیم شاہ کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی کرنل رحیم شاہ بریگیڈیئر کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اس کے کسی عزیز نے کرنل رحیم شاہ کو بریگیڈیئر شیر خان کے قتل کی اطلاع دی تھی۔ ریٹائرڈ بریگیڈیئر شیر خان فوج میں ڈاکٹر تھا اور اب ریٹائر ہو چکا تھا۔

بہرحال اس کا قتل کرنل رحیم شاہ کے لیے بھی دکھ کا باعث تھا۔ بس اتفاق ہی سے کرنل دارالحکومت میں موجود تھا کیونکہ بریگیڈیئر رحیم شاہ کرنل کا بہت ہی گہرا دوست تھا اس لیے اسے خصوصی اطلاع دی گئی تھی اور کرنل رحیم شاہ نے فوراً ہی صوفی سے رابطہ قائم کیا تھا۔ چنانچہ اس وقت صوفی قدرے بہتر حالت میں وہیں موجود تھا۔ کرنل رحیم شاہ ڈی آئی جی نادر شاہ صاحب سے باتیں کر رہا تھا کہ جمشید مرزا نے سامنے پہنچ کر سلیوٹ کیا اور پھر ڈی آئی جی صاحب اسے الگ لے جا کر ساری باتیں بتانے لگے۔ بریگیڈیئر شیر خان کی لاش ان کے بیڈ روم میں تھی اور شاید انہیں سوتے وقت قتل کیا گیا تھا۔ کیونکہ لاش مسہری پر تھی اور ایک خنجر دستے تک اس کے بائیں پہلو میں پیوست تھا۔ شاید اسے نپٹنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ کیونکہ بستر شکن آلود نہیں تھا۔

لاش داہنی کروٹ پر پڑی ہوئی تھی۔ صوفی بالکل ابھی پہنچا تھا۔ کرنل رحیم شاہ سے ابھی اس کی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ ڈی آئی جی نادر حیات نے فوراً ہی کرنل سے رابطہ کیا تھا اور اس سے ہاتھ ملا کر اس کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔ جمشید مرزا نے صوفی کو دیکھا ضرور تھا۔ لیکن ڈی آئی جی کی وجہ سے شناسائی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بس اس کے دل کا چور تھا۔ ورنہ کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر ڈی آئی جی نادر حیات صاحب جمشید مرزا کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہاں آؤ، بریگیڈیئر شیر خان نیک نام شخص تھا اور اس کی موت کے سلسلے میں براہ راست دفتر خارجہ سے ہدایت ملی ہے۔"

"دفتر خارجہ سے بریگیڈیئر صاحب کا کیا تعلق تھا۔"

"یار کمال کرتے ہو یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"نن..... نن نہیں بس۔"

"لاش کا جائزہ لو اور تمام ضروری کارروائیاں کرو۔ تم سب سے بعد میں پہنچے ہو۔"

"سر..... وہ..... میں۔"

"کام کرو، کام کرو۔" اور جمشید مرزا کام کرنے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ وہ کام کیا ہوگا جو اسے کرنا چاہیے۔ ادھر کرنل رحیم شاہ نے صوفی کو ایک طرف بلا لیا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"صوفی صاحب بریگیڈیئر شیر خان کا اپنا ایک ماضی ہے اور سچ بتاؤں کہ ان کے میرے پر احسانات بھی تھے۔ میری اس ٹانگ کا علاج انہوں نے ہی کیا تھا اور حقیقت یہ کہ اگر بروقت یہ ٹانگ کاٹ نہ دی جاتی تو زہر میرے پورے جسم میں پھیل جاتا۔ بڑی جرات سے کام لے کر انہوں نے میرا یہ علاج کیا تھا۔ مجھے ان کی موت کا بے پناہ افسوس ہے۔"

"درویش رحم کریں۔"

"کیا کہتے ہیں آپ اس قتل کے بارے میں۔"

"قاتلوں نے کچھ تھوڑی سی غلط حرکتیں کی ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔" کرنل رحیم شاہ نے اس کے بے تکے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔"

"بس اپنوں نے ایک ڈھونگ رچایا ہے۔"

"براہ کرم آپ وضاحت کیجیے۔" کرنل رحیم شاہ بولا۔

"بریگیڈیئر شیر خاں کا قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔" صوفی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔"

"آپ نے بتایا کہ بریگیڈیئر صاحب کا براہ راست تعلق محکمہ خارجہ سے ہی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ اس وقت موضوع نہیں ہے۔"

"نہیں میں نے ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ البتہ آگے چل کر اس کی ضرورت ضرور پیش آئے گی۔"

''میں آپ کی بات سمجھ نہیں سکا براہ کرم وضاحت کرنا پسند نہیں کریں گے۔'' کرنل رحیم شاہ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں صرف اتنا ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بریگیڈیئر صاحب تو فوجی آدمی تھے کوئی نہ کوئی براہِ راست واسطہ محکمہ خارجہ سے ضرور تھا۔''

''پتا نہیں آپ اس بات پر کیوں زور دے رہے ہیں۔ بہرحال یہ بات معلوم کرنا پڑے گی ویسے آپ نے یہ کس بناء پر کہا کہ قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔''

''لاش کی حالت سے جناب! جناب اعلیٰ۔ آپ ذرا لاش کی کیفیت دیکھیے وہ داہنی کروٹ سویا ہوا ہے۔ یا سویا ہوا تھا...... لہٰذا قاتل نے نہایت آسانی سے بائیں پہلو میں خنجر اتار دیا اور اس کے بعد بریگیڈیئر صاحب کو کروٹ بدلنے تک کی مہلت نہ مل سکی۔ آپ ذرا ان کی جسمانی حالت دیکھیے۔ وہ اتنے کمزور تو نہیں ہیں کہ خنجر لگنے کے بعد سیدھے بھی نہ ہو سکیں۔ کرنل رحیم شاہ پراسرار انداز میں گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

''ایک بات میں آپ کو بتاؤں صوفی صاحب بریگیڈیئر شیر خان بہت زیادہ پینے کے عادی تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نشے کی حالت میں سوئے ہوں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ نشے میں قتل ہونے والے دوسری سانس بھی نہ لے سکے۔''

''درویش رحم کریں۔'' صوفی نے کہا اور چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ ایک بار پھر وہ لاش کے قریب بھی گیا۔ ابھی فوٹو گرافر وغیرہ کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ لاش کے قریب پہنچ کر اس نے جھک کر مقتول کے پیروں کے تلوے دیکھے۔ کرنل رحیم شاہ بہت غور سے...... صوفی کا جائزہ لے رہا تھا۔ صوفی کی اعلیٰ ترین ذہانتوں کا تو وہ دل سے قائل تھا۔ صوفی جہاں جسمانی طور پر ایک فٹ آدمی تھا۔ وہاں اس کی ذہنی کیفیت بھی بہت اعلیٰ تھی۔ پیری مریدی کے مسئلے کے علاوہ اس کی شخصیت میں کوئی ایسا سقم نہیں تھا۔ کرنل رحیم شاہ نے کچھ لمحوں کے بعد صوفی صاحب سے کہا۔

''جی صوفی صاحب۔'' اگر بریگیڈیئر صاحب نشے میں تھے تو، مگر ٹھیک ہے کیا یہ پتا چل سکتا ہے کہ بریگیڈیئر صاحب پچھلی رات کہاں کہاں رہے تھے۔''

''آپ کے ذہن میں ضرور کوئی خاص بات ہے صوفی صاحب آپ براہِ کرم مجھے بتایئے۔''

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بریگیڈیئر صاحب کچھ عجیب و غریب فطرت کے مالک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتے تھے اور ہواؤں میں اڑتے تھے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ صوفی صاحب بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''جناب اعلیٰ۔ اگر بریگیڈیئر صاحب ننگے پاؤں نہیں پھرتے تھے تو ان کے سلیپر اور جوتے کہاں ہیں۔ آپ بتایئے یہاں اس کمرے میں۔ ان کے پاؤں کا کوئی جوتا وغیرہ نظر آتا۔'' کرنل رحیم شاہ نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر صوفی کی طرف دیکھنے لگا۔

''واقعی ایسی کوئی چیز یہاں ہے تو نہیں۔''

''وہ کسی وقت رات جہاں سے یہاں تک آئے ہوں گے۔ ننگے پاؤں ہی یہاں آئے ہوں

گے کیونکہ یہاں جوتے نہیں ہیں۔ لیکن آپ دیکھ لیجیے۔ ان کے تلوؤں پر ذرا بھی گرد نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کے پاؤں زمین پر پڑے ہی نہ ہوں۔ کرنل رحیم شاہ پورے غور کے ساتھ چاروں طرف شیر خان کے جوتے تلاش کرنے لگے۔ اور اس کے بعد وہ سیدھے ہو گئے۔ اس دوران صوفی لاش کے قریب جا کر خنجر کے دستے پر جھک گیا تھا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''واہ، کمال کی بات ہے۔''

''کچھ اور کمال ہو گیا صوفی صاحب۔'' کرنل رحیم شاہ نے مسکرا کر کہا۔

''بس درویشوں کا کرم ہو رہا ہے۔ ذرا اس خنجر کو دیکھیے۔ اس پر ایک نام کندہ ہے۔''

''نام۔'' کرنل رحیم شاہ خنجر پر جھک گیا۔ خنجر کے خوب صورت دستے پر سائرہ حمید لکھا ہوا تھا۔

''اوہو...... سائرہ حمید۔''

''آہستہ جناب! آہستہ لیکن اب ذرا ایک بات بتایئے کیا سائرہ حمید اس طرح اپنی پبلسٹی چاہتی ہیں درویشوں کے کرم سے۔''

''مطلب۔''

''ذرا غور سے دیکھیے۔ انہوں نے اپنے نام والا خنجر استعمال کیا قتل کے لیے اور پھر بڑے اطمینان سے اسے لاش کے بدن میں چھوڑ گئیں۔

''ہوسکتا ہے وہ اسے نکالنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوں۔'' کرنل رحیم شاہ نے کہا۔

''وہ اسے دستے تک گھونپنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ ٹھنڈی لاش میں تو خنجر با آسانی دستے تک اتارا جا سکتا ہے۔''

''ٹھنڈی لاش۔'' کرنل رحیم شاہ پھر چونک پڑا۔

''میں یہ عرض کر رہا تھا کہ درویشوں کی دعاؤں سے کہ کسی ایسی لاش کے پہلو میں جو ٹھنڈی ہو چکی ہو۔ دستے تک خنجر اتار دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔''

''گویا تمہارا مطلب ہے......''

''درویش ہم سب پر رحم کریں حق اللہ...... حق اللہ...... اندازہ یہی ہو رہا ہے کہ یہ خنجر لاش ٹھنڈی ہونے کے بعد گھونپا گیا ہے اور ظاہری بات ہے کہ اصل مجرم سائرہ حمید کو پھنسانا چاہتا ہے۔''

''لیکن صوفی صاحب آپ اس خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ کیا لاش ٹھنڈی ہو جانے کے بعد اس طرح خون نکل سکتا ہے۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کی کہانی بھی سنا دے گی جناب اعلیٰ۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس خون کا تعلق اس لاش سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔''

''خدا کی پناہ۔'' کرنل رحیم شاہ نے گہری سانس لی۔ ادھر جمشید مرزا شدید بے چین نظر آیا تھا۔ صوفی اور کرنل رحیم شاہ جو باتیں کر رہے تھے اس کا بے چینی سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ انہیں سنے کرنل رحیم شاہ کو وہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہ اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ کرنل رحیم شاہ کوئی بڑی شخصیت ہے۔ ڈی آئی جی صاحب

سے یہ بات پوچھنے کی ہمت بھی نہیں پڑ رہی تھی۔ صوفی کی پہنچ بھی دیکھ چکا تھا کہ شاہ میر خان صاحب بھرپور طریقے سے صوفی کی پشت پناہی کرتے تھے۔ صوفی کے ساتھ اچھے تعلقات کی خواہش کا اظہار بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ڈی آئی جی صاحب کی توجہ اس وقت اسی طرف کی مبذول تھی۔ چنانچہ یہ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ البتہ ایک دو بار کھسیں نکال کر صوفی کی طرف دیکھا تھا۔ مگر صوفی جیسے ٹھس آدمی سے کسی جوابی کوشش کی توقع نہیں تھی۔ یہی شکر تھا کہ وہ ڈی آئی جی کے سامنے جمشید مرزا کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتا تو ساری پول ہی کھل جاتی۔

بہرحال ڈی آئی جی صاحب نے محکمے کے جن لوگوں کو طلب کیا تھا وہ پہنچ گئے فوٹو وغیرہ بنائے گئے۔ تمام تر معلومات اکٹھا کی گئیں۔ پولیس روزنامچے کی ترتیب بھی کی جانے لگی اور اس کے بعد لاش ٹھکانے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ کرنل رحیم شاہ ایک بار پھر ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے بات چیت کرنے لگا۔ وہ لوگ غالباً اس موضع پر بات کر چکے تھے کہ کرنل رحیم شاہ یہاں کس طرح پہنچا ہے جب تمام ارروائیاں ہو گئیں تو ڈی آئی جی صاحب نے جمشید مرزا سے کہا۔

''میں چاہتا ہوں تم آخری نگرانی کر کے واپس آ جاؤ۔'' جمشید مرزا نے بے بسی سے ہاتھ ملے یہ کام اس وقت ہوا تھا جب صوفی کرنل رحیم شاہ کے ساتھ چلا گیا اب یہ سب کچھ سوچنا بے کار تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا کام مکمل کیا پھر جب وہ دفتر پہنچا تو ڈی آئی جی نادر حیات نے اسے فوراً ہی طلب کر لیا۔''

''بریگیڈیئر شیر خان کا تعلق براہِ راست وزارت خارجہ سے تھا۔ اب کیا تعلق تھا، اس کی تفصیل اتنی آسانی سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاہم تم اس سلسلے میں بھرپور کارروائی شروع کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح تم نے اپنی فطرت میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور کام کے موڈ میں آ گئے ہو اس بار بھی تم اسی ذہانت کا ثبوت دو گے۔ شمیان ہو جیسی تاریخی شخصیت کو گرفتار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ میں تم سے بہت زیادہ امید رکھتا ہوں۔''

''سر! اگر گستاخی نہ تصور فرمائیں تو ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔'' جمشید مرزا نے کہا۔

''ہاں پوچھو۔''

''وہ صاحب کون تھے جن کی ایک ٹانگ نہیں تھی۔''

''کرنل رحیم شاہ جانتے نہیں ہو تم؟ آرمی کی ناک رہ چکے ہیں وہ، ایسے ایسے اعلیٰ کارنامے ان کے نام سے منسوب ہو چکے ہیں کہ اگر ان پر ایک کتاب لکھنے بیٹھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی بیچارے ایک ٹانگ سے محروم ہونے کے بعد مجبوری کی حالت میں ریٹائر کیے گئے ورنہ نجانے کتنے تمغے اپنے سینے پر سجا لیتے۔''

''اور ان کے ساتھ جو ایک عجیب و غریب شخصیت تھی۔''

''صوفی، کسی زمانے کا انسپکٹر صوفی ایک عجیب و غریب شخصیت جس کی زیادہ تفصیل مجھے معلوم نہیں لیکن اب وہ محکمہ پولیس میں نہیں ہے۔'' جمشید مرزا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ رحیم شاہ اس سے زیادہ اور کیا معلومات حاصل کرتا۔

♡.....♡.....♡

گھر واپس جانے کا کیا سوال تھا۔ کرنل رحیم شاہ ساتھ تھا چنانچہ دونوں گرین ہاؤس میں پہنچے تھے۔ کرنل رحیم شاہ کے چہرے پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ گرین ہاؤس میں تمام لوگ موجود تھے۔ کرنل رحیم شاہ اپنے مخصوص کمرے میں پہنچ گیا پھر اس نے دلاور کو بلا کر ناشتے کے لیے کہا اور دونوں ناشتے کا انتظار کرنے لگے۔

''آپ براہِ کرم ابھی پان نہ کھائیے گا صوفی صاحب! اس سلسلے میں ذرا تفصیلی بات چیت کریں گے۔ آپ نے بڑے انوکھے انکشافات کیے ہیں۔ ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔''

''جو کچھ بھی فرمایا ہے شواہد کی روشنی میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پتہ چل ہی جائے گا۔ ویسے بریگیڈیئر شیر خان کی شخصیت پر مزید کچھ روشنی ڈالیے گا۔''

''بس ایک نیک نام آدمی تھا۔ ریٹائر ہو چکا تھا۔ بہت عرصے سے اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ خنجر پر جو نام ہے سائرہ حمید کا، تو ہو سکتا ہے ایسی کسی سائرہ حمید کا وجود ہی نہ ہو لیکن پھر قاتلوں نے یہ سب کیوں کیا۔ اس کے علاوہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس لاش کو خواب گاہ میں پہنچا کر اس کا لباس تبدیل کراتے ویسے آپ دیکھ لیجیے گا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہ سکے گی کہ موت خنجر لگنے سے واقع نہیں ہوئی درویشوں کے کرم سے اور ایسی صورت میں یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ یا تو قاتل بہت ہی اناڑی تھا یا بے پناہ چالاک۔ چالاک اس لیے کہ اس نے یہ سب کچھ پولیس کو الجھانے کے لیے ہی کیا ہو۔''

''ہوں..... بہرحال معلومات تو حاصل ہو ہی جائیں گی میں خود بھی اس سلسلے میں اپنے اختیارات سے کام لوں گا۔ اس نام کے بارے میں معلومات حاصل ہونا ضروری ہیں۔''

''جی سر! ڈی آئی جی صاحب براہ راست اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ میں نے وہاں جمشید مرزا صاحب کو بھی دیکھا تھا۔ یہ وہی ہیں جو مجھ سے مخاصمت رکھتے ہیں۔''

''مگر شمیان ہو کے کیس میں تو آپ نے سہرا اس شخص کے سر باندھ دیا تھا۔''

''جی ہاں بس درویشوں کا حکم تھا ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا البتہ آپ ذرا ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ رکھیے گا۔ مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بارے میں بھی پتا چلنا چاہیے ویسے اگر اور کوئی گفتگو نہ فرما رہے ہوں تو میں ذرا شازیہ وغیرہ کو طلب کر لوں''

''ہاں ہاں ضرور اگر آپ ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ شازیہ آئی تو پیچھے پیچھے دلاور بھی ناشتہ لیے ہوئے آ گیا۔

''غلام قادر کو بھی بلا لیجیے گا آپ لوگوں کو شکایت تھی ناں کہ آپ کے سپرد کوئی ذمے داری نہیں کی جا رہی۔ ذرا تفصیلی گفتگو سنیے گا اور اس کے بعد تربیتی کورس کا پہلا مرحلہ شروع کر دیجیے گا۔'' کرنل رحیم شاہ نے ناشتہ اپنے سامنے سرکا لیا تھا۔ صوفی نے کہا۔

''آج رات کو شازیہ اور دلاور غلام قادر کے ساتھ بریگیڈیئر شیر خان کے گھر کی تلاشی لیں گے۔ میں ساری تفصیلات انہیں بتائے دیتا ہوں۔ انہیں ایسی شہادتیں تلاش کرنا ہوں گی جن سے اس واردات پر

روشنی پڑ سکے۔ خاص طور سے سائرہ حمید کے بارے میں معلومات۔" شازیہ خوش ہو کر بولی۔

"یہ ہوئی نا بات! چھوٹے بابا آپ بے فکر رہیں ہم اس طرح کام کریں گے کہ ایک بار پھر آپ پر ہماری ساکھ قائم ہو جائے گی۔"

"درویش آپ لوگوں کو اپنی پناہ میں رکھیں۔ اگر اجازت ہو تو اب میں جاؤں۔"

"ہاں میں ابھی یہیں ہوں تم سے رابطہ رکھوں گا۔" کرنل رحیم شاہ نے کہا پھر اسی شام کرنل رحیم شاہ نے صوفی سے رابطہ قائم کیا اور کہا۔

"صوفی صاحب آپ کے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ تو ابھی تک نہیں ملی ہے لیکن ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ کرنے پر مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک اتفاقیہ اور غیر متوقع شہادت نے واقعات کا رخ ایک بالکل ہی مختلف سمت موڑ دیا ہے مجھے پتا چلا ہے کہ بریگیڈیئر شیر خان ان دنوں کسی عورت کے معاملے میں الجھے ہوئے تھے اور یہ عورت سائرہ حمید بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے یہ سب کچھ بڑا ضروری ہے کیونکہ وہ میرا گہرا دوست تھا۔ محکمہ پولیس جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ کرتا رہے میں اس کے بارے میں مکمل تحقیقات چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب آپ اطمینان فرمایئے گا۔ میں اس مسئلے میں پوری توجہ کے ساتھ کام کروں گا۔" صوفی نے جواب دیا۔

♥.....♥.....♥

حسینہ نے پہلے ان لڑکیوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت سا ساز و سامان لے کر آئی تھیں اور انہوں نے کہا تھا کہ وہ لڑکے والوں کی طرف سے آئی ہیں۔ یہ بات حسینہ کو معلوم تھی کہ اس کی شادی ہو رہی ہے بہر حال آنے والوں نے کہا۔

"ہم تمہیں دلہن بنانے آئے ہیں بس سمجھو تھوڑی دیر کے بعد بارات آ جائے گی۔"

"ہائے میرے مولا۔ میں دلہن بنی کیسی لگوں گی۔"

"بننے کے بعد آئینے میں دیکھ لینا۔" آنے والیوں میں سے ایک نے کہا اور اس کے بعد وہ حسینہ کو سجانے لگیں۔ انہوں نے اس کے جسم پر ابٹن ملا پھر چہرہ دھلایا اور اس کے بعد اسے ایک انتہائی خوبصورت دلہنوں کا لباس پہنا کر اس کی آرائش کرنے لگیں۔ بال ایک خاص انداز میں گوندھے گئے اور پھر چہرے پر لیپا پوتی کی جانے لگی۔ خاصی دیر میں وہ اس کام سے فارغ ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے آئینہ حسینہ کے سامنے کر دیا اور حسینہ اسے دیکھ کر حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"مم..... مم میں..... میں کہاں ہوں۔" وہ بولی۔

"یہ تم ہی تو ہو۔"

"اے اللہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔" حسینہ نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔ اسی وقت باہر سے بینڈ باجے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"بارات آ گئی، بارات آ گئی۔" آنے والیوں نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ گئیں۔ حسینہ

کمرے میں تنہا رہ گئی اس نے ایک بار پھر آئینہ اٹھا کر اپنے آپ کو غور سے دیکھا۔ اور پھر حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔

"ہوں تو میں ہی مگر میرا رنگ یہ ایسا صاف کیسے ہو گیا۔" پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ وہ جملہ عروسی میں پہنچ گئی۔ مسہری پھولوں سے سجی ہوئی تھی۔ چاروں طرف لڑیاں لٹک رہی تھیں اور اس کے بعد دولہا اندر آ گیا۔ یہ شیروانی اور پاجامے میں ملبوس تھا۔ اس نے پھولوں کی لڑیاں ہٹائیں اور پھر حسینہ کا گھونگھٹ اٹھا دیا۔ حسینہ نے شرمائی ہوئی نگاہوں سے اپنے شوہر کا چہرہ دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے ایک ڈری ڈری چیخ نکل گئی۔

"یہ تم ہو..... تم" اس کے سامنے جمشید مرزا کھڑا ہوا تھا۔

"تیرا بیڑہ غرق ہو کتے کے پلے ارے میری تجھ سے شادی کر دی گئی۔ ہائے ایسا نہیں ہو گا خودکشی کر لوں گی۔ کتے کی موت مر جاؤں گی۔ پر تیری بیوی بن کر زندہ نہیں رہوں گی۔ ارے مجھے پولیس والوں سے تو ویسے ہی نفرت ہے۔" حسینہ نے اپنا زیور نوچ پھینکا۔ رگڑ رگڑ کر چہرہ صاف کیا اسی وقت گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور وہ بری طرح اچھل پڑی۔ کون آ گیا اس نے سوچا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مزید دو تین بار گھنٹی بجی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اے میرے مولا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ خواب تھا اگر یہ خواب نہ ہوتا اور میری شادی واقعی اس پولیس والے سے ہو گئی ہوتی تو میرا کیا ہوتا۔ گھنٹی پھر بجی اور وہ زور سے دھاڑی۔

"ارے سب مر گئے کیا کوئی گھنٹی سننے کی کوشش ہی نہیں کر رہا۔ ایک میں ہی رہ گئی ہوں۔ مصیبت کی ماری۔" وہ بکتی جھکتی باہر آئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی ڈی ایس پی جمشید مرزا موجود تھا اس کے ساتھ دو آدمی تھے جو کچھ ٹوکرے اٹھائے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ پھلوں کے ٹوکرے تھے اور ایک شاید مٹھائی کا تھا۔ حسینہ نے جمشید مرزا کو دیکھا اور دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔"

"جان دے دوں گی۔ قسم اللہ کی، تجھ سے شادی نہیں کروں گی ارے تیرا ستیاناس کہاں سے میری جان کے پیچھے پڑ گیا واپس چلا جا نہیں چاہیے مجھے تیری مٹھائی اور یہ..... یہ....."

"کیا بکواس کر رہی ہو، صوفی صاحب کہاں ہیں۔" جمشید مرزا کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"اے..... پیچھے ہٹ کیا بدتمیزی کر رہی ہے یہ۔" ساتھ آنے والے پولیس والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ہیں..... ارے زبردستی ہے کیا؟ نہیں کرتی تم سے شادی کیوں لائے ہو میرا رشتہ۔"

"ہوں، رشتہ لایا ہوں میں تمہارا۔" جمشید مرزا نے آگے بڑھ کر اسے زور سے دھکا دیا اور حسینہ بیگم گرتے گرتے بچی۔

"مار دیا..... مار دیا..... مار دیا ختم کر دیا ارے بچا لو کوئی بچا لو میرے مولا۔" اسی وقت صوفی دوڑتا ہوا باہر نکل آیا تھا صوفی کا حلیہ دیکھ کر دونوں پولیس والے جو ٹوکرے اٹھائے ہوئے تھے بڑی مشکل سے ہنسی دبانے کی کوشش کرنے لگے۔ کپڑے کی بنڈی اور نیچے چھوٹا سا تہبند جو گھٹنوں تک تھا۔ کھلے ہوئے بازو، کھلی ہوئی ٹانگیں، اونٹ جیسی لمبی گردن چگی داڑھی۔ دیکھنے کے قابل شخصیت تھی۔ جمشید مرزا نے بھی بمشکل تمام منہ

پر ہاتھ رکھ ہلکی دبائی۔ پھر آگے بڑھ بولا۔

"صوفی صاحب یہ آپ کی ملازمہ غالباً خواب دیکھ رہی ہے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ یہ میرے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔"

"وو...... وو...... درویش درویش رحم کریں شش...... شادی۔ تت...... تت تو کیا یہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"ارے کچھ نہیں ہو رہا۔ پاگل خانے میں آ پھنسی ہوں جسے دیکھو پاگل پن کی باتیں کر رہا ہے ارے ہاں۔" حسینہ نے وہاں سے بھاگ جانا ہی مناسب سمجھا صوفی نے چونک کر کہا۔

"مگر مرزا صاحب یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"بس آپ سوال نہیں کریں گے چلو اندر رکھو یہ ساری چیزیں۔" جمشید مرزا نے پولیس والوں سے کہا اور وہ اندر چلے گئے۔ صوفی ہائیں...... ہائیں ہی کرتا رہ گیا۔ جمشید مرزا نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اب آپ مجھے عمدہ سا ناشتہ کرائیں گے اور میں آپ کو تمام صورت حال بتاؤں گا۔"

"جج...... جج...... جی درویش رحم کریں۔" صوفی نے کہا اور پھر جمشید مرزا کو لے جا کر ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا پھر بولا۔

"اگر اجازت ہو تو کچھ لباس وغیرہ تبدیل کر لوں۔"

"ہاں...... ہاں اجازت...... اجازت۔" جمشید مرزا نے کہا اور صوفی کمرے سے باہر نکل گیا۔ دونوں پولیس والے باہر چلے گئے تھے۔ جمشید مرزا ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔ بہرحال یہ گھر خاصی بہتر حالت میں تھا۔ صوفی نے اپنے گھر کو اپنے مزاج کے مطابق ہی رکھا تھا یہ کرنل رحیم شاہ کی طرف سے عطیہ تھا اور کرنل ہی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد صوفی ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا۔ ڈھیلا ڈھالا پاجامہ اور قمیص پہنے ہوئے تھا۔ قمیص کی جیب میں پانوں کی ڈبیا اور بٹوہ صاف نظر آ رہا تھا۔ جمشید مرزا نے اسے دیکھا اسی وقت صوفی کی آواز ابھری۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، بیٹھیے صوفی صاحب سوچ تو رہے ہوں گے کہ صبح ہی صبح میں کیسے نازل ہو گیا۔"

"جج...... جج جی ہاں بالکل یہی سوچ رہا تھا میں۔" صوفی نے جواب دیا۔

"ناشتے کے لیے کہہ دیا ہے۔ حسینہ لاتی ہی ہو گی۔"

"یار صوفی صاحب ایک بات کہوں آپ سے میں آپ کو دو ملازمائیں گفٹ کر سکتا ہوں آپ اس بھتنی کو نکال دیجیے گا۔"

"یہ بھی ہمارے لیے ایک گفٹ ہی ہیں، درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا خوب ہنسا پھر بولا۔

"ویسے آپ کی شخصیت لاجواب ہے حقیقت یہ ہے کہ پچھلے دنوں کسی اور کی وجہ سے ہمارے درمیان جو ذرا سی چپقلش پیدا ہوئی تھی۔ میں آج تک اس پر شرمندہ ہوں۔"

"حق اللہ" صوفی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناشتے کے بعد بات چیت ہو گی۔ میں بھی بس موڈی آدمی ہوں آپ سے ملنا تھا۔ تو میں نے سوچا کہ مل ہی لیا جائے۔ آج کا کام کبھی کل پر نہیں چھوڑتا۔ ویسے صوفی صاحب حقیقت یہ ہے کہ آپ نے میری عزت بنا دی ہے لیکن اس سے تھوڑا سا نقصان بھی ہوا ہے۔"

"درویش رحم فرمائیں میں شرمندہ ہوں۔" صوفی نے کہا۔

"نہیں نہیں غلط نہ سمجھیے نقصان یہ ہوا ہے کہ اب کسی بھی الجھے ہوئے بڑے معاملے میں سیدھا سیدھا مجھے طلب کر لیا جاتا ہے۔ جب کہ پہلے اگر کوئی کیس دے بھی دیا جاتا تھا۔ تو زیادہ سے زیادہ ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ اللہ...... اللہ خیر صلا۔ یہ توقع نہیں ہوتی تھی میرے اعلیٰ افسران کو کہ میں یہ مسئلہ حل کر لوں گا۔ اس لیے وہ میرے بارے میں پریشان ہی نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی میں کسی کیس کے بارے میں پریشان ہوتا تھا۔" جمشید مرزا نے کہا اور پھر ہنس پڑا اسی وقت حسینہ ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ دو پیالیوں میں چائے تھی ایک پلیٹ میں پاپے رکھے ہوئے تھے۔ جمشید مرزا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناشتے کو دیکھا۔ صوفی نے ایک پیالی جمشید مرزا کے سامنے رکھی۔ ایک اپنی طرف کھسکا لی اور پلیٹ میں سے ایک پاپا نکال کر آدھے کے قریب چائے کی پیالی میں بھگو دیا۔ پاپا کچھ زیادہ بھیگ گیا تھا۔ اوپر اٹھایا تو وہ آدھا ٹکڑا ٹوٹ کر چائے کی پیالی میں گر پڑا۔

"صوفی نے بڑے اطمینان سے پیالی میں انگلیاں ڈال کر پاپا اٹھایا اور اپنے ناپ دان میں رکھ لیا۔ جمشید مرزا کے منہ سے اب بھی کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ صوفی نے گھلا ہوا پاپا حلق میں اتارا اور پھر جمشید مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بسم اللہ فرمائیے آپ انتظار کر رہے ہیں۔"

"یہ...... یہ...... یہ ناشتہ ہے۔" جمشید مرزا نے کہا۔

"وہ...... جج...... جی ہاں بخدا اس سے بہتر ناشتہ روئے زمین پر آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا۔ صبح ہی صبح طبیعت بوجھل ہونے سے بچاتا ہے۔ لیجیے...... لیجیے تکلف نہ فرمائیے۔" جمشید مرزا جس مقصد کے لیے آیا تھا۔ اس میں کسی بھی مسئلے میں ناک بھوں نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ زندگی میں کبھی اس نے ایسا ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اس نے پاپا اٹھایا اور صوفی ہی کے انداز میں اسے چائے میں ڈبو کر حلق میں اتارنے لگا۔ صوفی اتنی دیر میں تین پاپے ہڑپ کر گیا تھا۔ جمشید مرزا نے بمشکل تمام ایک پاپا لیا اور چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔

"اور لیجیے...... اور لیجیے تکلف نہ فرمائیے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"نہیں شکریہ...... میں صبح کو عموماً ناشتہ کرتا نہیں ہوں بس یہ ایک ہی کافی ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے اچھا اب یہ فرمائیے کیسے زحمت کی۔"

"صوفی صاحب ممنون کرم تو میں آپ کا پہلے ہی ہو چکا ہوں اب بریگیڈیئر شیر خان کے قتل کے سلسلے میں ایک بار پھر سے ملاقات ہو گئی۔ ڈی آئی جی صاحب نے بڑے پُراعتماد انداز میں یہ کیس میرے سپرد کیا ہے۔ ویسے صوفی صاحب کرنل رحیم شاہ کے بارے میں بھی مجھے معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ لیکن

آپ لوگ وہاں کیسے پہنچ گئے۔ مطلب یہ کہ کیا اس سلسلے میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بس درویش راہنمائی کرتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔"

"آپ نے کچھ اندازے لگائے۔" جمشید مرزا نے سوال کیا۔

"جی ہاں مقتول واقعی قتل ہوا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔" جمشید مرزا نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی اور بولا۔

"وہ بھی درویشوں کی دعاؤں سے قتل ہوا ہے۔"

"نن..... نن..... نہیں ہمارا مطلب ہے کہ..... کہ..... کہ۔"

"صوفی صاحب آپ سے کچھ ایسی محبت ہوگئی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کا مرید بن جاؤں۔"

"ارے نہیں ہم گناہگار کل ہیں آپ ایسی بات کہہ کر ہمیں شرمندہ نہ فرمائیے گا۔"

"نہیں واقعی صوفی صاحب کیا ذہانت پائی ہے آپ نے کیا اعلیٰ سوچ ہے۔"

"شکریہ..... شکریہ حق اللہ۔" صوفی نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ سے کچھ فیض حاصل کروں۔"

"میں نے عرض کیا ناں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ صرف عاشق درویش ہوں اپنے مسائل لے کر مزارات پر چلا جاتا ہوں اور یہ سمجھ لیجیے رحمتیں، برکتیں اور محبتیں سمیٹ کر لے آتا ہوں جو میرے راستے متعین کرتی ہیں۔ آپ بھی اگر ایسی کوئی چیز چاہیں تو مزارات پر تشریف لے جایا کریں۔ قوالیاں کرالیا کریں۔ پھر دیکھیے چار چاند لگ جائیں گے آپ کی کارکردگی میں۔"

"کیا واقعی! تو پھر ٹھیک ہے صوفی صاحب ابتداء میں آپ ہی کو میری رہنمائی کرنا ہوگی۔"

"بسر و چشم..... بسر و چشم درویشوں کے کرم سے۔"

"بات طے ہوگئی بس آپ کی سربراہی میں میں یہ سب کچھ کروں گا۔ ویسے صوفی صاحب کیا خیال ہے آپ کا بریگیڈیئر شیر خاں کے قتل کے سلسلے میں ابھی تک کوئی بصیرت افزائی ہوئی۔"

"نہیں بس وہ خنجر قابل توجہ ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی طے ہے کہ شیر خان کو وہاں قتل نہیں کیا گیا جہاں ان کی لاش پڑی ہوئی ملی ہے۔"

"کیا" جمشید مرزا اچھل پڑا۔

"ہاں حالات و شواہد..... صوفی نے بڑے خلوص کے ساتھ جمشید مرزا کو وہ پوائنٹ بتائے جو اس نے خود نوٹ کیے تھے اور کرنل رحیم شاہ کے ساتھ ان کے بارے میں بات چیت ہوئی تھی۔

"بخدا آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ واقعی میں ان لائنوں پر غور کروں گا، پھر کافی دیر تک جمشید مرزا صوفی کے پاس رہا تھا اور صوفی اسے بہت سے نکتے سمجھاتا رہا تھا۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

جمن خان نے معشوق نشیلے کا چہرہ دیکھا اور ساتھ بیٹھے ہوئے قدوس بیگ سے کہا۔

"یہ معشوق کو کیا ہوگیا ہے۔"

"کیوں کیا آج کل توجہ نہیں دے رہی۔" قدوس بیگ نے بے اختیار پوچھا۔

"کون۔" جمن خان چونک کر بولے۔

"نن..... نن..... نہیں میرا مطلب ہے کونسی معشوق کی بات کر رہے ہو۔"

"اماں قدوس بیگ سچی سچی قسم کھا کر بتا دینا کتنی عمر ہوگئی ہے۔"

"کک..... کس کی۔" قدوس بیگ غالباً کوئی اوپری نشہ کرتے تھے۔

"تمہاری اور کس کی۔"

"پپ..... پپ پتا نہیں کون کم بخت عمر کو یاد کرتا ہے عمر کو یاد کر لو اور بوڑھے ہو جاؤ۔"

"تم پر تو جوانی چھا رہی ہے ناں۔ اماں ساٹھ سے اوپر کے ہوگئے ہو لگتا ہے تو میری بات بالکل سٹھیا گئے ہو۔ معشوق کو نہیں جانتے تم۔ معشوق نشیلے کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں..... لل لاحول ولا قوۃ یار! اس شخص کو گولی مار دینے کو جی چاہتا ہے جس نے اس بے تکے شخص کا نام معشوق رکھا ہے۔ بھلا اس بلائے دے درماں کا معشوقیت سے کیا تعلق۔

"اوہ بھائی میں تجھ سے افسانہ نگاری نہیں کرا رہا۔ معشوق نشیلے کی بات کر رہا ہوں سنا ہے صوفی صاحب کے پاس رہنے لگا ہے مگر اس قدر بجھا بجھا سا پہلے تو نہیں تھا۔"

"ایں، ہاں کہہ تو ٹھیک رہے ہو یہ کمبخت وبی سے کیا کما کر لایا ہے یہ آج تک سمجھ میں نہیں آ سکا۔ رہتا تو وہی پھٹے حال میں ہے۔"

"آؤ ذرا بات چیت کرتے ہیں اس سے۔"

"چلو۔" قدوس بیگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ جمن خان بھی ہوٹل کے کاؤنٹر سے باہر نکل آئے۔ معشوق نشیلے ایک میز پر سر جھکائے ماچس کی تیلی سے میز پر بے نام لکیریں ڈال رہے تھے۔ یہ دونوں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے تو انہوں نے چونک کر دونوں کو دیکھا اور ماچس کی تیلی دانتوں میں دبالی۔

"کیا آپ نے تخلص بدل دیا ہے نشیلے صاحب۔" قدوس بیگ نے پوچھا۔

"شاعری کون کم بخت کر رہا ہے آج کل۔"

"او، ہو، ہو، ہو پہلے تو آپ مشاعرہ کرتے تھے آخر کار شاعری پر اتر آئے۔" جمن خان نے کہا۔

"مذاق نہ اڑائیں بھائی۔"

"نہیں اڑا رہے ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ اپنا تخلص بدل کر مغموم رکھ لیں۔" معشوق نشیلے ہی اچھا ہے، قدوس بیگ بولے۔

"میں سمجھ گیا آپ لوگ میرا مذاق اڑانے آئے ہیں۔"

"بالکل نہیں بلکہ غمگساری کرنے آئے ہیں۔ ہوا کیا ہے میرے بھائی دوستوں سے بھی چھپاؤ گے ویسے تو آج کل تم درحقیقت ترچھی نظر بن گئے ہو نظر ہی نہیں آتے۔ صوفی صاحب کا کیا حال ہے انہیں بھی شاید وہ کوٹھی راس آ گئی۔ کہتے تھے کہ یاروں کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ پتا نہیں کتنے ہفتے سے ادھر کا چکر نہیں لگا۔"

"مصروف ہیں آج کل یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔"

"آپ سنایئے اپنی یہ صورت پر پارہ کے بجائے تیرہ کیوں بجنے لگے ہیں۔" معشوق نشیلے نے اداس نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا پھر گردن جھکا کر بولے۔

"ڈرتے تھے جس بات سے وہی ہوگئی۔"

"ارے..... ارے کیا ہوا۔"

"محبت، عشق۔"

"اللہ، اللہ۔" قدوس بیگ نے غلام صابری کی آواز میں کہا۔

"اڑا لیجیے اڑا لیجیے مذاق ہم تو یہی کہیں گے کہ خدا تجھے دوست طوفاں سے آشنا کردے۔"

"اماں بھائی طوفان گزر چکا ہے اب تو ساحل کی خشک ریت ہے بقول جمن خان کے ساٹھ سے اوپر چلے گئے ہیں۔ پتا نہیں عمر کی تیز رفتاری کے لیے کوئی بریک کیوں نہیں ایجاد ہوئے۔" مگر تمہیں کیا ہوا ہے بتادو تمہیں یاروں کی قسم۔"

"اچانک ہی پتا چلا ہے کہ عشق ہوگیا ہے۔"

"معشوق تو آپ خود ہیں معشوق دلنواز کون ہے آخر۔"

"حسینہ۔" نشیلے صاحب نے کہا۔

"سوفی صدی وہ حسینہ ہی ہوگی۔ مگر کون ہے کہاں رہتی ہے۔"

"نام ہی حسینہ ہے صوفی صاحب کے ہاں نوکری کرتی ہے۔"

"ایں۔" دونوں اچھل پڑے۔

"ہاں ہری مرچ کی طرح تیز، لیلیٰ کی طرح کالی، فتوش کے بارے میں کیا بتائیں نمک کی بوری ہے۔"

"سبحان اللہ..... سبحان اللہ، آپ نے تو واقعی شاعری کا حق ادا کردیا۔ کیا نقشہ کھینچا ہے معشوقہ دلنواز کا۔"

"یار کچھ تو خیال کرو۔" معشوق نشیلے نے افسردگی سے کہا۔

"کس سلسلے میں۔"

"مسلسل اسے معشوقہ دلنواز کہے جارہے ہو جبکہ میں اس سے جذباتی رشتہ رکھتا ہوں۔"

"ارے ارے نہیں۔ مطلب یہ کہ معشوقہ دل نواز تو آپ کی اور بھابی ہماری۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔"

"مگر پوری واردات تو سنایئے معشوق صاحب۔"

"بس زندگی میں پہلی بار عشق ہوا اور یہ پتا چل گیا کہ عشق کا تعلق شکل وصورت سے نہیں ہے بس عشق وہ آگ ہے معشوق جو لگائے نہ لگے اور بجھائے بھی نہ لگے۔" معشوق نشیلے نے حسب عادت شعر کے ساتھ ظلم کرتے ہوئے کہا۔

"واہ..... واہ..... واہ..... واہ..... یہ فارسہ میں کہا ہے آپ نے۔"

"قطعی، قطعی ہم جو کچھ کہتے ہیں فارسہ ہی میں کہتے ہیں۔" معشوق نشیلے نے کہا۔

"تو پھر شادی کب کر رہے ہیں۔"

"یہی تو بدنصیبی ہے دوستو کہ شادی تک بات نہیں پہنچ سکتی۔"

"کیوں؟"

"بس ذرا مزاج کی تیکھی ہیں ذرا سی بات پر جوتا ہاتھ میں اٹھالیتی ہیں۔"

"اماں، واللہ آپ کی تو عاقبت سنور گئی معشوق صاحب۔"

"بھلا وہ کیوں۔"

"سنا ہے بیوی کا جوتا جہاں پڑے وہاں دوزخ کی آگ حرام ہوجاتی ہے سو پچاس جوتے روز کھالیا کریں سمجھ لیں جنتی ہوگئے۔"

"..... اڑا لیجیے..... اڑا لیجیے وقت آئے گا آپ کا بھی مذاق اڑے گا۔"

"تو وہ محترمہ مان نہیں رہیں کیا۔"

"ہم تو ایک بات جانتے ہیں کہ اگر کبھی اظہار دل کردیا تو ہسپتال میں ملاقات ہوسکتی ہے۔"

"حل ہے..... حل ہے اس کا یقین کیجیے بہتوں کی مشکل حل ہوچکی ہے۔" قدوس بیگ نے کہا۔

"کیسے بھائی آپ سے بڑھ کر ہمارا دوست اور کون ہوسکتا ہے۔"

"یہ بتایئے پیر جلالو کا نام سنا ہے کبھی۔"

"پیر جلالو۔" معشوق نشیلے نے کہا۔

"جی، صوفی صاحب تو اچھی طرح جانتے ہیں انہیں۔"

"مطلب کیا ہے۔"

"ایسے ہی ایک غم نصیب کو وظیفہ بتایا تھا پیر جلالو نے۔ تین دن وظیفہ پڑھا اور آج وہ اپنی محبوبہ کے تین بچوں کا باپ ہے۔"

"یہ..... یہ یعنی بیک وقت۔"

"اماں نہیں یار چار سال ہوگئے شادی ہوئے۔"

"انہی خاتون سے۔"

"سو فیصدی۔"

"گویا وظیفے نے کام دکھایا۔"

"بچوں کے سلسلے میں نہیں بیوی کے سلسلے میں۔" اچانک ہی معشوق نشیلے اپنی جگہ سے اٹھے اور قدوس بیگ کے قدموں میں بیٹھ گئے انہوں نے ان کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

"ارے ارے اماں..... ہٹیے ہٹیے اماں ہٹیے ہمارے پاؤں میں گدگدی ہوتی ہے۔"

"خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔ پیر جلالو کا پتا بتا دیجیے۔ نہیں چھوڑوں گا پاؤں جب تک آپ پیر جلالو کا پتا نہیں بتادیں گے۔"

"پاؤں تو چھوڑیے بتاتے ہیں بتاتے ہیں آیئے بیٹھیے یہ شارع عام ہے لوگ دیکھ رہے ہیں کہیں ہماری پوجا شروع ہوجائے۔

"بتایئے پیر جلالو کا پتا بتایئے۔"

"پیر جلالو کا پتا تو خیر بتا ہی دیں گے آپ کو لیکن وہ وظیفہ ہمیں معلوم ہے جسے پڑھ کر ہمارے اس شناسا کو کامیابی حاصل ہوئی تھی۔"

"اوہو تو پھر وہ وظیفہ ہی بتا دیجیے..... مجھے اگر وظیفے کا پتا چل جائے تو پھر پیر جلالو کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"ویسے بھی وہ یہاں سے جا چکے ہیں اور کہیں چلے گئے ہیں لیکن وظیفہ ہمیں معلوم ہے انہوں نے یہ وظیفہ ہمیں بخش دیا تھا۔"

"سبحان اللہ"..... معشوق نشیلے نے پھر ایک مرتبہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن جمن خان نے ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر گردن پر پنجے جما دیے اور بولے بیٹھے رہیے بیٹھے رہیے میرے ہوٹل کی ریپوٹیشن خراب ہو رہی ہے۔"

"چھ۔ چھ..... چھوڑیے تو سہی بیٹھے ہوئے ہیں ہم۔"

"ایسے نہیں چھوڑیں گے ہم وعدہ کریے کہ اب اس کے بعد قدوس بیگ پر جھپٹا نہیں ماریں گے۔"

"نہیں ماریں گے بخدا چھوڑ دیجیے شانے درد کرنے لگے ہیں۔ قدوس بیگ صاحب وظیفہ بتائیں گے آپ۔"

"کیوں نہیں بتائیں گے۔ دوست ہی دوستوں کے کام آتا ہے۔" قدوس بیگ نے جواب دیا اور پھر قدوس بیگ بڑی تفصیل کے ساتھ وظیفے کے الفاظ بتانے لگے۔ جمن خان نے کہا۔

"ٹھہریں میں کاغذ قلم لے آتا ہوں۔ لکھ کر دے دو یاد کر لیں گے بے چارے فارسہ کے علاوہ انہیں آتا ہی کیا ہے۔" وظیفہ لکھ لیا گیا۔ قدوس بیگ صاحب نے مزید بتایا۔

"یہ وظیفہ آپ کو تین دن پڑھنا پڑے گا کسی قبرستان میں چلے جایئے گا اور کسی بھی قبر کے کنارے بیٹھ کر وظیفہ پڑھیے گا۔ بس تین دن کے بعد آپ دیکھیے معشوق کے رویے میں کیا فرق آتا ہے۔"

"حسینہ، حسینہ معشوق تو میں خود ہوں۔" معشوق نشیلے نے کہا۔

"مقصد وہی ہے ویسے صوفی صاحب سے فرمائش کریں گے کہ کبھی ان حسینہ بی بی کو لے کر یہاں تک آئیں۔ ظاہر ہے ان کے ہاں ملازمت کرتی ہیں وہ، ہم بھی تو ذرا بھابی کی زیارت کر لیں۔"

"بعد میں..... بعد میں..... ذرا وظیفہ مکمل ہو جانے دو۔" معشوق نشیلے نے کہا۔

بہرحال وظیفے کی پرچی جیب میں رکھ کر معشوق نشیلے تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ درحقیقت حسینہ کا عشق دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ ان دنوں کرنا ہی کیا تھا۔ صوفی کا گھر ہوتا یا پھر کوچہ بازار یہاں سے صوفی کے گھر پر ہی پہنچے تھے۔ صوفی گھر پر موجود نہیں تھا۔ بیل بجانے پر دروازہ حسینہ نے ہی کھولا اور اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

"کہیں اور رزق موت تو ہے ہی نہیں جب دیکھو کتے بلی کی طرح دروازے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔"

"اب راستہ عطا فرمائیں گی آپ۔"

"کیا اتا پتا لگا رکھا ہے چلو اندر..... آ جاؤ صوفی نہیں ہے یہاں گھس کر کیا کرو گے۔"

"محترم صوفی صاحب نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم یہیں رہا کریں آپ کہیں تو آج شام کو آپ کے سامنے کہلوا دیں گے۔"

"تو بس دفع ہو جاؤ شام کو کہلوا دو گے تو پھر آ جانا۔"

"ایک بات عرض کریں آپ سے۔ تین دن کی بات ہے اس کے بعد دیکھنا آپ کس طرح بھیگی بلی....."

"کون ہیں۔ اے کم بختوں تم نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے۔ وہ تو بس کرنل صاحب کی مہربانی ہے بات کروں گی ان سے کہ کہاں بکروں کے بیچ میں بھیج دیا ہے مجھے۔ زندگی عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔ پتا نہیں کمبخت کیسے کیسے منہ اٹھائے چلے آتے ہیں یہاں پہ۔" حسینہ بیگم کا موڈ بہت خراب تھا۔ رات کے خواب نے ان کی طبیعت کافی خراب کر دی تھی۔

بہرحال رویہ اس وقت بھی ایسا تھا کہ معشوق نشیلے کو وہاں سے آتے ہی بن پڑی پھر دن پتا نہیں کہاں گزارا۔ رات کا انتظام کیا پھر قبرستان کا انتخاب کیا۔ اچھے صاف..... ستھرے علاقے میں یہ قبرستان واقع تھا۔ پوش لوگوں کے قبرستان بھی پوش ہی ہوا کرتے ہیں چنانچہ انتظار کرنے لگے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا تلی والی نہاری اور خمیری روٹیاں خوب شکم سیر ہو کر کھائیں اور اس کے بعد قبرستان کی طرف چل پڑے۔ قبرستان میں داخل ہوتے ہوئے دل پر ایک عجیب سا احساس پیدا ہو گیا تھا۔

بہرحال ایک قبر منتخب کی اور اس کے کنارے جا بیٹھے وظیفے کے لیے بتایا گیا تھا کہ جب رات گہری ہو جائے تو وظیفے کا آغاز کرنا ہے لیکن..... بیٹھنے کے لیے انہوں نے ایک کتبے کے عقب میں جگہ بنالی تھی۔ پھر جب تا حد نظر ہو کا عالم طاری ہو گیا صرف جھینگروں کی ٹرٹراہٹ یا ہوا چلنے سے سوکھے پتوں کی سرسراہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز نہ سنائی دی تو انہوں نے وظیفے کا آغاز کر دیا۔ کوئی..... سوا گھنٹے وظیفہ پڑھا تھا کہ اچانک ہی برابر کی قبر پر روشنی ہو گئی بری طرح چونکے تھے۔ گردن گھما کر روشنی کو دیکھا چراغ جل رہا تھا۔ پھر کسی انسانی ہاتھ نے دوسرا چراغ پھر تیسرا چوتھا پانچواں چراغ جلایا اور اس کے بعد وہاں بہت سے چراغ روشن ہو گئے۔ ماحول قدرے روشن ہوا تو وہ شخصیت نظر آئی جو چراغ روشن کر رہی تھی۔ جھاڑ جھنکار نما ایک خوف ناک شکل وصورت کا آدمی تھا۔ جو یہ چراغ روشن کر رہا تھا۔ اس کے پاس پھولوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ چراغ روشن کرنے کے بعد اس نے پھول اس قبر پر ڈالنا شروع کیے جس پر اس نے چراغ روشن کیے تھے اور اس کے بعد اس نے قبر کو پھولوں سے ڈھک دیا پھر اس کی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ وہ سسک سسک کر رو رہا تھا۔ معشوق نشیلے عالم جو اس کی شخصیت سے بہت خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اب اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات پانے لگے وہ شخص بہت دیر تک روتا رہا۔ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ معشوق نشیلے اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے پاس پہنچ گئے۔ دوسرے لمحے وہ شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم..... کون ہو تم؟" کسی کے خلوت کدے میں داخلے کی ہمت کیسے کی تم نے۔"

"مخ..... مخ..... مخ..... خلوت، پپ..... پپ پیارے بھائی یہ قبرستان ہے۔"

"مگر یہ قبر اس کا علاقہ میرا ہے۔"

''یقیناً آپ کا ہے جناب، ہم تو بس برابر کی قبر پر فاتحہ خوانی کر رہے تھے۔''

''کون ہو تم، کون ہو۔''

''مم..... مم..... معشوق نشیلے۔''

''یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''بب..... بب بس قبر پر فاتحہ خوانی.....''

''کس کی قبر ہے یہ.....'' اس بھیانک آدمی نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا جس پر معشوق نشیلے فاتحہ خوانی کر رہے تھے۔

''میری ماموں زاد ممانی کی قبر ہے۔''

''ماموں کہاں مر گئے۔''

''سس..... سعودی عرب میں ہیں۔''

''ماموں سعودی عرب میں ہیں اور تم ممانی کی قبر پر فاتحہ خوانی کر رہے ہو۔''

''جج..... جج جی ہاں ڈیوٹی ہے میری۔'' معشوق نشیلے نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کرتے کیا ہو۔'' وہ شخص بولا۔

''شش..... شاعری..... فارسہ میں۔''

''فارسہ میں شاعری۔''

''ہاں۔''

''فارسی تو سنا ہے یہ فارسہ کیا ہوتی ہے۔''

''فارسہ ہوتی نہیں ہوتا ہے فارسی مونث اور فارسہ مذکر سمجھ رہے ہو نا آپ۔'' معشوق نشیلے نے کہا۔

''اچھا، فارسی کا بھی مونث اور مذکر بن گیا۔''

''جی ہاں جناب اور آپ نے یہ قبر خوب سجائی ہے یہ کس کی قبر ہے۔'' معشوق نشیلے نے سوال کیا اور وہ شخص ایک دم نرم پڑ گیا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''ہم اپنی کہانی کس سے کہیں۔ خود ہم کو جھوٹی لگتی ہے یہ کون تھا کس کو چاہا تھا اے عمر گریزاں بھول گئے۔''

''اماں تمہیں واللہ ارے مروا دیا..... مار دیا ہائے ہائے۔'' معشوق نشیلے سینہ پیٹنے لگے۔

''کک کیا ہوا بچھو نے کاٹ لیا۔''

''نہیں شعر نے کاٹ لیا۔ کیا شعر کہا ہے۔''

''شعر و شاعری سمجھنے والے لگتے ہو۔ یہ میری محبوب کی قبر ہے بس کیا کیا جائے ذرا سی بات سے ہی اس کا یاد آ جانا۔ مگر ذرا سی بات بہت دیر تک رلاتی ہے۔''

''یہ بھی شعر تھا۔''

''ہوش میں ہو۔'' وہ شخص غرایا۔

''نن..... نہیں میرا مطلب ہے کیا شعر تھا۔''

''بس یوں سمجھ لو کہ کون آتا ہے مگر آس لگائے رکھتا عمر بھر درد کی شمعوں کو جلائے رکھتا۔''

''خدا قسم..... خدا قسم..... خدا قسم.....'' معشوق نشیلے قبر پر قلابازیاں کھانے لگے۔ وہ شخص حیرت سے منہ دیکھتا رہا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر معشوق نشیلے کو گریبان پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا۔''

''کیا شعر تھا..... کیا شعر تھا۔ کاش یہ فارسہ میں ہوتا۔''

''ابے تو بھی تو کوئی شعر فارسہ میں سنا مجھے۔''

''اس وقت یاد نہیں آ رہا۔''

''تو جہنم میں جا۔'' اس شخص نے زور سے معشوق نشیلے کو دھکا دیا اور معشوق نشیلے جو پہلے ہی قلابازیوں کے سلسلے میں خاصے زخمی ہو چکے تھے منہ کے بل زمین پر آ رہے۔ ناک چھل گئی سر میں چوٹ لگی اور خون نکل آیا رخساروں پر بھی ایک دو جگہ نشان پڑ گئے تھے۔ وہ شخص وہاں سے چلا گیا معشوق نشیلے خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ اندازہ یہی ہوا تھا کہ کوئی پاگل دیوانہ ہی ہو سکتا ہے اس قبر میں اس کی کوئی زندگی سو رہی ہو۔ بہر حال اچھی خاصی درگت بن گئی تھی۔ قبر کے پاس سے اٹھے وظیفہ تو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ چوٹیں کسک رہی تھیں۔ قبر کے نزدیک سے گزرے کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ جھک کر دیکھا تو ایک خنجر تھا۔ معشوق نشیلے نے ادھر ادھر دیکھ کر خنجر اٹھا لیا اور لباس میں چھپا لیا۔ دو چار سو کی تو چیز تھی جتنا وہ خوب صورت تھا اور اس کے بعد وہ قبرستان سے باہر نکل آئے۔ حلیہ بری طرح خراب ہو رہا تھا۔ چوٹیں لگی ہوئی تھیں۔ رات بہت زیادہ نہیں گزری تھی لیکن قبرستان کا ماحول بالکل سنسان اور خاموش تھا۔ وہ بچتے بچاتے چلتے رہے اس وقت صوفی کے گھر کے علاوہ اور کہاں جاتے۔

چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے بعد صوفی کے گھر کی بیل بجا رہے تھے۔ صوفی اس وقت گھر پر ہی موجود تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور معشوق نشیلے کا حلیہ دیکھ کر چونک پڑا پھر بولا۔

''وڈ..... وڈ..... درویش رحم کریں۔ کیا کتے پیچھے لگ گئے تھے۔ نشیلے صاحب۔''

''اندر آنے کی اجازت عطا فرمائیں تو دل کا حال عرض کریں۔''

''آ جاؤ..... آ جاؤ حسینہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔''

''حسینہ۔'' معشوق نشیلے اچھل پڑے۔

''ہاں، کہہ رہی تھی کہ معشوق نہیں آئے۔''

''اماں صوفی صاحب مذاق فرما رہے ہیں کیا۔ خدارا ایسا دل آزاری کا مذاق نہ فرمایئے گا۔''

''یہ ہوا کیا ہے تمام تھوبڑا شفتالو بنا ہوا ہے جایئے منہ ہاتھ دھو کر میرے پاس آیئے۔''

''کچھ کھانے پینے کو مل جائے گا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں آپ جایئے حلیہ درست کیجیے۔ میں خود باورچی خانے میں جاتا ہوں جو ملے گا لے آؤں گا حسینہ کو اس وقت جگانا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

معشوق نشیلے نے غسل خانے میں جا کر اپنا حلیہ دیکھا اور دل ہی دل میں رونے لگے۔ وظیفے کا پہلا ہی دن

خراب ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں پہنچے تو صوفی کھانا لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ ٹرے میں کھانا لگا ہوا تھا۔ روٹیاں آلو گوشت وغیرہ تھے۔ معشوق نشیلے بھکاریوں کی طرح ٹرے اپنے سامنے رکھ کر کھانے میں مصروف ہوگئے۔ صوفی نے جیب سے پانوں کی ڈبیا نکالی۔ گلوری منہ میں رکھ لی اور بٹوے سے تمباکو اور چھالیہ وغیرہ نکال کر پھانکنے لگا۔

''ویسے یہ حلیہ میرے لیے باعث حیرت ہے ہوا کیا۔''

''بخدا صوفی صاحب آپ دوست ہیں محسن ہیں سب کچھ ہیں آپ سے چھپائیں گے تو بھلا کیا پائیں گے۔''

''فارسہ میں۔''

''بھاڑ میں گیا فارسہ ہم اس وقت جو کچھ کہہ رہے ہیں اردو میں کہہ رہے ہیں۔''

''ارشاد..... ارشاد۔'' صوفی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''صوفی صاحب وعدہ کیجیے کہ ناراض نہیں ہوں گے۔ گھر سے نکال نہیں دیں گے ہماری درد بھری داستان نرم دلی سے سنیں گے۔''

''اماں واللہ یہ بھی فارسہ میں ہے یا فارسی میں۔''

''مگر یہ تو منہ سے نکل رہی ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''جی ہاں۔ درویشوں کی دعائیں ہی درکار ہیں۔ ورنہ باقی کیا رکھا ہے۔''

''حق اللہ آپ معاملے کو بہت پراسرار بنا رہے ہیں۔''

''نہیں جناب صوفی صاحب بس یوں سمجھ لیجیے گھائل ہوگئے ہیں۔''

''وہ تو نظر آرہے ہیں۔''

''چہرہ نہیں دل زخمی ہے۔''

''پھر فارسہ میں۔''

''ہم نے عرض کیا نا کہ فارسہ بھاڑ میں جائے۔ اماں اب ہم آپ سے کیا کہیں حسینہ بیگم پر دل ایسا مائل ہوا ہے کہ بس تڑپ رہے ہیں ان کے لیے۔''

''درویش رحم کریں۔'' صوفی نے ایک ڈکار سی لیتے ہوئے کہا۔

''ان کے حصول کے لیے کوشش کر رہے ہیں قدوس بیگ کو تو آپ جانتے ہیں جمن خان کے ساتھی ہیں۔ ویسے وہ لوگ آج کل آپ سے ناراض ہوگئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صوفی صاحب کو شاید نیا گھر پسند آگیا ہے۔ اب ادھر کا رخ نہیں کرتے۔''

''شرمسار ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے گا کہ فرصت ملتے ہی حاضری دیں گے مگر اپنی واردات تو سنائیے۔''

''بس قدوس بیگ نے ایک وظیفہ بتایا تھا کہا تھا کہ قبرستان میں بیٹھ کر کرنا ہے آج سے شروع کیا تھا۔ تو یہ حلیہ ہوگیا۔

''وظیفہ الٹا ہوگیا کیا اماں پوچھ لیتے کم از کم۔ حسینہ جا ' ' ر آپ۔ ہمیں اس سے کیا غرض لیکن

وظیفے کے لیے کسی کی ضمانت ضروری ہوتی ہے۔''

''وظیفہ پیر جلالو نے قدوس بیگ کو بخشا تھا۔''

''ہاں، قدوس بیگ اور وظیفہ۔ زمانے بھر کے لچے لفنگے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔ وہ کسی کو کیا وظیفہ بتائیں گے ویسے ہی الٹا سیدھا بتا دیا ہوگا، تو اور کیا۔ وظیفے کے موکل نے آپ کی پٹائی لگائی۔''

''نہیں حضور والا پٹائی وغیرہ تو کسی نے نہیں لگائی۔ بس وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

''وہ کیا۔''

''برابر کی قبر پر روشنی ہو رہی تھی۔ وہاں ہم نے ایک دیوزاد کو دیکھا۔ چہرے ہی سے بھیانک۔ یہ بڑی بڑی آنکھیں جن میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی۔ مگر اشعار واقعی بہت عمدہ تھے۔ کاش ہمیں یاد رہ جاتے۔ وہ اس کی محبوبہ کی قبر تھی۔ اور وہاں اس نے بے شمار چراغ جلا دیے تھے۔ اور قبر کو پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مگر ایک بڑی حیرت کی بات ہے۔''

''وہ کیا۔''

''جب وہ چلا گیا تو ہم نے اس قبر کی طرف دیکھا تو وہاں ایک خنجر رکھا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے دو چار سو یا پھر ہزار بارہ سو کا ہوگا۔ بڑا خوب صورت بنا ہوا ہے ہم اٹھا لائے ہیں۔ اسے ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ معشوق نشیلے نے خنجر نکال کر صوفی کے سامنے کیا اور صوفی ایک دم چونک پڑا یہ خنجر بالکل اسی ساخت کا بنا ہوا تھا۔ جس ساخت کا خنجر بریگیڈیئر شیر خان کی لاش میں پیوست ملا تھا۔ وہ خنجر صوفی نے بڑی اچھی طرح دیکھا تھا اور وہ اس وقت جمشید مرزا کی تحویل میں تھا۔ لیکن یہ خنجر تو وہی تھا یا پھر بالکل اسی جیسا تھا۔ صوفی نے خنجر اٹھا کر اس کا دستہ روشنی میں دیکھا اور ایک بار پھر چونک پڑا خنجر کے دستے پر سائرہ حمید لکھا ہوا تھا۔ لیکن یہ خنجر جمشید مرزا کے پاس سے کسی ایسے شخص کے پاس کس طرح پہنچا صوفی کے ذہن میں شدید قوت پیدا ہوگئی۔ معشوق نشیلے سے وہ باقی تفصیلات سنتا رہا اور اس کے بعد بولا۔

''اگر آپ کا عشق صادق ہے تو ہم بھی آپ کے لیے دعائیں ہی کر سکتے ہیں لیکن اس کا ثبوت دینا ہوگا آپ کو۔''

''بخدا جان دے سکتے ہیں۔''

''پہلے مجھے وہ قبر دکھائیے۔ ابھی چلیے۔''

''ہاں چلتا ہوں۔'' صوفی نے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ معشوق نشیلے کے ساتھ اس قبرستان پہنچ گیا جہاں کی نشان دہی معشوق نشیلے نے کی تھی۔ معشوق نشیلے کا بیان بالکل درست تھا۔ قبر پر جلتے ہوئے چراغوں کا تیل تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ ایک آدھ چراغ کی بتی ٹمٹما رہی تھی۔ صوفی اپنے ساتھ طاقت ور ٹارچ بھی لے کر آیا تھا۔ قبر کے نزدیک پہنچ کر اس نے ٹارچ کی روشنی قبر کے کتبے پر ڈالی اور پھر اس کے منہ سے ایک آواز نکل گئی۔

''درویش رحم کریں۔'' قبر کے کتبے پر سائرہ حمید لکھا ہوا تھا۔

♥.....♥.....♥

شازیہ کی پھرتی کا اندازہ تو ان لوگوں کو پہلے ہی سے تھا۔ لیکن کبھی کبھی تو وہ قیامت ڈھا دیتی تھی۔ ویسے بھی انہیں یہ بات معلوم تھی کہ گرین ہاؤس کے لان میں شازیہ طرح طرح کی مشقیں کرتی رہتی ہے ہر وقت تو وہ کاموں میں مصروف نہیں رہتے تھے۔ جب کوئی کیس ہوتا تو صوفی انہیں اس طرف متوجہ کر دیا کرتا تھا اور ان سے کام لیتا تھا۔ ورنہ آزادی تھی عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے کی۔ دلاور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوب مزے سے زندگی گزار رہا تھا۔ غلام قادر ان میں سے تھا جن کے آگے ناتھ نہ پیچھے پگا۔ مست مولا تھا۔ وہ بھی گردش کرتا رہتا تھا۔ باقی دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے طور پر تیڑی ہاتھ میں رہتے تھے اور اس بات کے خواہش مند رہتے تھے کہ کوئی کام ان کے سپرد کیا جائے اس وقت شازیہ نے اس مکان میں داخل ہوتے ہوئے جس پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ قابل دید تھی اور دلاور اور غلام قادر حیران رہ گئے تھے۔

"اڑے ماں قسم یہ میرے کو تو لڑکی معلوم ہوتا ہی نہیں۔ ابی دیکھوناں یار اس طرح اوپر چڑھ کر دکھاؤ تم۔"

"بہن ہے ہماری ابی آؤ اوپر چلو۔" اور تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں کافی اونچی دیوار عبور کر کے دیوار کے سرے پر پہنچے غلام قادر اور دلاور تو سوچتے ہی رہ گئے لیکن شازیہ نے نیچے چھلانگ لگا دی تھی۔ اور یہ چھلانگ بھی بڑی مہارت سے لگائی گئی تھی اور پھر غلام قادر اور دلاور ایک درخت کے سہارے نیچے پہنچے تھے۔

"آؤ۔" شازیہ بولی اور وہ اس کا تعاقب کرنے لگے۔ عمارت سائیں سائیں کر رہی تھی۔ بڑا خوف ناک ماحول تھا۔ وہاں کی ہر طرف سے سرسراہٹیں سی ابھر رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت سی آوارہ روحیں عمارت میں گردش کر رہی ہوں شازیہ کی رہنمائی میں وہ لوگ آگے بڑھنے لگے۔ باہر کا جائزہ پہلے سے لے چکے تھے۔ دروازوں کو سیل بے شک کر دیا گیا تھا۔ لیکن وہاں پولیس کا پہرہ بالکل نہیں لگایا گیا تھا۔ چنانچہ انہیں آسانی ہوئی۔ سیل شدہ دروازوں سے تو اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن عقبی راستے وہ اندر پہنچ گئے تھے۔ صوفی کی ہدایت پر انہیں بریگیڈیئر شیر خان کے اس بنگلے کی تلاشی لینی تھی اور اس کے بعد وہ اندر داخل ہوتے چلے گئے۔ کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ شازیہ کے پاس دروازے کھولنے کے کئی اوزار تھے جو عمدگی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ وہ مختلف کمروں کی تلاشی لینے لگے الماریاں میزوں کی درازیں خفیہ تجوریوں کی تلاش لیکن ایک گھنٹے کی کوششوں کے باوجود انہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو کسی خاص بات کی نشان دہی کرتی۔ لیکن پھر شازیہ کو ایک کارآمد چیز مل ہی گئی یہ ایک وزٹنگ کارڈ تھا۔ جو کافی پرانا معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایک الماری کے نچلے حصے میں پڑا ہوا تھا۔ شازیہ نے ٹارچ کی روشنی میں کارڈ پڑھا اس پر "ڈائینوسار" ساتھ ہی جمال الدین خان بھی لکھا ہوا تھا۔

"ڈائینوسار، یہ کیا ہے۔ جمال الدین خان بھی لکھا ہوا ہے مگر ڈائینوسار نامی کسی کمپنی وغیرہ کا نام پہلے کبھی سننے کو نہیں ملا۔"

"ایک منٹ..... ایک منٹ۔" دلاور نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور پھر وہ ٹارچ ہی کی روشنی میں کارڈ دیکھنے لگا اور اس کے بعد اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں ڈائینوسار کیا ہے۔"

"اڑے خدا قسم میرے کو بھی یہ نام کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے کدر سنا تھا کدر دیکھا تھا۔ اڑے ہاں

یاد آ گیا۔ بندرگاہ کے علاقے میں ایک ہوٹل کا نام ڈائینوسار ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے..... بالکل ٹھیک سمجھے تم یہ وہی ڈائینوسار ہے۔" دلاور نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"خیر اس کے بارے میں ہم بعد میں گفتگو کریں گے اب یہ بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی جگہ رہ گئی جس کی تلاشی ہم نے نہ لی ہو۔"

"میرے خیال میں تو ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"تو پھر واپس۔"

"ہاں، چھوٹے بابا کو رپورٹ بھی تو دینی ہے۔ آؤ واپس چلتے ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں عمارت سے باہر نکل آئے تھے۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

صوفی آنکھیں بند کیے جگالی کر رہا تھا۔ دلاور نے اسے ڈائینوسار کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"جمال الدین خاں کوئی باقاعدہ غنڈہ نہیں ہے لیکن جس طرح کا وہ آدمی ہے آپ سمجھ لیجیے کہ اس قسم کے کام وہی کر سکتا ہے مگر صوفی صاحب بات بہت پرانی ہو گئی ہے دس بارہ سال پہلے میرا اس سے کچھ واسطہ رہا تھا۔ وہ باقاعدہ ڈرگ کا کاروبار بھی کرتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے اپنے ہوٹل کے نیچے ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے اس تہ خانے میں باقاعدہ ایک نیا ہوٹل ہے جہاں ہر طرح کی منشیات مل جایا کرتی ہیں اور یہاں داخلہ بڑے پراسرار ذریعے ہوتا ہے۔ کچن سے نیچے جانے کا راستہ ہے اب یہ معلوم نہیں کہ موجودہ وقت میں ڈائینوسار کی کیا کیفیت ہے۔"

"پہلے تو یہ بہت اچھا چلتا تھا۔" بہر حال یہ کارڈ حیثیت تو رکھتا ہے کیونکہ ایک غلط جگہ سے منسوب ہے خیر اس کا جائزہ لیں گے۔"

"آپ وہاں جائیں گے چھوٹے بابا۔" شازیہ نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"ہاں جانا تو ہوگا درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"چھوٹے بابا میں بھی چلوں۔"

"نہیں بے بی، وہ جگہ شریف بچیوں کے جانے کی نہیں ہے۔"

"مگر کام کے معاملے میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی۔"

"مطلب یہ ہے کہ اگر وہاں ریڈ کرنا ہو تو ضرور ریڈ کرنا ورنہ باقی سب ٹھیک ہے۔ تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔" شازیہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ صوفی اپنے ذہن میں منصوبہ بندی کرتا رہا۔ غلام قادر کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ ہوا تھا۔ لیکن طے یہ ہوا تھا کہ غلام قادر بھی الگ جائے گا۔ دلاور، شازیہ، عادل اور فیضان ان لوگوں کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ ڈائینوسار سے باہر حالات کا انتظار کریں اور اگر اندر کوئی صورت حال غلط رخ اختیار کر جائے تو پھر اس میں مداخلت بھی کریں۔ وقت طے ہو گیا اور اس کے

بعد صوفی ڈائینو سار پہنچ گیا۔ اچھی بڑی عمارت تھی۔ ہال میں مختلف قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسنیک اور کولڈ ڈرنک وغیرہ اور چائے چل رہی تھی۔ کھانے کا بھی انتظام تھا شاید لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میزوں پر کھانا لگایا جا سکے۔ رش بھی زیادہ نہیں تھا ویسے بندرگاہ کا علاقہ تھا زیادہ تر یہاں خلاصی وغیرہ نظر آ رہے تھے۔ غلام فادر ایک میز پر جا کر بیٹھ گیا صوفی نے بھی اپنی میز سنبھال لی۔ صوفی اس وقت پتلون اور بش شرٹ میں تھا اور اس میں وہ جو کچھ بھی لگتا تھا وہ بھی قابل دید ہی بات تھی۔ اس نے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے بھاری بدن والے آدمی کو دیکھا دلاور نے یہی حلیہ بتایا تھا اس کا۔ ویسے دلاور اندر نہیں آیا تھا کیونکہ جمال الدین خاں اسے پہچانتا تھا۔ دلاور نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کچھ عرصے تک جمال الدین خان کے لیے کام کرتا رہا ہے وہ شخص بہ ذات خود تو کچھ نہیں تھا کہ اس نے تعلقات بہت اچھے بنا رکھے تھے۔ ہر طرح کے لوگوں سے اس کے تعلقات تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح روپیٹ کر اپنا کام نکلوا ہی لیتا تھا۔ صوفی نے ایک میز پر بیٹھ کر چائے کا آرڈر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ویٹر وغیرہ گاہکوں سے بے پروا ہوتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ہوٹل بس برائے نام چلایا جا رہا ہے۔ جمال الدین خاں کا اصل دھندہ اپنے طور پر کام کر رہا ہے۔

بہرحال چائے سرو کر دی گئی۔ صوفی جائزہ لیتا رہا اور اس نے چند افراد کو ہوٹل کے دوسرے حصے سے کچن کی طرف جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ اندازہ ہو گیا کہ جمال الدین خان کا ڈرگ کا کاروبار بدستور جاری ہے۔ چائے وغیرہ پینے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پرس نکال کر کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ ویٹر نے اس کے بل کی رقم بتائی اور صوفی نے وہ پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھے اور پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہوٹل ہے، کیسا چل رہا ہے۔"

"کیوں خیریت کیا شیئر خریدنے کا ارادہ ہے۔"

"جمال الدین خاں ہے ناں تمہارا نام درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"میرا نام درویشوں کی دعاؤں سے نہیں بلکہ ماں باپ کی دعاؤں سے رکھا گیا ہے۔ جمال الدین خاں نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

"بس کیا کہا جا سکتا ہے ویسے سنا ہے کہ لاکھوں کما رہے ہو بیوی بچے کتنے ہیں۔"

"پاگل ہو بھائی کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔ چائے پی لی تم نے پیسے دے دیے اب پھوٹ لو۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے وہ اصل میں سائرہ حمید کا مسئلہ پھر سے سامنے آ گیا ہے اور بھولی بسری یادیں پھر سے تازہ ہو گئی ہیں۔ جمال الدین خاں تیکھی نگاہوں سے صوفی کو دیکھنے لگا۔ لیکن پھر ایک دم چونک کر پڑا اب اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔"

"کیا نام لیا تم نے۔"

"سائرہ حمید ظاہر ہے تمہارے علاوہ سائرہ حمید کے بارے میں اور کون جان سکتا ہے۔"

"نجانے کیا بکواس کر رہے ہو....."

"نہیں دوست زبان خراب مت کرو ورنہ میں حلیہ خراب کر دیا کرتا ہوں۔"

"ویٹروں کو بلاؤں۔"

"بلا لو تمہارا انڈر گراؤنڈ کام بند ہو جائے گا۔ درویشوں کے کرم سے صوفی نے کہا اور اس بار جمال الدین خاں بری طرح چونک پڑا۔

"کک..... کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"انڈر گراؤنڈ کام کی بات کر رہا ہوں بھائی وہ جو اس فرش کے نیچے چل رہا ہے۔" جمال الدین خاں گول گول آنکھوں سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"خیر میرا کام تو چل رہا ہے یا نہیں چل رہا لیکن تمہارا کام آسانی سے تمام ہو جائے گا۔"

"یہی تو دلی خواہش ہے اب ایسے کرتے ہیں کہ تبادلہ کر لیتے ہیں معلومات کا۔ طویل عرصے سے تمہارا یہ کاروبار جاری ہے اور لازمی بات ہے کہ پولیس کی ملی بھگت سے ہو رہا ہو گا۔ لیکن باہر ایک پورا گینگ موجود ہے، کہو تو اشارہ کر کے دکھاؤں میرے اشارے پر وہ اندر آ جائے گا۔ تمہاری اچھی طرح مرمت کرے گا اور اس کے بعد تمہارا یہ کام منظر عام پر آ جائے گا۔ بولو تو میں انہیں نیچے جانے کا پتا بھی بتا سکتا ہوں۔ یعنی تمہارا کچن جس سے اب بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے۔"

"کک..... کک..... کون ہو تم۔"

"کوئی نہیں مجھے سائرہ حمید کے بارے میں تفصیل درکار ہے۔"

"یقین کرو اب سائرہ حمید کا کوئی مسئلہ نہیں رہا ہے، وہ مر چکی ہے اور یہ بہت پرانی بات ہے۔"

"دیکھو میری بات سنو، وہ مر چکی ہے یا زندہ ہے میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن تم مجھے اس کے بارے میں تفصیلات تو بتاؤ۔"

"میں آپ کو ایک ایسی عورت کا پتا بتا سکتا ہوں جو سائرہ حمید کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔"

"تم کہتے ہو کہ سائرہ حمید مر چکی ہے۔"

"یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

"کیسے مری تھی وہ۔"

"یہ میں نہیں جانتا ویسے وہی عورت آپ کو بتائے گی۔ وہ سائرہ کی سب سے گہری دوست تھی اور اس کی رازدار بھی تھی۔ مگر اس زمانے میں اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔"

"آپ کو علم نہیں کہ وہ لوگ کون تھے۔"

"خدا..... خدا کی قسم میں انہیں نہیں جانتا۔"

"کیسے موت واقع ہوئی تھی اس کی۔" صوفی نے سوال کیا۔

"کچھ لوگ اسے زبردستی اٹھا کر لے گئے تھے۔ دوسرے دن گلی میں بے ہوش پائی گئی اور پھر اسی دن ہسپتال میں دم توڑ دیا۔"

"ایک اور سوال۔ کیا کرتی تھی وہ کیا برے راستوں کی راہی تھی؟"

"نہیں صاحب وہ صرف ناچنے والی تھی اپنا جسم نہیں بیچتی تھی جس جگہ وہ رقص کرتی تھی آپ سمجھ لیجیے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔"

''ایک نام جس سے تمہارا گہرا تعلق تھا۔ میں وہ نام لے رہا ہوں اور اب بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ سب بولنے میں ہی فائدہ ہے۔''

''جی سر! آپ نام لیجیے۔ مگر آپ ہیں کون؟''

''فضول بات بالکل نہیں۔'' صوفی اس وقت بالکل بدلے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''بریگیڈیئر شیر خان۔''

''جی ہاں وہ بھی سائرہ حمید کو پسند کرنے والوں میں سے تھے۔ لیکن آپ نے اخبار میں ان کی موت کی خبر تو پڑھی ہوگی۔''

''ہاں، سنا ہے ان کی لاش میں خنجر پیوست پایا گیا تھا اور اس خنجر پر سائرہ حمید کا نام لکھا ہوا تھا۔''

''اگر کسی نے انہیں انتقامی جذبے کے تحت قتل کیا ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی سائرہ حمید کے چاہنے والوں میں شامل رہے ہوں گے۔''

''تو تمہیں اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک عیاش طبع آدمی تھے۔''

''جی سر! میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں مگر میں نے کبھی انہیں سائرہ حمید کے گرد گھومتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''ہوں۔'' اس عورت کے بارے میں ذرا بتایئے۔''

''اس کا نام ڈائنا ہے سمجھے آپ ڈائنا گولڈ.....''

''واہ دلچسپ نام ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''ڈائنا گولڈ اس کی رازدار اور ہم پیشہ بھی تھی۔ وہ ایک ہوٹل میں ملازمت کرتی تھی۔ ایک بار اس نے مجھ سے اشارۃً کہا بھی تھا کہ اگر وہ چاہے تو کئی سربرآوردہ ہستیوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔''

''کس نے بند کیا تھا۔''

''ان کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اگر آپ ڈائنا گولڈ کی زبان نکلوانے میں کامیاب ہوگئے تو وہ آپ کو بہت کچھ بتا سکتی ہے۔''

''کہاں ملے گی وہ۔''

''نیو روڈ پر اس کا اپنا چھوٹا سا خوب صورت ریستوران ہے جو ڈائنا گولڈ کے نام ہی سے مشہور ہے۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔''

''لیکن جناب وہ میں..... میرا مطلب ہے۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے جب تک کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہو جاتی میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔''

''دیکھیے میرا اور آپ کا کوئی جھگڑا نہیں ہے لیکن ایک سوال میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں۔''

''پوچھو، درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کس کی دعاؤں سے۔''

''پوچھو، پوچھو'' صوفی نے کہا۔

''آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔''

''نہیں۔'' صوفی نے جواب دیا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا جمال الدین کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ ڈائنا گولڈ بہت خوب صورت بنا ہوا تھا۔ صاف ستھرا شفاف چھوٹے سے علاقے میں یہ ایک پسندیدہ ترین جگہ تھی۔ متوسط طبقے کے خوشحال لوگ یہاں آنا فخر سمجھتے تھے اور اس کی وجہ ڈائنا کی دلکشی بھی تھی۔ بے شک وہ پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی لیکن صاحب نظر اور صاحب ذوق لوگ جانتے ہیں کہ یہ عمر کیا ہوتی ہے۔ یہ صحیح معنوں میں تکمیل کی عمر ہوتی ہے۔ اور اس وقت جو کچھ نظر آتی ہے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ ڈائنا بھی اس وقت ایک مکمل وجود تھی۔ صوفی جس وقت وہاں داخل ہوا ایک بھی میز خالی نہیں ملی۔ چنانچہ وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا اور ڈائنا گولڈ اسے چونک کر دیکھنے لگی۔ یہ صوفی کی خوبی تھی کہ وہ جب چاہے جس شکل کو اختیار کر لے۔ چہرے کے نقوش میں اس وقت جو سفاک کیفیت پیدا ہوئی تھی شاذ ہی یا دیکھنے والے اسے دیکھ لیتے تو دھک سے رہ جاتے۔ یہ صوفی کا چہرہ تو نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں کسی قبرستان میں جلتے ہوئے مدھم دیوں کی مانند روشن تھیں۔ ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور چہرے کے عضلات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے تھے کہ دیکھنے والی نگاہ ایک نظر میں اس سے خوف زدہ ہو جائے۔

ڈائنا گولڈ نے اسے غور سے دیکھا اور اس کے ہونٹ خشک ہو گئے۔

''جج..... جج جی فرمایئے۔''

''کرسی منگاؤ میرے لیے ایک۔'' صوفی نے بھاری لہجے میں کہا۔ نجانے کیوں ڈائنا اس قدر مسحور ہوگئی کہ اس نے فوراً ہی ویٹر کو کرسی لانے کا اشارہ کیا۔ صوفی اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں بولو مجھ سے کوئی کام ہے یا میزیں خالی نہ دیکھ کر ادھر آ گئے ہو۔''

''مجھے تم سے ایک بہت ضروری کام ہے۔ اور یوں سمجھ لو کہ میں اس وقت صرف تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے کچھ وقت دو۔''

''ابھی۔'' ڈائنا نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔

''ہاں، ابھی۔''

''اٹھو آؤ میرے ساتھ۔'' ڈائنا گولڈ نے کہا اور صوفی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتی ہوئی کاؤنٹر کے عقب میں ایک کمرے میں چلی گئی۔ بہت سی آنکھیں کسی قدر حیرانی سے انہیں گھور رہی تھیں۔''

''تم ہو کون کیا تم ہپناٹزم کے ماہر ہو۔''

''کیوں۔'' صوفی غرایا۔

''مجھے پتا نہیں ہے کہ میں اس وقت کاؤنٹر چھوڑ کر کیوں چلی آئی ہوں۔''

''یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' صوفی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بتاؤ تو سہی آخر تم لوگ ہو کون۔''

"میں جو کوئی بھی ہوں تم مجھے سائرہ حمید کی کہانی سناؤ گی۔"

"ڈائنا گولڈ بری طرح چونک پڑی۔

"سس..... سس سائرہ حمید۔"

"اور یہ نہیں کہو گی کہ تم کسی سائرہ حمید کو نہیں جانتی۔"

"نہیں میں ایسا کیوں کہوں گی۔"

"تو پھر اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"اگر میں اس کے بارے میں جانتی بھی ہوں تو تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے آخر تم کہاں سے آئے ہو۔"

"پٹڑی سے مت اترو اگر تم نے میرے ساتھ تعاون نہیں کیا تو تم یہ سمجھ لو کہ بہت جلد پولیس سائرہ حمید کے سلسلے میں تم تک پہنچ جائے گی۔"

"تمہارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"کہاں نہیں۔"

"تو تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"دیکھو میں واقعی تم سے ہمدردی رکھتا ہوں تم اپنے جرم سے بخوبی واقف ہو اور تمہارے جرم سے دو آدمی اور بھی واقف ہیں ایک جمال الدین خان دوسرا میں۔"

"جج..... جج جمال الدین خان او ہو تو اس نے پھر ہوا میں تیر چھوڑنے کی کوشش کی۔"

"میڈم ڈائنا گولڈ میں دوسری قسم کا آدمی ہوں اگر میں پٹڑی سے اتر گیا تو تم یہ سمجھ لو کہ تمہاری جگہ صرف پھانسی کا پھندہ ہوگی۔"

"تم چاہتے کیا ہو۔" ڈائنا نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"ان آدمیوں کے نام جنہوں نے تمہارا منہ بند کیا تھا۔ حالانکہ تم سائرہ حمید کے بارے میں سب کچھ جانتی تھیں" ڈائنا کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید خوف زدہ ہوگئی ہے۔

"اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ ان آدمیوں کے نام بتا کر تم اپنی گردن بچا سکتی ہو۔ میں تمہارا نام منظرِ عام پر نہیں آنے دوں گا۔"

"مگر میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"کیوں۔" صوفی نے سوال کیا۔

"ان لوگوں سے صرف میں ہی واقف ہوں اور وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی اور کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہی ہوگا کہ میں نے اسے بتایا ہے۔"

"تمہاری حفاظت کا ذمہ میں لیتا ہوں۔" صوفی نے کہا۔

"حالانکہ تم نے یہ تک نہیں بتایا کہ تم ہو کون۔"

"میں جو کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے بس اب یہ آخری بار کہہ رہا ہوں کہ

اگر مجھے اس کا جواب نہیں ملا تو آدھے گھنٹے کے اندر اندر پولیس تمہارے اس ڈائنا گولڈ کو چائنا چوک بنا دے گی۔" صوفی نے ایک بار بھی درویشوں کا حوالہ نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس کے لہجے میں ہکلاہٹ پیدا ہوئی تھی۔

ڈائنا گولڈ چاروں طرف دیکھنے لگی پھر بولی۔

"مگر یہ باتیں اس جگہ نہیں کی جاسکتیں۔ آؤ میرے ساتھ۔" شاید اس کمرے کے علاوہ بھی یہاں کوئی جگہ تھی۔ صوفی تیار ہوگیا۔ اور ڈائنا دروازے کی طرف بڑھی۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک آدمی کمرے میں گھس آیا۔ وہ لمبے چوڑے بدن کا مالک ایک دیسی عیسائی تھا۔ اس کے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب اس کے مذہب کا پتا دیتی تھی۔ اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"ارے کیا کر رہی ہے یہاں۔" اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی۔ جیسے ڈائنا گولڈ اس کی ماتحت ہو۔"

"کیوں؟ تمہیں اس سے کیا مطلب ہے۔"

"بہت اونچی اڑ رہی ہے آج کل۔ کون ہے یہ گدھا۔"

"شٹ اپ۔" ڈائنا گولڈ بولی۔ وہ آدمی آگے بڑھا اور اس نے ڈائنا کی کلائی پکڑ لی۔

"سنو..... سنو والد صاحب کو بھول گئے۔ دد..... در..... درویشوں" صوفی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ادھر ڈائنا اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن کامیاب نہیں ہوسکی۔ آنے والے کا چہرہ حد درجے خونخوار نظر آنے لگا تھا۔

"تم نے ابھی تک اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا، چھوڑو۔ میری بات مانو ورنہ اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاؤ گے۔" جواب میں قوی ہیکل آدمی نے ڈائنا کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ صوفی پر آ رہی۔ صوفی نے بڑے ماہرانہ انداز میں اسے اپنے بازو پر روکا اور پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔"

"رکو..... رکو..... رک جاؤ یہاں یہ نہیں ہوسکتا۔" ڈائنا دونوں کے درمیان آ گئی لیکن آنے والے خونخوار شخص نے بڑی بے دردی سے اس کی کمر پر ایک لات رسید کی اور ایک بار پھر صوفی پر دھکیلنا چاہا۔ صوفی نے اپنے آپ کو سنبھالا تو اس نے سر جھکا کر اس کے سینے پر بڑی زوردار ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ یہ ایک ایسا داؤ تھا کہ اگر صوفی کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو لازمی طور پر چکر میں آ گیا ہوتا۔ لیکن صوفی نے نہ صرف اس کا داؤ خالی دیا۔ بلکہ پلٹ کر ایک الٹی لات اس کے بدن پر رسید کر دی اور قوی ہیکل آدمی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو سنبھالا ورنہ وہ بری طرح دیوار سے ٹکرایا ہوتا۔ وہ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرا کر پلٹا لیکن غصے کی زیادتی اس کا دماغ پلٹ گئی تھی۔

دوسرے لمحے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایک ایسا گھونسا پڑا کہ وہ زمین سے دو فٹ اونچا اچھل گیا۔ اس دوران ڈائنا گولڈ شدت حیرت سے دیوار سے جا لگی تھی۔ نووارد جیسا دیوہیکل آدمی بالکل ہی آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا تھا۔ وہ پھر صوفی پر جھپٹا۔ صوفی نے اس کی گردن بغل میں دبا کر اس کے پیٹ میں کئی زوردار گھونسے رسید کیے اور پھر اچانک ہی اس کی گردن کو ایک طرف موڑ کر اس کے کندھوں پر ایک ضرب لگائی۔

قوی ہیکل آدمی کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ زمین پر اوندھا جا پڑا۔ صوفی نے اس کے دوسرے شانے پر ایڑھی رکھ کر ایک بل دیا اور اس کے حلقے سے پھر ایک کراہ نکل گئی۔

اب وہ اس طرح اپنے ہاتھ اور پاؤں ادھر ادھر پھینک رہا تھا جیسے اندھا ہو گیا ہو۔ آہستہ آہستہ ہاتھوں کی حرکت بھی سست پڑتی گئی اور پھر فرش سے جا لگا وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ ڈائنا گولڈ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ صوفی نے اس کی طرف دیکھ کر جھرجھری لی۔ اس مشقت کے بعد پانوں کی ایک گلوری تو منہ تک جانی ہی چاہیے تھی۔ لیکن یہاں آتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو بالکل تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔

اور یہ کوشش پانوں کے بغیر ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بٹوہ وغیرہ اس کی جیب میں موجود نہیں تھا۔ ڈائنا سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے خدا..... میرے خدا۔ اب کیا ہوگا۔"

"چھوڑو جہنم میں جائے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم مجھے کہاں لے جا رہی تھیں۔"

"کک..... کک کیا یہ مر جائے گا، ڈائنا اس شخص پر جھک پڑی۔ جو آنکھیں بند کیے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔"

"دیکھو میڈم تم وقت برباد کر رہی ہو۔ میں تمہیں صرف تین منٹ اور دے سکتا ہوں اور اس کے بعد میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا اور یہاں جو کوئی آئے گا وہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"ارے مگر اس کا کیا ہوگا۔ یہ جو مصیبت تم نے میرے لیے کھڑی کر دی ہے ڈائنا نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔"

"اس کی فکر مت کرو ہوش میں آتے ہی یہاں سے چپ چاپ اٹھ کر چلا جائے گا۔"

"اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ اس کا تمہارے فرشتوں کو بھی پتا نہیں ہوگا۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے پہلے تم مجھے اس کے بارے میں بتا دو یہ ہے کیا چیز جو تم اس سے اس قدر خوف زدہ ہو رہی ہو۔"

"یہ وہ ہے جس نے شاید اپنی زندگی میں کسی کو اونچا بھی نہیں بولنے دیا مگر جو اب اس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ اسے بالکل پاگل کر دے گا۔"

"ٹھیک ہے تم ایسا کرو پاگل خانے والوں کو ایڈوانس فون کر دو۔"

"اوہ تم حالات کی سنگینی سے ناواقف ہو۔"

"دیکھو میں تمہیں دو تین بار وارننگ دے چکا ہوں مگر تم اس پر توجہ نہیں دے رہیں۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ اسے گردن دبا کر ختم کیے دیتا ہوں تاکہ تمہارا یہ خوف بھی ختم ہو جائے۔"

"اسے نہیں نہیں..... نہیں۔" ڈائنا گولڈ کانپتے ہوئے بولی۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو۔"

"دیکھو تم فی الحال یہاں سے چلے جاؤ ورنہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ بہت بڑا گروہ ہے اور اس کے ساتھی۔ انتہائی خطرناک قاتل۔" صوفی غصیلی نگاہوں سے ڈائنا گولڈ کو گھورنے لگا۔

پھر اس کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے میں یہاں سے چلا جاؤں اور تم اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے کہو کہ میں ایک بلیک میلر تھا۔ البتہ میں اب تمہیں اس کے بارے میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ تمہارے گروہ کا آدمی ہے اور تم لوگ گندہ کاروبار کرتے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ ان آدمیوں کو جن کا تعلق سائرہ حمید کی موت سے ہے بلیک میل ہی کر رہے ہو۔ اور مجھے لگ رہا ہے کہ تم شرافت سے نہیں مانو گی۔"

"صوفی نے آگے بڑھ کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور پھر ڈائنا گولڈ کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"اب معاملہ پولیس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے مجھے اپنے ہی ہاتھ میں لینا پڑے گا۔" اچانک ہی ڈائنا گولڈ کا رویہ بدل گیا۔ وہ ایک خونخوار عورت نظر آنے لگی اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے بلاؤز سے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پستول نکال لیا اور اس کا رخ صوفی کی طرف کر کے بولی۔

"چلو اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" صوفی نے اسے دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑایا۔

"دد..... دو درویش رحم کریں تم تو بہت خطرناک عورت ہو جو عورتیں اپنے پاس پستول رکھتی ہیں مجھے ان سے بڑی دہشت محسوس ہوتی ہے۔" صوفی نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔ ڈائنا گولڈ نے پھنکارتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں اب بتاؤ تم کون ہو۔"

"مم..... مم میں ایک مظلوم آدمی ہوں۔ سو پچاس روپے دے کر کوئی بھی مجھے کسی کام سے لگا دیتا ہے۔ جمال الدین خاں نے مجھے یہاں بھیجا ہے اس کا کہنا ہے کہ تم۔"

"ایک منٹ..... ایک منٹ مجھے لگ رہا ہے کہ تم مجھے باتوں میں لگا رہے ہو۔ تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہے تو اسے نکال کر باہر پھینک دو۔"

"ارے توبہ کرو بس ایک چھوٹا سا چاقو ہے اسی سے کام چلا لیتا ہوں۔" صوفی نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

"رک جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی اور اس نے صوفی کی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کی۔ لیکن پھر وہ ہو گیا جس کا ڈائنا گولڈ نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ صوفی کے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے جھکے اس نے ڈائنا گولڈ کی دونوں کلائیاں پکڑ کر انہیں پیچھے موڑ دیا اور ڈائنا گولڈ اس کے سینے سے آ لگی۔ صوفی نے ہاتھ کا ایک جھٹکا دیا اور پستول ڈائنا گولڈ کے ہاتھ سے نکل کر صوفی کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کے بعد اس نے ڈائنا گولڈ کو زور سے دھکا دے دیا تھا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔

"ہاں۔ چلو اب تم دوسری کارروائی پر غور کرو۔ یہاں تو تم ناکام ہو گئیں۔" ڈائنا گولڈ خاموش ہی رہی اب وہ اس بے ہوش آدمی کی طرف دیکھ رہی تھی جس کے جسم میں کچھ حرکت پیدا ہو رہی تھی لیکن وہ پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا۔

"اب بتا دو وہ لوگ کون تھے جنہوں نے سائرہ حمید....."

"کچھ نہیں جانتی میں سمجھے..... کچھ نہیں جانتی۔" صوفی نے پستول اندرونی جیب میں رکھا اور بولا۔

''قتل کرنے کے لیے گردن دبا کر مارنا سب سے آسان چیز ہوتی ہے اور وہ بھی کسی عورت کی گردن چلو ٹھیک ہے تین تک گنتی گنتا ہوں۔ اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو سمجھ لو اس کے بعد تمہاری زندگی آخری لمحات سے دوچار ہو جائے گی درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میں نے کہا ناں میں...... میں۔''

''ایک بات کا مجھے جواب دو کچھ لوگ سائرہ حمید کے قاتل ہو سکتے ہیں لیکن وہ وہ کون ہے جو اس کا انتقام لینا چاہتا ہے۔''

''کون سائرہ حمید، میں کسی سائرہ حمید کو نہیں جانتی۔''

''دیکھو پچھلے کچھ عرصے سے میرے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہو گئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا کی ساری عورتوں کو ماردوں۔ بس درویشوں کا حکم نہیں ہے۔ اب بھی میں تم سے کہتا ہوں۔''

''بکواس مت کرو کتے۔ میں تمہاری کوئی اوقات نہیں سمجھتی لیکن''...... پھر وہ فوراً ہی صوفی کی اوقات سمجھ گئی۔ چونکہ جو تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا تھا اس نے جبڑے ہلا دیے تھے۔ اور وہ قریب ہی کسی ایک دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔ صوفی نے آگے بڑھ کر اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور اس کی گردن مروڑ کر اسے دہرا کر دیا۔

''اب میرا سیدھا ہاتھ تمہارے نرخرے پر پڑے گا اور دنیا تمہاری آنکھوں میں تاریک ہو جائے گی۔'' بمشکل تمام آخرکار وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو گئی۔ صوفی کو بڑی محنت سے اس کی تمام باتیں سننا تھیں اور اس میں سے حقیقتیں نکال لینی تھیں۔ وہ اس کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ اس نے کئی نام نوٹ بھی کیے پھر وہ داستان کے اس حصے پر پہنچی جہاں سے سائرہ حمید کے ایک محبوب کا وجود شروع ہوتا تھا۔

''اس کا نام ڈارکر تھا۔ ایک دیسی عیسائی وہ سائرہ حمید سے محبت کرتا تھا۔ جن دنوں سائرہ حمید کو قتل کیا گیا وہ شہر میں موجود نہیں تھا۔ اس نے سائرہ حمید کی موت کی خبر سنی۔ یہاں میرے پاس آیا اور مجھ سے اس بارے میں معلومات حاصل کیں۔

''کیا وہ جانتا تھا کہ تم سائرہ حمید کی دوست ہو۔''

''اچھی طرح جانتا تھا میری اور اس کی کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔''

''اور تم نے اس پر ان چھ آدمیوں کے نام ظاہر کر دیے۔''

''بالکل نہیں میں خونریزی نہیں چاہتی تھی۔ ڈارکر کوئی معمولی آدمی نہیں تھا وہ ایک عجیب و غریب شخصیت تھی۔''

''ہوں، اس کے بعد تمہاری ملاقات ڈارکر سے ہوئی۔''

''آج تک نہیں دیکھا میں نے اسے۔ وہ لاابالی سا آدمی تھا جرائم پیشہ دنیا یعنی یہ کہنا چاہیے کہ آدھی دنیا کی سیر کر چکا تھا۔

''تم نے ان افراد کو بلیک میل کیا ہوگا۔''

''نہیں مجھے زندگی سے پیار ہے میں زندگی کھونا نہیں چاہتی اور میں یہ جانتی ہوں کہ اس طرح کی

کوئی دشمنی دوست تو دے دیتی ہے مگر زندگی نہیں۔''

''مگر تم نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔''

''کس سلسلے میں اطلاع دیتی وہی بات جو میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ زندگی گزارنے کے لیے اگر تھوڑے سے کم پیسے بھی ہوں تو میرے خیال میں ان پر گزارہ کر لینا چاہیے اور پھر اگر میں سائرہ حمید کے قتل کی اطلاع پولیس کو دیتی تو پولیس کے جوتے کو غرض پڑی تھی کہ وہ میرا تحفظ کرتی۔ میں جانتی تھی کہ میرا بھی یہی انجام ہوگا جو سائرہ حمید کا ہوا۔ وہ بہت اچھی تھی۔ بہت نیک فطرت وہ اپنا جسم نہیں بیچتی تھی جس کی وجہ سے اس کا یہ انجام ہوا۔''

''اور تم۔'' صوفی نے سوال کیا۔

''نہیں اگر میں شریف اور نیک ہوتی تو میرے بلاؤز سے آٹومیٹک پستول کے بجائے گلاب کے پھول نکلتے۔ لیکن میں زندگی سے پیار کرتی ہوں اور بلیک میلنگ جیسا گندہ کام نہیں کرنا چاہتی۔

''ہوں ٹھیک اب یہ بتاؤ اس کے بعد کیا کرو گی۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں آج تم آئے ہو کل کوئی دوسرا آئے گا اور میرے ساتھ یہی سب کچھ سلوک کرے گا۔ مگر ٹھیک ہے میں سب سے تعاون کروں گی۔ میں کیوں کسی کے لیے جان دوں۔''

''مگر میں جو تم پر جان دیتا ہوں اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ صوفی نے کہا۔ اور اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

''تم، تمہارے بارے میں سچی بات ہے میں ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکی۔ نہ تو تم پولیس کے آدمی معلوم ہوتے ہو اور نہ ہی...... نہ ہی۔'' صوفی نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور آہستہ سے بولا۔

''میرے قریب آنا پسند کرو گی۔''

''کیوں مذاق کر رہے ہو مجھ سے۔ میرے لیے یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہوگا۔ وہ آگے بڑھی اور صوفی کے قریب پہنچ گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے صوفی کے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچے پھر وہ اس کی گردن پر گرفت تنگ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ڈاانا گولڈ بے ہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس نے آہستہ سے اسے ایک طرف ڈالا اور پھر خاموشی سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر کا کمرہ حسب معمول گاہکوں سے آباد تھا۔

......

جمشید مرزا صوفی کے گھر پہنچ گیا اتفاق سے دروازہ معشوق نشیلے نے کھولا تھا۔ جمشید مرزا کو پہچانتا تھا۔ احترام کے ساتھ اندر لے آیا۔ صوفی بھی فوراً اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ جمشید مرزا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے صوفی کو سلام کیا اور بولا۔

''جب بھی یہاں آتا ہوں ایک دعا مانگتا آتا ہوں کہ دروازہ وہ خوف ناک عورت نہ کھولے جس کے آگے میری دو کوڑی کی عزت ہو جاتی ہے نہ پولیس کی وردی کام آتی ہے اور نہ میری شخصیت صوفی صاحب ایک پیش کش کرنا چاہتا ہوں۔''

''درویش آپ پر رحم کریں۔ فرمایئے۔''

''اگر آپ ان خاتون کو نکال دیں تو ان کی جگہ تین ملازمائیں آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں تنخواہ میری جیب سے یا اگر یہ نہ کریں تو کم از کم دروازے پر ایک ایسے چوکیدار کو تعینات کر دیں جو دروازہ کھولے اور آنے والے سے عزت اور احترام کے ساتھ پیش آئے۔''

''درویش آپ پر رحم کریں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔''

''آپ نے تو پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔''

''جی۔''

''جی ہاں، میں نے آپ سے کچھ درخواستیں کی تھیں۔ میں مانتا ہوں کہ آپ خاموش نہ بیٹھیں ہوں گے خیر آپ اس بارے میں مجھے کوئی اطلاع دیں یا نہ دیں میں اپنی معلومات آپ تک ضرور پہنچاؤں گا۔'' صوفی نے سر دنگا ہوں سے جمشید مرزا کو دیکھا اور بولا۔

''فرمایئے پہلے یہ بتایئے کیا پئیں گے آپ۔''

''اگر وہ خاتون لائیں گی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ ہاں ان کے علاوہ ہمارے کچن کی ذمہ داری کسی پر نہیں ہے اگر آپ حکم دیں تو آپ کے لیے خود کچھ بنا کر لے آؤں۔

''ارے نہیں نہیں بالکل نہیں بہر حال پوسٹ مارٹم رپورٹ آ گئی ہے اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق لاش پر خنجر کا زخم تقریباً اڑتالیس گھنٹے کے بعد لگایا گیا تھا۔''

''گویا وہ لاش دو دن پہلے کی ہو سکتی ہے۔''

''جی یہی رپورٹ ہے۔''

''مگر اس کی ظاہری حالت ایسی نہیں تھی درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اسے برف میں رکھا گیا تھا۔''

''اوہو.....'' صوفی پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

''اس کے علاوہ ہمیں سائرہ حمید کے بارے میں بھی خاصی معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔''

''نہیں۔ یہ معلومات بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس کے علاوہ.....''

''میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ یقیناً ہر طرح کی معلومات آپ کے پاس ہوں گی۔ آپ کو یقیناً یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ چند نامعلوم افراد کے مظالم کا شکار ہو کر مر گئی تھی۔''

''ہاں وہ ایک رقاصہ تھی جو صرف رقص کرتی تھی درویشوں کی دعاؤں سے خیر تھوڑی سی معلومات کا اضافہ میری طرف سے اور کر لیجیے گا۔ یا پھر اس کے علاوہ بھی کچھ معلومات آپ کے پاس موجود ہوں گی۔''

''نہیں نہیں آپ فرمایئے۔''

''ایک قبرستان کا حوالہ دیتا ہوں آپ کو جہاں اس کی قبر ہے اس قبر پر اکثر ایک شخص کو دیکھا جاتا ہے جس کے پاس ویسے ہی خنجروں کا ایک ذخیرہ ہے اور وہ خنجر قبر پر چھوڑ جاتا ہے یہ سائرہ حمید کا کوئی ایسا عاشق تھا جو اس کی موت کے وقت ملک میں موجود نہیں تھا۔ آپ ایک کام کریں جمشید مرزا صاحب۔''

''حکم دیجیے صوفی صاحب واقعی یہ انکشاف اضافی ہے میرے لیے۔''

''آپ یوں کریں کہ یہ رپورٹ تفصیلی طور پر کسی اچھے اخبار کے حوالے کر دیں آپ کو اس پراسرار و گمنام آدمی کا پورا حلیہ بتاتا ہوں یہ حلیہ بھی من و عن شائع ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے صوفی صاحب آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں'' جمشید مرزا نے کہا اندر سے ں کا دل چاہ رہا تھا کہ صوفی کی گردن پر الٹی چھری پھیر دے کیا کمبخت شخصیت ہے اور کس طرح اسے نچا رہا ہے'' کل صبح کے اخبار میں یہ تفصیل آ جانی چاہیے'' صوفی نے کہا۔

''آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ایسا ہی ہو گا۔ میں بس آپ کی نظر عنایت چاہتا ہوں۔''

''حق اللہ درویش آپ پر رحم کریں آپ یہ رپورٹ یہیں پر تیار کر لیں اور اس کا پورا حلیہ بھی۔''

شید مرزا خوش دلی کے ساتھ اس کام کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اندر کی کیفیت جو بھی تھی اس کا دل ہی جانتا تھا۔ لبن بہر حال وہ جانتا تھا کہ اگر صوفی سے بنا کر رکھے گا تو نیک نام رہے گا۔

صوفی کے اندر واقعی کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ پہلے وہ ایک مخصوص لباس اور ایک مخصوص انداز میں رہتا تھا۔ لیکن اب اس کے جسم کا لباس بھی بعض اوقات تبدیل نظر آتا تھا۔ ویسے اکثر وہ اپنی صلیت ہی میں رہتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی یہ لوگ محسوس کرنے لگتے تھے کہ چھوٹا بابا کچھ بدل گیا ہے۔ فیضان تو کھلے کھلے الفاظ میں کہتا تھا۔

''نہیں بھئی تم لوگ مانو یا نہ مانو عورت انسان کی شخصیت بدل دیتی ہے اور وہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے۔ رابعہ سلطان کی موت کے بعد چھوٹے بابا میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ وہ صاف محسوس ہوتی ہیں۔ پہلے ان کے اندر ایک نرمی تھی۔ لیکن اب ایک وحشت پیدا ہو گئی ہے، کسی بھی کام میں وہ انتہائی سخت قدم اٹھا لیتے ہیں۔''

''یہ بھی عشق کا ایک انداز ہے۔''

''کیوں نہیں۔'' گرین فورس کے ممبر اس طرح کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ اب پتا نہیں صوفی کے اندر کیا تھا۔ یہ تو کبھی سامنے آیا ہی نہیں تھا۔ بہر حال معمول کے مطابق شب و روز گزر رہے تھے۔ ان دنوں صوفی کی تمام تر توجہ بریگیڈیئر شیر خان کے قتل پر لگی ہوئی تھی اور اس سلسلے میں وہ بھرپور طریقے سے کام کر رہا تھا۔ کرنل رحیم شاہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ بریگیڈیئر شیر خان کے قاتل کو جلد از جلد منظر عام پر لایا جائے۔ گرین ہاؤس میں شازیہ کو صوفی کی کال موصول ہوئی۔

''کوئی مصروفیت تو نہیں ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''درویش میرے لیے دعا کہاں کرتے ہیں۔ چھوٹے بابا مصروفیت نہیں بوریت اچھی خاصی ہے۔''

''درویش رحم کریں۔ رات کو میرے ساتھ کہیں چلنا ہے۔''

''کس وقت چھوٹے بابا ٹائم بتا دیجیے تا کہ تیار ہو جاؤں۔''

''تقریباً دس بجے۔''

''میں آپ کو تیار ملوں گی۔'' صوفی جس وقت وہاں پہنچا تھا۔ اس وقت دس بجنے میں دس منٹ رہ

گئے تھے۔ شازیہ بالکل تیار تھی۔ صوفی کا لباس دیکھ کر اس نے خوش دلی سے گردن ہلائی۔

''چھوٹے بابا آپ کو سچ بتاؤں اگر آپ تھوڑی سی تبدیلی پیدا کرلیں اپنے اندر تو آپ کی شخصیت انتہائی دل کش ہوسکتی ہے۔''

''درویش تم پر رحم کریں۔ اصل میں شازیہ انسان اگر خود اپنی شخصیت سے مطمئن ہو تو باقی سب ٹھیک ہوتا ہے اور میں درویشوں کے کرم سے اپنے آپ سے بالکل مطمئن ہوں۔''

''پھر بھی چھوٹے بابا کبھی کبھی دوسرے لوگوں کے لیے بھی کچھ کرنا ہوتا ہے۔''

''ہاں کرنا تو ہوتا ہے۔ بہرحال تیار ہو تم۔''

''ہاں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہوں۔'' شازیہ نے کہا اور صوفی اپنی چگی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ شازیہ صوفی کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ ایک چھوٹی سی کار باہر کھڑی ہوئی تھی جو شازیہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ صوفی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تو شازیہ بولی۔

''چھوٹے بابا یہ گاڑی خریدی ہے۔''

''نہیں کسی سے ادھار لی ہے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''آپ کے پاس اپنی گاڑی بھی تو ہے۔'' صوفی نے گردن گھما کر شازیہ کی طرف دیکھا۔ شازیہ جلدی سے بولی۔

''سوری چھوٹے بابا..... سوری۔'' صوفی سامنے دیکھنے لگا تھا۔ کار راستے طے کرتی رہی پھر شازیہ نے ایک دم پوچھا۔

''کیا ہم بریگیڈیئر شیر خان کے بنگلے پر جا رہے ہیں۔''

''ہاں۔''

''ویسے ایک بات کہوں چھوٹے بابا پولیس بعض اوقات میں بڑی بے پروائی سے کام کرتی ہے۔''

''کیوں؟''

''اس بنگلے پر کوئی چوکیدار نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے ابھی تو وہ زیر تفتیش ہے وہاں گارڈ ہونا چاہیے تھا۔''

''طریقہ کار ہے اپنا اپنا اور پھر اس سلسلے میں تفتیش جس شخص کے سپرد کی گئی ہے۔ وہ اس قدر محتاط آدمی نہیں ہے۔''

''جمشید مرزا۔'' شازیہ ہنس کر بولی۔

''ہاں۔''

''شخصیت بڑی مزے دار ہے ایک بات بتاؤں چھوٹے بابا! آپ اس کی طرف سے کبھی مطمئن نہ ہوں۔''

''ہم اپنی طرف سے مطمئن نہیں ہیں درویشوں کی دعاؤں سے تو دوسروں سے کیا مطمئن ہوں گے۔''

''یہ آپ کیا بات کہہ رہے ہیں چھوٹے بابا، آپ مجھ سے مطمئن نہیں ہیں۔''

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ، انسان ہمیشہ نامکمل رہتا ہے شازیہ، اوہو..... ہم اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔ صوفی نے بریگیڈیئر شیر خان کے گھر سے کافی فاصلے پر ایک جگہ اپنی گاڑی روک دی جہاں وہ عام نگاہوں سے محفوظ رہے۔ اس کے بعد دونوں نیم تاریک ماحول میں گاڑی سے اتر کر آگے بڑھ گئے۔ رات سرد اور تاریک تھی۔ وہ دونوں شیر خان کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ گھر مقفل تھا۔ اسے سرکاری طور پر بند کر دیا گیا تھا۔

بہرحال ساری تفصیلات نگاہوں کے سامنے تھیں۔ یہ پتا چل چکا تھا کہ بریگیڈیئر شیر خان لاش ملنے سے دو دن پہلے غائب ہو گیا تھا۔ وہاں موجود ملازموں نے یہ بات بتائی تھی کہ وہ کئی کئی دن تک گھر سے غائب رہتا تھا اور پھر کسی صبح وہ اسے گھر نہیں پاتے تھے۔ بہرحال ملازموں کو اس سے زیادہ اور کچھ پتا نہیں تھا۔ یہ بات وہ نہیں جانتے تھے کہ دروازے سے آنے کے بجائے شیر خان کون سے راستے سے اندر آ جایا کرتا تھا۔ صوفی شازیہ کے ساتھ عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔ ''چھوٹے بابا کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے اندر جانے کا ہمیں یہ دیوار کود کر ہی اندر جانا ہوگی۔''

''تھوڑی سی تلاش اگر کرلی جائے تو کبھی کبھی دیواریں نہیں کودنی پڑتیں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کیا مطلب؟''

''آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اندر آنے کا کون سا راستہ ہے۔'' یہ کہہ کر صوفی آگے بڑھا دیوار سے کچھ فاصلے پر ایک تناور درخت تھا۔ جس کی شاخیں چھت پر پھیلی ہوئی تھیں۔ صوفی بے اختیار بول پڑا۔

''ملازموں نے بتایا تھا کہ بریگیڈیئر شیر خان اچانک ہی گھر میں نظر آتا تھا۔ اس سے بہتر راستہ اور کون سا ہو سکتا ہے۔''

''ہاں بابا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ تو ہماری نگاہوں میں بھی نہیں آیا تھا۔''

''اسی لیے شیر خان کے آنے جانے کا راستہ بھی محفوظ تھا۔ وہ درخت کے ذریعے اوپر پہنچے۔ لیکن یہاں صوفی کو یہ خیال ترک کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ چھت نہیں صرف دیوار تھی۔ ایک فٹ چوڑی، نیچے اندھیرا تھا۔ اس لیے وہ زمین سے اس کی اونچائی کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔

''یہاں ٹارچ بھی نہیں روشن کی جا سکتی یہ دوسری صورت تھی کہ وہ دیوار پر لیٹ کر ٹارچ جلا کر ہاتھ نیچے لٹکا دیتا اور اس نے یہی کیا۔ دیوار تقریباً بیس فٹ اونچی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کہیں بھی نیچے اترنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی اسے یاد آیا کہ اس دیوار پر آگے بڑھ کر ذرا نیچی جگہ نظر آئی تھی اور یہی وہ جگہ تھی۔ جہاں سے شازیہ اندر کودی تھی۔

بہرحال شازیہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ دیوار، دیوار پر سے گزرتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں دیوار کم اونچی تھی۔

''چھوٹے بابا آپ نیچے کود سکیں گے۔''

''میں تو خیر کود ہی سکتا ہوں لیکن۔ تم.....''

''میں سب سے پہلے نیچے کودی تھی۔ بالکل اسی جگہ سے اور اسی جگہ سے ہماری واپس بھی ہوئی تھی۔''

''ویری گڈ اس کا مطلب ہے کہ گرین فورس کے ممبر مجھ سے زیادہ ہوشیار ہیں۔'' صوفی نے کہا اور دیوار سے نیچے کود گیا۔ شازیہ نے تعریفی نگاہوں سے صوفی کو دیکھا تھا۔ صوفی بالکل سیدھا پنجوں کے بل نیچے گیا تھا اور آرام سے کھڑا ہو گیا تھا پھر اس نے شازیہ کو بھی سہارا دیا تھا اور اس کے بعد وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔ وہ اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں شیر خان کی لاش نظر آئی تھی۔ صوفی جگہ جگہ کا جائزہ لیتا رہا۔ کوئی خاص بات نہیں ملی تھی لیکن نہ جانے کیوں صوفی کا ذہن کہتا تھا کہ یہاں کے معاملات اس قدر صاف ستھرے نہیں ہیں۔ ضرور کہیں نہ کہیں گڑ بڑ ہے اور پھر وہ اسی کمرے کے غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ جو شیر خان کی رہائش گاہ کے طور پر تھا۔ غسل خانہ ضرورت سے زیادہ وسیع تھا۔ اس میں تمام انگلش فٹنگ تھی۔ ہر چیز جدید۔ دیر تک اس کا جائزہ لیتا رہا اور یہاں تک کہ سوئچ بورڈ پر اس کی نگاہ پڑی۔ ہر طرح کے سوئچ اس پر لگے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سوئچ غیر ضروری تھا۔ بے حد خوب صورت اور سب سے الگ تھلگ۔ صوفی نے اس کا جائزہ لیا اور پھر پر انگوٹھا رکھ دیا۔

غسل خانے کی ایک دیوار اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی اور اس کے دوسری طرف سیڑھیاں نظر آئی تھیں۔ یہ ایک شاندار دریافت تھی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے صوفی نے ٹارچ روشن کر کے اس کی روشنی سیڑھیوں پر ڈالی اور پھر شازیہ سے بولا۔

''آؤ'' چودہ سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد ایک وسیع و عریض تہ خانہ، تہ خانے میں میز اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کچھ ہنگامہ آرائی ہوئی ہو۔ ورنہ تہ خانہ اچھا خاصا صاف ستھرا تھا۔ اس میں قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ شراب کے تین چار گلاس ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ صوفی نے گہری سانس لی اور بولا۔

''یہاں روشنی تلاش کرو۔'' کچھ ہی دیر بعد تہ خانہ جگمگا اٹھا۔ تیز روشنیوں نے ہمارے ماحول کو منور کر دیا تھا۔ صوفی وہاں ایک ایک چیز کی تلاشی لے رہا تھا اور اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار نظر آنے لگے۔ شازیہ بھی حیران تھی۔ صوفی اس وقت شیر خان کے متعلق سوچ رہا تھا۔ شیر خان واقعی ایک پراسرار آدمی تھا۔ عام آدمیوں کے یہاں تہ خانے نہیں ہوتے۔

بہر حال یہاں کی ابتری ظاہر کر رہی تھی کہ یہاں بہت ہی سخت قسم کی جدوجہد ہوئی ہے۔ کئی آدمی رہے ہوں گے کیوں کہ ٹوٹے ہوئے برتنوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی صوفی نیچے جھک کر کچھ دیکھنے لگا اور پھر کھڑے ہو کر دیواروں پر روشنی ڈالی۔ جن کا پلاسٹر کئی جگہوں سے ادھڑا ہوا تھا۔ پلاسٹر نوعیت کے اعتبار سے پرانا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ تہ خانہ بھی اتنا ہی پرانا تھا۔ جتنی کہ خود عمارت پلاسٹر میں سیمنٹ کے بجائے سرخی مائل چونا اور ریت استعمال کی گئی تھی۔ صوفی سوچنے لگا کہ اگر یہاں ہونے والی کش مکش ہی شیر خان کی موت کی ذمے دار تھی۔ تو خنجر والی کہانی کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتی۔ شیر خان اپنے دشمنوں کو تہ خانے میں کیوں لاتا۔ دشمن نہیں بلکہ دشمنوں کو۔

کیونکہ ایک آدھ آدمی کے ساتھ اتنے سارے گلاس نہیں ہوتے اور پھر کرسیاں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ زیادہ دنوں تک کسی جگہ پر نہیں رہیں۔ اس کے خلاف میز اور ایک کرسی

کی سلی ہوئی لکڑی بتاتی تھی کہ وہ اس تہ خانے میں کافی عرصے سے پڑی ہوئی ہے۔ صوفی ان گری ہوئی چیزوں کو ٹٹول رہا تھا۔ پھر وہ اس میز کے پاس پہنچا جس کی لکڑی پرانی اور معمولی تھی۔ بے خیالی میں اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی ارادتاً نہیں بلکہ یونہی، میز کی اوپری سطح پایوں سے الگ ہو کر اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ صوفی نے حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے منہ سے مدھم سی آواز نکلی۔

درویش رحم کریں۔'' دفعتاً اس کی نگاہ ایک اور چیز پر پڑی۔ یہ ایک دراز تھی۔ جو سطح کے نچلے حصے میں تھی لیکن اس وقت غلط طریقے سے میز اٹھانے سے وہ نکل گئی تھی اور پھر بہت سے کاغذ ادھر ادھر بکھر گئے۔ صوفی نے تختے کو دوبارہ اٹھا کر ایک طرف کھڑا کر دیا۔ اوپری سطح گہری نہیں بلکہ دہری تھی۔ جب کہ بناوٹ سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال دراز نکل جانے سے کاغذات باہر آ گئے تھے۔ صوفی جھک کر ان کا جائزہ لینے لگا اور پھر اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔ شازیہ بھی کاغذات کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن اسے ایک دم یوں محسوس ہوا جیسے صوفی بہت زیادہ جذباتی ہو گیا ہو۔

پھر وہ آہستہ سے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''آؤ شازیہ چلیں۔''

''چھوٹے بابا۔''

''باہر، باہر۔'' صوفی نے کہا اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل آئے تھے۔ باہر نکلنے کے بعد وہ اپنی گاڑی کی طرف چل پڑے اور کچھ دیر کے بعد گرین ہاؤس میں داخل ہو گئے۔ شازیہ جانتی تھی کہ اگر بتانے والی کوئی بات ہوتی تو صوفی اسے ضرور بتاتا۔ ان کاغذات کے بارے میں اسے خود بھی تجسس تھا۔ لیکن بہر حال وہ خاموش ہی رہی۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا نے صوفی کی ہدایت کے مطابق کام کیا تھا۔ بہر حال صاحب حیثیت اور صاحب اختیار تھا۔ کسی اخبار میں کوئی تفصیل چھپوا دینا کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ چنانچہ دوسرے دن کے اخبار میں وہ پوری خبر آ گئی تھی اور اس آدمی کا حلیہ بھی شائع کیا گیا تھا۔ ایک پراسرار اور دلچسپ کہانی تھی۔ جمشید مرزا نے بڑے سخی انداز میں کہا۔

''میں نے تعمیل حکم کی ہے صوفی صاحب یہ کام میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ اب آگے بتائیے کیا کروں۔''

''بس آنکھیں کھلی رکھیے گا۔ درویشوں کی دعاؤں سے اور ہو سکے تو قوالی کروا دیجیے گا۔ برکت ہی برکت ہوتی ہے۔''

''مگر نادر حیات صاحب جو میری قوالی کیے دے رہے ہیں اس کا کیا کروں۔''

''صبر کرنے سے فائدے ہی فائدے ہوتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد اسے کرنل رحیم شاہ کا فون موصول ہوا۔

''صوفی صاحب کیا کر رہے ہیں۔''

''صوفی صاحب تو اس وقت کچھ بھی نہیں کر رہے درویشوں کی دعاؤں سے۔ فرمائیے۔''

''وہ شاہ میر صاحب نے فوراً ہم دونوں کو بلایا ہے بہت بے چین نظر آتے ہیں۔''

''ڈاکٹر کے بجائے ہمیں بلایا ہے۔''

''گھر پر جانا ہے بہت بڑی شخصیت ہیں۔ گھر پر بلانے کا مقصد یہی ہے کہ وہ ہم سے ہی کچھ بات، چیت کرنا چاہتے ہیں۔''

''خوشی کی بات ہے پھر کیا حکم ہے۔''

''ڈائریکٹ پہنچ جاؤ۔ میں بھی پہنچ رہا ہوں۔''

''جو حکم۔'' فون بند کرنے کے بعد صوفی نے تیاریاں کیں۔ اس کا ذہن گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے تیار ہونے کے بعد وہ کاغذات سنبھال کر رکھے اور پھر تیار ہو کر چل پڑا چونکہ شاہ میر صاحب سے ملنے جا رہا تھا اس لیے حلیہ بھی مناسب ہی رکھا۔ البتہ پانوں کی ڈبیہ اور بٹوہ تو اس کے وجود کا ایک حصہ تھا۔ شاہ میر صاحب نے اپنی کوٹھی میں ان دونوں کا استقبال کیا خاصے الجھے نظر آ رہے تھے۔ جب یہ لوگ بیٹھ گئے۔ تو انہوں نے اخبار کرنل رحیم شاہ کی طرف کر دیا۔

''یہ خبر پڑھی آپ نے سائرہ حمید والی۔''

''جی۔''

''یہ تو کمال ہے خاصا الجھ گیا ہوں۔''

''کیا مطلب ہے سائرہ حمید سے آپ کا کیا تعلق۔''

''افوہ تم سمجھتے نہیں میں ان کاغذات کی بات کر رہا ہوں یہ کاغذات کافی عرصے پہلے غائب ہو گئے تھے اور اس سلسلے میں سائرہ حمید کا نام سامنے آیا تھا۔ بس یوں سمجھ لو بہت ہی اہم معاہدے کے کاغذات تھے۔ جو غائب کر دیے گئے تھے۔ سائرہ حمید نامی رقاصہ کو اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث سمجھا گیا تھا اور بڑی لے دے ہوئی تھی اس بات پر۔''

''پھر۔''

''کچھ نہیں وہ کاغذات دوبارہ نہیں حاصل ہو سکے البتہ ریکارڈ روم میں صرف ان کی نقل موجود ہے۔ کرنل یہ ذمے داری سوفی صدی مجھ پر آتی ہے۔ بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جو ہم سینے میں چھپائے ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک ان کاغذات کے بارے میں کوئی سرکاری عمل نہیں کیا۔ لیکن شاید تم یقین نہ کرو۔ کرنل رحیم شاہ اور صوفی صاحب کہ میں سولی پر لٹکا رہتا ہوں۔ کئی بار تو اس قدر ذہنی بے بسی کا شکار ہوا کہ دل چاہا کہ خودکشی کر لوں اگر کبھی اس معاہدے کی کچھ شقیں منظر عام پر آ گئیں تو ذمے داری سوفی صدی مجھ پر ہی عائد ہو گی اور اس وقت میں تمہیں بتاؤں۔ میں ملک کی ایک بڑی شخصیت نہیں بلکہ ایک مجرم قرار دیا جاؤں گا آسانی سے کوئی بھی مجھ پر الزام لگا سکتا ہے کہ خود میں نے اس عظیم معاہدے کو دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''ایک سوال جناب درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''جی، جی پوچھیے..... پوچھیے۔''

''سائرہ حمید سے آپ کا کوئی تعلق رہا ہے۔'' صوفی نے کہا اور شاہ میر صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر انہوں نے کہا۔

''صوفی صاحب آپ میری بات پر یقین کر لیں گے۔''

''جی کر لوں گا۔''

''اتنی آسانی سے۔''

''درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''وجہ بتائیں گے آپ۔''

''تھوڑی سی اسی کائنات میں جھک ماری ہے۔ درویشوں نے رہنمائی کی ہے ہمیشہ۔ انسان روشن ہوتے رہے ہیں معلومات حاصل ہوتی رہی ہیں۔ آپ کی شخصیت میں سچ ہے یہ میں جانتا ہوں درویشوں کے کرم سے۔''

''آپ کا بے حد شکریہ، یہاں ایک ایسا لمحہ گزرا تھا جب وہ میرے اردگرد چکراتی رہی تھی۔ لیکن بہ خدا میں نے اسے کسی بھی حیثیت سے اپنے ذہن میں جگہ نہیں دی۔ لیکن یہ بات مجھے بہت جلد معلوم ہو گئی کہ کچھ حلقوں میں میری اور اس کی قربت کی کہانیاں سنائی جانے لگی تھیں۔ میں نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ لیکن کم بخت بڑی ڈھیٹ تھی۔ میرے اردگرد چکراتی رہی اور یہ تاثر دیتی رہی کہ وہ مجھ سے متاثر ہے اور وہ میرے زیادہ قریب آنا چاہتی ہے۔ کاغذات اسی دوران گم ہوئے تھے اور اس وقت میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ سائرہ حمید اس معاملے میں کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ کاغذات کی گمشدگی کے بعد میرے ذہن میں اس کا خیال آیا اور میں دنگ رہ گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد وہ قتل کر دی گئی۔ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ کاغذات کی گمشدگی کے علم کے بعد شاید ہی کوئی رات ایسی گزری ہو۔ جو میں سکون کی نیند سویا ہوں۔

''آپ نے ان کی تلاش کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔'' صوفی نے سوال کیا۔

''صوفی صاحب ذاتی طور پر میں زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا تھا۔ آپ خود مجھے بتا دیجیے بس اپنے طور پر ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا ہوں۔ تقدیر بعض اوقات ایسے ہی انوکھے کھیل دکھاتی ہے۔''

''اور اگر وہ کاغذات نہ ملے تو کیا ہو گا۔''

''بتا چکا ہوں صوفی صاحب میری عزت خطرے میں پڑ جائے گی بلکہ خطرے میں کیا پڑے گی۔ خدانخواستہ میں اگر ان کاغذات کے لیے کچھ نہ کر سکا تو پھر دو ہی باتیں ہیں یا تو ملک چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا اور غدار اور وطن فروش کہلاؤں گا۔ جب کہ نہ میں غدار ہوں اور نہ وطن فروش یا پھر دوسری صورت میں مجھے خودکشی کرنا ہو گی۔''

''مگر تعجب کی بات ہے کہ آپ نے کرنل صاحب کے اتنے قریب ہوتے ہوئے کبھی کرنل صاحب سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ صوفی نے کہا۔

''بس اتنا ہمت نہیں ہوں میں۔'' صوفی نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ کاغذات نکال کر شاہ میر صاحب کے سامنے رکھ دیے۔ شاہ میر صاحب ہی نہیں خود کرنل رحیم شاہ بری طرح چونک پڑا تھا۔ وہ

پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کاغذات کو دیکھنے لگا اور پھر شاہ میر صاحب کی آواز ابھری۔

''یہ..... یہ..... یہ کیا ہے۔''

''دیکھ لیجیے درویشوں کی دعاؤں سے لیکن ایک شرط ہے شاہ میر صاحب آپ کو اپنی اس کوٹھی میں قوالیاں کرانی پڑیں گی۔'' صوفی نے اتنا ہی کہا تھا کہ شاہ میر نے ان کاغذات پر جھپٹا مارا اور پھر ان کا بدن کپکپانے لگا۔ حلق خشک ہوگیا۔ ان کے منہ سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے فوراً ہی سامنے پڑے ہوئے جگ سے پانی کا ایک گلاس نکالا اور ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''سنبھالیے شاہ میر صاحب اپنے آپ کو۔'' شاہ میر نے پانی کا گلاس خالی کر دیا۔ ان کا پورا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔''

''نہیں میں کہہ رہا ہوں خود کو سنبھالیے۔''

''کاغذات..... یہ..... یہ کہاں سے آ گئے۔''

''مم..... مم..... میرے کوٹ کی جیب سے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''صوفی صاحب یہ پلیز..... یہ آپ نہیں سمجھتے ان میں تو میری زندگی چھپی ہوئی ہے، آپ نے مجھے زندگی دی ہے۔ یہ آخر..... یہ آپ کو کہاں سے مل گئے۔''

''شیر خان صاحب کی کوٹھی کے نچلے حصے میں بنے ہوئے تہ خانے میں ایک میز کی دراز سے۔''

''خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ۔'' شاہ میر نے کہا اور اس کے بعد وہ ان کاغذات کو دیکھتے رہے۔ صوفی نے کسی قدر ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''مجھے ان کاغذات کی اہمیت نہیں معلوم تھی حالانکہ اگر کوئی ایسا مسئلہ تھا تو میرے علم میں آنا چاہیے تھا۔ لیکن کبھی کبھی کرنل رحیم شاہ صاحب ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے دل میں۔'' کرنل رحیم جو خود بھی بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا۔ صوفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا صوفی صاحب۔''

''یہی کہ خلوص کہیں نہیں ملتا۔ آپ جتنا چاہیں کسی سے مخلص ہو جائیں۔ اپنی اہمیت اور اپنی بڑائی کا احساس ہر ذہن میں باقی رہتا ہے، بس اور کیا کہا جائے۔''

''نہیں صوفی صاحب آپ ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیجیے یہ ایک ایسا اہم راز تھا جس پر میری زندگی کا دارومدار ہے میں کیسے آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتا دیتا اگر غور کریں گے تو میری بے گناہی آپ کی سمجھ میں آ جائے گی آپ نے اتنا بڑا احسان کیا ہے مجھ پر بس یہ سمجھ لیجیے کہ آپ نے مجھے ایک نئی زندگی عطا کر دی ہے اور اس کے لیے صرف میں ہی نہیں میرا پورا گھرانہ آپ کا شکر گزار ہے۔ آپ نے ان سب کو دوبارہ عزت کی زندگی دے دی ہے۔ میں کیا کہوں۔ شاہ میر صاحب بہت زیادہ ممنون کرم تھے وہ بار بار کاغذات دیکھے جا رہے تھے۔ پھر دفعتاً انہوں نے کہا۔

''صوفی صاحب اس میں دو صفحات موجود نہیں ہیں۔ یہ کاغذات نامکمل ہیں۔''

''جس جگہ سے یہ کاغذات برآمد ہوئے تھے۔ وہاں ان کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔''

''اب بھلا میں آپ سے کیا چھپاؤں گا آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اگر وہ دو شقیں کسی کے ہاتھ لگ گئیں تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ ہمارے لیے وہ دو صفحات بڑے کام کے ہیں۔ اگر وہ کسی کے ہاتھ لگ گئے۔ تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی۔''

''میں جانتا ہوں جناب! کاغذات سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی وہ قتل کر دیا گیا۔''

''کک..... کون؟'' کرنل رحیم شاہ اور شاہ میر جلدی سے بولے۔

''میں شیر خان کی بات کر رہا ہوں یہ دونوں شقیں ان کے پاس بھی نہیں تھیں۔''

''ہاں، ہو سکتا ہے بالکل ہو سکتا ہے۔''

''اچھا ایک بات بتائیے۔'' صوفی نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''یہ بتائیے شاہ میر صاحب آپ کی اور بریگیڈیئر شیر خان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں میرا مطلب آپ کے اور ان کے درمیان شناسائی تھی۔''

''گہری شناسائی..... گہری شناسائی۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں ناں صوفی صاحب میں خود بھی اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''کیا؟''

''اب آپ سے کیا چھپانا، سائرہ حمید شیر خان ہی کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔'' شاہ میر صاحب نے گہری سانس لے کر کہا اور صوفی بے اختیار جیب میں پانوں کی ڈبیہ اور بٹوہ تلاش کرنے لگا۔ پھر ایک دم سنبھل گیا۔

''نہیں آپ پان کھا سکتے ہیں۔''

''شش..... شش شکریہ درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے کہا اور پانوں کی ڈبیا نکال کر سامنے رکھ لی۔ پھر اس نے بڑے اہتمام سے گلوری منہ میں رکھی چھالیہ اور تمباکو کو پھانکا قوام چاٹا اور اس کے بعد ڈبیہ شاہ میر صاحب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''نوش فرمایئے۔''

''نہیں میں نے زندگی میں کبھی پان نہیں کھایا۔''

''اوہ، حالانکہ پان ذہن کے دروازے کھولتا ہے۔ دماغ کے ہر شعبے کو منور کرتا ہے۔ شعور، لاشعور تحت الشعور اور اس کے بعد دماغ کی ہر سطح درویشوں کی دعاؤں سے جہاں تجسس آمیز سوالات پیدا ہوتے ہیں اور یہ بارہ نمبر کا قوام اور زردہ بس آپ یوں سمجھ لیجیے کہ کسی خوش ذوق حسینہ کا اسکرٹ بلاؤز ہوتا ہے۔ جس کی میچنگ اگر درست نہ ہو تو سب کچھ چوپٹ ہو جائے درویشوں کے کرم سے۔ کرنل رحیم شاہ اور شاہ میر حیرت سے صوفی کو دیکھتے رہے تھے۔ صوفی کے منہ سے آواز نکلی۔

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ'' اور اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ شاہ میر کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ بہرحال بہت بڑی شخصیت تھی۔ ان کے سامنے تو بڑے بڑے لوگ اتنے ادب سے بیٹھا

کرتے تھے کہ سانس تک بے ترتیبی سے نہ لی جائے۔ لیکن صوفی اس وقت بے خود ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور گردن جھکی ہوئی تھی۔ پھر یہ گردن آہستہ آہستہ ہلنے لگی وہ جھومنے لگا تھا۔ خاموشی اس قدر طویل ہو گئی تھی کہ خود کرنل رحیم شاہ جی بے چین نظر آنے لگے۔ شاہ میر نے اشارے سے پوچھا کہ یہ صوفی کو کیا ہوا کرنل رحیم شاہ نے شانے اچکا دیے۔ جب اس خاموشی کو تین سے چار منٹ گزر گئے تو کرنل رحیم شاہ ہی نے صوفی کو پکارا۔

''صوفی صاحب۔''

''حق اللہ۔'' صوفی کے منہ سے نکلا وہ تو شکر تھا کہ پان کی پیک ابھی بہت زیادہ نہیں بنی تھی ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا صوفی نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

''حق اللہ، حق اللہ۔'' پھر اس نے مڑ کر دیکھا قریب ہی ایک بہت خوب صورت گلدان رکھا ہوا تھا۔ اس نے گل دان اٹھایا اس کے پھول گلدان سے نکالے اور گلدان میں پیک تھوک دی۔ شاہ میر صاحب اور کرنل رحیم شاہ کا منہ بن گیا تھا۔ شاہ میر صاحب کی ناک سکڑ گئی۔ صوفی نے بڑے اطمینان سے پھول گلدان میں دوبارہ لگائے کرنل رحیم شاہ نے معذرت طلب نگاہوں سے شاہ میر کو دیکھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ صوفی بولا۔

''اس کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتایئے۔ ضروری ہے شاہ میر صاحب۔''

''کس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ کہاں کھو گئے تھے آپ صوفی صاحب!''

''کہیں نہیں کھوئے تھے درویشوں کی دعاؤں سے حقیقتوں کی جانب سفر کر رہے تھے اور حقیقتیں درویش منکشف کر رہے تھے۔ مجھے اس عورت کا پتا چاہیے شاہ میر صاحب، جس نے آپ کی اور شیر خان کی دوستی کرائی تھی۔'' شاہ میر صاحب ایک لمحے کے لیے ہونق سا ہو گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے صوفی اور پھر کرنل کو دیکھا اور بولا۔

''یہ کیا ہو گیا انہیں اچھے خاصے تھے۔''

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ..... اللہ ہو..... اللہ ہو..... اللہ ہو.....'' صوفی زور زور سے گردن جھٹکنے لگا۔ کرنل رحیم شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''صوفی صاحب! یہ کیا..... یہ کیا ہو گیا۔ سنبھالیے اپنے آپ کو.....''

''ٹھیک ہے سنبھالے لیتے ہیں۔ آپ کے حکم سے لیکن آپ یہ سمجھ لیجیے کہ کام کی بس وہ دو ہی شقیں تھیں اگر وہ ضرورت مندوں کے ہاتھ لگ گئیں۔ تو آپ جانیے اور آپ کا کام میرا خیال ہے اس کے بعد شاہ میر صاحب کے لیے خودکشی سب سے زیادہ موزوں رہے گی۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں صوفی صاحب! آپ کو شاہ میر صاحب کا رتبہ پتا ہے۔''

''درویشوں کا رتبہ ان سب سے اونچا ہے۔ ہمیں اجازت دیجیے آپ لوگ بیٹھیے۔'' صوفی نے کہا۔

''آخر ہوا کیا ہے آپ بتایئے تو صحیح کچھ۔''

''اس عورت کا پتا جس نے شاہ میر صاحب اور شیر خان کو قریب کیا تھا۔ اگر اس کا پتا نہ ملا تو سمجھ لیجیے میں ان ساری چیزوں سے دست بردار ہو گیا اور درویشوں کے کرم سے۔''

''یہ کیا لگا رکھا ہے آپ نے۔'' شاہ میر نے طیش میں آ کر کہا۔

''خدا حافظ اور معافی چاہتے ہیں آپ سے گستاخی کی۔'' صوفی نے کہا اور پلٹ کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

''رکیے صوفی صاحب رکیے۔ میں کہتا ہوں رک جایئے۔ کرنل رحیم شاہ نے کہا اور صوفی کرنل کی طرف مڑ کر بولا۔

''ہمارے درمیان صرف دوستی کا رشتہ ہے صاحب! آپ نے پیار محبت سے بلایا ہم آ گئے۔ حکم نہ دیجیے گا درویشوں کے علاوہ ہم کسی کا حکم نہیں مانتے اس کے بعد شاید ہماری ملاقات کبھی نہ ہو۔''

''ارے ارے آپ بلاوجہ اس حد تک ناراض ہو گئے ہیں صوفی صاحب! بات ایسی نہیں ہے۔ آیئے۔ پلیز بیٹھ جایئے۔''

''آپ کی اور شیر خان کی دوستی کیسے ہوئی تھی؟'' صوفی نے وہیں کھڑے کھڑے سوال کیا۔

''میں بتائے دیتا ہوں۔ بتا دیتا ہوں سب کچھ۔ آپ..... واقعی کمال شخصیت ہیں۔ کرنل رحیم شاہ معافی چاہتا ہوں میں۔ بس انسان اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے۔ ہاں شیر خان کی رنگین مزاجی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ وہ لڑکی بھی بس اسی طرح میرے قریب آئی تھی۔ یعنی سائرہ حمید لیکن اسے میں نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ جہاں تک شیر خان کی میرے قریب آنے کی بات ہے تو میں نے غلط کہا تھا کہ میری اس کی قدیم دوستی تھی ہمارے درمیان دوستی کی ایک اور شخصیت ذمے دار تھی۔''

''نام؟''

''روزانہ پارکر۔''

''پتا؟''

''پاسٹ اسٹریٹ نمبر 11۔'' صوفی نے جیب سے نوٹ بک نکال کر یہ دونوں نام لکھے اور کرنل رحیم شاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اگر آپ تشریف رکھنا چاہیں تو رکیے۔ ہم چلتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' کرنل رحیم شاہ نے شاہ میر کی طرف دیکھا تو شاہ میر نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

''تم بیٹھو۔ صوفی صاحب کو جانے دو۔'' صوفی سلام کر کے باہر نکل گیا تھا۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

معشوق نشیلے کا معاملہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ قبرستان میں وظیفہ پڑھنے گئے تھے مگر پتا نہیں وہ کم بخت کہاں سے مل گیا تھا۔ بہرحال اس بات سے ذرا سے مطمئن ہوئے تھے کہ بات صوفی کے کام کی تھی۔ صوفی سے ضرورت سے زیادہ ہی محبت ہو گئی تھی۔ ہر مشکل کا حل اس کے پاس مل جاتا تھا لیکن جس مشکل میں وہ اس وقت گرفتار تھے۔ وہ بڑا مشکل کام تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ بہرحال ممن خان کے ہوٹل پہنچ گئے۔ قدوس بیگ سے وہیں ملاقات ہوا کرتی تھی۔ بس ایسے ہی حرام خور قسم کے آدمی تھے۔ نکمے اور ناکام حالانکہ بیوی بچے والے آدمی تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کے بیوی بچے بھی بس فاقہ کشی ہی کرتے ہیں جاننے والے مدد کر دیا کرتے تھے۔ صوفی نے کئی بار نوکری لگوانے کے لیے کہا تھا لیکن ان کا نظریہ یہی تھا کہ اللہ دے کھانے کو

تو بلا جائے کمانے کو اس وقت بھی وہیں بیٹھے ہوئے چائے سڑپ رہے تھے کہ معشوق نشیلے پہنچ گئے۔

''اخاہ...... وہ جو کہتے ہیں نا کہ شیطان کو یاد کرو اور شیطان حاضر ابھی تھوڑی دیر پہلے ممن خان سے یہی بات ہو رہی تھی کہ معشوق نشیلے کی دال گلی یا نہیں۔''

''دال چڑھی ہی نہیں تو گلے گی کہاں سے۔''

''کیا مطلب؟''

''یار! گڑبڑ ہوگئی۔ تمہارے کہنے کے مطابق وظیفہ پڑھنے کے لیے گیا تھا۔ مگر وہاں ایک کم بخت بلا مل گئی۔ بس یوں سمجھ لو کہ زندگی ہی بچ گئی۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی خونی یا قاتل ہے۔ خنجر بکف تھا۔''

''خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔ پھر کیا ہوا؟''

''بھاگ آیا بھائی! پھر ہوتا کیا۔ جان تو نہیں دینی تھی۔''

''بس یہی تو غلط کیا تم نے۔ چھوڑو یار! عشق صادق نہیں ہے عشق صادق ہوتا ہے تو زندگی بے وقعت ہو جاتی ہے۔ بھلا ڈر خوف سے کیا تعلق۔ حقیقت کھل گئی۔ نشیلے صاحب وہ بے چاری بے گناہ آپ جیسے بے قدر کے ہاتھوں نہ ہی لگے تو اچھا ہے۔''

''اماں، کیا کہہ رہے ہو۔ یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔ دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام ہے۔ اس کے اندر کوئی لچک نہیں پائی جاتی اور آپ دل توڑ رہے ہیں ہمارا۔''

''میاں! ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔''

''مگر اب تو بتاؤ کیا کریں۔''

''نہیں مجھے لگتا ہے کہ یہ تمہارے بس کی بات ہے نہیں۔ نہیں کر پاؤ گے ننھے!...... نہیں کر پاؤ گے۔''

''تو پھر کیا کروں؟''

''زندگی کی بازی لگانی پڑتی ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے کیا سمجھے ہم پڑھ دیں گے وظیفہ تمہارے لیے لیکن صاف صاف کہے دیتے ہیں۔ کوئی کام بغیر پیسوں کے نہیں ہوتا سوا پانچ ہزار روپیہ خرچ ہو جائیں گے۔ دو چار سو ہمارے ہوں گے باقی تم یہ سمجھ لو کہ اپنے گرد جو حصار قائم کرنا ہوگا۔ اس پر خرچ ہوں گے۔ نہ جانے کہاں کہاں کیا کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔''

''بس سوا پانچ ہزار۔''

''اماں کیا دوبئی میں جھک مارتے رہے تھے زندگی بھر۔ سوا پانچ ہزار نہیں خرچ کر سکتے۔ نہ خرچ کرو بھائی! ہم مانگ تو نہیں رہے تم سے خلوص دل سے بتا دیا تھا وظیفہ کامیابی یا ناکامیابی تمہارا مقدر ہاں اگر ہم نے پڑھا تو بے فکر رہو کام ہونا ہی ہوتا ہے۔''

''تو پڑھ دو قدوس بھائی! پیسوں میں کچھ کمی بیشی کر لو۔''

''دماغ خراب ہو رہا ہے کیا۔ کوئی بلیے کی دوکان تو نہیں لگائی ہم نے کہا، کہ خود ہمارے ہاتھ تو دو تین سو روپے ہی لگیں گے باقی حصار وغیرہ بنانے میں کام آئیں گے تمہیں کیا پتا زعفران آج کل کیا تولہ ہے ڈھائی ہزار روپے تولہ سمجھے اور ہمیں چاہیے تقریباً ڈیڑھ تولہ زعفران اور اس کے بعد دوسری کئی قیمتی چیزیں۔''

''دے دوں گا دے دوں گا تم شروع تو کرو۔''

''دماغ خراب ہے نا میرا کہ بغیر لات کے وہاں جا بیٹھوں اور اس کے بعد اس شیطان کا خنجر میرے سینے میں اتر جائے۔ نہیں بھائی! ایک بار خود تم یہ برائی کر لو۔''

''مم...... میں خدا کی قسم اب وہاں کا رخ نہیں کروں گا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے خرچہ کرو۔''

''دے دوں گا نا یار! کل لے لینا۔''

''بھائی! پہلے اس کے آس پاس کے کام کرنا ہوں گے۔''

''بینک سے نکالنے ہیں پیسے۔''

''تو چیک دے دو مجھے میں خود نکال لوں گا۔''

''چیک بک تو اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔''

''تو بس پھر کل آجاؤ۔''

''میں رات کو آجاؤں گا۔''

''تو اور اچھی بات ہے۔'' مرزا قدوس بیگ نے کہا۔ معشوق نشیلے اسی رات وہ رقم لے کر پہنچ گئے۔ تو مرزا قدوس بیگ کہنے لگے۔

''ٹھیک ہے۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کوئی دوست ملا تھا وظیفے پڑھنا بھی کوئی عام لوگوں کا کام نہیں ہے۔ بڑا دل گردہ چاہیے۔ موکل ڈراتے ہیں۔''

''ہاں وہ تو مجھے معلوم ہے۔'' معشوق نشیلے نے افسردگی سے کہا۔ رقم تو تھی ان کے پاس اچھی خاصی مگر پائی پائی دانتوں سے پکڑ کر خرچ کرتے تھے۔ جانتے تھے کہ دوبارہ یہ رقم ہاتھ نہیں آئے گی اور پھر اگر حسینہ تیار ہو بھی گئی تو ہو سکتا ہے کہ الگ گھر کا بندوبست کرنا پڑے بہر حال رقم دے کر واپس آگئے۔ مرزا قدوس بیگ نے کہہ دیا تھا کہ کام تین دن میں مکمل ہو جائے گا۔ چوتھے دن وہ خود اظہار عشق کر دے گی۔ یہ تین دن معشوق نشیلے نے جیسے گزارے تھے ان کا دل ہی جانتا تھا۔ چوتھے دن کا انتظار تھا اس دن صوفی کے بنگلے پر ہی رہے تھے۔ صبح ہی صبح اٹھ کر لان پر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حسینہ بھی نظر آئی تھی۔ اسی طرف آ رہی تھی معشوق نشیلے کا دل باہر نکلنے لگا پھر وہ اچانک ہی حسینہ کے سامنے آ گئے تھے۔ تصور یہ تھا کہ وہ مسکرائے گی۔ آنکھوں میں محبت پیدا کرے گی اور ان سے پیار بھری باتیں کرے گی۔ لیکن اچانک باہر نکلے تو حسینہ سہم کر چیخ پڑی۔ پھر اس نے معشوق نشیلے کا چہرہ دیکھا اور اس کا چہرہ بھیانک ہو گیا۔

''خدا کرے کیڑے پڑیں تیرے سارے بدن میں کم بخت منحوس مارے۔ صبح ہی صبح تیری صورت دیکھ لیتی ہوں تو سارا دن بھوک پیاس میں گزرتا ہے۔ تیرا بیڑا غرق بتاتی ہوں تجھے بڑی شرارتیں کر رہا ہے بڈھے۔'' حسینہ کے ہاتھ میں جھاڑو تھی وہ کیاریوں کی صفائی کرنے کے لیے نکلی تھی اس نے پہلے تو جھاڑو معشوق نشیلے پر پھینک ماری۔ جو اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ جھاڑو منہ پر پڑی۔ پھر حسینہ ان کی طرف دوڑی تو معشوق نشیلے نے چھلانگ لگا دی۔ حسینہ نے جھاڑو اٹھائی اور گیٹ تک معشوق نشیلے کو دوڑاتی چلی آئی۔

معشوق نشیلے گیٹ سے بھی باہر نکل بھاگے تھے۔ کافی دور جا کر انہوں نے دم لیا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر سر کھجانے لگے۔

"ابے..... قدوس بیگ! یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا ابھی تک۔ بیٹا! سوا پانچ ہزار روپے دیے ہیں۔ اگر کام نہ ہوا تو جو کچھ ہوگا وہ تجھے بتاؤں گا۔ پھر وہ گھر واپس نہیں گئے تھے بلکہ سیدھے ممن خاں کی گلی کی جانب چل پڑے تھے۔ راستے بھر دل ہی دل میں جلتے بھنتے رہے تھے۔ یہ بھی سوچا تھا کہ تین دن کے وظیفے کے بعد شاید مزید کچھ وقت لگتا ہو کام ہونے میں لیکن اس کے بارے میں قدوس بیگ ہی بتا سکتے تھے۔ ہانپتے کانپتے ممن خان کی گلی میں داخل ہوئے تھے اور پھر ہوٹل پہنچ گئے تھے۔ اس وقت اتفاق سے زیادہ لوگ تھے۔ ممن خان بھی مصروف تھے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن قدوس بیگ کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔ ایک میز پر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ممن خان کو فراغت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ معشوق نشیلے کے پاس آ گئے اور مسکرا کر بولے۔

"ہاں بھئی۔ عشق آج کل کون سی ڈگری پر چل رہا ہے۔"

"اماں تقدیر کے فیصلے ہیں ابھی تک کچھ کام نہیں ہوا یہ قدوس بیگ نظر نہیں آ رہے۔"

"ارے ہاں۔ بے چارے سسرال گئے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے تین دن ہو گئے ہوئے۔ کہہ کر گئے تھے کہ اب ذرا اطمینان ہی سے آئیں گے۔"

"کیا؟" معشوق نشیلے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔"

"ارے ارے۔ بیٹھو اچھل کیوں رہے ہو۔"

"قق..... قق..... قدوس بیگ۔"

"ہاں ہاں..... یہ قق..... قق کیا ہے۔" ممن خان نے کہا۔

"سس سسرال گئے ہیں۔"

"ابے بھائی! اپنی سسرال گئے ہیں تمہاری تو نہیں گئے۔"

"چچ..... چوٹ دے گئے۔ چچ..... چوٹ دے گئے۔"

"کیا مطلب؟" ممن خان نے حیرت سے پوچھا۔

"پانچ ہزار روپے لے گئے ہیں سوا پانچ ہزار..... پانچ ہزار دو صد پچاس..... پورے پانچ ہزار دو سو پچاس۔"

"کیا مطلب؟"

"کہہ رہے تھے کہ وظیفہ پڑھیں گے۔ دو تین سو روپے خود پر خرچ کریں گے۔ باقی کی لاگ لگائیں گے۔ میرے کام کے لیے وظیفہ پڑھیں گے۔ میری محنت کی کمائی میں سے سوا پانچ ہزار لے گئے۔ جب وظیفہ پڑھنا تھا سسرال کیوں گئے۔"

"ایں....." ممن خان کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔ بہت دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔

"قدوس بیگ ایسے ہو سکتے ہیں ایسے تھے تو نہیں پچھلے دنوں سے گھر والی تنگ کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی میکے جانا ہے پریشان تھے بے چارے کچھ کرتے دھرتے تو ہیں نہیں۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے۔ معشوق نشیلے

مجھ سے کہہ رہے تھے کہ تھوڑے بہت کرائے کے پیسے دے دو۔ مگر میں تمہیں سچ بتاؤں تین دفعہ انہیں پیسے دے چکا ہوں۔ میں بھی غریب آدمی ہوں اب اتنے تو نہیں دے سکتا۔ ویسے بھی ہر طرح مدد کرتا رہتا ہوں۔ نقد رقم تین دفعہ دی ہے ایک دفعہ بارہ سو دیے تھے۔ ایک مرتبہ پانچ سو دوسری مرتبہ پانچ سو واپسی کا کیا تصور ہے۔ پچھلے دنوں سے بیوی تنگ کر رہی تھی کہ میکے جاؤں گی خود بھی پریشان تھے کہہ رہے تھے ممن خان کہیں سے بندوبست ہو ہی نہیں پا رہا۔ بس اچانک ہی سامان باندھا اور چل پڑے۔ مجھ سے کہنے آئے تھے کہ سسرال جا رہا ہوں۔ کچھ دن لگ جائیں گے۔ واپسی میں ذرا آرام ہی سے آؤں گا۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پیسے لے کر رفو چکر ہو گئے۔"

"انتڑیاں نکال لوں گا قسم اللہ کی۔ میری محنت کی کمائی کھانا آسان بات نہیں ہے۔ ارے ممن خان دیکھو تو اس دنیا کو لوگ کس طرح محبتوں کی چٹنی بنا دیتے ہیں۔ یہاں اس گلی میں تو صرف ایک دوسرے سے محبت کرنے والے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی آ جاتے ہیں ہمارے درمیان۔ پر چھوڑوں گا نہیں قسم ایمان کی میرا نام بھی معشوق نشیلے ہے فارسہ میں ماروں گا ایسا فارسہ ماروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ واہ ری میری پھوٹی تقدیر سالی کالی کلوٹی کے نخرے آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ارے سمجھتی کیا ہے خود کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دوں گا آ جائے ذرا ایک بار میرے قابو میں بتاؤں گا اسے کہ معشوق نشیلے کیا چیز ہیں۔" معشوق نشیلے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھو..... بیٹھو..... چائے منگوائی ہے۔"

"کچھ نہیں پیوں گا قسم اللہ کی خون پی رہا ہوں اپنا اندر ہی اندر سے۔" معشوق نشیلے نے کہا۔ ممن خان اسے دیکھتے رہ گئے لیکن معشوق نشیلے کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ ہوٹل سے نکلے گلی میں آئے اور پھر گلی ہی سے باہر نکل گئے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ سیدھے قدوس بیگ کی سسرال پہنچیں۔ مگر سسرال کا پتا تو ان کے پاس تھا ہی نہیں کسی کو بھی نہیں معلوم ہوگا بے کار تھا پوچھنا۔ سڑک پر نکل آئے اور آوارہ گردوں کی طرح مارے مارے پھرتے رہے۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ باہر گھومتے رہے۔ دل و دماغ بے سکون تھے۔ غم کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ ایک فٹ پاتھ کی سڑک سے گزر رہے تھے۔ تو زمین پر کتابوں کا ڈھیر نظر آیا ایک کتاب پر نگاہ پڑی۔ لکھا ہوا تھا محبوب کے دل میں اترنے کا طریقہ ایک دم سے رک گئے۔ اٹھا کر کتاب دیکھی اور بیچنے والے سے پوچھا۔

"کتنے کی ہے؟"

"ویسے تو ڈیڑھ سو روپے کی ہے صاحب! آپ سے اسی روپے لے لوں گا۔"

"پچاس روپے ہیں میرے پاس دینا چاہو تو دے دو۔"

"لے لیجیے۔ باقی بیس روپے کبھی بعد میں دیتے جائیے۔" کتاب والے نے کاروباری گر میں کہا۔

"پچاس روپے۔ بعد میں ایک پیسہ نہیں دوں گا یہ میں نے بتا دیا ہے۔"

"تو لے جائیے بھائی! ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔" پچاس روپے دے کر کتاب اٹھائی پھر کسی جگہ بیٹھ کر پڑھنے کا سوچا ایک چھوٹا سا پارک سامنے نظر آیا۔ وہاں جا بیٹھے اور کتاب پڑھنے لگے۔ سامنے ایک

پٹھان لڑکا چائے کے برتن لے کر جا رہا تھا انہیں خیال آیا کہ صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے لڑکے سے چائے طلب کی اور کہا کہ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی لے آئے۔ پھر وہ کتاب پڑھنے لگے جیسے جیسے وہ کتاب کے صفحات طے کرتے جا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر اطمینان کی لہریں بکھرتی جا رہی تھیں۔ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ چائے بسکٹ ختم کیے چائے والے کو پیسے دیے۔ کتاب کو سینے میں چھپایا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی کام کا گرل گیا ہے۔"

♥.....♥.....♥

پاسٹ اسٹریٹ کے فلیٹ نمبر 11 کے دروازے پر رک کر صوفی نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا فلیٹوں کا ایک طویلہ سلسلہ تھا اور راہ داری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ویسے فلیٹ بہت اعلیٰ درجے کے تھے۔ چند لمحے انتظار کرنے کے بعد صوفی نے کال بیل پر انگلی رکھ دی اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی دو منٹ کے بعد دروازے کے قریب آہٹ ہوئی ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک صوفی کو دیکھا اور سرد لہجے میں بولی۔

"کیا بات ہے۔"

"سلام عرض کرتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ابھی معاف کرو اللہ بھلا کرے گا۔" عورت نے کہا اور دروازہ بند کرنے لگی لیکن صوفی نے آگے بڑھ کر دروازے میں پاؤں اڑا دیا تھا۔

"میری بات تو سنیے گا۔ پتا نہیں آپ مجھے کیا سمجھے ہیں درویشوں کے کرم سے۔"

"بابا میں تمہارے کو بولا نا معاف کرو۔ یہ بھیک مانگنے کا طریقہ ہے کہ پاؤں گھسیڑ دیا ابھی پولیس کو بلائے گا تو تمہیں پتا چلے گا۔"

"بب..... بھیک توبہ توبہ کیا فرما رہی ہیں آپ۔ میں میڈیم روزانہ پارکر سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"ارے تو ایسا بولو نا بابا! آپ تو پتا نہیں کیا بولتا ہے۔ پیش کرنا، پیش کرنا۔ ابھی میرے کو نہیں معلوم کہ آپ ان سے ملنے کو آیا۔ سوری میں معافی مانگتا۔ ابھی ادھر رکو کیا بولوں ان کو، کون آیا ہے۔" دروازہ کھولنے والی کسی قدر شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔

"آپ ان سے فرمایئے گا کہ صوفی صاحب آئے ہیں۔" دروازہ کھولنے والی عورت صوفی صوفی کی گردان کرتی ہوئی۔ اندر چلی گئی اور صوفی انتظار کرتا رہا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ واپس آئی اور بولی۔

"آیئے۔" اندر داخل ہو کر اس نے صوفی کو ایک ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور باہر نکل گئی۔ صوفی ایک صوفے پر بیٹھ کر چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اچانک ہی اس کی نگاہ مینٹل پیس کی جانب اٹھ گئی۔ جہاں ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔ صوفی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس تصویر کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے تصویر کو دیکھا ایک انتہائی خوبصورت عورت اور ایک خوبصورت آدمی کی تصویر تھی۔ دونوں دلہا دلہن کے لباس میں تھے۔ بہت ہی حسین جوڑا تھا۔ صوفی چند لمحے اس تصویر کو دیکھتا رہا۔ پھر واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ کچھ

ہی لمحوں کے بعد ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ اور اسے دیکھ کر صوفی نے دل ہی دل میں ٹھنڈی سانس لی۔ تصویر والی عورت ہی تھی وہ چہرے سے غم زدہ نظر آتی تھی آنکھوں میں غم کی پرچھائیاں تھیں۔ اس نے مدھم آواز میں ہیلو کہا۔

"سلام عرض کرتا ہوں۔"

"پلیز فرمایئے۔ مجھ سے کیا کام ہے آپ کو۔"

"آپ مس روزانہ پارکر ہیں۔"

"مس نہیں۔ میں شادی شدہ ہوں۔"

"اوہو پارکر آپ کے....."

"نہیں پارکر تو میرے ڈیڈی کا نام ہے۔"

"آئی ایم سوری۔ وہ اصل میں میڈم روزانہ پارکر آپ سے کچھ ضروری کام تھے۔"

"جی فرمایئے۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ محکمہ داخلہ کے ایک اہم شخص مسٹر شاہ میر سے کیا تعلق رکھتی ہیں۔" روزانہ پارکر کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پھیل گئے اس نے کہا۔

"آپ کس طرح کے آدمی ہیں اور کون ہیں آپ اور ان باتوں کے لیے آپ کو یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی۔"

"شش..... شاید طریقہ کار میں کچھ غلطی ہو گئی۔"

"دیکھیے۔ میں بہت شریف عورت ہوں۔ فضول قسم کے لوگوں کو میں ایک لمحے برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے پہلے کہ آپ کو یہاں پر کچھ نقصان پہنچ جائے۔ میں آپ کو ایک اچھا مشورہ دیتی ہوں کہ آپ فوراً یہاں سے نکل جایئے۔"

"وہ بات دراصل یہ ہے۔"

"کوئی بات دراصل نہیں ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"مم..... مگر....."

"میں پوچھتی ہوں کہ آپ آخر ہیں کون؟"

"فدی کو صوفی کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ میری ملازمہ نے بتایا تھا مجھے۔ آپ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں؟ میں تو آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گی۔ میں ان دنوں جو زندگی گزار رہی ہوں۔ اس میں، میں ہوں اور میری تنہائیاں ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی میرے پاس آئے آپ جایئے پلیز پلیز جایئے۔ وہ جھلائے ہوئے انداز میں باہر نکل آئی۔ اور صوفی گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ اصل میں روزانہ پارکر کو ایک نگاہ دیکھنا تھا اسے اپنے قابو میں لانے کے لیے کوئی خاص طریقہ کار اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ وہاں سے باہر آ گیا۔ اور اس کے بعد گرین ہاؤس کی جانب چل پڑا۔

ذہن میں لاتعداد سوچیں تھیں پھر اسی رات اس نے معشوق نشیلے کو اس وقت چھاپ لیا جب وہ کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔

''فارسہ کی کوئی کتاب ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے سوال کیا۔

''نہیں۔صوفی! بس اب تو غم نصیبہ انتہا کو پہنچ گیا ہے۔''

''دو.....دو.....درویش رحم کریں یہ فارسہ کے بعد اب غم نصیبہ۔''

''دیکھو مرد ہوں، مرد کی زبان میں بات کرتا ہوں۔ میری فطرت میں عورت پرستی نہیں ہے۔ بس گھائل ہو گیا ہوں۔''

''گگ.....گھائل بھی ہو گئے ہیں۔ کک.....کہاں چوٹ آئی ہے۔'' صوفی نے کہا۔

''دل پر۔دل پر۔''

''کون سی کتاب ہے میرا خیال ہے خاصا متاثر کیا ہے اس نے تمہیں۔'' صوفی نے کتاب اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ کتاب کا عنوان ہی قابل توجہ تھا۔ ''محبوبہ کے دل میں کیسے اترا جاسکتا ہے۔''

''اس سے بہتر یہ نہیں کہ تم کسی کنوئیں میں اتر جاؤ۔ یا پھر پاتال کی گہرائیاں تلاش کرو۔''

''دوسرا حملہ بہت اچھا کیا تم نے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے دل کے پاتال میں کون ہے۔''

''کس کی بات کہہ رہے ہو۔''

''حسینہ، صوفی صاحب حسینہ۔'' معشوق نشیلے نے کہا اور صوفی اسے گھورنے لگا پھر بولا۔

''میرے گھر میں یہ سب کچھ نہیں ملے گا۔ معشوق نشیلے۔''

''صوفی تمہیں خدا کا واسطہ ساری زندگی میں ایک ہی آرزو کی ہے۔''

''یار! سچی بات تو یہ ہے کہ کسی اچھی لیبارٹری میں تمہارا تجزیہ کرایا جائے یا پھر قدرت کی کاریگری کا قائل ہو جایا جائے کہ وہ جو کچھ بھی بنا دیتی ہے اس کے لیے راستہ ضرور رکھتی ہے۔ ورنہ حسینہ جیسی عورت بھی محبت کے قابل ہو سکتی ہے۔''

''ہائے لیلیٰ بھی تو کالی تھی۔''

''ابے اتنی کالی نہیں تھی۔ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا۔''

''پھر بھی تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔''

''ب.....بس۔''

''کان پکڑ کر یہاں سے باہر نکال دوں گا۔ دروازے پر چوکیدار رکھ دوں گا اور اسے ہدایت کر دوں گا کہ کتا بھی گھر میں گھس آئے تو کوئی ہرج نہیں لیکن معشوق نشیلے کو اندر نہ آنے دیا جائے۔''

''یہ ظلم کرو گے تم مجھ پر اتنے عرصے کی روشنی نظر انداز کر دو گے۔''

''حرکتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے سمجھے۔ سڑک چھوڑ و تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''کہاں؟''

''اسی قبرستان میں جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا۔''

''اوہو خیریت کیوں؟''

''میں اس آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں جو قبر کے پاس نظر آیا تھا۔''

''بڑا خوف ناک آدمی تھا ایک بار جان بچ گئی۔ تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ دوبارہ ادھر جانے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔'' معشوق نشیلے نے کہا۔

''تب پھر ٹھیک ہے۔ حسینہ ہی تمہارا دماغ درست کرے گی۔ درویشوں کے کرم سے۔ میرے تو خیر تم دوست ہو۔ میں تو تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ کان پکڑ کر باہر نکالنے کا عمل حسینہ زیادہ بہتر طریقے سے کر سکے گی۔''

''نہیں صوفی صاحب! ایسا نہ کہیں وہ جو فارسہ میں کہا۔''

''نہیں۔ بالکل کچھ نہیں کہا ہے۔''

''مگر میری بات تو سنیے۔''

''بالکل نہیں.....میں فوراً حسینہ سے بات کرتا ہوں۔'' صوفی نے کہا۔

''نہیں نہیں۔ خدا کے لیے نہیں۔ وہ ویسے ہی قاتل حسینہ ہے اور ٹھیک ہے میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔ پھر سورج ڈھلے صوفی معشوق نشیلے کے ساتھ چل پڑا۔ قبرستان پر گہرا سناٹا طاری تھا۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹے کا راج معشوق نشیلے نے اس قبر کی نشان دہی کی جہاں اس نے اس خوف ناک آدمی کو دیکھا تھا۔ وہ لوگ ایک ایسی جگہ بیٹھ گئے۔ جہاں سے اس قبر کی نگرانی کی جاسکتی تھی اور پھر اس وقت کوئی پونے آٹھ بجے کا وقت ہوگا۔ جب انہوں نے اس شخص کو دیکھا جھاڑ جھنکار چہرے والا خوف ناک آدمی قبر کے کنارے آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ایک اچھا خاصا تنومند آدمی تھا اور عجیب سی دیوانگی کی سی کیفیت کا شکار نظر آ رہا تھا۔ صوفی اسے دیکھتا رہا وہ قبر پر سر رکھ کر بیٹھ گیا تھا اور پھر اس کی سسکیاں ابھرنے لگی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ بری طرح چونکا جب صوفی ایک دم سے اس پر جا پڑا تھا۔ وہ فوراً کھڑا ہوا اس نے صوفی کو زور سے دھکا دیا۔ کافی طاقت ور آدمی معلوم ہوتا تھا صوفی کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ ساتھ ہی اس شخص نے کسی بھینسے کی طرح گردن جھکا کر صوفی پر وار کیا تھا مگر صوفی کے سینے پر لگی اور صوفی نیچے گر پڑا اس شخص نے صوفی پر چھانے کی کوشش کی لیکن صوفی نے اسے دونوں پاؤں پر اٹھا کر پیچھے پٹخ دیا اور پھر خود بھی الٹی قلابازی کھائی۔ معشوق نشیلے حیرت کے عالم میں صوفی کو دیکھ رہے تھے پھر اس کی آواز ابھری۔

''اماں خدا قسم صوفی صاحب! یہ کون سی کاری گری ہے فارسہ میں۔'' لیکن صوفی کو اس سے مقابلہ کرتے ہوئے دانتوں پسینے آ رہے تھے بہ مشکل تمام وہ اسے زمین پر رگڑ رگڑ کر قابو کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد صوفی اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ معشوق نشیلے کو اس نے ایک ایسی جگہ اتارا جہاں سے وہ گھر واپس جاسکتا تھا اور اس شخص کو لے کر گرین ہاؤس کی جانب چل پڑا۔

''اب کیا آپ اس کے کباب بنا کر کھائیں گے۔'' معشوق نشیلے نے ازراہ مذاق کہا تھا لیکن صوفی گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

گرین ہاؤس میں پوری گرین فورس موجود تھی۔ صوفی کے شکار کو اس مخصوص حصے میں پہنچا دیا گیا۔ جو کرا تفتیشی تھا اور پھر اس شخص سے معلومات حاصل کرنے کی تیاریاں کی جانے لگیں۔

♥.....♥.....♥

بہت سے راز منکشف ہوئے تھے اور صوفی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حال کیا ہے لیکن بہر حال اس سلسلے میں روزانہ پارکر سے مزید گفتگو کرنی تھی اور اس کے بعد بہ قول صوفی کے اس کیس کا خاتمہ۔

''ہاں..... لوگ کہتے ہیں کہ گرین فورس نام کی گرین فورس ہے اس کا کوئی کارنامہ تو ہے نہیں۔ سوائے اس کے کہ مجرموں کو پکڑ کر گرین ہاؤس لے آتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے میں لوگ اپنی پسند کی کارروائی چاہتے ہیں۔ درویشوں کے کرم سے حالانکہ واقعات کی شکل جو بھی ہوتی ہے۔ کام اسی کے مطابق ہو سکتا ہے۔ لیکن بس دنیا کا سب سے آسان کام تنقید ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''ویسے چھوٹے بابا! آپ بے شک پیر پرست ہیں۔ لیکن کیا ہر کام درویشوں کی مدد سے ہو جاتے ہیں۔''

''عزیزہ! یہ بھی ایک اعتراض ہے لیکن اپنا اپنا خیال ہے بعض لوگ ان بزرگان دین کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہیں۔ دیکھو نیکی اور برائیوں کا ایک تصور تو موجود ہے نا نیکیاں کرنے والے نیک اور برائیاں کرنے والے برے اور کچھ نیکیوں میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ اللہ کی بے پناہ قربت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی ولی اور درویش ہوتے ہیں۔ حق اللہ..... اللہ حق ہے اور سب کچھ اسی کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ درویش وہ ہیں جو اللہ کی حمد و ثنا کر کے اس کی قربت حاصل کر چکے ہیں۔ اگر ہم ان کا طفیل اپنے معاملات میں شامل کر لیتے ہیں۔ تو یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ اس سے ہم درویش پرست نہیں ہو جاتے یا ایسا نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ ہم اللہ کے وجود کو نظر انداز کر کے درویشوں سے کچھ مانگ رہے ہوں۔ میرا تکیہ کلام میری ان سے عقیدت کی وجہ سے ہے ورنہ باقی کچھ نہیں ہے۔''

''سمجھ رہی ہوں۔''

''اور اب ہمیں روزانہ پارکر کو یہاں پر لانا ہے اور اس کام کی ذمے داری میں تم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔''

''میں خلوص دل سے اس ذمے داری کو قبول کرتی ہوں۔ چھوٹے بابا!'' شازیہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔ اپنے ساتھ اس نے عادل اور فیضان کو لیا تھا اور پھر وہ روزانہ پارکر کی رہائش گاہ پر جا پہنچی تھی۔ اسے صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ روزانہ پارکر کو یہاں لے آئے۔ اس سلسلے میں کسی گہری کارروائی کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ عادل اور فیضان کو اس نے اپنا منصوبہ بتایا تھا اور دونوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''ٹھیک ہے مس شازیہ! اس سلسلے میں آپ کو ذمے داری دی گئی ہے۔ آپ ہر طرح سے اختیار رکھتی ہیں۔ ہم آپ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔'' شازیہ نے پاسٹ اسٹریٹ کے فلیٹ نمبر 11 کا بیل بٹن دبایا تو اسی ملازمہ نے دروازہ کھولا۔

''کیا بات ہے کس کو مانگتا ہے۔''

''نیچے دو آدمی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسٹر ڈارکر کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ انہیں فوراً میڈم روزانہ پارکر کو اپنے ساتھ لے جانا ہے آپ انہیں یہ بتا دیجیے۔'' جتنی سادگی سے یہ بات کہی گئی تھی۔ وہ ہزاروں پرکار باتوں سے زیادہ کارگر رہی روزانہ فوراً ہی باہر نکل آئی۔

''آپ ہی روزانہ پارکر ہیں۔''

''ہاں۔''

''آپ عادل اور فیضان کو جانتی ہیں۔''

''بالکل نہیں۔ کون ہیں یہ۔''

''نیچے گاڑی میں موجود ہیں۔ غالباً مسٹر ڈارکر کو آپ کی ضرورت ہے۔''

''ڈے..... ڈے ڈارکر وہ کہاں ہے۔'' روزانہ نے بے خودی کے عالم میں کہا۔

''یہ پلیز میں نہیں جانتی اگر آپ چاہیں تو ان لوگوں سے معلوم کر سکتی ہیں۔''

''مگر تم کون ہو۔''

''میں فیضان کی کزن ہوں۔''

''اوہو۔ مگر فیضان کون ہے۔''

''دیکھیے پلیز۔ مجھے صرف ایک میسج دیا گیا ہے۔ ویسے ہم شریف لوگ ہیں۔ ہماری ذات سے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ آپ اگر چاہیں تو نیچے چل کر معلومات حاصل کر سکتی ہیں۔'' شازیہ نے اس قدر معصومیت سے کہا کہ روزانہ الجھ سی گئی۔ اس نے اپنی ملازمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی آئی۔'' اور پھر شازیہ کے ساتھ نیچے آ گئی تھی۔ کار میں فیضان اور عادل موجود تھے۔

''یہ عادل ہیں اور یہ فیضان۔''

''براہ کرم۔ آپ اندر آئیے بیٹھیے۔ سڑک پر بات کرنا مناسب نہیں لگتا۔ آپ مسٹر ڈارکر کو جانتی ہیں۔''

''شوہر ہے وہ میرا، میرا محبوب ہے۔''

''آپ آئیے پلیز۔''

''مگر کہاں۔''

''بیٹھیے۔'' اور روزانہ باول نخواستہ بیٹھ گئی۔ فیضان نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ شازیہ روزانہ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ عادل بھی فیضان کے پاس ہی جا بیٹھا۔

''مگر ہم کہاں جا رہے ہیں۔؟''

''بس زیادہ دور نہیں۔ آپ ایک بات ذہن میں رکھیے۔ ہم آپ کے ہمدرد ہیں۔ ہمارے ہاتھوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''ارے نقصان تو جو مجھے پہنچ چکا ہے میری زندگی کے لیے کافی ہے۔'' شازیہ خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ گرین ہاؤس میں داخل ہو گئے۔

''یہ کون سی جگہ ہے۔ میں نے پہلے نہیں دیکھی۔''

''آیئے اندر آیئے۔'' عادل نے کہا یہ دونوں شکل وصورت سے بھی شریف لگتے تھے اور ایک نگاہ دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ برے لوگ ہیں۔ لیکن صوفی نے مزید کچھ انتظامات کر رکھے تھے۔ غلام قادر اس وقت ایک جلاد کی شکل میں تھا۔ گرین ہاؤس کے ایک مخصوص کمرے میں جہاں ایک کٹہرہ بنا ہوا تھا اور سامنے کی سمت ایک کشادہ جگہ شازیہ کو لے جایا گیا۔ سلاخوں والے جنگلے کی دوسری طرف وہ دیکھنے لگی اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

''ڈارکر.....'' کمرے کے پیچھے بیٹھا ہوا شخص جو گھٹنوں میں سر دیے خاموش بیٹھا تھا چونک پڑا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ اس کا لباس بری طرح خون آلود تھا۔ جسم کے کچھ کھلے ہوئے حصوں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ روزانہ پارکر دہشت بھرے انداز میں چیخنے لگی۔ ڈارکر سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''تو یہاں کیسے آ مری۔''

''تم سے ملنے آئی ہوں۔ کیا تم نے مجھے نہیں بلایا تھا۔ جواب میں ڈارکر کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ اس نے کہا۔

''کتیا کی بچی! تو ہے ہی اس قابل، جا مر میرا کیا جاتا ہے۔ اسی وقت غلام قادر چمڑے کا بنا ہوا ایک ہنٹر لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے صوفی بھی تھا روزانہ نے اسے دیکھا اور اچھل پڑی۔

''تم وہی ہو نا۔''

''درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''مم.....مگر یہ..... یہ سب کیا ہے۔''

''کچھ نہیں..... محترمہ! یہ ڈارکر ہے آپ کا شوہر اور جہاں تک میرا اندازہ ہے آپ کا محبوب۔ حلیہ دیکھ رہی ہیں آپ اس کا۔ یہ شخص ماضی میں جلاد رہ چکا ہے۔ ایک سو بیس افراد کو پھانسیاں دی ہیں اس نے۔ زندگی اس کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس کے ہاتھ میں جو ہنٹر ہے وہ کھال اتارنے کے کام آتا ہے۔ شکل تو دیکھ ہی رہی ہیں آپ اپنے شوہر کی اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کی پوری کھال اس کے بدن کا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ تو آپ سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے وہ آپ صاف صاف بتا دیجیے۔''

''کچھ نہیں بتانا ہے مجھے، کچھ نہیں بگڑا ہے میرا۔ ان لوگوں نے میرے کپڑوں پر نقلی خون ڈالا ہے۔ ایک ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے مجھے۔''

''غلط فہمی کا شکار ہیں محترم اندھیرے صاحب! میرا مطلب ہے ڈارکر صاحب! یہ صرف ماڈل ہے اور مستقبل میں یہی آپ کے ساتھ کیا جانا ہے۔ روزانہ نے گہری نگاہوں سے صوفی کو دیکھا اور بولی۔

''آپ مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں نا۔ میں ایک لفظ نہ بتاتی آپ کو چاہے آپ میرے بدن کی بوٹیاں نوچ کر اڑا دیتے اگر آپ ڈارکر کو ایک تھپڑ بھی مارتے لیکن اب میں سمجھتی ہوں کہ مجھے زبان کھولنی پڑے گی ڈارکر زندگی بھر تمہارے لیے ایثار کرتی رہی ہوں کافی ہے۔ انسان ہوں انسان ہی رہ کر مرنا چاہتی ہوں۔ نہ فرشتہ بن سکتی ہوں اور نہ فرشتہ ہوں۔''

''اگر تو نے زبان کھولی کتیا کی بچی۔''

''چھوڑو ڈارکر سلاخوں کے پیچھے بند ہو۔ پتا نہیں کیا سمجھتے رہے ہو خود کو اور کیا سمجھتے آئے۔ میرے لیے نہ پہلے کچھ تھا نہ اب کچھ ہے اور نہ مستقبل میں کچھ ہوگا۔ ہاں میں ان لوگوں سے یہی درخواست کروں گی۔ کہ یہ تمہیں معاف کر کے ملک سے باہر نکال دیں اور بس۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گی ان سے کہ یہ تمہیں میرے حوالے کر دیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''ایک منٹ کے لیے سلاخوں کے پاس آ جا۔ پھر تو کبھی زبان نہیں کھول سکے گی۔''

''وہ سلاخوں کے پاس آئے گی ہی کیوں مسٹر ڈارکر؟'' آؤ بی بی میرے ساتھ آؤ۔'' صوفی نے کہا اور روزانہ کو بازو سے پکڑ کر اس جگہ سے باہر نکال لے گیا۔ ڈارکر زور زور سے چیخنے لگا تھا اس نے سلاخوں سے سر بھی مارا تھا۔ اس بار اس نے سلاخوں سے سر مارا تو غلام قادر نے اس کے بال پکڑ لیے اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''یہ جو سلاخیں نظر آ رہی ہیں ناں تجھے ان کو چوڑا کر کے تیری گردن باہر کھینچ لوں گا اور انہیں چھوڑ دوں گا اور اس کے بعد کیا ہوگا تجھے خود اس کا اندازہ ہے۔ غلام قادر کا لہجہ اس قدر سفاک تھا کہ ڈارکر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ صوفی روزانہ پارکر کو لئے ہوئے دوسرے کمرے میں آ گیا تھا۔

''آپ کی ہدایت پر عمل کیا جائے گا۔ آپ براہ کرم ڈارکر کے بارے میں مجھے ساری حقیقت بتا دیجیے۔''

''ہم دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے وہ کالج کا ایک ذہین ترین اسٹوڈنٹ تھا۔ میں اس سے محبت کرتی تھی۔ اس نے بھی مجھ سے محبت کا اظہار کیا اور میں نے دنیا کو ٹھکرا کر اس سے شادی کر لی۔ میرے ڈیڈی نے میری ماں کی موت کے بعد میری پرورش کی تھی وہ مجھے بہت چاہتے تھے لیکن انسان کتنا خود غرض ہوتا ہے میں اپنے ڈیڈی کی تمام محبت کو نظر انداز کر کے ڈارکر کی زندگی میں شامل ہوگئی۔ لیکن ڈارکر اوباش طبع فطرت کا مالک تھا۔ یہ بعد میں مجھے معلوم ہوا اس کی زندگی میں دو ہی چیزیں تھیں۔ خوبصورت لڑکیاں اور دولت کی طلب۔ دولت حاصل کرنے کے لیے وہ نہ جانے کیا کیا جتن کرتا رہتا تھا اور پھر اسے ایک رقاصہ سے محبت ہوگئی۔ رقاصہ کا نام سائرہ حمید تھا۔ وہ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں رقص کیا کرتی تھی۔ ڈارکر اس کا دیوانہ ہوگیا۔ اس نے سائرہ حمید سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو وہ ہنس پڑی اور اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اسے صرف دولت کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ڈارکر کے پاس دولت نہیں تھی۔ وہ سائرہ حمید کے حصول کے لیے جرم کے راستوں پر چل پڑا۔ ہر وقت وہ ایسی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا جن سے اسے دولت حاصل ہو۔ اس پر مجھے بھی بہت سی جگہ استعمال کیا اور پھر اسے کہیں سے آفر ملی اسے کچھ کاغذات درکار تھے۔ جو سرکاری حیثیت کے حامل تھے حکومت کے کسی خفیہ معاہدے کی دستاویز تھے۔ وہ ان کاغذات کے حصول کے لیے سرگرداں ہوگیا۔ کیونکہ ان کے بدلے اسے ایک بھاری رقم حاصل ہونے والی تھی لیکن معاملہ بہت سے لوگوں میں بٹ گیا۔ سائرہ حمید کو بھی براہ راست ان کاغذات کے حصول میں شامل ہونا پڑا اور میں، مجھے خصوصی طور پر ایک بہت بڑے آدمی تک پہنچنے کی ہدایت کی گئی۔ یہ شخص بڑی حیثیت کا حامل تھا۔ صوفی سمجھ گیا اشارہ شاہ میر صاحب کی طرف ہی ہے اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی روزانہ پارکر نے بتایا۔

''پھر ایک فوجی افسر کے علم میں یہ بات سائرہ حمید کے ذریعے آئی سائرہ حمید نے اس فوجی افسر

پر ڈورے ڈالنا شروع کردیے تھے اور ڈارکر کے منصوبے پر کام کر رہی تھی لیکن فوجی آفیسر محب وطن نکلا کاغذات جیسے ہی سائرہ حمید کے قبضے میں پہنچے فوجی آفیسر نے ان پر قبضہ کرلیا۔ بے شک وہ ریٹائرڈ زندگی گزار رہا تھا لیکن وہ عورت پرست سے زیادہ وطن پرست تھا کاغذات اپنے قبضے میں کر کے اس نے سائرہ حمید کو قتل کردیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کاغذات کا راز باہر جائے۔ اس نے سائرہ حمید کو ہی ختم کردیا تاکہ کسی کو پتا نہ چلے کہ کاغذات اس کی تحویل میں آچکے ہیں۔ وہ غالباً اس بات کا منتظر تھا کہ بات ٹھنڈی ہوتے ہی کاغذات متعلقہ محکمے کو واپس کردیئے جائیں۔ مگر اسے اس کا موقع نہیں مل سکا ڈارکر کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ شیر خان نے سائرہ حمید کو قتل کیا ہے اس نے شیر خان کو اغوا کرلیا اور اسے کسی جگہ قید رکھا وہ سائرہ حمید کے قاتل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جس کا اس کے پاس کوئی عینی ثبوت نہیں تھا۔ شیر خان اس کی تحویل میں مرگیا۔ بعد میں ڈارکر نے احمقانہ حرکتیں شروع کردیں۔ سائرہ کے غم میں وہ نیم دیوانہ ہوگیا۔ اس نے شیر خان کی لاش میں خنجر پیوست کیا۔ یہ سائرہ حمید کے نام کا خنجر تھا اس نے بہت سے خنجر بنوائے اس کے دل میں اور بھی بہت سے خیالات تھے وہ سائرہ حمید کے نام پر بہت سے لوگوں کو قتل کرنا چاہتا تھا اور ایسی ہی جنونی کیفیات کا شکار تھا۔ کاغذات اسے حاصل نہیں ہوسکے تھے۔

بہرحال یہ ہے میرے شوہر میرے محبوب کی داستان۔''

''صوفی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس کے بعد اس نے روزانہ پارکر سے کہا۔

''افسوس۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ تمہیں واپس تمہاری رہائش گاہ پہنچا دیا جائے گا اور جہاں تک رہا ڈارکر کا معاملہ۔''

''نہیں پلیز نہیں۔ اس کے لیے تھوڑی سی رعایت دو میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' لیکن ظاہر ہے۔ صوفی اس بارے میں کیا کرسکتا تھا۔ کرنل رحیم شاہ سے مشورہ کیا تو رحیم شاہ نے کہا۔

''بات صرف یہ ہے صوفی صاحب کہ ہم کسی مجرم کو تو معاف نہیں کرسکتے۔ شاہ میر صاحب کو کاغذات مل گئے ہیں اور وہ بھی اس کی تشہیر نہیں چاہیں گے۔ البتہ ظاہر ہے کہ کسی قاتل کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اسے تھوڑی سی رد و بدل کے بعد جمشید مرزا کے حوالے کردیں۔ وہ عموماً آپ کی طرف آس لگائے بیٹھا ہوتا ہے۔ صوفی نے ایسا ہی کیا۔ روزانہ پارکر کو اس کے فلیٹ پر واپس پہنچا دیا گیا۔ اسے گرین ہاؤس کی بھنک بھی نہیں لگنے دی گئی تھی۔ جمشید مرزا کو مکمل رپورٹ کے ساتھ جو ذرا سی تبدیل شدہ تھی شیر خان کا قاتل سونپ دیا گیا اور جمشید مرزا کی خوشیاں آسمان تک پہنچ گئی۔ صورت حال معمول پر آگئی تھی۔

♥.....♥.....♥

وہ ایک دراز قامت اور انتہائی خوب صورت نوجوان تھا۔ تیکھے نقوش زندگی سے بھرپور تھے۔ بھرے بھرے بدن کا مالک اخروٹی رنگت کے بالوں والا اور سبز نیلی آنکھوں والا اپنے رنگ و روپ بال اور آنکھوں کی نیلاہٹ سے کوئی بھی اسے دیکھ کر یورپ کا باشندہ کہہ سکتا تھا لیکن اس کے نقوش خالص مشرقی تھے دل کش اور ملیح ان میں یورپ کا کھردرا پن شامل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصوم اور شوخ مسکراہٹ پھیلی ہوئی لگتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مسلسل مسکراتے رہنے کا عادی ہو۔ اس کے

ساتھ ہی ایک اور شخص بھی تھا۔ دبلے پتلے بلکہ ضرورت سے زیادہ دبلے جسم کا مالک لیکن اس کی آنکھیں بس..... ایسی جاندار آنکھیں کبھی کبھی ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بہت ہی نفیس اور جدید تراش کا لباس پہنے ہوئے بالکل خاموش دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کے درمیان آپس میں کوئی ربط ہوگا۔ بس دونوں اجنبی مسافر معلوم ہوتے تھے۔ طویل ترین سفر کے دوران بھی ایک بار انہیں ایک دوسرے کی جانب مخاطب نہیں دیکھا گیا تھا۔ طیارہ رن وے پر اترنے ہی والا تھا۔ اناؤنس منٹ ہوچکی تھی اور سارے مسافر تیار بیٹھے تھے۔ آخر کار طیارے کے پہیوں نے رن وے چھولیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ مطلوبہ جگہ رک گیا۔ دوسرے مسافروں کی طرح وہ دونوں بھی خاموشی سے طیارے سے باہر نکل آئے اور کسٹم کی عمارت میں داخل ہوگئے۔ سردی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھی اور سارا ماحول اس سردی سے متاثر لگ رہا تھا۔ کسٹم کے افسران اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے دراز قامت آدمی بھی اپنے سامان کے ساتھ کسٹم آفیسروں کے سامنے پہنچ گیا ایک معمر اور تجربے کار افسر نے اس سے سوٹ کیس کھولنے کی درخواست کی اور اس نے سوٹ کیس کھول دیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سوٹ کیس میں سارے کا سارا زنانہ سامان بھرا ہوا تھا۔ زنانہ لباس میک اپ کٹس اعلیٰ اقسام کے فیس پاؤڈر اور ایسی دوسری چیزیں۔''

''یہ سوٹ کیس آپ کا ہے؟'' افسر نے سوال کیا۔

''سوفی صدی۔'' نوجوان نے اردو میں جواب دیا اور آفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا شاید وہ اسے غیر ملکی سمجھا تھا۔

''آپ کی مسز ساتھ ہیں؟''

''جی نہیں۔ میں ابھی کنوارہ ہوں۔''

''تو پھر یہ سامان؟''

''میرا ہی ہے۔''

''یہ زنانہ سامان ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا شوق ہے۔''

''کیا مطلب..... کیا آپ یہ زنانہ لباس استعمال کرتے ہیں۔''

''قابل اعتراض ہے کیا۔ جرائم میں شمار ہوتا ہے۔'' نوجوان نے سنجیدگی سے پوچھا اور کسٹم آفیسر اس سوال سے کسی قدر حیران ہوکر جواب پر غور کرنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

''نہیں۔ جرم تو نہیں لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اگر کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی تو کیا یہ میرا فرض ہے کہ آپ کو اسکول ماسٹر کی طرح پڑھانے بیٹھ جاؤں۔ ان میں اگر کوئی غیر قانونی چیز ہے تو آپ ضرور اسے گرفت میں لیں۔ میں زنانے کپڑے اپنے سوٹ کیس میں رکھتا ہوں۔ یہ میرا اپنا مسئلہ ہے ان میں کوئی لباس ایسا نہیں ہے جو میرے بدن پر فٹ نہ ہو آپ تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔'' کسٹم آفیسر نے گہری نگاہوں سے نوجوان کا جائزہ لیا اور پھر یہ سوچ کر کہ آج کل کی نسل اسی قسم کی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی ہے۔ دوسرے سوٹ کیس کی طرف متوجہ

ہوگیا۔لیکن اس کا سامان پہلے سوٹ کیس سے مختلف نہیں تھا۔ کسٹم آفیسر کو نہ جانے کیوں ایک جھلاہٹ کا سا احساس ہوا۔ یہ عمل اگر صرف دوسرے کا مذاق اڑانے کے لیے ہے تو مناسب نہیں ہے اس نے کہا۔

''میرا خیال ہے آپ کو یہ زنانہ قیمتی لباس لے جانے کی اجازت اعلیٰ افسران سے لینی پڑے گی۔''

''لیکن کیوں؟ کیا یہ جرم ہے؟''

''جی نہیں۔ یہ جرم نہیں ہے لیکن یہ بات مشکوک ہے اور ہم اپنے شک کو رفع کیے بغیر آپ کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ اپنا شک دور کرلیں۔'' نوجوان نے شرافت سے کہا اور کسٹم افسر نے اپنے افسر بالا سے رابطہ قائم کرلیا۔ بات دلچسپ حدود میں داخل ہوگئی تھی افسر بالا نے بھی نوجوان سے سوالات کیے اور وہ دلچسپ پیرائے میں ان سوالات کے جواب دیتا رہا۔ دونوں افسران نے آپس میں مشورہ کیا۔ اپنے سوٹ کیسوں میں زنانہ سامان لے کر جانے کا عمل کوئی جرم نہیں تھا۔ چنانچہ نوجوان کا سامان کلیئر کردیا گیا۔ اس نے مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا پھر بولا۔

''میں دراصل اسمگلنگ کے سائنسی اور نفسیاتی اصولوں پر ریسرچ کررہا ہوں۔ گھٹیا قسم کے اسمگلر، اسمگل کی جانے والی اشیاء چھپانے میں شدید محنت کرتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں اگر یہ لوگ ان چیزوں کو نمایاں کردیں تو شاید با آسانی نکل جائیں۔ اس سلسلے میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہے کسی ملک کی سرحد پر ایک شخص جو غریب سا آدمی تھا روزانہ سڑک پار کرکے اس طرف جایا کرتا تھا اور واپس آجایا کرتا تھا۔ سپاہیوں نے اسے مہلت دے رکھی تھی۔ وہ ایک سائیکل پر ریت کی ایک بوری رکھ کر لے جاتا تھا اور تھوڑے وقت کے بعد واپس آجاتا تھا۔ سپاہیوں نے اسمگلنگ کے شبہ کے پیش نگاہ درجنوں بار ریت کی اس بوری کو چیک بھی کیا تھا۔ ریت کا کیمیاوی تجزیہ بھی کرایا گیا تھا۔ سائیکل کے پائپ اور ہر چیز کو دیکھ لیا گیا تھا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی تھی۔ جو اسمگلنگ کے زمرہ میں آتی۔ سپاہیوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ریت کی اسمگلنگ کیا معنی رکھتی ہے۔ ایک دن انہوں نے اس شخص سے کہا۔

''دیکھو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک ہماری یہاں ڈیوٹی ہے تمہیں یہ ریت لے جانے سے کبھی نہیں روکیں گے۔ یہ تو ہمیں پتا ہے کہ تم اسمگلنگ کرتے ہو۔ لیکن اسمگلنگ کی ہوئی کوئی چیز آج تک پکڑی نہیں جاسکی۔ نہ تمہارے لباس میں کچھ ہوتا ہے نہ ریت میں کچھ ہوتا ہے۔ نہ بوری میں کچھ ہوتا ہے۔ نہ سائیکل کے پائپوں وغیرہ میں کوئی چیز چھپی ہوتی ہے پھر یہ کیا قصہ ہے تم کیا اسمگل کرتے ہو دیکھو ہمیں بتادو۔ ورنہ دوسری صورت میں ہم تمہارا آنا جانا بھی بند کردیں گے اور ماریں گے الگ۔ پہلے یہ بتاؤ تم اسمگلنگ کرتے ہو۔''

''جی سر! کرتا ہوں۔''

''مگر کیا؟ اگر کوئی چیز لے جاتے ہو تو آج تک پکڑی کیوں نہیں جاسکی۔''

''جی میں سائیکل اسمگل کرتا ہوں۔ آپ نے کبھی اس طرف غور ہی نہیں کیا۔ میں جب بھی جاتا ہوں ایک بریند نیو چمچاتی سائیکل لے جاتا ہوں اور واپس آتا ہوں تو ایک پرانی کھٹارہ سائیکل لے کر۔ یہاں

سے میں جو سائیکل لے جاتا ہوں وہ تو قیمتی پیسوں میں بک جاتی ہے وہاں سے پرانی اور بوسیدہ سائیکل سو پچاس میں مل جاتی ہے۔ تو بات اصل میں وہی ہوئی کہ سپاہیوں نے سائیکل پر رکھی اشیاء کو تو تلاش کیا۔ سائیکل پر غور ہی نہیں کیا۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''کہانا میں اسمگلنگ کے سائنسی اور نفسیاتی اصولوں پر ریسرچ کررہا ہوں۔''

''تو.....تو.....''

''جی ہاں۔ اب دیکھیے نا آپ اس وقت کتنی آسانی سے دھوکا کھا گئے۔ ان سوٹ کیسوں میں رکھے ہوئے سامان میں الجھ کر آپ نے ان سوٹ کیسوں پر توجہ ہی نہیں دی ذرا غور کریں۔ دونوں سوٹ کیسوں کی تہ ڈبل ہے اور ان تہوں میں چار چار کلوگرام ہیروئن موجود ہے۔ بہر حال شکریہ خدا حافظ۔''

نوجوان نے سوٹ کیس اٹھائے اور آگے بڑھ گیا۔ کسٹم آفیسر سکتے میں رہ گئے تھے لیکن اس کے بعد وہ نوجوان پر جھپٹ پڑے اور چاروں طرف سے اسے گھیر لیا گیا۔ اس کے ہاتھوں سے سوٹ کیس چھین لیے گئے اور پھر ان کا بھرپور جائزہ لیا گیا۔ ذرا سی دیر میں نوجوان کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ سوٹ کیس کی تہ ڈبل تھی اور اس دوسری تہ میں سفید رنگ کا پاؤڈر موجود تھا۔ چاروں طرف سنسنی پھیل گئی۔ نوجوان کو تحویل میں لے لیا گیا۔ لیکن دونوں افسران کی عقل ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس نے انہیں کامیابی سے دھوکا دینے کے باوجود اپنا راز خود کیوں کھول دیا۔ اسے پولیس کے حوالے کردیا گیا اور پولیس ہیڈ کوارٹر میں اس نے دوسرا انکشاف کیا۔

''میں اپنی ضمانت کے لیے ایک خاص شخص کا نام لینا چاہتا ہوں۔ براہ کرم میرے سلسلے میں آپ ان سے رابطہ قائم کرلیجیے۔''

''کون ہے وہ؟''

''سیٹھ احمد عالم بارودوالا۔'' دونوں افسران بری طرح چونک پڑے۔

''بارودوالا۔''

''جی براہ کرم میری ان سے بات کروادیں یا مجھے ان کے پاس لے چلیں۔''

''بارودوالا سے تمہارا کیا تعلق ہے۔'' ایک افسر نے پوچھا۔

''آپ نے میرے پاسپورٹ پر میرا نام نہیں دیکھا۔ میرا نام سہیل عالم بارودوالا ہے۔ اختر سہیل عالم بارودوالا۔''

''کیا آپ بارودوالا کے بیٹے ہیں۔'' پولیس آفیسر نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ درحقیقت سیٹھ احمد عالم بارودوالا بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا اربوں پتی بلکہ کھرب پتی بڑے بڑے ادارے اس کے نام سے چل رہے تھے۔ اخبارات اس کی دولت اور اس کی حیثیت کے چرچوں سے بھرا ہوا کرتے تھے۔ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدے دار اس کے دوست تھے۔ وزیراعظم سے اس کی قریبی رشتے داری تھی۔ اس پائے کے سرمایہ دار ملک میں چند ہی تھے حکومت اور عوام کی نگاہوں میں سیٹھ احمد عالم بارودوالا کا اتنا بڑا مقام تھا کہ وہ جب بھی چاہتا

الیکشن میں کھڑے ہو کر بڑے سے بڑے عہدے تک پہنچ سکتا تھا۔ خود پولیس افسران پریشان ہو گئے تھے۔"

"آپ سچ بول رہے ہیں یا جھوٹ۔"

"یار! کمال ہے میں نے پاسپورٹ کا حوالہ دیا ہے آپ لوگ پاسپورٹ پر دیکھ لیجیے۔"

"آپ نے پہلے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" بہر حال دیکھتے ہیں جس پولیس افسر کی تحویل میں نوجوان کو دیا گیا تھا وہ بدحواس ہو گیا تھا جس شخصیت کا نام لیا گیا تھا اس کا نام سن کر بھلا کس کی مجال تھی کہ اختر سہیل کو پولیس کی تحویل میں رکھ سکے یا کوئی گڑبڑ کر سکے بہر حال اس نے اسے دوسرے لوگوں کی تحویل میں چھوڑ کر اپنے افسر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ایس پی جمشید مرزا نے انسپکٹر سے ساری تفصیل سنی تو حیران رہ گیا اس نے کہا۔

"اب تک تم لوگ اس سلسلے میں کیا کیا کچھ کرتے رہے ہو۔"

"نہیں جناب! بس کیس ایئر پورٹ کسٹم سے ہمارے سپرد کیا گیا ہے۔"

"جاؤ اسے لے کر آؤ۔ میں اسے خود سیٹھ احمد عالم کے پاس لے جا کر تصدیق کروں گا۔ بات معمولی آدمی کی نہیں ہے ہمیں سوچ سمجھ کر کام کرنا ہوگا۔"

"بہت بہتر ہے جناب!" اصغر نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"بہر حال جمشید مرزا احمق نہیں تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ جو تفصیلات اس کے سامنے لائی گئی تھیں وہ بڑی عجیب و غریب تھیں۔ نوجوان نے خود ہی ہیروئن کی نشان دہی کی تھی اور اس کے بعد اپنے باپ کا حوالہ دیا تھا۔ جمشید مرزا یہ تو جانتا تھا کہ نوجوان کو ایک منٹ بھی پولیس کی تحویل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن کچھ نمبر بنانے کے چکر میں بھی تھا احمد عالم سے اگر کوئی بات بن جائے تو وارے نیارے ہو سکتے ہیں۔ بہر حال نوجوان کو جمشید مرزا کے پاس پہنچا دیا گیا۔ جمشید مرزا نے کہا۔

"آپ کا نام اختر سہیل عالم ہے۔"

"تعجب ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک درجن افراد مجھ سے میرا نام پوچھ رہے ہیں اور میں نے انہیں اپنا نام بتایا ہے لیکن آپ کیسے ایس پی ہیں افسر صاحب آپ تک میرا نام نہیں پہنچا۔"

"ہاں ٹھیک ہے آیئے میرے ساتھ۔" جمشید مرزا نے اس نوجوان کا بھرپور جائزہ لیا۔ شکل و صورت، رنگ و روپ بالکل غیر ملکیوں جیسا تھا لیکن چہرے کے نقوش سے مشرقیت جھلکتی تھی۔ بہت خوبصورت آدمی تھا۔ بہر حال وہ مختلف رابطے کرنے کے بعد ایک انتہائی قیمتی آفس پہنچ گیا جہاں سیٹھ احمد عالم اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے ایک پولیس آفیسر کا نام سن کر اسے بلا لیا۔ کچھ اور لوگ بھی اس وقت سیٹھ بارودوالا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جمشید مرزا نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اور بارودوالا نے اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن اسی وقت اختر سہیل، جمشید مرزا کے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھا اور سیٹھ بارودوالا سے لپٹ گیا۔

"ڈیڈی..... ڈیڈی..... آخر میں آپ تک پہنچ ہی گیا۔ ڈیڈی!" نوجوان خاصا جذباتی نظر آ رہا تھا۔ لیکن سیٹھ بارودوالا بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ نوجوان کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی اور بولا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے کون ہے یہ آفیسر! اسے ہٹاؤ۔" بارودوالا کی گھٹی گھٹی آواز ابھری اور جمشید مرزا

بری طرح چونک پڑا۔

"سر! یہ آپ کے صاحبزادے۔ میرا مطلب ہے ان صاحب نے یہی کہا ہے۔" جمشید مرزا نے پریشان لہجے میں کہا۔

"میں کہتا ہوں یہ کیا بدتمیزی ہے ہٹاؤ اسے پیچھے ہٹو۔ ہٹتے ہو یا نہیں۔"

"ڈیڈی میں سہیل ہوں سہیل آپ کا بیٹا! ڈیڈی آپ مجھے نہیں پہچانے کیا۔ میں آپ کا بیٹا ہوں آپ کی سونیا کی اولاد۔ مجھے پہچانیے ڈیڈی بڑے جتن کر کے آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ نوجوان نے گلوگیر لہجے میں کہا اور بارودوالا کا چہرہ ایک لمحے کے لیے فق ہو گیا۔ لیکن یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہو۔ اس نے غور سے نوجوان کی صورت دیکھی تھی اور اس کے چہرے کے نقوش کئی بار ابھرے تھے۔ تمام لوگ حیرانی کے عالم میں اس دلچسپ ڈرامے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اس کے بعد بارودوالا کی سرد آواز ابھری۔

"پولیس آفیسر! تم نے غیر ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے صرف تمہارے عہدے کے بارے میں سن کر تمہیں اندر بلا لیا تھا۔ میرا کوئی بھی دشمن اس طرح مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ اگر تمہیں کوئی بے وقوفی کرنا تھی تو تم فون پر بھی کر سکتے تھے۔ ایسے کسی بیٹے کے بارے میں مجھ سے معلوم تو کر لیتے۔ میرا خیال ہے میرے خلاف کوئی سازش کی گئی ہے۔ میں اس سازش کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ بارودوالا کا لہجہ ایک دم خشک ہو گیا تھا۔

"سر یہ..... یہ آپ کا بیٹا نہیں ہے۔" جمشید مرزا کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔

"بکواس کیوں کرتے ہو ضرورت سے زیادہ۔ میرے بیٹے کیا سڑکوں پر اس طرح مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ میں پوچھتا ہوں یہ ہے کون آخر اور مجھ سے کیا چاہتا ہے۔"

"آئی ایم سوری سر! اس کے پاسپورٹ پر بھی آپ کا نام درج ہے اور....."

"گیٹ آؤٹ۔ میں نے غلطی کی کہ تم جیسے غیر معیاری افسر کو اس طرح طلب کر لیا میں اس وقت میٹنگ میں ہوں۔ میں اس بارے میں ہوم سیکرٹری سے بات کروں گا اور تمہاری غیر ذمے داری کی وجہ بھی معلوم ہو جائے گی۔ یہ کہاں سے آیا ہے سمجھے۔ تمہیں یہ کہاں سے ملا۔" بارودوالا نے سوال کیا۔

"سر! یہ یورپ سے آیا ہے اور اس کے سامان سے چار کلوگرام ہیروئن بھی برآمد ہوئی ہے۔" جمشید مرزا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"خوب۔ گڈ ویری گڈ۔ دیکھ رہے ہیں آپ لوگ، میں نے غلط تو نہیں کہا تھا کہ میرے خلاف کوئی سازش کی گئی ہے۔ پولیس مجھے ہیروئن کا اسمگلر ثابت کرنا چاہتی ہے۔ چلو یہاں سے دفع ہو جاؤ آفیسر اس سے پہلے کہ میرا ٹمپر لوز ہو جائے۔" سیٹھ بارودوالا نے کہا اور جمشید مرزا نے نوجوان کی کلائی پکڑ لی۔ نوجوان نے ایک تلخ مسکراہٹ سے بارودوالا کو دیکھا اور بولا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی! بہت عرصہ مجھے آپ نے اپنے آپ سے دور رکھا ہے۔ لیکن اب میں یہیں آ گیا ہوں۔ اب تو آپ سے ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔ خدا حافظ۔" جمشید مرزا نے اسے زور سے دھکا دیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا وہ غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ باہر جیپ میں اس کے ماتحت بھی بیٹھے

ہوئے تھے۔اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہتھکڑی ڈال دو اس کے ہاتھوں میں۔''

''اس کی ضرورت نہیں آفیسر میں چل رہا ہوں آپ کے ساتھ۔'' نوجوان نے سلیقے سے کہا۔

''ہتھکڑی ڈال دو۔'' جمشید مرزا دھاڑا اور اس کے ماتحتوں نے نوجوان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ جمشید مرزا کے اشارے پر جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی گئی۔ لیکن جمشید مرزا کے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے واقعی جلد بازی سے کام لیا تھا نوجوان کو اس طرح سیٹھ بارود والا کی طرف لے جانے کے بجائے اسے پوری سنجیدگی سے پہلے معلومات حاصل کرنا چاہیے تھیں۔ لیکن وہ اپنے نمبر بنانے کے چکر میں تھا اور اسی تصور سے نقصان اٹھا گیا اب یہ مسئلہ مصیبت بن جائے گا۔ بڑی مشکل سے نادر اعجاز صاحب کی نگاہوں میں اپنا مقام بنا رہا تھا۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ نقذیر کو اس کا یہ مقام پسند نہیں ہے اور ایسے خوف ناک حادثے اسے واپس اس کی جگہ پہنچا دیں گے۔ جمشید مرزا کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ اس کی ایسی تیسی ہو سکتی ہے۔ بات بہت بڑے آدمی کی تھی۔ اس کی نگاہیں نوجوان کی طرف پڑیں۔ ان آنکھوں میں شدید نفرت چھائی ہوئی تھی۔ لیکن نوجوان کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر غیر ملکی سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبائی اور پیکٹ بڑے دوستانہ انداز میں جمشید مرزا کی طرف بڑھا دیا۔ جمشید مرزا نے گردن جھٹک کر رخ بدل لیا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ بری طرح چونک پڑا۔ نوجوان کے ہاتھوں سے ہتھکڑی کہاں گئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر ہتھکڑیوں کے جوڑے کی طرف دیکھا۔ ہتھکڑیاں اس کے ماتحت کے گود میں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسرے لمحے جمشید مرزا خوف ناک انداز میں دھاڑا۔

''یہ ہتھکڑیاں کیوں نہیں لگائیں تم نے۔'' جمشید مرزا کا ماتحت بری طرح چونک پڑا تھا اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہتھکڑیوں کو اپنی گود میں رکھے دیکھا اور اس کی حالت خراب ہو گئی۔

''سس سر! یہ تو میں نے لگائی تھیں اس کے ہاتھوں میں۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

''تو پھر کیسے کھل گئیں۔'' جمشید مرزا نے پوچھا۔

''آپ بلاوجہ فکر مند ہو رہے ہیں آفیسر! چل رہا ہوں آپ کے ساتھ آرام سے بیٹھا ہوا ہوں۔ پریشان ہونے کی بات نہیں اس بے چارے نے ہتھکڑی میرے ہاتھوں میں لگائی تھی۔ لیکن میں ان چیزوں کا عادی نہیں ہوں۔'' نوجوان نے نرم لہجے میں کہا اور جیب سے لائٹر نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔

♥.....♥.....♥

شاہ میر اور کرنل رحیم شاہ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی تھی۔ شاہ میر صاحب نے کہا۔

''حکومتیں بدلتی رہتی ہیں کرنل شاہ! میں اپنے بارے میں کبھی کوئی پائیدار بات تو نہیں کہہ سکتا۔ وقت کسی بھی وقت تبدیل ہو سکتا ہے یا پھر یوں سمجھ لو کہ حکومت اپنی مدت پوری کر لیتی ہے۔ الیکشن ہوتے ہیں۔ نئی حکومت بن جاتی ہے۔ اس میں ضروری تو نہیں ہے کہ میرے پاس میرا عہدہ قائم رہے لیکن ملک و قوم اور ملت کے سپاہی اقتدار یا عہدوں کا انتظار نہیں کرتے اس کی سب سے اعلیٰ مثال تم خود ہو۔ تم سے اس

بارے میں کیا کہوں فوج سے ریٹائر ہو گئے۔ ایک پاؤں سے محروم ہو گئے۔ لیکن وہ جذبے نہ سو سکے جو ملک و ملت کے لیے تھے اور انہی جذبوں نے تمہیں مجبور کر دیا کہ کام کرتے رہو۔ کرنل جو جدوجہد تم اس عالم میں کر رہے ہو۔ تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تاریخ نہ بھی بنے۔ تب بھی اگر وطن پرستوں اور محب وطنوں کا کوئی مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے تو تم ان کی فہرست میں کسی بھی طرح کہیں نیچے نہیں رہو گے۔ میں اس شخص کے بارے میں شاید کبھی کچھ نہ کہہ سکوں جس کا نام صوفی ہے۔ وہ ایک سرمایہ ہے ہمارے وطن کے لیے کاش! میں اس کے ماضی میں جھانک سکتا۔ مجھے پتا چل سکتا کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم تو مجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے لیکن یہ پیش منظر جو ہے اس کی تو بس کوئی مثال نہیں دی جا سکتی خیر تم نے یہ گروپ بنایا ہے اور اب تک اس نے جو کچھ کیا ہے اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے میں اپنے محکمے کی طرف سے چاہتا ہوں کہ تم اس کے تحت آگے بڑھو کام کرو۔ ملک کے کسی بھی گوشے میں کوئی غلط کام ہو رہا ہو کوئی جرم ہو رہا ہو۔ اس کی چھان بین کرو مجرموں کو منظر عام پر لاؤ۔ کرنل جذبوں کو محدود کر دینا ناانصافی ہے اپنے ساتھ، اپنی سوچوں کے ساتھ اس سلسلے میں ہر طرح کی مالی مدد بلکہ مدد کیوں کہا جائے اسے مالی ضروریات پوری کرنا حکومت کا فرض ہے اور میں اس میں پیش پیش رہوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسی آرگنائزیشن جیسے تمہاری گرین فورس ہے اس کو اتنی وسعت دے لو اور اس کے لیے ہر طرح کے وسائل استعمال کرو کہ گرین فورس ملک کے گوشے گوشے میں کام کرے۔ نہ صرف ملک بلکہ ملک سے باہر۔''

''اچھا خیال ہے لیکن اس کے لیے۔''

''نہیں۔ تمہارے ذہن میں جو کچھ بھی تصور ہو اس کی تکمیل کے لیے میں موجود ہوں۔''

''میں کھل کر ایک بات کہوں صوفی سے بات کیے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''اس سے بات کر کے مجھے اطلاع دو میں انتظار کروں گا۔'' صوفی نے اگال دان میں منہ کا ملغوبہ الٹتے ہوئے کہا۔

''غم غم..... قم قم..... پم پم.....''

''اردو میں بات کیجیے یہ پان کی زبان نہیں چلے گی۔'' صوفی مسکرا دیا۔ پھر بولا۔

''جناب عالی تجویز اچھی ہے مگر منصوبہ کیا ہے۔''

''منصوبہ یہ ہے صوفی صاحب! کہ سب سے پہلے گرین فورس کی توسیع کی جائے اس میں اعلیٰ ترین دماغ رکھے جائیں ان کی چھان بین اور انتخاب آپ ہی کریں گے۔''

''کتنے افراد کی گنجائش نکالی جائے۔''

''آپ پر منحصر ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی عمارت جہاں گرین فورس کے تمام ممبر ضرورت پڑنے پر جمع کیے جا سکیں۔ ممبروں کے لیے رہائش گاہیں جو بالکل محفوظ ہوں اور کوئی یہ نہ جانے کہ ان رہائش گاہوں میں جو لوگ رہتے ہیں۔ ان کا اصل پیشہ کیا ہے۔ کام مشکل ہے میں جانتا ہوں۔ لیکن فرصت کے دنوں میں یہی کیا جائے تو کیا حرج ہے۔ کیا کہتے ہیں آپ۔''

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ.....'' صوفی نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولا۔

"نہیں..... بات اصل میں یہ ہے کہ دلاور بیوی بچوں والا آدمی ہے۔ ہمارے معاملات میں بے شک بڑا کارآمد ہوتا ہے اسے گرین ہاؤس میں ہی رکھا جائے۔ غلام قادر سے اس کی قربت بھی بہت اچھی ہوگی۔ شازیہ اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ یہاں خوش ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے الگ جگہ دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ گرین فورس میں اس کا مقام بڑا ہی رہے گا۔ عادل اور فیضان تو خیر میرے بچے ہیں اچھے راستے پر چلے ہیں۔ میں چاہتا ہوں صوفی صاحب کہ انہیں بھی آگے بڑھایا جائے۔ ان کے سینوں میں وطن پرستی کے جذبے ہیں۔ لیکن ان کی کارکردگی کو ذرا مستحکم کیا جائے۔ اس کے علاوہ نئے افراد کا انتخاب کریں یہ لوگ اگر چاہیں تو اسی طرح گرین ہاؤس میں رہ سکتے ہیں۔ آپ براہ کرم اس سلسلے میں پلاننگ کیجیے۔ کام کا جو بھی بندہ آپ کو نظر آئے۔ آپ اسے ضرور طلب کر لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کرتا ہوں کوشش۔" صوفی نے جواب دیا اور کرنل رحیم شاہ پُرخیال نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا کے سارے وجود میں آگ لگی ہوئی تھی۔ جو بے عزتی اسے اٹھانی پڑی تھی۔ اس نے اسے بری طرح برافروختہ کر دیا تھا وہ اختر سہیل عالم کو لیے ہوئے اپنے دفتر میں پہنچ گیا۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جنون ابھرا آ رہا تھا۔ تاہم اس وقت اس نے کسی قدر عقل مندی سے کام لیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ نوجوان کی بوٹیاں اڑا دے۔ لیکن کچھ احساسات راستہ روکے ہوئے تھے۔ مثلاً نوجوان کے نقوش جو خاصی حد تک بارودوالا سے ملتے جلتے تھے۔ پھر بارودوالا کے چہرے کے کچھ تاثرات۔ بہرحال اس نے سہیل کو کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔

"تم نے غلط بیانی سے کام کیوں لیا۔"

"کون سی غلط بیانی ایس پی صاحب۔"

"یہی کہ تم بارودوالا کے بیٹے ہو۔"

"ایس پی صاحب! بات چونکہ آگے بڑھتی ہے اور کہیں نہ کہیں سے بڑھتی ہے چنانچہ آپ پورا پورا یقین کر لیجیے کہ میں احمد عالم بارودوالا کا بیٹا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے مجھے پہچاننے کے باوجود اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ میں اس بات سے بددل نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ دن ضرور آئے گا۔ جب وہ مجھے اپنا بیٹا مان لیں گے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ میں انہی کا بیٹا ہوں۔ میری ماں برٹش تھی۔ ایک بہت اچھی فیملی سے اس کا تعلق تھا سیٹھ بارودوالا نے میری ماں کو مسلمان کر کے اس سے شادی کی تھی۔ پھر حالات میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ جن کی تفصیل آپ کے سامنے نہیں عرض کر سکوں گا۔ سیٹھ بارودوالا نے میری ماں کو طلاق دیے بغیر چھوڑ دیا اور اپنے وطن واپس آ گئے۔ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔ میری والدہ نے اس کے بارے میں مجھے تفصیلات بڑے ہونے پر بتائیں اور میں خاصی ذمے داریاں پوری کرنے کے بعد یہاں پہنچا لیکن افسوس وہ بات بالکل سچ نکلی جو میری ماں نے مجھ سے کہی تھی۔ میری ماں نے مجھے یہی بتایا تھا کہ بارودوالا صاحب دوسری شادی کر چکے ہیں اور وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ مزے کی زندگی گزار رہے

ہیں۔ مجھے اپنے آپ کو ان کا بیٹا ثابت کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی اور وہی ہوا آپ تو محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسان شناسی آپ کے کام کا ایک حصہ ہے۔ کاش! آپ اس وقت بارودوالا کے چہرے کے نقش و نگار دیکھتے جب میں ان کے سامنے پہنچا تھا۔ بہرحال انہوں نے مصلحت کے تحت اپنے آپ کو سنبھال لیا اور مجھے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایس پی صاحب یہ بات اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔"

"ہوں..... اور آپ باپ سے ملاقات کے لیے آتے ہوئے تم اپنے ساتھ چار کروڑ روپے کی ہیروئن بھی لائے تھے بھلا وہ کیوں؟" نوجوان کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایس پی صاحب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس مذاق کی بری عادت پڑی ہوئی ہے۔ ہر ایک سے چھیڑ چھاڑ کرنے کو دل چاہتا ہے میں نے کسٹم کے حکام سے تھوڑا سا مذاق کیا تھا اور اس مذاق کی بھی ایک وجہ تھی۔ وہ یہ کہ میں اپنے ڈیڈی کے موجودہ پتے سے واقف نہیں تھا۔ البتہ اس بات کا مجھے علم تھا کہ وہ اپنے وطن میں بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر میں وہ پسا ہوا پتھر ساتھ نہ لاتا تو پولیس مجھے میرے ڈیڈ تک پہنچانے میں کوئی امداد نہ دیتی اور مجھے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"کیا.....؟" جمشید مرزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

اختر سہیل بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"جی ہاں وہ ہیروئن نہیں ہے۔ اگر وہ آپ کے پاس محفوظ ہے تو اس کا تجزیہ کرا لیں۔ میں نے کہا نا کہ وہ تو صرف ایک مذاق تھا۔"

"بکواس کر رہے ہو تم۔" جمشید مرزا نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کی مرضی ہے اگر آپ کسی کام کی بات کو بکواس کہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ مجھے اتنی اردو نہیں آتی۔ آپ ہی زیادہ بہتر کہہ رہے ہوں گے۔"

"میں کہتا ہوں تم ہوش میں آؤ گے یا نہیں۔"

"عالم ہوش ہی میں ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔ ایس پی صاحب آپ کو اپنے لہجے اور انداز پر آخرکار شرمندہ ہونا پڑے گا۔ بلکہ اگر آپ نے اس سے بھی برا لہجہ اور لفظ استعمال کیے تو ممکن ہے آپ کو ان کا نقصان بھی اٹھانا پڑے۔ اس لیے میرے ساتھ بہتر سلوک کریں اور اس طرح بات کریں جس طرح دو شریف آدمی کرتے ہیں۔ جمشید مرزا بھنائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ لیکن پھر بیٹھ گیا۔ ضرورت سے زیادہ جذباتیت بھی کبھی کبھی شدید نقصانات کا باعث بن جاتی ہے۔ پھر اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری چالاکی کا مجھے اندازہ ہو چکا ہے۔ ہر لحہ تم ایک نیا رخ بدل لیتے ہو ہیروئن میرے قبضے میں ہے اور میں اسے ٹیسٹ کے لیے بھی بھجوا سکتا ہوں۔"

"اصولی طور پر میرے اس انکشاف کے بعد ایس پی صاحب آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تاکہ اس کی رپورٹ آنے کے بعد میری گرفتاری کا جواز ختم ہو جائے اور آپ مجھے باعزت طریقے سے رہا کر دیں

اصل میں جو کام میں نے آپ سے لینا تھا وہ میں لے چکا ہوں۔ میں اپنے منحرف باپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ تو وہ ہو چکی ہے کچھ مستند لوگوں کے سامنے جیسے آپ اب یہ دوسری بات ہے کہ خود کو تسلیم کرانے کے لیے مجھے مشکل مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔"

"احمد عالم بارودوالا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کرنے کا مطلب جانتے ہو تم۔"

"ایس پی صاحب یہ بات آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ میرے ڈیڈی ہیں اور آنے والا وقت اس بات کی تصدیق کر دے گا۔ پھر یہ باتیں کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے اس کے باوجود آپ اپنے فرائض سرانجام دیں اور میں اپنا کام کروں گا۔ آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور نے۔ احمد عالم بارودوالا کے انکار پر آپ مجھے یہاں پکڑ تو لائے ہیں لیکن میں قانونی طریقے سے یہاں آیا ہوں اور برطانیہ کے ایک شہری کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اب ایک بات آپ ذہن میں رکھیے۔ اگر آپ نے ایک گھنٹہ بھی اپنی تحویل میں رکھا تو برطانوی سفارتخانے کو آپ کو جواب دینا ہوگا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ پسا ہوا پتھر میری ایک ضرورت ہے اور اگر یہ ہیروئن نہ نکلا تو آپ سوچ لیجیے کہ آپ کے ساتھ کیا ہوگا میں تو کہہ دوں گا کہ میں نے آپ کو پوری تفصیل بتا دی تھی۔

جمشید مرزا پُرخیال نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اوّل تو اس سے ایک حماقت ہو چکی تھی جو بہت بڑی حماقت تھی۔ وہ احمد بارودوالا کے پاس دوڑے جانے کی اور پھر اس لڑکے کی بکواس لیکن لڑکے کی چمکدار آنکھوں پر اعتماد مسکراہٹ پشیمانی کی بناوٹ سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ معمولی شخصیت کا مالک نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں لیکن جمشید مرزا خود بھی ایک ضدی آدمی تھا۔ ہر چند کہ کسٹم والے بھی اس معاملے میں ملوث تھے لیکن ذمے داری اس پر بھی آتی تھی۔ اگر احمد عالم نے ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ قائم کر لیا تو خاصی جھاڑ پڑے گی اس پر اور ممکن ہے کچھ اور بھی مشکلات پیش آ جائیں۔ کیونکہ وہ احمد عالم کے پاس دوڑا چلا گیا تھا۔

اور احمد عالم نے نہایت نفرت کے ساتھ اس لڑکے کو اپنی اولاد ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

جھنجھلاہٹ میں اس نے بیل بجائی اور متعلقہ افسروں کے آنے کے بعد اس نے کہا۔

"اسے لاک اپ کر دو۔" سہیل نے چونک کر جمشید مرزا کو دیکھا پھر بولا۔

"دیکھیے ایس پی صاحب میں آپ کو پھر وارننگ دے رہا ہوں کہ میرے ساتھ اس طرح کا کوئی سلوک نہ کیا جائے۔ آپ مجھے کس جرم میں لاک اپ کر رہے ہیں میں ایک معزز آدمی ہوں۔ ایئرپورٹ پر اترا تو کسٹم والوں نے ایک ایسے پاؤڈر کو ہیروئن قرار دے دیا جو دراصل پسا ہوا پتھر ہے۔ یہ پاؤڈر میں اپنی ایک اہم ضرورت کے لیے لایا تھا۔ اس کا وزن چار پونڈ ہے اور اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہیں ہے جو کسی قسم کے نشے کے لیے استعمال ہوتی ہو۔

یہ سب کچھ بتانے کے بعد بھی اگر آپ نے مجھے لاک اپ کیا تو پھر میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ آپ ایسا کیجیے عزت و احترام کے ساتھ مجھے اپنے پاس بٹھائیے سر! کہہ کر بات کیجیے کیونکہ میں ایک بہت بڑے آدمی کا بیٹا ہوں۔ کچھ کولڈ ڈرنک وغیرہ پلائیے اور اس دوران آپ اس پاؤڈر کا تجزیہ کرنے

کے بعد میری گلوخلاصی کر دیجیے۔ جمشید مرزا نے ایس آئی کی طرف دیکھ کر غراتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارے کان بند ہیں، میں نے کیا کہا تھا ابھی۔"

"یس سر! یس سر!" ایس آئی نے سیلوٹ کیا اور ایک لمحے کے اندر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ سپاہیوں کے ساتھ اندر آیا اور اختر سہیل کو بازوؤں سے پکڑ لیا گیا۔

"گویا اعلانِ جنگ، آپ نے میرے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ آنے والے وقت میں آپ کے ساتھ بھی کوئی تعاون نہیں کیا جائے گا۔ چلیے۔" سہیل بولا اور سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ سپاہی اسے لاک اپ کے پاس لائے اور اسے اس کے اندر بند کر دیا گیا۔ سہیل اطمینان سے لاک اپ کے فرش پر جا بیٹھا تھا۔

ادھر جمشید مرزا چند لمحات سوچتا رہا پھر اس نے ٹیلیفون پر کسی سے رابطہ قائم کیا۔ یہ اس کے ماتحتوں میں سے ایک آدمی تھا۔ جو اس کے لیے خصوصی کام سرانجام دیا کرتا تھا۔ پھر اس نے ایک اردلی کو بلا کر اس کے ساتھ اس پاؤڈر کی تھوڑی سی مقدار روانہ کر دی۔ اس نے حکم دیا تھا کہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر اسے اس پاؤڈر کا کیمیاوی تجزیہ کر کے اس کی رپورٹ بھیج دی جائے۔ ابھی وہ ٹیلیفون رکھ کر فارغ ہی ہوا تھا کہ دفعتاً ہی دروازے میں اس نوجوان کی صورت نظر آئی۔

"میں حاضر ہو سکتا ہوں۔" اس نے سوال کیا اور جمشید مرزا بری طرح اچھل پڑا۔ وہ متحیرانہ انداز میں نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اس کے عقب میں ان لوگوں کو دیکھنے کی کوشش کی جو اسے لے کر یہاں آئے تھے۔ نوجوان اندر آ گیا اور اس نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مجھے یہاں کتنی دیر لگ جائے گی۔ اصل میں کچھ دوسرے لوگوں سے بھی مجھے ملاقات کرنی تھی۔"

"تم..... تم..... تم کون ہو اندر آؤ۔" جمشید مرزا نے کہا لیکن کوئی اندر نہیں آیا تو وہ بولا۔

"تمہیں لاک اپ میں بند نہیں کیا گیا۔ میں نے تو یہ حکم دیا تھا کہ تمہیں لاک اپ میں بند کر دیا جائے۔"

"جن لوگوں کو آپ نے حکم دیا تھا یہ سوال آپ میرے بجائے ان سے کیجیے؟ ہاں اگر آپ مجھے کچھ حکم دیتے تو میں ضرور مانتا۔" اور جمشید مرزا کا ہاتھ گھنٹی پر چلا گیا۔

اردلی اندر آیا اور نوجوان کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"ایس آئی بیگ کو بلاؤ۔ میرے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی۔" جمشید مرزا نے کہا اور چند لمحات کے بعد ایس آئی اندر آ گیا۔ لیکن نوجوان کو دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

"اسے بند نہیں کیا تم نے۔"

"سس..... سس..... سر ہم نے تو اس کو سر لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔ پھر اس کو کس نے کھول دیا۔" ایس آئی نے کہا۔

"یہ سوال تم مجھ سے کر رہے ہو۔" جمشید مرزا غرایا اور ایس آئی گڑاپ سے باہر نکل گیا اور اس کے بعد ان سپاہیوں کو لے کر اندر آیا جو اسے لے کر لاک اپ میں گئے تھے۔ وہ ایس آئی کے حکم پر نوجوان کی طرف لپکے لیکن سہیل اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

''میں آخری وارننگ دے رہا ہوں ایس پی صاحب اگر آپ نے پھر مجھے لاک اپ میں بند کیا تو میں پھر واپس آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ بلکہ یہاں سے نکل جاؤں گا اور سیدھا اپنے سفارتخانے جاؤں گا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی کروں گا اس کی ذمے داری مکمل طور پر آپ کی ہوگی۔ میں کہتا ہوں تم لاک اپ سے نکل کیسے آئے۔ جمشید مرزا نے کہا۔

''کیا اتنے بڑے تعلقات کے بعد اس بات کا جواب دینا مجھ پر فرض ہے۔ سمجھ لیں جیسے آپ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا کر لا رہے تھے۔ لیکن میں نے اطمینان سے سگریٹ پینا شروع کر دیا اسی طرح لاک اپ سے نکلنا میرے لیے مشکل نہیں تھا اور ایک بات اور عرض کروں آپ سے جو کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر سن لیں۔ آپ کے پاس ابھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں آپ مجھے بند کر سکیں میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں۔'' جمشید مرزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اسے اس چیلنج کا خیال آیا اور وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ بات ہے۔'' اس نے اختر سہیل کو خونی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''جی بالکل یہی بات ہے۔''

''ہتھکڑیاں لے آؤ۔'' جمشید مرزا نے جواب دیا اور ایس آئی باہر دوڑ گیا۔ اس کی حالت خراب تھی۔ چند ساعت کے بعد ہتھکڑیوں کا جوڑا جمشید مرزا کے پاس پہنچ گیا۔ اختر سہیل نے دونوں ہاتھ آگے کر دیے تھے۔

''ہاتھ پیچھے کرو۔'' جمشید مرزا بولا اس بار اس نے ہتھکڑیاں اپنے ہاتھ سے اس نوجوان کے ہاتھوں میں لگائی تھیں اور ایسی بندش کی تھی کہ ہاتھوں میں جنبش بھی نہ ہو سکے۔ پوری طرح اس کے ہاتھوں کو کسنے کے بعد وہ نفرت بھرے انداز میں مسکراتا ہوا اپنی میز کی طرف بڑھ گیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''جی میرے لیے کیا حکم ہے ایس پی صاحب!'' اختر سہیل نے ہتھکڑیوں کا جوڑا جمشید مرزا کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا اور جمشید مرزا کو چکر آ گئے۔ ناممکن بات تھی وہ پولیس کا آدمی تھا۔ بے شمار آدمیوں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں لگائی تھیں اور اس وقت بھی جو کچھ اس نے کیا تھا اس کے بعد یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہ ہتھکڑیاں چند سیکنڈ میں کھولی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ ناممکن ممکن ہو کر اس کے سامنے موجود تھا۔ سپاہی اور ایس آئی بھی ابھی تک دفتر میں موجود تھے اور اسی کی طرح چکرا رہے تھے۔ دفعتہً ہی جمشید مرزا نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔''

''یس..... یس سر!'' وہ سب دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولے اور بدحواسی کے سے انداز میں باہر نکل گئے۔ جمشید مرزا کچھ دیر تک سوچتا رہا اس کی عقل اس کی کھوپڑی سے ایک انچ اوپر ناچ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سرپھرے نوجوان کے ساتھ کیا سلوک کرے اور اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اپنے رویے میں نرمی پیدا کرے اور اس وقت تک اسے باتوں میں لگائے رکھے جب تک ہیروئن کی کیمیاوی رپورٹ نہ آ جائے۔ چنانچہ اس نے موڈ بدل لیا اور بولا۔

''ہوں..... بیٹھو۔''

''شکریہ..... بہت پیاس محسوس کر رہا ہوں۔ کچھ منگوا دیجیے جمشید مرزا نے ساتھ رکھے ہوئے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا اور بولا۔

''کولڈ ڈرنک لاؤ۔ میرے لیے اور مہمان کے لیے۔'' پھر اس نے فون رکھ کر کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم بہت بڑے فنکار ہو۔ کیا کیا کاریگری کر لیتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ جب تم اس طرح لاک اپ سے باہر نکل سکتے ہو ہتھکڑیاں کھول سکتے ہو تو تجوریاں بھی کھول لیتے ہو گے۔ ڈاکے بھی ڈال لیتے ہو گے۔''

''بہت کچھ بہت کچھ لیکن ظاہر ہے ایس پی صاحب اپنے بارے میں آپ کو زیادہ نہیں بتاؤں گا۔ ویسے بھی آپ نے شروع سے ہی میرے ساتھ غیر دوستانہ رویہ رکھا ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ لاک اپ سے نکلنے کے بعد میں باہر بھی جا سکتا تھا۔ لیکن آپ یقین کریں کہ میں نہیں چاہتا کہ میں کسی غیر قانونی حرکت میں ملوث ہو جاؤں۔ آپ کو اس پاؤڈر کی رپورٹ مل جائے اس کے بعد آپ مجھے رہا کر دیں اور میرے ساتھ اپنا رویہ سنبھال لیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت بھی پیش آ جائے۔ اپنے باپ کو باپ ثابت کرنے کے لیے۔''

''تمہیں کیسے معلوم کہ میں نے وہ پاؤڈر تجزیے کے لیے بھیج دیا ہے۔''

''عام سی بات ہے ایس پی صاحب آپ کو بھی آخر اپنی بیلٹ کمر میں باندھے رکھنی ہے اپنے پھول کاندھوں پر سجائے رکھنا ہے۔ ظاہر ہے آپ اپنی تسلی کیے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں۔ اختر سہیل نے کہا اور بے پروائی سے پاؤں پھیلا کر سر کرسی سے ٹکا لیا۔ بہت دیر کے بعد جمشید مرزا کو ٹیلیفون کی گھنٹی سنائی دی اور نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف لیبارٹری انچارج بول رہا تھا۔ اس نے اپنا تعارف کرایا تو جمشید مرزا نے کہا۔

''کیا رہا۔''

''کچھ نہیں جناب! سپاہوا سنگِ مرمر ہے اور اس میں کوئی نشہ آور چیز شامل نہیں ہے۔'' جمشید مرزا نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ واقعی چکر سے جھوم رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''رپورٹ تیار کر لی ہے تم نے۔''

''جی سر! ابھی روانہ کر رہا ہوں اس سے پہلے میں نے آپ کو اطلاع دینا مناسب سمجھا تھا۔''

''رپورٹ بھیجو۔'' جمشید مرزا نے کہا اور ریسیور رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ چند ساعت سوچتا رہا پھر بھاری لفظوں میں بولا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو اختر سہیل وہ ہیروئن نہیں ہے لیکن ابھی تم اپنے اوپر سے فرد جرم زائل نہیں کر سکے۔ تم نے ایک اور حرکت کی ہے یعنی احمد عالم یارو والا جیسے باعزت آدمی کا بیٹا ہونے کی کوشش کی ہے۔ میں تمہیں حراست میں تو نہیں رکھ سکتا۔ لیکن تم جہاں بھی کہیں ہو گے پولیس والوں کو اپنی موجودگی سے آگاہ رکھو گے۔ ویسے تمہارا قیام کہاں ہوگا۔''

''یقینی طور پر ابھی آپ کے شہر کے کسی فٹ پاتھ پر، ویسے آپ کی پولیس یہ تو جانتی ہوگی کہ کون کون سے فٹ پاتھ انسانوں سے آباد ہیں۔''

''کیا مطلب۔'' میں یہاں کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں ہوٹل کے اخراجات شاید میں ادا نہ کرسکوں۔ کیونکہ میرے باپ نے مجھے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے اور میں اتنے پیسے نہیں لے کر آیا کہ یہاں ہوٹلوں میں زندگی گزار سکوں وہاں میری کوئی آمدنی نہیں تھی۔ چنانچہ میری ابتدا کسی فٹ پاتھ سے ہی ہوگی۔ اس کے بعد کوئی ذریعہ حاصل ہوسکا تو شاید کسی ہوٹل وغیرہ میں چلا جاؤں۔''

''تم جہاں بھی جاؤ میں نے تم سے ایک کہہ دی ہے کہ پولیس سے رابطہ قائم رکھنا اور اب سب سے پہلے تم اپنی آمد درج کردو۔''

''کیوں نہیں کیوں نہیں یہ قانونی کارروائی میں یقیناً کروں گا اور اگر آپ میرا اتنا وقت ضائع نہ کرتے تو اب تک کر چکا ہوتا۔ بہرصورت خدا حافظ میرا سامان مجھے منگوادیا جائے۔'' اختر سہیل نے کہا اور جمشید مرزا نے دوبارہ اردلی کو بلا کر اس کے احکامات دے دیے۔ اب تو اس دل چاہ رہا تھا کہ جلدی ہی اس بلا سے جان چھڑائے۔ اگر احمد عالم بارودوالا کی طرف سے کوئی شکایت ہوئی اور اس سلسلے میں کوئی باز پرس کی گئی تو وہ یہ تو کہہ سکے گا کہ ایک برطانوی شہری کو وہ قید نہیں رکھ سکتا تھا۔ جبکہ وہ کسی جرم میں ملوث نہیں ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ آگے کے حالات کچھ بہتر ہوجائیں۔

چنانچہ اس نے فوری طور پر یہی مناسب سمجھا تھا کہ نوجوان کو رہا کردے۔

♥.....♥.....♥

ممن خان کے ہوٹل پر پھپھوندی دگر دجمی ہوئی تھی۔ شکایتوں کے دفتر کھول دیے گئے تھے اور صوفی ہکلا ہکلا کر سب کو جواب دے رہا تھا۔ مرزا قیوم بیگ نے کہا۔

''اماں صوفی صاحب بدل گئے قسم اللہ کی کہتے تھے کہ زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد''

''میرے کو کچھ کہا۔'' گل محمد سبزی فروش نے سر اٹھا کر کہا۔

''ارے نہیں بھائی۔ فارسہ میں بات ہورہی ہے۔'' معشوق نشیلے جو اس نشست میں موجود تھے۔ جلدی سے بول پڑے۔

''یار ایک تو تیرے فارسہ نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے صوفی صاحب ایک خطرے سے آپ کو خبردار کردینا ضروری ہے۔'' کسی اور نے کہا۔

''حج..... حج خطرہ، درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''خطرے درویشوں کی دعاؤں سے نہیں ہوتے۔ درویشوں کی دعاؤں سے تو برکتیں ہی برکتیں ہوتی ہیں۔''

''پھر کون سے خطرے کی بات کررہے ہیں آپ۔''

''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔''

''فارسہ میں کچھ اور کہا ہے۔'' معشوق نشیلے نے جلدی سے لقمہ دیا۔

''تیرے ہی بارے میں کہہ رہا ہوں یار، صوفی صاحب آپ کی آبرو پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔''

''آبرو۔'' صوفی نے جلدی سے شیروانی کے کھلے ہوئے بٹن لگانا شروع کردیے۔

''وہ مطلب یہ..... کہ آپ کے گھر میں۔''

''اماں کیوں مذاق کرتے ہو۔ میرے گھر میں کیا رکھا ہوا ہے۔''

''یہاں تو نہیں رکھا۔ لیکن وہ گھر جس کو آپ نے آباد کرایا ہے اور غریبوں کا محلہ چھوڑ دیا ہے اس کی بات ہورہی ہے۔''

''وہاں کون ڈاکہ ڈال رہا ہے۔''

''گھر کا بھیدی۔''

''یہ کون ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''''

''معشوق نشیلے۔ حسینہ کون ہے آپ کی کوئی رشتے دار ہے اس کے لیے تعویذ گنڈے کراتے پھر رہے ہیں۔''

''ابے کیا تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' معشوق نشیلے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں بھائی صوفی صاحب سے بڑی پرانی محبت ہے ہماری'' صوفی کا گھن گرج قہقہہ فضا میں گونج اٹھا تھا۔

''آپ ہنس رہے ہیں صوفی صاحب میں سچ بتا رہا ہوں کہ یہ معشوق نشیلے پتا نہیں کیا کیا تعویذ گنڈے کراتے پھر رہے ہیں۔''

''معلوم ہے..... معلوم ہے ہمیں۔ درویش ہماری رہنمائی کرتے رہتے ہیں لیکن معشوق نشیلے کے برے اعمال ان کے سامنے آرہے ہیں۔''

''کیا مطلب برے اعمال۔'' کسی نے سوال کیا۔

''تو اور کیا جن خاتون سے یہ مرحوم اظہار محبت فرمارہے ہیں وہ اٹھارہ سو چوہے کھا چکی ہیں۔ یعنی نوسو دو دفعہ درویشوں کی دعاؤں سے وہ انہیں بھی چوہا سمجھ کر کھا جائیں گی۔ یہ ہماری پیشین گوئی ہے۔ یاد رکھنا۔''

''اماں نشیلے صاحب کیوں موت آرہی ہے بھائی میاں آپ کے کوئی آگے پیچھے تو ہے نہیں۔ مارے جاؤ گے بن موت۔''

''تو مارے ہی تو جانا چاہتے ہیں۔'' معشوق نشیلے نے غمزدہ لہجے میں کہا اور پھر اس شخص کی طرف دیکھ کر بولے جو معشوق نشیلے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

وہ غیبت کررہے ہو سیدھے جہنم میں جاؤ گے بغیر..... کہ وہ جو کسی نے فارسہ میں کہا ہے۔''

''دیکھیے فارسہ میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ ہم آپ کو بتائے دے رہے ہیں۔''

''بہرحال بات صوفی صاحب کی تھی جو صوفی صاحب کے علم میں ہے یہ سب کچھ تو ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے۔''

''ہاں معشوق نشیلے کے لیے فاتحہ خوانی کا بندوبست کرلیا جائے۔ ٹھیک ہے معشوق صاحب قربان ہوجایئے ہم آپ کا عرس کردیا کریں گے۔'' بہرحال صوفی بہت دن کے بعد یہاں آیا تھا۔ دوستوں کی شکایت تو ہونی ہی تھی۔ لیکن بہرحال وہ ان لوگوں سے کبھی الگ نہیں رہ سکتا تھا۔ ہر اچھے برے وقت کے ساتھی

تھے۔ پچھلے دنوں کرنل رحیم شاہ نے تجویز پیش کی تھی کہ گرین فورس میں اضافہ کیا جائے اور اسے بہتر بنایا جائے۔ صوفی اس پر غور کر رہا تھا۔ دونوں صورتیں تھیں ایک تو یہ کہ کرنل رحیم شاہ معذرت کر لی جائے اور کہا جائے کہ اس کی اپنی زندگی کا ایک سیٹ اپ ہے وہ اس سیٹ اپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ جو کچھ کر رہا ہے بس وہیں تک محدود رہنے دیا جائے۔

لیکن کرنل کی شخصیت ایسی مسحور کن تھی، اس کے جذبے اس قدر بلند تھے کہ اس سے کوئی دوٹوک بات کرنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ خوب دولت منداور گھر گرہستی والا آدمی تھا۔ ایک اچھے خاندان میں گھرا ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اپنی انکلوتی ٹانگ کے ساتھ وہ ہر مسئلے میں آگے آگے رہتا تھا اور اسی چیز نے صوفی کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ صوفی خود بھی قومی جذبوں سے مالا مال تھا۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اس کے اپنے اندر کی سلطنت بہت وسیع اور مضبوط تھی۔ اپنا حلقہ احباب اسے ہر طرح کی آسائشیں دیتا تھا۔ ہر قسم کے ذہنی تعاون سے مالا مال تھا۔ اسے بھی کیا پڑی تھی کہ ان چکروں میں پڑتا۔

لیکن..... بس جذبے انسان کو کیا کیا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ انہی جذبوں سے متاثر تھا۔ زندگی کی گاڑی بڑی خوش اسلوبی سے چل رہی تھی۔ حسینہ اور معشوق نشیلے کا کردار بھی باعث دلچسپی تھا اور فرصت کے لمحات میں دونوں کی چونچیں صوفی کو بڑی دلکش لگتی تھیں۔ حسینہ تو خود اسے بھی نہیں چھوڑتی تھیں۔ ایک زبان سے ہزاروں سنا دیتی لیکن صوفی کو بھلا ان باتوں کی کہاں پرواہوتی تھی وہ زندگی کے مزے لے رہا تھا اور کرنل رحیم شاہ کی باتوں پر غور بھی کر رہا تھا۔ اب تک اس نے کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا تھا۔ کرنل رحیم شاہ بھی ان دنوں گرین ہاؤس میں موجود تھا۔ خاصے دن سے یہیں وقت گزار رہا تھا۔ اس کی اپنی دوسری مصروفیات بھی ہوا کرتی تھیں۔

وسیع و عریض زمینیں تھیں اور ان زمینوں کے اپنے مسائل تھے۔ بہر حال من خان کے ہوٹل کی یہ میٹنگ ایک قرارداد کے بعد ختم ہوگئی۔ جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ جمعرات کی شام کو صوفی یہاں آجایا کرے گا اور جمعہ کا پورا دن گزارے گا۔ اگر جمعے کی شام کا یا رات کا کوئی پروگرام نہ ہوا تو پھر وہ واپس چلا جائے گا۔ جمعرات کی رات یا تو محلے میں قوالی ہوگی یا محفل مشاعرہ۔ یا کوئی بھی نشست کھانے پینے کی۔ صوفی نے اس بات کا بھرپور وعدہ کر لیا تھا۔

♥.....♥.....♥

آئی جی نادر حیات کو فون موصول ہوا۔ یہ ڈی آئی جی صاحب کا خاص فون تھا جس کے بارے میں آپریٹر کو ہدایت تھی کہ اہم ترین شخصیتوں سے اس فون پر بات کرائی جائے۔ عام آدمی کے لیے دوسرے فون موجود تھے جن کا تعلق ماتحتوں سے تھا اور اگر کوئی بہت ہی اہم مسئلہ ہوتا تھا تو ماتحت نادر حیات صاحب کو اطلاع دیتے تھے۔ نادر حیات صاحب نے فون موصول کیا۔

"ہاں کون صاحب۔"

"نادر حیات میں احمد عالم بارودوالا بول رہا ہوں۔"

"اوہو..... بارودوالا صاحب کیسے مزاج ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ کی آواز سن کر۔ ورنہ ہم جیسے

لوگوں کو آپ کی آواز کہاں سننے کو ملتی ہے۔"

"ارے بھائی اگر ایسی بات ہے تو میں اپنے ایک لیکچر کو کیسٹ میں ریکارڈ کر کے تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی پہلے بھی کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ آؤ کبھی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ زندگی کے دوسرے کھیل تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ ہماری تمہاری تو بہت پرانی دوستی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ آپ کی مصروفیات کیا چل رہی ہیں۔"

"مصروفیات تو خیر جو کچھ بھی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ذہن پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"خیریت..... خیریت ہم کس مرض کی دوا ہیں بتائیے کیا الجھن ہے۔"

"معاف کرنا یہ تمہارا محکمہ پولیس جو ہے نا اسے بہت ایڈوانس ہونا چاہیے۔ کم از کم اس میں اعلیٰ عہدے داران تو ایسے ہوں جو صورت حال کو سمجھیں یہ محسوس کریں کہ ملک میں کس شخص کی کیا اہمیت ہے۔ یا کیا کہ دوڑے چھوٹے اور اس طرح تحقیق کرنے پہنچ گئے جیسے کسی سڑک چھاپ شخص سے....."

"کوئی خاص بات ہوگئی ہے کیا۔" نادر حیات نے پوچھا۔

"ہاں، یہ غالباً آپ کے محکمے کے ایس پی صاحب ہیں۔ جمشید مرزا کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ صاحب کچھ ضرورت سے زیادہ اچھل کود کے عادی ہیں۔"

"خیریت..... خیریت" نادر حیات نے تعجب سے پوچھا ان دنوں جمشید مرزا کا ریکارڈ بہت اچھا چل رہا تھا۔ ایسے دو تین کیس پکڑ چکے تھے کہ نادر حیات کے دل میں ان کے لیے ایک گنجائش پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن اس بات کی ٹوہ میں خود نادر حیات بھی تھا کہ جمشید مرزا کی سرپرستی کون کر رہا ہے۔ وہ خود جس قدر اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اس کا نادر حیات صاحب کو اندازہ تھا۔ آخر آئی جی کے عہدے تک پہنچے تھے۔ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

بہر حال بارودوالا نے کہا۔

"جمشید مرزا صاحب ایک نوجوان شخص کو لے کر میرے پاس پہنچے تھے جو منشیات کی اسمگلنگ کے کیس میں گرفتار کیا گیا تھا اور پولیس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس شخص نے آپ کے ایس پی صاحب کو بتایا کہ وہ احمد عالم بارودوالا کا بیٹا ہے حالانکہ وہ لڑکا یورپین ہے غالباً لندن سے آیا ہے اس کے نقوش تک یورپین ہیں لیکن ایس پی صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ میرا بیٹا ہے تو انہوں نے مجھ سے فون پر بھی تصدیق کی ضرورت نہیں سمجھی اور اسے لے کر میرے پاس دوڑے چلے آئے نمبر بنانے کے لیے۔ آپ مجھے خود بتائیے کہ کیا میری شخصیت آپ لوگوں کی نظروں میں اتنی ہی معمولی ہوگئی ہے کہ ایک شخص کوئی فضول بات کہہ دے اور آپ کا آفیسر میرے پاس چڑھ دوڑے اول تو ایسے کسی شخص کو میرے پاس لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ دوئم اگر لے بھی آئے تھے تو ایسے الفاظ میرے کانوں میں نہیں پڑنے چاہیے تھے۔

میں اعصابی مریض ہوں بہر حال میں نے انہیں حقیقت حال بتائی اور اس کے بعد سے اب تک میں ذہنی ہیجان کا شکار ہوں۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ میرے دل و دماغ پر کیا گزری ہے۔ نادر حیات تھوڑی

دیر تک تو سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ احمد عالم بارودوالا کی ملک میں کیا حیثیت ہے ایسا کوئی آدمی اگر محکمہ پولیس کی شکایت کرے اور اس طرح کی بات جو جمشید مرزا جیسا بے وقوف آدمی کرے تو یہ تو محکمے کی بدنامی تھی اور اس کی جواب دہی براہ راست نادر حیات صاحب پر آجاتی تھی۔ باقاعدہ وزیراعلیٰ صاحب اس سلسلے میں پازپرس کرسکتے تھے۔ نادر حیات نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"بارودوالا صاحب آپ نے اس سے پوچھا نہیں کہ وہ کون شخص تھا اور ایسا کیوں کرنا چاہتا تھا۔"

"یار کمال کرتے ہو۔ میں اس ایس پی سے اس طرح سے سوالات کرتا۔ البتہ میں نے اسے سختی سے منع ضرور کردیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میں آپ سے شکایت کروں گا۔ بات یہ ہے کہ نادر صاحب کہ ہمارے بے پناہ دشمن ہوتے ہیں۔ دوست کم اور دشمن زیادہ اور دشمنی بھی ان کی اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے آپ کو اس بات کا اندازہ ہے کہ یہ دشمن نہ صرف ملک بلکہ ملک سے باہر تک پھیلے ہوئے ہیں۔ میرے کاروباری حریف بھی مجھے ہر طرح کی زک پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں میرے سامنے اور دس ہزار گناہ زیادہ ریشہ دوانیاں کرلیں۔ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لیکن آپ خود دیکھ لینا یہ تصور ہی کیا کم ہے کہ کوئی میرے خلاف سازش کرنے کے لیے خود میرے سر پر پہنچ جائیں۔

"واقعی..... آپ مجھے بتایئے کہ میں اس سلسلے میں کیا کروں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ان ایس پی صاحب کے ذرا کان کھینچ دیجیے گا۔ اس کے علاوہ آپ انہیں ہدایت کریں کہ ذرا اس شخص کا شجرہ نسب معلوم کریں۔ کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے اور کس مقصد کے تحت آیا ہے۔ اگر اسمگلر ہے تو میرے نام سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور مجھے باپ بنانے پر کیوں تلا ہوا ہے۔"

"ویسے بات ذرا کچھ عجیب سی ہے باپ بنانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے بڑا متبرک رشتہ ہے۔"

"جی ہاں۔ متبرک تو ہے لیکن ان کے محرکات سے آپ واقف نہیں ہیں۔ احمد عالم بارودوالا نے بھی خوشگوار لہجے میں کہا۔

"بالکل فکر نہ کریں احمد عالم ویسے وہ نوجوان کیا ابھی تک جمشید مرزا کی تحویل میں ہے۔"

"ارے آپ یہ سوال مجھ سے کر رہے ہیں۔ جناب اعلیٰ محکمہ پولیس کے انسپکٹر جنرل آپ ہیں میں نہیں ہوں۔" احمد عالم بارودوالا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں..... ہاں جی بہت بہت شکریہ۔ اس یاددہانی کا۔ آپ مطمئن رہیں مجھے خود افسوس ہے اس بات کا اور میں ابھی اس سلسلے میں معلومات حاصل کیے لیتا ہوں۔ ویسے ایک بات آپ اپنے ذہن سے نکال دیجیے۔ زبردستی کون کسی کو باپ بنا سکتا ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"یار میری بات سنو ذرا توجہ سے اس مسئلے کا حل سوچو۔ میں ہمیشہ اپنی عزت سے ڈرتا رہتا ہوں۔ اچھا ٹھیک ہے آؤ کسی وقت کھانا کھاؤ میرے ساتھ۔"

"ہر بڑا آدمی کسی کو ٹالنے کے لیے ایسی ہی بات کہتا ہے۔" نادر حیات نے کہا اور احمد عالم بارودوالا نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ فون بند کردیا۔ آئی جی نادر حیات کافی دیر تک ان واقعات پر غور کرتا رہا۔ بات واقعی ذرا تعجب خیز تھی۔ کوئی غیر ملکی نوجوان اس طرح آکر احمد عالم بارودوالا سے اپنی واقفیت کا ذکر کیوں کر رہا ہے

ویسے اس کے بہت سے عوامل ہوسکتے ہیں۔ احمد عالم بارودوالا کی دولت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس طرح کوئی اس کے بیٹے کی حیثیت سے سامنے آکر ہوسکتا ہے بارودوالا کو بلیک میل کرنا چاہتا ہو۔ بہرحال صحیح فیصلہ اس نوجوان سے ملاقات کرکے ہی کیا جاسکتا ہے وہ خود بھی اس نوجوان سے ملنے میں اشتیاق محسوس کر رہے تھے جو اس طرح کا کوئی کھیل کھیل رہا ہو۔ چنانچہ انہوں نے ڈی آئی جی سے رابطہ قائم کیا اور انہیں مختصر تفصیل بتاتے ہوئے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ وہ اس نوجوان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اسے ان کے آفس میں لے آیا جائے۔ ڈی آئی جی صاحب نے کہا کہ وہ بہت جلد اس نوجوان کو خود لے کر حاضر ہوں گے۔

"لیکن آدھے گھنٹے بعد نادر حیات کو ڈی آئی جی کا فون موصول ہوا۔

"سر! ذرا سی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ جمشید مرزا نے اس شخص کو رہا کردیا ہے۔"

"کیا۔" نادر حیات حلق پھاڑ کر چیخے۔

"وہ سر! دراصل جمشید مرزا نے عجیب وغریب کہانی سنائی ہے اس نے بتایا کہ کسٹم حکام نے اس کے سامان سے ایک سفید رنگ کا پاؤڈر برآمد کیا تھا۔ جس پر انہیں ہیروئن کا شبہ ہوا تھا اور اصل میں اسے اسی سلسلے میں پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ جہاں اس نے یہ ڈراما کیا اور بتایا کہ وہ احمد عالم بارودوالا کا بیٹا ہے اور جمشید مرزا اسے لے کر بارودوالا کے پاس پہنچ گئے۔ بارودوالا صاحب نے بھی جمشید مرزا کو کافی ڈانٹ ڈپٹ کی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے اس طرح کیوں لے کر آیا۔

لیکن بہرحال جمشید مرزا کا نظریہ غلط نہیں تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کا نام سن کر احترام کے طور پر اسے لے کر گیا تھا۔ واپسی پر جمشید مرزا خود بہت پریشان تھا۔ تب نوجوان نے اس سے کہا کہ اسے گرفتار رکھنا حبس بے جا کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اس نے کوئی ناجائز حرکت نہیں ہے۔ وہ سفید پاؤڈر لپسا ہوا سفید پتھر ہے جسے وہ کسی خاص ضرورت کے طور پر اپنے ساتھ لایا ہے بہرصورت اس کے اس دعوے پر جمشید مرزا نے لیبارٹری سے اس پاؤڈر کی رپورٹ حاصل کرلی اور اسے یہ رپورٹ موصول ہوگئی کہ وہ صرف لپسا ہوا پتھر ہے جس میں کوئی نشہ آور چیز بھی شامل نہیں ہے۔ نوجوان نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اسے حبس بے جا میں رکھا گیا تو وہ اپنے سفارت خانے کے ذریعے ان لوگوں سے جواب طلبی کرے گا۔ چنانچہ جمشید مرزا نے اسے غیر ملکی ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

"چھوڑ دیا۔" نادر حیات نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سر بات تو ٹھیک ہی تھی کیونکہ اس کے بعد اس کے گرفتار رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی صرف یہ بات اسے زیر حراست نہیں رکھوا سکتی تھی کہ وہ خود کو ایک بڑے آدمی کا بیٹا بتاتا ہے۔"

"پھر بھی بات ایک بہت بڑے آدمی کی تھی۔ جمشید مرزا کو اس سلسلے میں اپنے محکمے سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا۔"

"سر! میں نے عرض کیا ناں کہ وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا۔ نادر حیات تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"جمشید مرزا انتہائی احمق اور ناکارہ انسان ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا

تھا۔ بہر حال آئی جی نادر حیات نے فون بند کر دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

♥.....♥.....♥

نوجوان اختر سہیل کو چھوڑ دیا گیا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکل کر وہ بڑے مست انداز میں سیٹی بجاتا ہوا اپنے سامان کے ساتھ پیدل چل پڑا ایک کھلنڈرا اور لا ابالی نوجوان معلوم ہوتا تھا وہ۔ شکل وصورت انتہائی دیدہ زیب، قد وقامت بہت ہی خوبصورت، بدن ورزشی، گہری نیلی آنکھیں جن میں مشرق ومغرب کا امتزاج تھا۔

بہر حال وہ پیدل چلتا رہا۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر میں ایک ٹیکسی اس کے پاس آ کر رک گئی۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ انتہائی دھان پان سوکھے اور دبلے بدن کا مالک عمر اچھی خاصی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن آنکھیں قیامت کی تھیں بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھیں یوں لگتا تھا کہ اس کے سارے بدن کی جان ان آنکھوں میں ہی ہو۔ اس کا قد بہت ہی چھوٹا تھا۔ بمشکل تمام چار فٹ کا رہا ہوگا۔ یہ شخص بھی جہاز کے سفر میں اختر سہیل کا ساتھی تھا۔ بظاہر دونوں کے درمیان کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اس طرح اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ جیسے مسلسل اس کے پیچھے لگا رہا ہو۔ اس نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

"ہیلو جان۔"

"ہیلو ٹارزن" نوجوان نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور اب تک نیچے اتر گیا تھا۔ اس نے اختر سہیل کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے کر پیچھے کی ڈگی کھولی ڈگی میں شاید اور بھی سامان تھا۔ عمر رسیدہ شخص جسے ٹارزن کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ منتظر نگاہوں سے اختر سہیل کو دیکھ رہا تھا اور جب اختر سہیل پچھلی نشست پر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تو ٹارزن نے کہا۔

"ہوٹل میرینو" ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں فائیو اسٹار ہوٹل میرینو کے سامنے رک گئے جیسے ہی سامان اتارا گیا۔ ایک پورٹر نے آگے بڑھ کر نوجوان کا سامان اٹھا لیا۔ اس کے بعد وہ لفٹ کے ذریعے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک خوبصورت کمرہ ان کا منتظر تھا۔ چار فٹے ٹارزن کے سامان میں اس نوجوان کے لباس وغیرہ موجود تھے۔ چنانچہ اس شخص نے کسی فرض شناس ملازم کی طرح ایک لباس نکال کر واش روم میں لٹکایا اور پھر اس سے کہا۔

"لباس تبدیل کر لو۔" اختر سہیل باتھ روم میں داخل ہو گیا تھا۔ اندر سے پانی گرنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور جو شخص ٹارزن کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر پاؤں ہلاتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اختر سہیل لباس تبدیل کر کے باہر آ گیا۔ وہ اب باہر آیا تو ٹارزن خود بھی باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ اختر سہیل ٹیلی فون کے پاس پہنچا اور اس نے روم سروس کے لیے زیرو ڈائل کیا اور اس کے بعد کھانے پینے کی چیزیں نوٹ کرانے لگا۔ پھر جس وقت عمر رسیدہ شخص باہر نکلا تو دو ویٹر کھانے پینے کی چیزیں لے کر پہنچ گئے اور انہیں سرو کر کے باہر چلے گئے۔

اس دوران مکمل طور پر خاموشی طاری رہی تھی۔ دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے یوں لگتا تھا جیسے

کہ کافی بھوکے ہوں۔ لوازمات بھی اچھے خاصے منگوائے گئے تھے۔ بہر حال چار فٹا آدمی اپنی خوبصورت آنکھوں سے اختر سہیل کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ہیلو۔"

"ہاں انکل ٹارزن میں سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ سوری۔"

"یہ بتاؤ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے۔"

"نہیں انکل آپ جانتے ہیں کہ جس چیز سے ہمیں پریشانی ہوتی ہے ناں وہ میرے قریب سے بھی نہیں گزرتی۔"

"دیکھو میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بڑا بول مت بولا کرو۔ ہمیشہ سامنے آتا ہے۔ بزرگ احمق نہیں تھے اور پھر یہ تو مذہبی بات ہے کہ غرور کا کوئی لفظ اپنے منہ سے مت نکالا کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اجنبی ملک ہے اور ہم اس کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ ہمیں یہاں کسی طور بھی غیر محتاط نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں انکل ٹارزن اجنبی نہیں ہے یہ ملک میرے باپ کا ملک ہے یا آپ یوں سمجھ لیجیے کہ میرا آبائی وطن ہے یہ اجنبی کیسے ہو گیا میرے لیے۔ میری ماں نے مجھے اس سے اچھی طرح روشناس کرایا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھے ابھی اپنوں میں جگہ نہیں ملی اور مستقبل میں اس کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔"

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا رہا۔"

"کچھ نہیں میرے باپ نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں مجھے تھوڑی سی غلط فہمی ہوئی ہے، انکل ٹارزن! میرا خیال تھا کہ ممکن ہے احمد عالم بارودوالا کو اپنی حماقتوں کا احساس ہو چکا ہو۔ وہ مجھے دیکھ کر جذباتی ہو جائیں اور انہیں یاد آ جائے کہ انہوں نے ماضی میں کیا کچھ کیا ہے۔ وہ مجھے اپنا بیٹا تسلیم کر لیں لیکن یوں لگتا ہے کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔"

"ٹھیک ہے انگلیاں ٹیڑھی کر لی جائیں گی۔"

"کرنا پڑیں گی انکل ٹارزن کرنا پڑیں گی۔ لیکن اس کے لیے ہمیں کافی جدوجہد کرنا ہوگی۔ کیونکہ میں بھی اور آپ بھی بارودوالا کی حیثیت کو جانتے ہیں۔"

"میں ہر طرح کی جدوجہد کے لیے تیار ہوں۔ تم بتاؤ ابتدا کہاں سے کرو گے۔"

"سب سے پہلے ہمیں یہاں اپنے قدم جمانے ہوں گے۔ ہمارا سفارت خانہ یقیناً ضرورت پڑنے پر ہماری مدد کرے گا۔ لیکن میرا خیال ہے ہمیں اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمیں سب سے پہلے کسی مکان کا بندوبست کرنا ہے یہ ہوٹل ہمیں سوٹ نہیں کرتے۔ کسی ہوٹل میں رہ کر ہم ہمیشہ ان کی نگاہوں کے سامنے رہیں گے۔ اگر کوئی پرائیویٹ گھر ہوگا تو ہم اس میں گم ہو جائیں گے اور اس کے بعد اپنی کارروائیوں کا آغاز کرنا ہمارے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔

"ویسے میں اس دوران تمہارا تعاقب ہی نہیں کرتا رہا بلکہ میں نے بھی یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ تمہیں پولیس اسٹیشن چھوڑنے کے بعد میں کچھ دیر کے لیے تم سے دور ہو گیا تھا۔

ویسے تو میں تمہیں مستقل نگاہوں میں رکھنا چاہتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے تمہاری گلو خلاصی اتنی آسانی سے نہیں ہوگی۔

خیر ہمیں پرائیویٹ مکان بڑی آسانی سے مل جائے گا۔ پراپرٹی ڈیلر یہ کام بڑی برق رفتاری سے کر دیتے ہیں۔ میں نے کئی پراپرٹی ڈیلروں کے بورڈ دیکھے ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے انکل نارزن آپ جائیں اور کسی مکان بندوبست کریں تاکہ ہم اپنے کام کا آغاز کریں۔"

"ٹھیک ہے میں اٹھ جاتا ہوں۔" چارفٹے نارزن نے کہا۔ یہ نام شاید مضحکہ اڑانے کے لیے ہی رکھا گیا تھا۔ کیونکہ انکل نارزن کا پورا وزن چالیس پینتالیس کلو ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ تھوڑا بہت زیادہ ہو۔ بہرحال وہ بڑی مستعد اور جاندار شخصیت کے مالک تھے۔ اور یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ان کی صحیح عمر کیا ہے جو کام ان کے سپرد کر دیا گیا تھا اسے بھی انجام دینے میں انہوں نے انتہائی برق رفتاری کا مظاہرہ کیا اور ایک انتہائی خوبصورت اور چھوٹا سا گھر انہیں کرائے پر حاصل ہوگیا۔ ہر طرح کی ضرورتوں سے آراستہ تھا۔ سوائے اس کے کہ بس فریج خالی تھا۔ ظاہر ہے کھانے پینے کی چیزیں خود ہی حاصل کرنا ہوتی ہیں۔ اس مکان کو دیکھ کر اختر سہیل نے سیٹی بجائی اور مسکرا کر بولا۔

"آپ نارزن سے زیادہ پھرتیلے اور مستعد ہیں۔ انکل لوگ آپ کو دیکھ کر نہ جانے آپ کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اپنے اصل قد سے دس گنا زیادہ ہیں اور ہر چھوٹا اور بڑا کام چٹکی بجا کر کر لیتے ہیں۔ اس طرح کہ بعض اوقات مجھے بھی یقین نہیں آتا۔"

"اچھا اب میری تعریف چھوڑو۔ یہ بتاؤ اپنے کام کی ابتدا کب کرو گے۔"

"آج آرام کل سے کام۔"

"اوکے میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا ہوں۔"

"خدا حافظ انکل خدا حافظ" اختر سہیل نے کہا اور چھوٹا سا نارزن اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

♥.....♥.....♥

حسینہ نے ایک ٹی وی پروگرام دیکھا تھا۔ اس پروگرام میں ایک خاتون بیوٹی ٹپس دے رہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔

"بے شمار معاملات میں دوائیں اس قدر کارگر نہیں ہوتیں جتنا انسان کی اپنی ذات کا عمل۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا چہرہ خوب صورت نظر آئے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا سیاہ رنگ سفید ہو جائے تو اس کے لیے آپ کو ایک معمولی سی کوشش کرنا ہوگی اپنے چہرے کو مسکراہٹوں سے سجائے رکھیں۔ اپنی آنکھوں کو محبت کی روشنی دیں۔ اپنے ہر عمل کو اس طرح سے دوسروں کے سامنے ظاہر کریں کہ دوسرا آپ کے بارے میں اچھے انداز میں سوچے اور پھر کچھ ہی دنوں کے اندر اندر آپ اپنی ذات میں ایک ایسی تبدیلی دیکھیں گی جس پر آپ کو خود بھی یقین نہیں آئے گا آپ کا سیاہ رنگ سفید ہونے لگے گا۔ لوگ محبت سے آپ سے گفتگو کریں گے۔ پیار سے آپ کو دیکھیں گے۔ آپ بس تھوڑا سا تجربہ کر کے میری اس بات کو آزما سکتی

ہیں۔ حسینہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔"

"ہائے میرے مولا اتنی معمولی سی بات لیکن وہی ہے نا کہ جب تک حکیم صاحب سے بات نہ کرو پتا کہاں چلتی ہیں ایسی باتیں یہ تو کوئی بڑی بات ہی نہیں۔ پھر پہلا اتفاق صوفی کے ساتھ ہی ہوگیا۔ لباس وغیرہ تبدیل کر کے کہیں باہر جا رہا تھا۔ کمرے سے نکلتے ہی حسینہ نظر آ گئی۔ صوفی کو دیکھ کر مسکرائی اور صوفی تھوک نگلنے لگا۔

"کپڑے مجھے دے دیا کرو استری کرنے کے لیے پھیلے کپڑے تو یوں لگتے ہیں جیسے پتلون بانس پر ٹانگ دی ہو۔ اے میں تو کہتی ہوں جب تم شیروانی اور پائجامہ پہنتے ہو تو شہزادے ہی لگتے ہو پورے کے پورے اپنا لباس چھوڑ کے دوسروں کے لباس کے پیچھے بھاگنا کوئی عقلمندی کی بات تو نہیں ہے۔ صوفی حیرت سے منہ پھاڑے یہ زریں الفاظ سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"در.....در.....درویش رحم کریں آج آپ کا لہجہ بڑا عجیب ہے حسینہ بیگم۔"

"لو عجیب لہجے ہی نے تو مجھے فائدہ دیا ہے۔"

"اچھا کیا۔"

"یہی کہ تم نے مجھے کالی کلوٹی بینگن لوٹی کے بجائے حسینہ بیگم کہا ہے اس سے پہلے تو مجھے تم یہ بتاؤ تم نے کبھی بیگم کہا۔

"بیگم تو میں نے آج تک کسی کو نہیں کہا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"اے تو مجھے تو کہا، دیکھا ناں کیا فائدہ ہوا مجھے ویسے سچ کہہ رہی ہوں اب بغیر استری کے کپڑے مت پہنا کرو، لو بھئی، میں گھر میں موجود ہوں اور میرے سامنے تمہاری یہ حالت ہو۔ نہ بابا نہ اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے۔

"جج.....جج جی ضرور دکھایئے" صوفی نے کہا اور غڑاپ سے باہر نکل گیا۔ حسینہ بیگم کی مسکراہٹ بڑی گہری تھی۔

"لو بھیا پہلے ہی مرحلے پر دیکھو کتنا فائدہ ہوا ہے" حسینہ بیگم نے کہا اور اس کے بعد اپنے کاموں میں مصروف ہوگئیں۔ سارے تجربے آج ہی ہو جانے تھے۔ بالکل اسی وقت اتفاقیہ طور پر معشوق نشیلے بھی ادھر آ نکلے تھے۔ بیل بجائی دروازہ تو حسینہ بیگم کو ہی کھولنا تھا۔ معشوق نشیلے نے جیسے ہی دروازے کو دیکھا ایک دم سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔"

"ارے پھڈک کیوں رہے ہو۔ اندر آؤ۔" حسینہ بیگم بولیں۔

"مم.....مم مار دگی تو نہیں" معشوق نشیلے نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں اللہ مارے گا۔ میں بھلا کسی کو کیا مار سکتی ہوں۔ اب کھڑے کھڑے منہ ہی دیکھتے رہو گے۔ یا اندر بھی آؤ گے۔" آج حسینہ بیگم کے لہجے میں کرختگی نہیں تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔" اندر بلانے کے بجائے وہ باہر بھگانے میں زیادہ دلچسپی لیتی تھیں معشوق نشیلے نے حیرت سے حسینہ بیگم کو دیکھا پھر بولا۔

"کک.....کوئی سازش تو نہیں کر رہی ہو فارسہ میں۔"

''اب یہ فارسہ اور پارسہ تو میں جانتی نہیں ہوں اور میں بھلا کیا سازش کروں گی تمہارے بارے میں اب دیکھو خواہ مخواہ غصہ دلا رہے ہو۔ دروازے پر کھڑے ہو گے کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔''

''کیا سوچے گا۔'' معشوق نشیلے مسکراتے ہوئے اندر آ گئے۔

''سوچے گا لڑکا لڑکی باتیں کر رہے ہیں۔ پتا نہیں کیا چکر ہے۔'' حسینہ نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا اور معشوق نشیلے کئی فٹ اونچے اچھل پڑے۔

''للل..... للل..... لڑکا..... للل..... للل..... لڑکی۔''

''یہ للل..... للل کیا ہوتا ہے آؤ اندر آؤ۔ آج میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر کھلاؤں گی۔''

''ارے مم..... مر گیا..... مر گیا..... پپ..... پہلے ہی سے مر گیا۔'' معشوق نشیلے نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''کہاں مرے۔ بول تو رہے ہو۔ حسینہ نے کہا۔ معشوق نشیلے اندر پہنچ گیا تھا۔

''حسینہ بیگم تمہیں خدا کا واسطہ بتا تو دو کیا کرنے والی ہو۔''

''میں کچھ نہیں کرنے والی۔ اچھا یہ بتاؤ چائے پیو گے۔'' معشوق نشیلے دھم سے فرش پر بیٹھ گیا۔

''ارے..... ارے آ گئے ناں اوقات میں۔ صحیح جگہ بیٹھے ہو۔''

''حسینہ بیگم..... حسینہ بیگم آج تم اتنی نرم کیسے ہو رہی ہو۔''

''نرم ہو رہی ہوں.....'' حسینہ نے کہا۔

''کمال ہے..... کمال ہے اس وقت تو ایک شعر یاد آ رہا ہے۔ فارسہ میں۔''

''سناؤ'' حسینہ بولی اور معشوق نشیلے اوندھے ہو گئے۔ حسینہ اور شعر سننے کی فرمائش کرے بہر حال ان پر بری بیت رہی تھی۔ حسینہ واقعی خوبصورت بننے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی خوبصورت بنتی جا رہی تھی۔

♥.....♥.....♥

احمد عالم بارودوالا اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ انتہائی وسیع و عریض میز پر بہت سے ٹیلیفون رکھے ہوئے تھے۔ انٹرکام بھی موجود تھا اور اس وقت وہ انٹرکام پر اپنی سیکرٹری کو کچھ ہدایت دے رہے تھے۔ خوبصورت اور صحت مند بدن کے مالک تھے۔ چہرے کے نقوش میں ہر وقت ایک پرسکون کیفیت طاری رہتی تھی۔ لیکن اس وقت اس چہرے پر ہلکی سی پیلاہٹ پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں بے چینی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی پریشانی کا شکار ہیں۔ انٹرکام رکھ کر وہ کچھ سوچنے ہی لگے تھے کہ اچانک پھر اشارہ موصول ہوا اور انہوں نے انٹرکام کا سوئچ آن کر دیا۔

''ہاں بولو۔'' انہوں نے سیکرٹری سے کہا۔

''باس! ایک ٹیلی فون آیا ہے وہ شخص کہتا ہے کہ صرف آپ ہی سے بات کرے گا۔ بہت ضروری کام ہے لیکن نام نہیں بتا رہا اپنا۔''

''بات کراؤ۔'' احمد عالم بارودوالا کے ہاتھوں میں ہلکی سی لغزش پیدا ہو گئی تھی پھر قریب رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو، کیا احمد عالم صاحب بات کر رہے ہیں۔''

''ہاں بول رہا ہوں کون ہو تم۔'' بارودوالا نے بھاری لہجے میں کہا۔

''آپ کا لختِ جگر، نورِ نظر اور خادم کو سہیل عالم بارودوالا کہتے ہیں۔ دوسری طرف سے آواز آئی اور احمد عالم کرسی کی پشت سے لگ گئے۔ ان کے چہرے کے رنگ میں سرخی نمودار ہوتی جا رہی تھی اور بدن میں ہلکی ہلکی تھرتھری ہو گئی تھی۔ کچھ لمحات تو وہ کچھ نہ بول سکے لیکن دوسری طرف سے پھر آواز سنائی دی۔

''ہیلو بارودوالا صاحب'' اور وہ چونک کر سیدھے ہو گئے۔

''کیا چاہتے ہو تم اور کیوں مجھ سے یہ فضول باتیں کر رہے ہو۔''

''ڈیڈی، ممی کے پاس آپ کی تصویر نہ ہوتی تو آپ یقین کیجیے کہ بلاشبہ میں آپ کی اداکاری کا شکار ہو جاتا۔ لیکن بدقسمتی سے جو تصویر مجھے میرے بچپن سے آج تک میرے باپ کی حیثیت سے دکھائی گئی ہے وہ میں بھول نہیں سکتا۔ لمبی کہانی ہے ڈیڈی اگر آپ کے دل میں کبھی میرے لیے نرمی پیدا ہو۔ تو میری یہ کہانی ضرور سن لیجیے۔ تھوڑی سی تفصیل چند الفاظ میں بتائے دیتا ہوں۔ ڈیڈی ممی کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس بھری دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ ڈیڈی میں نے یورپ کے ماحول میں تعلیم حاصل کی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری اردو کتنی صاف ہے اور اس کی بنیادی وجہ پتا ہے کیا ہے ڈیڈی بنیادی وجہ یہ کہ میں نے ہمیشہ آپ سے محبت کی ہے۔ آپ کی قومیت اور آپ کے وطن سے پیار کیا ہے۔ بچپن میں مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ مر چکے ہیں۔ لیکن جب میں بڑا ہوا تو اور باتیں بھی سنیں مجھے پتا چلا کہ میں بھی یورپ کی اسی نسل کا ایک فرد ہوں جن میں بن باپ کا ہونا کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ ڈیڈی، ممی نے جب سے آپ کا مذہب اپنایا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اس کی اچھی باتوں کو اپنے آپ پر حاوی رکھا اور آپ جو کچھ کر کے آئے تھے اسے بھی بھلا دیا۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے بارے میں ہمیشہ یہ ہی بتاتی رہیں کہ آپ مر چکے ہیں۔ ورنہ شاید ہم بہت پہلے حساب کتاب کر لیتے۔

جب ممی نے مجھے ساری حقیقت سے روشناس کرایا یہ وہ وقت تھا جب ممی جان کئی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ انہوں نے مرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے انتقام نہ لوں۔ بلکہ کوشش یہ کروں کہ آپ مجھے اپنے سائے میں لے لیں اور ڈیڈی یہی جذبہ لے کر میں یہاں آیا ہوں۔ آپ نے جو کچھ کہا اب تک تو میں نے اسے برداشت کر لیا لیکن اگر آپ نے اسے جاری رکھا تو میں پھر ممی سے کیے ہوئے وعدے کو نبھا نہیں سکوں گا۔''

''تم مجھے ایک بلیک میلر معلوم ہوتے ہو جو ایک من گھڑت کہانی لے کر میرے پاس آئے ہو۔ لیکن بے وقوف لڑکے تم جو کوئی بھی ہو میری حیثیت سے واقف نہیں ہو۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ پہلے یہاں رہ کر میرے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ جب تمہیں علم ہو جائے کہ میں کیا ہوں اس کے بعد فیصلہ کرنا۔ اگر تم مجھے بلیک میل ہی کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارا خیر مقدم کروں گا۔''

''احمد بارودوالا صاحب! آپ اپنے لہجے کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اندر سے آپ کی حالت بہت خراب ہے بہتر یہ ہو گا کہ ہم دونوں ایک بات کا فیصلہ کر لیں۔ میں یہ

چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے حلقہ احباب میں اپنا بیٹا کہہ کر روشناس کروائیں مجھے آپ کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس مجھے اپنے نام کے ساتھ وہ داغ مٹانا ہے جو ہر بن باپ کے بیٹے پر لگ جاتا ہے اور اگر اس سلسلے میں آپ نے کوئی دلچسپی نہ لی تو میں آپ کا جینا مشکل کر دوں گا۔ بلیک میلنگ کر کے تو ڈیڈی رقومات حاصل کی جاتی ہیں۔ یا کوئی ایسا مفاد حاصل کیا جاتا ہے جو انسان کے ذہن میں ہو۔ میں صرف اپنی شخصیت کا تعین چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ جواب دیجیے ڈیڈی ہاں یا نہیں کہیں گے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں دیکھیں صرف ہاں یا نہیں میں جواب دیں۔ فیصلہ ابھی اور اسی وقت ہو جائے گا۔"

"کچھ بھی نہیں کر سکتے تم سمجھے۔ بکواس کرتے رہو۔ تم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے کہ اپنی زندگی خراب کر بیٹھو۔" احمد عالم بارود والا نے کہا اور ٹیلیفون بند کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید دوبارہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجے گی لیکن پھر گھنٹی نہیں بجی ٹیلیفون بند کرنے کے بعد وہ کرسی سے ٹک گئے تھے۔ ان کا چہرہ پیلاہٹ سے بدل کر اب گہرا سرخ ہو گیا تھا اور آہستہ آہستہ یہ سرخی، زردی میں تبدیل ہونے لگی۔ آنے والے وقت کے احساس سے وہ بے چین ہو گئے تھے۔ چند لمحات سوچنے کے بعد انہوں نے دوبارہ ٹیلی فون اٹھایا۔ وہ ٹیلی فون جس کی ڈائریکٹ لائن تھی اور اس بار وہ فون پر محکمہ داخلہ کے شاہ میر کے نمبر ڈال کر رہے تھے۔

♥.....♥.....♥

وقت مل گیا تھا اور اس وقت گلی میں شامیانہ لگا ہوا تھا۔ ممن خان نے اپنے ہوٹل میں تمام اہل محلہ کے لیے چائے مفت کر دی تھی۔ بڑا زبردست اہتمام کیا گیا تھا۔ شامیانہ لگا ہوا تھا۔ دری بچھی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ حقے رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے اگالدان رکھے گئے تھے۔ تانبے کے نقشین پاندان قلعی کیے ہوئے موجود تھے۔ پانوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے۔ انتہائی نفیس قسم کی تھالی پانوں کے لیے موجود تھی۔ شعراء میں تصدق حسین پارہ بنکوی، ابن بلبل عبدالرؤف آتش، گاؤ تکیے لگائے بیٹھے ہوئے تھے اس کے علاوہ فارسہ کے شاعر معشوق نشیلے بھی موجود تھے۔ درمیان میں صوفی صاحب کے لیے ایک بڑا سا گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ صاحب صدر تھے۔

شعرا آ رہے تھے اور جوتیاں اتار، اتار کر مسند پر پہنچ رہے تھے۔ صوفی صاحب کے قریب اگال دان رکھا ہوا تھا۔ دونوں پپوٹے ہوئے گال درمیان میں سے پھولے ہوئے تھے۔ شاید خوشی میں ایک کے بجائے دو گلوریاں گالوں میں دبالی گئی تھیں۔ پیک سے اگال دان آدھے کے قریب بھر چکا تھا۔ تمباکو بھرا بلکہ قوام بھرا پان منہ میں موجود تھا اور شعرا کی گوہر افشانیاں ہو رہی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اچھے اشعار سنائے جا رہے تھے۔ ہر ایک کو اجازت تھی کہ اپنی پسند کا شعر سنائیں اور داد وصول کریں عبدالرؤف آتش صاحب نے ایک بہت ہی خوبصورت شعر سنایا۔

اچھی نہیں نزاکت احساس اس قدر
شیشہ اگر بنو گے تو پھر بھی آئے گا

ابن بلبل صاحب جو صحیح معنوں میں بلبل کی طرح تھے انہوں نے شعر پڑھا

کہ وہ بدنصیب ہوں میں جسے دنیا والوں نے
وفا کے نام پر لوٹا مٹا کر چھوڑ دیا۔

اس کے بعد ایک اور شاعر نے شعر سنایا.....

پتھر کو جانتے تھے مگر پوجتے رہے
اہل وفا تھے اور مروت کی بات تھی

داد ملتی رہی صوفی صاحب خوب جھومتے رہے اور اس کے آگے محفل اچانک بگڑ گئی۔ گڑبڑ لکھنوی نے شعر سنایا۔

بوقت تنگ دستی آشنا بیگانہ می گردد
صراحی چوں شود خالی دے پیانہ می گردد
وہی بیوی کہ جوڑا جس کا ریشم سے دیا کڑھوا
وہی بیوی کہ گہنا جس کو سونے کا دیا جڑوا
وہی بیوی مجھے اب مفلسی میں کہتی ہے
بوقت تنگ دستی آشنا می گردد

آہ اور واہ کا ایسا طوفان اٹھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بڑی داد ملی بڑا شور ہنگامہ ہوا اور اس کے بعد اسی طرز کے ایک دوسرے شاعر میدان میں آ گئے۔ فرمانے لگے۔

ایک بے وفا نے پھیر لیں آنکھیں تو کیا ہوا
ہم نے بھی دل لگایا ہے دو، تین، چار سے
چرچا یہ ہو رہا تھا کہ کلو کی لونڈیا
ملنے کو روز جاتی ہے نتھو لوہار سے
کل مے کدے میں شیخ کے کپڑے اتر گئے
یا رب ہمیں بچائیو ایسے ادھار سے

شور و غوغا کا طوفان آسمان کو چھونے لگا۔ پھر معشوق نشیلے کی باری آئی اور معشوق نشیلے صاحب نے فارسہ میں بہت کچھ سنایا۔ غالب، اقبال، تمام اساتذہ کے مشہور شعر اس وقت معشوق نشیلے کی ملکیت بن گئے تھے اور وہ خوب زبان کی صفائی دکھا رہے تھے۔ وہ ہر شعر میں مونث کو مذکر کر کے پڑھ رہے تھے اور اس کا مفہوم کچھ بھی نکلے کوئی بگاڑے ان کا اعتراض ہوتا تو کہہ دیا جاتا کہ فارسی میں نہیں بلکہ فارسہ میں ہے۔ یہ طوفان بدتمیزی چل رہا تھا کہ صوفی کو موبائل فون پر کال ملی۔ کرنل رحیم شاہ کی کال تھی۔

"ہیلو صوفی صاحب کہاں ہیں۔"

"مسند صدارت پر درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"اتر آیئے۔"

"بہتر حکم۔"

"ملنا ہے۔"

"فوراً"

"نہیں اگر کوئی مصروفیت ہے تو دوسری بات ہے۔"

"غزل سنا کر ابھی آتا ہوں۔"

"غزل سنا کر؟"

"مم......مم......میرا مطلب ہے در......در......درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"میں انتظار کر رہا ہوں۔" کرنل رحیم شاہ نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ صوفی اب کسی قدر بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ کرنل رحیم شاہ کے لہجے کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ضرور کوئی ایسی ہی اہم بات تھی۔ بہرحال......"

♥......♥......♥

ندا سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ بے پناہ دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ احمد عالم بارو والا کو خود بھی اپنی دولت کے بارے میں صحیح طور پر علم نہیں تھا کہ کتنی ہے ماہانہ آمدنی اتنی تھی کہ لوگوں کی کل دولت اتنی نہیں ہوتی۔ لیکن بہ ذات خود اب وہ زندگی کی ہنگامہ خیزیوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے البتہ اولاد بڑے ناز و نعم میں پرورش پا رہی تھی۔ خود ندا کا خرچ اتنا تھا۔ جتنی بے شمار افراد کی سالانہ آمدنی۔ روپے پیسے کی کبھی کوئی تکلیف تصور میں بھی نہیں آئی تھی۔ بہت سے اداروں کی سرپرست تھی۔ نرم دل اور خوشامد پسند واقع ہوئی تھی اس لیے ضرورت مند بڑی آسانی سے اس کی گردن پر چھری پھیر لیا کرتے تھے۔

باپ کبھی بیٹی کے کام میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ خود بھی جدید دور کے دلدادہ تھے۔ اس لیے کبھی بیٹی اور دوسرے بیٹوں کی مصروفیات میں دخل اندازی کی کوشش نہیں کی تھی۔ ندا کو رقص و موسیقی سے بڑی دلچسپی تھی اور شہر کے اعلیٰ ترین ہوٹل اور کلب اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ شام کی نشست گاہوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے ہوٹل اور کلب موجود تھے۔ وہ کسی ایک پر گزارہ نہیں کرتی تھی۔ نت نئی دلچسپیاں اس کے دل میں ہوا کرتی تھیں جہاں بھی پہنچ جاتی وہاں ویٹرز کے وارے نیارے ہو جاتے اور وہ کوشش کرتے کہ وہ انہیں طلب کرے اس نے کبھی اپنے لیے ریزرویشن نہیں کرائی تھی جہاں بھی داخل ہوتی وہاں فوراً ہی اس کی میز بچھ جاتی اور اس پر ریزرویشن کا کارڈ لگ جاتا۔

بہرحال خوب عیش کر رہی تھی وہ۔ صاف ستھری طبیعت کی مالک تھی اس لیے کبھی کوئی اسکینڈل مشہور نہیں ہوا۔ ہاں رقص و موسیقی کے حوالے سے وہ کافی لوگوں سے واقف تھی اور بہت سے فنکار اس کے پسندیدہ فنکار تھے۔ ان دنوں وہ نوجوان اس کی توجہ کا مرکز تھا۔ جسے اس نے تین دن قبل ہی دیکھا تھا۔ کمال کا رقاص تھا اور نہ صرف ندا بلکہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ خود ندا اپنے حلقہ احباب میں اس کی بے پناہ تعریف کر چکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے خود آگے بڑھ کر اس نوجوان سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ یہ اس کی فطرت نہیں تھی۔ وہ خود کسی سے بے تکلف ہونے کی عادی نہیں تھی لیکن اگر کوئی خود اپنے آپ میں جرات پیدا کرے تو اسے ندا کے اخلاق سے مایوسی نہیں ہوتی تھی۔

اتفاق سے آج اسے وہی نوجوان گیٹ کے پاس کھڑا ہوا مل گیا۔ ندا اپنی کار سے اتری تو وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر موجود تھا۔ ندا اسے پسند تو کرنے ہی لگی تھی۔ اس وقت اس نے کچھ اس طرح اسے دیکھا کہ ندا کے ہونٹوں پر ایک شناسا مسکراہٹ پھیل گئی۔ نوجوان نے بھی بڑے شائستہ انداز میں اسے "ہیلو" کہا تھا۔ ندا اس کی جانب بڑھ گئی اور نوجوان پُرتپاک انداز میں اس کے خیر مقدم کے لیے تیار ہو گیا۔

"ہیلو۔ کیسے ہیں آپ" ندا نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں خاتون۔"

"شکریہ، کسی کا انتظار کر رہے تھے۔" ندا نے پوچھا۔

"نہیں، وقت سے پہلے آ گیا تھا اس لیے شغل کے طور پر یہاں کھڑا ہو گیا۔"

"آپ مقامی تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"جی ہاں، باہر سے آیا ہوں۔ لیکن مذہباً مقامی ہوں۔ میرا خیال ہے آپ کا ہم مذہب" وہ ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"کیا مطلب" ندا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ مسلمان ہوں اور آپ کے بارے میں بھی میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"نہیں بالکل نہیں، میں بھی مسلمان ہی ہوں اور ندا عالم میرا نام ہے۔ یہ جان کر تو مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ غیر ملکی ہونے کے باوجود میرے ہم مذہب ہیں۔"

"آپ مجھے لغوی طور پر دوغلا کہہ سکتی ہیں۔ فطری طور پر میں بالکل دوغلا نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ میری ماں برٹش تھی اور میرے باپ کا تعلق آپ کے وطن سے ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"ویری گڈ، ان دونوں رنگوں کی آمیزش آپ کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ کیا نام ہے آپ کا۔" ندا نے سوال کیا۔

"مجھے سہیل کہتے ہیں۔"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر مسٹر سہیل۔ ویسے آپ کی اردو بے حد شاندار ہے اور یقین نہیں آتا کہ آپ اہل زبان نہیں ویسے آپ کو شاید پتا بھی نہ ہو کہ ہم آپ کو کئی دن سے دیکھ رہے ہیں مختلف جگہوں پر۔ آپ بھی غالباً یکسانیت کے قائل نہیں ہیں۔ میرا مطلب ہے کسی ایک جگہ کو پسند نہیں کرتے۔"

"نہیں، اصل میں طویل عرصے کے بعد اپنے وطن آیا ہوں میرا مطلب ہے اپنے باپ کے وطن میں اور اندازہ لگا رہا ہوں کہ یہاں کیا کیا ہوتا ہے۔"

"آپ رقص میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ میرے حلقے میں آپ کے رقص کے بڑے چرچے ہو رہے ہیں آپ بلاشبہ ایک عظیم فنکار ہیں اور مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے آپ میرے برسوں کے شناسا ہوں۔"

"بے حد شکریہ ویسے آپ یقین کریں کہ میں نے آپ کو کئی بار مختلف جگہوں پر دیکھا ہے اور تعجب ہوتا ہے مجھے کہ کس طرح ہم بار بار مختلف جگہوں پر ملتے رہے ہیں۔ ویسے کسی شہر میں اجنبی اپنے قرب و جوار

کے لوگوں کو گہری نگاہوں سے دیکھتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں افراد میں سے کوئی اس کا شناسا بن جائے۔ معاف کیجیے گا مجھے مشرقی اصولوں کے بارے میں معلومات حاصل ہیں۔ چنانچہ میں خود آپ کی طرف متوجہ ہونے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ نوجوان کے چہرے کی شائستگی نے ندا کو بہت متاثر کیا تھا۔

"آیئے اندر چلتے ہیں۔ پلیز" نوجوان نے پہلے اسے آگے بڑھ کر اشارہ کیا اور دونوں ہال میں داخل ہوگئے۔ ندا کو دیکھتے ہی ویٹروں نے ایک میز لگا دی اور ندا اس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے دوسرے شناساؤں نے بھی اس سے ہیلو، ہائے کیا تھا۔ لیکن ندا نے ان پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس طرح کچھ نگاہوں میں خفگی کچھ میں معنی خیزی اور کچھ میں سادگی نظر آئی تھی۔ لیکن ندا اس طرح کے معاملات میں کسی کو اہمیت دینے کی قائل نہیں تھی۔ وہ صاف ستھرے اور بے داغ کردار کی مالک تھی اور ایسے لوگوں کا قرب بھی نہیں چاہتی تھی جو دوسرے لوگوں کو شک کی نگاہ سے دیکھیں۔ اس لیے وہ ان افراد پر توجہ بھی نہیں دیتی تھی۔

جوان مسکراتی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"ویسے آپ یقین کیجیے مجھے بڑا اچھا لگ رہا ہے یہاں مختلف انداز کے لوگ خاص طور سے ایک سرے پر توجہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"ہاں آپ اسے اچھا کہیں یا برا۔"

"دونوں صورتیں ہیں۔ اچھا اس لیے کہہ سکتا ہوں کہ بہرحال ایک دوسرے کی طرف توجہ ہونی چاہیے۔ گویا اس لیے کہ توجہ میں کوئی خاص مقصد چھپا نہیں ہونا چاہیے۔"

"بڑی اچھی باتیں کرتے ہیں آپ، میرا خیال ہے ہمیں ملتے رہنا چاہیے۔" ندا نے قطعی طور پر نوجوان کا شجرۂ نسب پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھے۔ ندا اس سے خاصی بے تکلف ہوچکی تھی۔ جب نوجوان نے اس سے اجازت مانگی تو وہ خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آیئے باہر چلتے ہیں۔ گاڑی ہے آپ کے پاس" ندا نے سوال کیا۔

"نہیں گاڑی تو نہیں ہے لیکن آپ بالکل تعجب نہ کریں میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔"

"قیام کہاں ہے آپ کا۔"

"ہوٹل میرینو میں ہے۔"

"اوہو..... مرینو تو زیادہ دور نہیں ہے آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔" ندا نے پیش کی۔

"شکریہ۔" وہ بولا۔ اور دوسری طرف سے آکر گاڑی میں بیٹھ گیا رات کافی گہری ہوگئی تھی۔ سڑکیں سنسان تھیں۔ ندا خاموشی سے خود ڈرائیو کررہی تھی۔ دفعتہً نوجوان کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور ندا کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔

"کیا ہوا..... کیا بات ہے۔"

"نہیں نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے معذرت چاہتا ہوں۔ اصل میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن آپ نے فوراً ہی بریک لگا دیے۔ پلیز ذرا گاڑی ایک سائیڈ پر کرکے روک دیجیے میں یہیں اتروں گا۔"

"ہوٹل نہیں جائیں گے۔" ندا نے سوال کیا۔

"جی..... ایک کام یاد آ گیا ہے۔"

"چلیے کوئی حرج نہیں ہے۔" ندا نے گاڑی سڑک کے کنارے ایک طرف کرکے روک دی۔ لیکن وہ اس شائستہ نوجوان سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں کررہی تھی۔ اچانک ہی نوجوان کا ہاتھ اس کے گلے پر آ کر پڑا اور اس نے کوئی ایسی رگ دبائی کہ ندا کو اپنے ذہن میں چیونٹیاں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ صرف ایک لمحہ، نوجوان شاید رگوں کا ماہر تھا۔ ندا کو سوچنے کا موقع بھی نہ ملا اور اس کا سر اسٹیرنگ سے جا ٹکرا۔ اس کی ذہنی قوتیں جواب دے گئیں۔ نوجوان کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے انتہائی پھرتی سے ندا کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے ڈرائیونگ کی برابر والی سیٹ پر گھسیٹ لیا اور پھر دروازہ کھول کر نیچے اترا چند لمحوں بعد اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار آگے بڑھا دی تھی۔

♥.....♥.....♥

ایک بے نام سا خوف ایک انوکھی وحشت ان دنوں احمد عالم بارودوالا پر طاری تھی۔ اس کے اہل خاندان بھی اس کی اس کیفیت سے واقف ہوچکے تھے۔ لیکن ابھی تک کسی کو یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اس کیفیت کی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ ندا احمد عالم بارودوالا کی لاڈلی بیٹی تھی۔ لیکن وہ یہ تک نہیں جان سکی تھی کہ باپ ان دنوں الجھا الجھا کیوں رہتا ہے۔

ویسے بھی جو بچے اتنے تیقنات کے عالم میں پلتے ہیں اور جن کے اتنے وسائل ہوتے ہیں وہ والدین پر کم ہی غور کرتے ہیں ندا ہر طرح آزاد تھی۔ گھر میں وہ ہمیشہ رات کو دیر سے گھستی تھی۔ کتنی ہی بار احمد عالم نے کہا تھا کہ بیٹا ڈرائیور کو ساتھ لے جایا کرو جہاں جی چاہے جاؤ۔ جس طرح جی چاہے جاؤ، جب جی چاہے آؤ۔ ڈرائیور تمہارا غلام رہے گا۔ تھوڑی سی حفاظت بھی رہے گی۔ لیکن ندا نے اس بات کو منظور نہیں کیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"ڈیڈی خود ڈرائیونگ کرنے میں جو مزہ ہے اس کی بات ہی الگ ہے۔" احمد عالم نے اسے پیار سے سمجھایا تھا کہ بیٹا وہ اس کے اکیلے آنے جانے پر اعتراض نہیں کرتے۔ لیکن بیٹی کی ضد نے ان کی ایک بھی نہیں چلنے دی تھی۔ وہ رات کو خوب دیر سے گھر میں گھستی تھی اور اب یہ بات اس کی عادت بن چکی تھی۔ اس لیے آہستہ آہستہ احمد عالم صاحب بھی اس کے عادی ہوگئے۔ اکثر یہ بھی ہوتا کہ وہ سو جاتے اور صبح کو ناشتے کی میز پر ہی ندا سے ملاقات ہوتی۔ لیکن آج صبح وہ ناشتے کی میز پر موجود نہیں تھی۔ احمد عالم صاحب انتظار کرنے لگے ان کے تینوں بیٹے میز پر آ بیٹھے تھے۔ لیکن ندا ابھی تک نہیں آئی تھی۔

"کیا بات ہے ندا کہاں ہے رفعت..... رفعت ذرا جاؤ دیکھو ندا کو جا کر دیکھو اسے دیر کیوں ہوگئی۔ اس سے کہو کہ ہم ناشتے پر انتظار کررہے ہیں۔ فوراً آجائے۔" رفعت نامی ملازم چلا گیا۔ لیکن چند ہی منٹ بعد وہ گھبرایا ہوا اندر آیا۔

"صاحب وہ اندر نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب" احمد عالم نے تعجب سے کہا۔

"صاحب ان کا بستر بھی بے شکن پڑا ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے رات کو واپس ہی نہ آئی ہوں۔"

''دماغ خراب ہے تمہارا۔'' احمد عالم صاحب بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''تم نے چوکیدار سے کچھ پوچھا۔''

''جی نہیں صاحب۔'' ملازم نے جواب دیا۔

''تو جاؤ چوکیدار سے پوچھو۔ ٹھہرو میں چلتا ہوں۔'' احمد عالم صاحب بوکھلائے ہوئے کمرے سے نکل آئے۔ ان کے پیچھے ہی پیچھے ان کے تینوں بیٹے بھی باہر آ گئے تھے۔ چوکیدار سے سوال کیا تو اس نے کہا۔

''نہیں صاحب ندا بی بی رات کو گھر واپس نہیں آئیں۔'' احمد عالم صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے خونخوار لہجے میں چوکیدار کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔''

''صاحب میرے کو کیا معلوم تھا میں تو یہی سمجھا تھا کہ ندا بی بی اپنی کسی سہیلی کے ہاں چلی گئی ہوں گی۔ کبھی کبھی وہ چلی بھی جاتی ہیں صاحب! کیا ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ آج نہیں آئیں گی۔'' چوکیدار نے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا وہ۔ اکثر ندا اپنی سہیلیوں کے گھر میں رک جاتی تھی اور گھر میں ٹیلیفون کر دیا کرتی تھی۔ پھر انہوں نے کوٹھی کے دوسرے ملازموں سے ٹیلیفون کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ ندا کا کوئی ٹیلیفون نہیں آیا۔ احمد عالم صاحب بری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔ فوری طور پر انہوں نے کئی جگہ ٹیلی فون کیے۔ ان کے بیٹے بھی سخت پریشان تھے۔ پھر سب کے سب گاڑی لے کر ندا کی تلاش میں نکل گئے۔ احمد عالم کے بدن سے پسینہ بہہ رہا تھا وہ بدحواس ہوئے جا رہے تھے۔ بار بار وہ ٹیلی فون کے پاس جاتے اور کوئی نہ کوئی نمبر ملا کر اس سے ندا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگتے۔ پولیس کو ابھی تک انہوں نے اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور اپنے بیٹوں کو بھی منع کر دیا تھا کہ جب تک اس بات کا ثبوت نہ مل جائے کہ ندا اپنی مرضی سے کہیں نہیں گئی ہے۔ پولیس سے رابطہ قائم نہ کیا جائے۔ دن کے تقریباً گیارہ بجے انہیں ایک ٹیلی فون موصول ہوا اور احمد عالم صاحب نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا اور کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔''

''کون صاحب بول رہے ہیں؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''احمد عالم۔ آپ کون ہیں؟''

''خادم ہوں آپ کا۔ قبلہ والا بزرگوار آپ نے کا نور نظر سہیل عالم بارودوالا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور احمد عالم صاحب کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا۔

''اب کیا بات ہے کیوں فون کیا ہے مجھے۔''

''وہ اصل میں آپ کو بتانا چاہ رہا تھا ڈیڈی کہ ندا میرے پاس موجود ہے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا اور احمد عالم صاحب کو غش آنے لگا۔

''تت..... تمہارے پاس۔''

''جی ڈیڈی! میرے پاس میں نے کہا تھا نا کہ مجبوری ہے۔ عرض کر دیا تھا آپ سے لیکن آپ

نے میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ڈیڈی جس شخص نے ایک طویل سفر اس مقصد کے لیے کیا ہو کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی شناخت حاصل کرے۔ وہ اتنی آسانی سے کیسے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ میں کیا کیا جذبات لے کر آپ کے وطن آیا تھا۔ ڈیڈی! میں وہ ساری باتیں بھولنے کو تیار تھا جو گزر چکی ہیں۔ مگر اس وقت جب آپ مجھے بیٹا کہہ کر سینے سے لگا لیتے۔ آپ اس بدنصیب کی محرومیوں کا تصور کریں ڈیڈی جس کا باپ اس کے سامنے ہو اور لوگ اسے حرامی کہہ کر پکارتے ہوں ڈیڈی میں اپنے نام سے یہ بدنما داغ دھوئے بغیر نہیں رہوں گا اور اگر آپ نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی تعاون نہ کیا تو اس بات کا یقین کر لیں ڈیڈی! کہ آپ ساری زندگی اپنی اولادوں کے لیے روتے رہیں گے۔ اگر میں آپ کا بیٹا نہ ہوا تو پھر آپ کی کوئی بیٹی اور کوئی بیٹا نہ ہوگا۔ ابھی تو صرف یہ بات ندا کی ہے لیکن اس کے بعد آپ کے تینوں بیٹوں کا نمبر ہے آپ پھر سے لاولد ہو جائیں گے۔ اگر میں آپ کو ڈیڈی نہیں کہوں گا تو پھر کوئی آپ کو ڈیڈی کہنے والا اس روئے زمین پر نہیں ہوگا۔ یہ میرا عہد ہے سمجھے آپ کسی مناسب وقت پر پھر آپ سے بات کروں گا خدا حافظ۔''

''دوسری طرف سے ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع ہو گیا احمد عالم صاحب کے دل کی دھڑکن بند ہوئی جا رہی تھی۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ ندا ان سے جدا کر دی جائے گی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ شخص اتنا خطرناک قدم اٹھائے گا۔ وہ بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ کوئی جرائم پیشہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہو چکا تھا اسے جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دل کی دھڑکنوں کو بحال کرنے لگے جو بند ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کے ذہن میں سناٹے بھر گئے تھے۔ عقل نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور پریشانی سے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ پھر انہیں کوئی خیال آیا اور انہوں نے ٹیلیفون پر شاہ میر صاحب کے نمبر ڈال کیے۔ ڈی آئی جی نادر حیات سے ان کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ لیکن اپنی حیثیت سے وہ بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ بات معمولی پیمانے پر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہ میر کا نمبر مل گیا اور دوسری طرف ان کی آواز سنائی دی۔

''کون؟''

''میں احمد عالم بول رہا ہوں میر صاحب! احمد عالم بارودوالا۔''

''ہاں احمد عالم صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے۔''

''ٹھیک ہوں جناب۔''

''مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ آپ کی آواز سے کچھ ایسا ہی احساس ہو رہا ہے۔ جیسے آپ کسی پریشانی کا شکار ہوں۔''

''میں ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں شاہ صاحب! ڈی آئی جی نادر حیات سے اس بارے میں بات چیت کی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کس بارے میں ذرا تفصیل بتائیے۔'' اور احمد عالم بارودوالا نے مختصر تفصیل بتائی اور پھر کہا۔

''اور اب اس بدبخت نے میری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔''

''اوہو..... کب کیسے؟''

''رات کو وہ معمول کے مطابق کسی ہوٹل یا کلب وغیرہ گئی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے اس شخص کا ٹیلیفون موصول ہوا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ ندا اس کے پاس ہے۔''

''آپ میرے پاس آسکتے ہیں احمد عالم صاحب۔''

''اس وقت میں کہیں بھی جاسکتا ہوں۔'' احمد عالم نے کہا۔

''تو پھر آجایئے میں انتظار کررہا ہوں۔''

''میں پہنچ رہا ہوں۔'' احمد عالم نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور ریسیور رکھ کر کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار وزارت داخلہ کے دفتر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بہت بڑی شخصیت تھی ان کی خاص طور سے انہیں شاہ میر صاحب نے ان کے مسئلے میں دعوت دی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ وزارت داخلہ کے دفتر میں پہنچ گئے۔ ان کے بارے میں مکمل طور پر ہدایت جاری کردی گئی تھی۔ اس لیے چند ہی منٹ کے بعد انہیں شاہ میر کے پاس پہنچا دیا گیا۔ شاہ میر صاحب نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور بولے۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ اس طرح آپ سے ملاقات ہورہی ہے۔ حالانکہ کتنی بار میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات کروں۔ بیٹھیے پلیز۔'' احمد عالم صاحب بیٹھ گئے شاہ میر صاحب نے کہا۔

''ہاں۔ ایک بار پھر مجھے پوری تفصیل بتایئے۔'' اور احمد عالم نے سہیل نامی نوجوان کی آمد اس کی گرفتاری اور رہائی۔ جمشید مرزا ایس پی کی ان سے ملاقات ساری تفصیل بتادی۔

''گھبرایئے نہیں مسٹر احمد عالم! کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ لیکن میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم آپ دوسرے لوگوں سے ہٹ کر مجھے اس کا جواب دیجیے گا۔''

''ہاں پوچھیں۔ میری حالت کافی خراب ہورہی ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں۔ سن بھی رہا ہوں۔ لیکن بہرحال آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔ میں جو سوال آپ سے کرنا چاہ رہا ہوں۔ ممکن ہے آپ کو ناگوار گزرے لیکن صحیح صورت حال کا علم بھی مشکل کا حل بن سکتا ہے۔ حالات میرے ذہن میں بہت الجھ گئے ہیں۔ وہ آدمی آپ سے صرف اتنا چاہتا ہے کہ آپ اسے اپنا بیٹا تسلیم کرلیں۔ آخر کیوں؟'' شاہ میر صاحب نے احمد عالم کے چہرے پر نگاہیں جمادیں اور ایک لمحے کے اندر اس نے محسوس کرلیا کہ احمد عالم ان سے نگاہیں چرا رہا ہے۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرکے کرسی سے پیٹھ ٹکا کر کہا۔

''میں نہیں جانتا شاہ میر صاحب! آپ یقین کریں میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کمینہ کون ہے۔ لیکن آپ خود بھی سوچ سکتے ہیں وہ یقیناً ایسا ہی شخص ہوگا جو مجھے بلیک میل کرنے کے چکر میں ممکن ہے یورپ سے یہاں آیا ہو یا پھر میرا بیٹا بن کر عظیم الشان دولت میں سے کچھ حصہ چاہتا ہو۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں میری جو حیثیت ہے اس کے تحت میرے خلاف کوئی گہری چال چلی جاسکتی ہے۔'' شاہ میر صاحب نے بے یقینی کی صورت میں احمد عالم کی طرف دیکھا پھر بولے۔

''احمد عالم صاحب! آپ کافی عرصہ غیر ممالک میں رہے ہیں کیا یہ غلط ہے۔''

''نہیں۔ میں تو اب بھی جاتا رہتا ہوں۔''

''دیکھیے میری بات کا برا نہ مانیے گا۔ نوجوانی کی عمر یا کوئی بھی عمر کسی بھی لمحے بھٹک جانے سے گریز نہیں کرسکتی۔ ہم لوگ بعض اوقات اس طرح کوئی عمل کر بیٹھتے ہیں کہ خود بھی اس کے بعد کے معاملات ہمارے ذہن میں نہیں ہوتے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا۔ میں اس سے زیادہ وضاحت اور کیا کروں آپ ایسے کسی وقت کو یاد کیجیے جب نوجوانی کی عمر کسی لغزش میں کسی زندگی کو آپ نے۔''

''نہیں شاہ میر ایسی کوئی شخصیت نہیں تھی اور پھر نوجوانی کی عمر میں اگر کوئی لغزش ہو بھی جاتی ہے تو بھلا اسے یاد رکھنے کا کیا سوال ہے شاہ میر کے لبوں پر ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ آئی اور انہوں نے کہا۔

''ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات بھی نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات دوسرے لوگوں کے لیے ہوجاتی ہے۔ ایک ہی لغزش کے دو شکار بعض اوقات دو مختلف کیفیتوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ آپ یاد کیجیے اور یاد آجائے تو مجھے اس کے بارے میں ضرور بتادیجیے۔ ویسے آپ کی بیٹی میری بیٹی کی مانند ہے۔ میں اس کے لیے جس قدر کوشش کرسکتا ہوں ضرور کروں گا آپ مطمئن رہیں اور ایک بات جو حقیقت ہے وہ یہ سمجھ لیجیے کہ وہ آپ سے کچھ چاہتا ہے تو ندا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''آہ لیکن میں نے تو کبھی ایک لمحے کے لیے اسے خود سے جدا نہیں کیا۔''

''وہ ایک الگ بات ہے لیکن مجھے معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کے جواب پر اطمینان کا اظہار نہیں کیا۔ ممکن ہے کوئی آپ کے ذہن سے نکل گیا ہو۔ حالانکہ ایسا کوئی عمل ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتا۔ یہ بہت زیادہ برے لوگوں کے معاملات ہیں کہ انہیں اپنی برائیاں یاد نہیں رہتیں۔ آپ اتنے برے آدمی نہیں ہیں۔ براہ کرم ضرور یاد کیجیے۔ یہ انتہائی ضروری ہے۔'' شاہ میر صاحب نے کہا اور احمد عالم پریشانی کے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کی حالت بہت خراب نظر آرہی تھی پھر اس نے کہا۔

''میری بچی! وہ بے شک آزاد فطرت کی مالک ہے لیکن بھلا وہ کسی کی قید میں کیا رہ سکے گی وہ بھی ایک اجنبی کی قید میں، پتا نہیں اس بدبخت نے کس طرح اسے غائب کیا ہوگا۔''

''آپ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں میں اس سلسلے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔''

''میں..... میں اسے اپنی زندگی سے زیادہ چاہتا ہوں۔''

''میں بتا رہا ہوں نا..... کہ بے فکر رہیں۔'' احمد عالم نے رومال نکال کر آنکھیں خشک کیں اور بولا۔

''اب میں کیا کروں؟''

''کچھ نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح ندا کا پتا چل جائے۔''

''میں بے حد شکر گزار ہوں۔''

''اب میں چلتا ہوں۔''

''افسوس یہ آفس ہے اس لیے کوئی خاطر مدارات نہیں کرسکوں گا۔'' ''تمہیں تکلیف دینے کے لیے معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں میں تو خود مجبور ہوں۔'' احمد عالم نے کہا۔ شاہ میر صاحب نے اسے ہاتھ ملا کر رخصت کیا

اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے اور پھر کسی خیال کے تحت انہوں نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈال کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"شازیہ اسپیکنگ کون صاحب۔"

"اوہو۔ شازیہ بے بی! میں شاہ میر بول رہا ہوں وزیر داخلہ۔"

"سر! السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام! یہ بتاؤ کرنل رحیم کہاں ہے۔"

"سر! موجود ہیں۔"

"بات کراؤ میری۔" شاہ میر صاحب نے کہا اور چند لمحات کے بعد کرنل رحیم کی آواز ابھری۔

"جی سر! خیریت سے ہیں نا آپ۔"

"ہاں۔ میں تو خیریت سے ہوں۔ لیکن کچھ لوگ خیریت سے نہیں ہیں اور ان کی نگاہیں میری طرف ہیں اور میری نگاہیں تمہاری طرف اور میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری نگاہیں کس طرف اٹھیں گی۔" کرنل رحیم ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ہاں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں شاہ میر صاحب! کہ تقدیر نے مجھ سے میرا ایک پاؤں چھین لیا ہے۔ لیکن میرے چار ہاتھ ہیں۔ دو میرے اور دو صوفی کی شکل میں اور یہی میرے کارآمد ہاتھ ہیں۔"

"خدا کرے تم لوگوں کا معاملہ بڑی خوش اسلوبی سے چلتا رہے۔ ہمارے لیے تو فرشتہ ثابت ہوتے ہو تم۔ بس اب یہ سمجھ لو کہ میں یہ مکھن اسی لیے لگا رہا ہوں تمہیں کہ ایک مشکل آپڑی ہے میرے پاس آجاؤ۔"

"بہ سر و چشم کس وقت حاضری دینی ہے۔"

"میں آفس سے جلدی اٹھ جاتا ہوں۔ گھر پر ملاقات کریں گے شام کی چائے میرے ساتھ پیو۔"

"پانچ بجے پہنچ جاؤ۔"

"ساڑھے پانچ بجے۔"

"ٹھیک ہے۔" ساڑھے پانچ بجے کرنل رحیم شاہ۔ شاہ میر صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ سیکیورٹی کو ہدایت کر دی تھی کہ کرنل رحیم صاحب آنے والے ہیں۔ کرنل کو دروازے سے ہی تعظیم دی گئی اور اس کے بعد انہیں شاہ میر صاحب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ شاہ میر نے کرنل رحیم شاہ سے بہت پرخلوص مصافحہ کیا تھا۔ پھر وہ کہنے لگے۔

"اور میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میرے لیے تو گرین فورس میری ہاؤس فورس ہے حقیقت یہ کہ رحیم شاہ کہ اب بہت سے معاملات میں میرا ذہن کہیں اور نہیں جاتا بلکہ میں صرف تم دونوں کے بارے میں سوچتا ہوں جو ایک مکمل فورس ہے اور اسی لیے میں نے ہزار بار یہ کوشش کی ہے کہ گرین فورس کو اتنا مضبوط بنا دو کہ ملکی معاملات میں وہ ایک اہم ستون ثابت ہو۔ اس کے لیے ہر طرح کے سرکاری عہدے مخصوص کیے جائیں گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں نے ایسا کوئی کام کر دیا تو وہ میرا کارنامہ ہوگا۔ بہت سے ذاتی معاملات میں

بھی تم لوگوں نے جس طرح میری مدد کی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا میں ایک محکمے کا سربراہ ہوں۔ بے شمار افراد میرے لیے ہر کام سرانجام دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن ایسا تحکماتی طور پر ہوگا۔ جبکہ گرین فورس میری پرائیویٹ فورس ہے۔"

"بالکل ہے شاہ میر! میں خلوص دل سے تمہیں تمہاری ہر مشکل میں شریک ہونے کی پیش کش کرتا ہوں۔"

"بے حد شکریہ۔ خیر ہمیں مطلب پر آجانا چاہیے۔"

"ہاں بالکل۔"

"احمد عالم بارودوالا کو جانتے ہو۔"

"جی بالکل۔"

"وہ ایک عجیب و غریب مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"تھوڑی بہت تفصیل میرے علم میں ہے۔" غالباً اس نوجوان کی کہانی جو ایئرپورٹ سے تماشا کرتا ہوا اندر داخل ہوا ہے اور اس کے بعد غالباً اس نے احمد عالم بارودوالا کو یہ بات بتائی ہے کہ وہ اسی کی اولاد ہے۔"

"ارے بالکل بالکل۔ خیر حیرت کا اظہار نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں نے بہت سی ذمے داریاں اپنے شانوں پر سنبھال رکھی ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ مزید کچھ۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ اس سے آگے نہیں۔"

"اس سے آگے میں بتاتا ہوں۔" شاہ میر صاحب نے کہا اور ساری تفصیل کرنل رحیم کو بتا دی۔

"ہاں یہ نئی باتیں ہیں جو غالباً صوفی کو بھی نہیں معلوم۔ خیر کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"گڑبڑ ہے۔" شاہ میر نے کہا۔

"بالکل۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آپ نے احمد عالم کو یہ مشورہ کیوں نہیں دیا کہ وہ اسے اپنی اولاد مان لیں اور اولاد ماننے کے بعد اس سے نمٹ لیں۔ یہ ترکیب کی جا سکتی ہے۔"

"وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے کرنل! وہ یقینی طور پر اپنا اطمینان کرنے کے بعد ہی ندا کو واپس کرے گا۔"

"میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے اور آپ نے کہا تھا کہ ہے۔ سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ وہ کسی کو اپنا باپ کیوں بنانا چاہتا ہے۔ عموماً ایسے واقعات کم ہی ہوتے ہیں۔ اگر بات صرف دولت کی ہے تو ظاہر ہے احمد عالم صاحب اسے اتنی آسانی سے دولت نہیں دے دیں گے ان کے اور بھی بیٹے ہیں۔ اگر اس شخص کو تھوڑی بہت رقم درکار تھی تو وہ کوئی اور طریقہ کار اختیار کر سکتا تھا بہرطور گنجائش تو ہے۔ اس لڑکے کی تصویریں مل سکیں گی۔"

"میرا خیال ہے ملنی چاہئیں۔ پاسپورٹ وغیرہ یا پھر ہو سکتا ہے جمشید مرزا کے پاس اس کی تصویریں بھی ہوں۔"

"آپ کوشش کر لیں۔ ورنہ میں ہی کرتا ہوں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہونا چاہئیں کہاں قیام ہے اس کا۔ کیسی شکل و صورت ہے کس مزاج کا نوجوان ہے۔ ویسے احمد عالم سے بھی ملاقات کرنا پڑے گی۔"

"ہاں۔ جس طرح سے بھی دل چاہے میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ میں اس کی مشکل کا حل دریافت کروں گا۔ میں اسے تمہاری آمد کی اطلاع دے دوں گا۔ ان دنوں کافی پریشان ہے۔"

"ٹھیک ہے میں وہاں جاتے ہوئے آپ کو ٹیلی فون کرلوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ کرنل!"

"ٹھیک ہے۔ چائے ہوجائے۔" کرنل نے بے تکلفی سے کہا اور اس کے بعد چائے وغیرہ سے فراغت حاصل کی گئی۔ تب اس نے صوفی کو فون کیا اور صوفی نے مشاعرے والی بات کہی۔ کرنل نے اسے طلب کرلیا تھا۔ پھر صوفی جس طرح بھی پہنچا وہ ایک الگ بات تھی لیکن شازیہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے فوراً ہی کہا۔

خود اپنے خون میں نہائے ہوئے مگر چپ ہیں
یہ لوگ ہیں کہ چٹانیں ہیں سرخ پتھر کی

درویشوں کی دعاؤں سے۔ شازیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے تعجب سے کہا۔

"چھوٹے بابا! یہ شعر آپ کا ہے۔"

"خدا نہ کرے۔" صوفی نے کہا۔

"تو پھر؟"

"مشاعرے سے آرہا ہوں۔ دماغی کیفیت درست نہیں ہے۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"ہائے اتنا اچھا شعر۔"

"کچھ زیادہ اچھا ہوگیا کیا۔"

"چھوٹے بابا! پلیز پھر سے۔"

"ہرگز نہیں۔ ورنہ یہیں مشاعرہ شروع ہوجائے گا درویشوں کے کرم سے۔" صوفی نے کہا اور اندر چل پڑا۔ شازیہ اس کے پیچھے پیچھے آئی تھی کرنل رحیم شاہ اسی کا انتظار کررہا تھا۔

"آیئے صوفی صاحب! کہیے کیسے مزاج ہیں۔"

"اندازہ لگا لیجیے جناب۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

میری پلکوں کے دریچے میں بنجر آنکھیں
میرا اجڑا ہوا چہرہ میری پتھر آنکھیں

صوفی نے کہا اور کرنل رحیم شاہ حیرت سے منہ کھولے کبھی شازیہ اور کبھی صوفی کو دیکھنے لگا۔

"بڑے بابا! کیا ہوگیا ہے ہمارے چھوٹے بابا کو ہائے کیسے اچھے اچھے شعر پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں مشاعرے سے آئے ہیں۔"

"تو بی بی اس میں ہائے ہائے کرنے کی کیا بات ہے۔ انسان ہیں کچھ غلطی ہوگئی ہوگی۔" کرنل رحیم شاہ نے بھی برجستگی سے کہا۔ صوفی گردن جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔ شازیہ نے کہا۔

"چھوٹے بابا کچھ اور ایک شعر اور"

"شعر اگر اپنی مرضی سے کہا جائے تو شعر ہوتا ہے ورنہ ببر شعر ہوجاتا ہے شازیہ درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور شازیہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"کسی وقت آپ سے۔ بس چھوڑوں گی نہیں چھوٹے بابا آپ کو سنوں گی بہت کچھ سنوں گی۔"

"صلواتیں ہی سنو گی۔ ساتھ میں حسینہ کو بھی ملا لوں گا جو کرنل صاحب نے تحفے کے طور پر مجھے دی ہے سنانے پر آئے تو ایسا سناتی ہے کہ بس انسان سنتا ہی رہ جائے۔"

"اُسے بھی سنوں گی کسی دن، بہت دیر تک یہ تفریحی باتیں چلتی رہیں اور اس کے بعد شازیہ وہاں سے چلی گئی۔ تو کرنل رحیم نے کہا۔

"بھئی واقعی اچھے شعر سنائے پتا نہیں یار تم اندر سے کیا ہو۔"

"جونیر یہ تو نہیں سنا آپ نے مرحوم نے کہا تھا۔

کہ ہر گھڑی بولتا ہی رہتا ہوں
کتنا خاموش ہوں میں اندر سے

خدا کی قسم تم بہت باصلاحیت ہو۔ کرنل رحیم شاہ نے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

"میری صلاحیتوں پر ہنس رہے ہیں آپ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"نہیں شاہ میر صاحب کی بات پر کہنے لگے کہ اسی لیے مکھن لگا رہا ہوں کہ میرے اوپر ایک مشکل آن پڑی ہے، مجھے بھی اس وقت ایسا ہی لگ رہا ہے کہ میں جیسے تمہیں مکھن لگا رہا ہوں۔" کرنل رحیم شاہ نے کہا۔

"نہیں جناب! خادم ہوں آپ کا۔ تابعدار ہوں شاہ میر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہاں اس سلسلے میں میرا مطلب ہے تم نے انہیں تھوڑی بہت تفصیل بتائی تھی ناں۔ جمشید مرزا ایئرپورٹ سے آنے والے نوجوان کی۔"

"ہاں ہاں..... ہاں وہ ایک دلچسپ قصہ تھا۔ بعد میں پتا چلا تھا کہ وہ کوئی ہیروئن پاؤڈر نہیں بلکہ پسا ہوا پتھر تھا۔ وہ وہ نوجوان مجھے کافی ستم ظریف معلوم ہوتا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"اب ایک نیا مسئلہ چل نکلا ہے۔"

"ارشاد..... ارشاد"

"نہیں بھائی یہاں ارشاد صاحب کا کوئی دخل نہیں ہے مشاعرہ ذہن سے نکال دو اور بیٹھ کر سنجیدگی سے مجھ سے سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کرنل رحیم شاہ نے کہا اور صوفی جیب میں پانوں کی ڈبیا تلاش کرنے لگا۔ لیکن یہ چیزیں نکالنے کے بعد اس نے انہیں استعمال نہیں کیا تھا۔ بلکہ واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔ کرنل رحیم شاہ کا وہ بہرحال احترام کرتا تھا۔ کرنل رحیم شاہ نے بھی یہ بات محسوس کی لیکن خاموش ہی رہا پھر اس کے بعد اس نے اب تک کی موصول شدہ تفصیلات صوفی کو بتا دیں۔ صوفی پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"گویا اب اس نے یارو والا کی بیٹی کو اغوا کرلیا ہے میرے خیال میں اس نے یہ جرم کر ڈالا۔"

"کہا بھی جاسکتا ہے اور نہیں بھی ویسے وہ لڑکا بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔

کیا وہ بارود والا ہی کی اولاد ہے۔"

"اولادوں کے بارے میں مجھے ابھی کوئی تجربہ نہیں ہے جناب درویشوں کے کرم سے لیکن حالات چیخ چیخ کر یہ ہی کہہ رہے ہیں۔"

"تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے میرا مطلب ہے کام تو شروع کرنا ہے۔"

"جی۔" جمشید مرزا اس سلسلے میں بہترین ثابت ہوسکتا ہے۔"

"بالکل..... بالکل یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا۔" کرنل رحیم شاہ نے کہا۔ کافی دیر تک صوفی کرنل رحیم شاہ کے پاس بیٹھا رہا پھر اس کے بعد گھڑی میں وقت دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چل پڑا اس کی گاڑی سیدھی جمشید مرزا کے گھر پر جا کر رکی تھی۔ یقین تو نہیں تھا کہ جمشید مرزا گھر پر ہی ہوگا۔ لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ دروازہ ایک ملازمہ نے کھولا اور بولی۔

"جی فرمایئے۔"

"مرزا جی سے ملنا ہے۔"

"کیا نام بتادوں آپ کا۔" ابھی ملازمہ یہ کہہ رہی تھی کہ جمشید مرزا کی بیوی شبلتی ہوئی باہر آ گئی۔

"یہ صاحب بڑے صاحب سے ملنے آئے ہیں۔" جمشید مرزا کی بیوی نے صوفی کو دیکھا صوفی نے اسے سلام کر ڈالا۔

"جی فرمایئے۔ کون ہیں آپ۔"

"احقر کو صوفی کہتے ہیں۔"

"اوہو..... اوہو..... آپ ہیں صوفی صاحب آیئے..... آیئے..... آیئے۔"

"در..... درویش رحم کریں۔ آپ ہمیں کیسے جانتی ہیں۔"

"ارے..... آپ آیئے تو سہی۔" جمشید مرزا کی بیوی نے مسکراتے ہوئے کہا اور صوفی اندر داخل ہوگیا۔ پھر جمشید مرزا کی بیوی اس سے بڑی دیر تک باتیں کرتی رہی۔ اسی دوران جمشید مرزا اندر داخل ہوگیا۔ اس کی بیوی نے صوفی کو آنکھ ماری اور صوفی گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جمشید مرزا نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کون آیا تھا بھئی بتایا نہیں تم نے مجھے۔" پھر صوفی پر نگاہ پڑتے ہی وہ بری طرح اچھل پڑا۔

"آپ..... آپ..... آپ"

"ارے کیا آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" جمشید مرزا کی بیوی نے شرارت سے کہا۔

"کک..... کک کیا مطلب کیا تم بھی ان کو جانتی ہو۔"

"یہ میرے کزن ہیں۔ بہت پہلے میں نے تم ان کا ذکر کیا تھا۔ پہلے محکمہ پولیس میں تھے۔ بعد میں نجانے کہاں چلے گئے۔ پھر اطلاع ملی کہ فرید پور میں ہیں۔ پھر اطلاع ملی کہ فرید پور سے ٹرانسفر ہو کر یہاں آ گئے ہیں۔"

"ارے..... بب بب باپ رے، کزن ہیں یہ تمہارے تب تو یہ ہمارے سالے

ہوئے" جمشید مرزا نے کہا۔ صوفی بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے جمشید مرزا کی بیوی کو دیکھتا رہا۔ اس نے کئی بار صوفی کو آنکھ ماری تھی۔ جمشید مرزا نے کہا۔

"چلیے صوفی صاحب اب تو ہمارے اور آپ کے درمیان رشتے داری بھی نکل آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ میں اب آپ سے دل کی ہر بات کہہ سکتا ہوں۔"

"بے شک۔ بے شک درویشوں کی دعاؤں سے، صوفی نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"میں صوفی صاحب کے لیے کچھ لاتی ہوں۔ میرے بڑے پیارے بھائی ہیں یہ۔" جمشید مرزا کی بیوی نے کہا۔ جب وہ باہر نکل گئی تو جمشید مرزا بولا۔

"صوفی صاحب آپ صوفی ہیں غلط بیانی نہیں کریں گے۔ کیا واقعی آپ اس کے کزن ہیں۔"

"تت..... تت توبہ کیجیے جمشید مرزا صاحب اتنی تیز طرار لڑکیاں..... میرا مطلب ہے خواتین کا کزن ہونا تو بڑی خطرناک بات ہے۔"

"نہیں ہیں نا۔" جمشید مرزا نے قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔

"میں جانتا ہوں یہ اس طرح کی شرارتیں کرتی رہتی ہیں لیکن بہرحال رشتہ برا نہیں ہے میرے تو فائدے ہی فائدے تھے۔ مگر آپ غریب خانے پر بخدا خوشی سے پھول کر کپا ہوا جا رہا ہوں۔"

"کک..... کک کیا۔" صوفی کے منہ سے بمشکل تمام نکلا۔

"ہاں بس یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کی وجہ سے ایک بار پھر میری گرتی ہوئی عزت کو سہارا مل گیا ہے۔"

"مم..... مم میری وجہ سے۔"

"ہاں صوفی صاحب اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے ان دو کیسوں میں میری جس طرح مدد کی ہے میں تو بھائی سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ ذہنی ورزش کر ہی نہیں سکتا۔ آپ نے کمال کر دکھایا ہے اور اگر اس طرح آپ کی نظر عنایت مجھ پر رہی تو میرا عہدہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔"

"درویش رحم کریں....." صوفی نے آہستہ سے کہا پھر بولا۔

"ایک کام تھا۔"

"کھاتے پیتے ہیں اس کے بعد یہاں سے باہر نکلیں گے پھر بات کریں گے۔" جمشید مرزا نے کہا۔ بیوی نے واقعی بہت زبردست انتظامات کر ڈالے تھے پھر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"آپ کو پتا چل گیا ہوگا میرے کزن کے بارے میں۔"

"جی ہاں پتا چل گیا ہے وہ ایک شریف آدمی ہے آپ جیسی خاتون کا دور کا رشتہ دار بھی نہیں ہوسکتا۔"

"ارے..... ارے تو کیا میں اتنی بری ہوں۔" جمشید مرزا کی بیوی نے کہا پھر بولی۔

"صوفی صاحب اگر ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے تو آج سے قائم ہو جانا چاہیے بتایئے کہ کیا آپ مجھے اپنے کزن کی حیثیت سے قبول کریں گے۔"

"قبول کیا ہم نے درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور کمرے میں ایک قہقہہ گونج اٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جمشید مرزا صوفی کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"آیئے کسی اچھے سے ہوٹل میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"اب ہوٹل میں بیٹھنے کی کیا گنجائش ہے۔"

"آپ ایک کپ چائے منگوالیں گے اور پھر باتیں کریں گے۔ صوفی صاحب ایک بار پھر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ آپ کا میرے پاس کیسے آنا ہوا۔"

"گزر رہے تھے یہاں سے سوچا سلام کرتے چلیں۔" صوفی نے کہا۔

"واہ، وعلیکم سلام۔ آیئے وہ سامنے ریسٹورنٹ ہے بڑا اچھا ہے چھوٹا سا پرسکون، زیادہ رش نہیں ہوتا۔ ریسٹورنٹ کے ایک گوشے میں بیٹھ کر جمشید مرزا نے صوفی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آج کل ایک نئی الجھن آ گئی ہے تھوڑا بہت تو آپ کو اس بارے میں بتایا تھا میں نے۔"

"ہاں وہ کیا نام تھا اس کا اختر سہیل بارودوالا۔"

"بالکل..... بالکل یار کمال کا شخص ہے وہ اور بڑا سنسنی خیز مسئلہ پیدا ہو گیا۔ جمشید مرزا نے کہا صوفی کو خوشی ہوئی کہ بات خود بخود نکل آئی۔ اسے خود کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے جمشید مرزا کو دیکھتا رہا جمشید مرزا نے کہا۔

"تفصیل تو آپ کے علم میں ہو گی صوفی صاحب وہ ایئرپورٹ پر اترا اور اسے ہیروئن لانے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور اس کے بعد مختلف مراحل سے گزر کر وہ مجھ تک پہنچا اس نے مجھے بتایا کہ وہ احمد عالم بارودوالا کا بیٹا ہے اور پھر احمد عالم نے اس کو اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بس صوفی صاحب یہیں سے بات بگڑ گئی۔

"حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ" اور اس کے بعد آپ نے اس ہیروئن کا کیمیائی تجزیہ کروایا تو وہ اصل میں پسے ہوئے پتھر تھے۔ وہ شرارتاً پاؤڈر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے بعد کی تفصیل ابھی تک آپ کے علم میں نہیں آئی۔ جمشید مرزا صاحب۔ جمشید مرزا شدت حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صوفی کی شکل دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یہ..... یہ لیکن آپ کو اس بارے میں کیسے علم ہوا۔"

"حق اللہ..... درویشوں کا مذاق اڑانے والے یہی سوال کر سکتے ہیں۔ آگے کی بات سنیے اس نے احمد عالم بارودوالا کی بیٹی ندا کو اغوا کر لیا اور اس کے بعد اس نے بارودوالا کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اسے اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا تو ندا کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ جمشید مرزا صاحب بہت بڑی ذمے داری آ پڑی ہے آپ پر، چنانچہ احمد عالم بارودوالا نے ہوم منسٹر سے اس سلسلے میں براہ راست بات چیت کی ہے سمجھ رہے ہیں ناں آپ" جمشید مرزا کی روح فنا ہو گئی تھی۔ وہ سراسیمہ نگاہوں سے صوفی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اگر یہ بات ہے تو..... تو میں تو مارا گیا۔ میں..... میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ لیکن مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ تکلماتی طور پر میری شامت آ جائے گی۔ مجھ سے بڑی حماقت ہوئی تھی۔ یہ تو ہیروئن کے بجائے پتھر نکلا اس لیے بندر کھنے کا کوئی جواز نہ تھا میرے پاس اس کے علاوہ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے

اسے نہ چھوڑا تو وہ اپنے سفارتخانے سے رجوع کرے گا۔ سب سے بڑی حماقت مجھ سے یہ ہوئی تھی کہ میں اس کو لے کر احمد عالم کے پاس پہنچ گیا۔ پہلے مجھے دوسرے ذرائع سے اس کے بارے میں چھان بین کر لینی چاہیے تھی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے صوفی صاحب آپ خود بتایئے آخر ہم اسے کس جرم میں قید رکھ سکتے تھے۔ اگر وہ واقعی اپنے سفارت خانے سے رجوع کر لیتا تب بھی مجھے ہی پریشانیوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ویسے میں آپ کو ایک بات بتا دوں صوفی صاحب وہ بڑا سخت ثابت ہو گا احمد عالم بارودوالا کے لیے۔ میری گردن تو خیر پھنسی ہی ہے اللہ میری مدد کرے گا لیکن احمد عالم بارودوالا جس عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ میں آپ کو بتاؤں کہ وہ اس قدر صلاحیتوں کا مالک ہے کہ آپ بھی اسے دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔

میں نے اس کے ہاتھ ہتھکڑیوں میں کسوا دیے تھے لیکن جب میں کرسی پر بیٹھا تو اس نے اپنی ہتھکڑیوں کا جوڑا میز پر رکھ دیا۔ لاک اپ میں بند کیا تو مجھے یہ پتا نہیں چل سکا کہ کس طرح لاک اپ سے نکل کر باہر آ گیا۔ بڑا ہی پراعتماد اور خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ صوفی کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایک انوکھی لہر بے دار ہوئی۔ پھر اس نے کہا۔

"کوئی تصویر ہے اس کی۔"

"تصویر کہاں سے آتی۔ ویسے سفارتخانے وغیرہ سے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"شکل وصورت کیسی تھی اس کی۔"

"ہاں میں آپ کو اس کا حلیہ بتلا سکتا ہوں۔ بہت ہی خوب صورت شکل وصورت کا تروتازہ نوجوان تھا۔ طویل القامت، جوان العمر، رنگ انگریزوں کی طرح سرخ وسفید تھا۔ لیکن چہرے پر انگریزوں جیسا کھردرا پن نہیں تھا۔ بلکہ ایک ملائمت ہے اس کے چہرے پر اور ہاں ایک خاص بات میں اور بتا دوں یہ میری ذاتی رائے ہے اس کے چہرے کے نقوش بارودوالا سے ملتے جلتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اردو اہل زبان ہی کی طرح بولتا ہے۔"

"ہوں، درویش اس بھی پر رحم کریں۔"

"صوفی صاحب میں مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، درویش رحم کریں گے۔ ویسے اس کی تصویر کا انتظام ہو جائے۔"

"میں بھرپور کوشش کرتا ہوں۔" جمشید مرزا نے جواب دیا اس کے بعد وہ دونوں ہوٹل سے اٹھ گئے تھے۔

♥.....♥.....♥

صوفی کے جوہر اس طرح کھلتے تھے کہ سب ششدر رہ جاتے تھے۔ کرنل رحیم شاہ کی ہدایت کے بعد اختر سہیل کی تلاش بہت بڑی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ اس سلسلے میں بھرپور طریقے سے کارروائی ہو رہی تھی۔ سہیل عالم بارودوالا کی تصویر کہیں سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پھر صوفی نے مصوری کا کمال دکھایا تھا جمشید مرزا سے سہیل کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد صوفی نے گرین ہاؤس میں اس کی تصویر بنائی تھی۔ پھر اس

تصویر کے پرنٹ نکلوائے گئے تھے اور اس کے بعد جب اسے جمشید مرزا کے سامنے پیش کیا گیا تو جمشید مرزا شدت حیرت سے گنگ رہ گیا۔

’’یہی ہے بالکل یہی ہے مگر یہ تصویر آپ کو کہاں سے حاصل ہوئی صوفی صاحب۔‘‘

’’عزیزی آپ کی ہدایت کے مطابق بنائی ہے۔‘‘

’’خ......خدا کی قسم کوئی شخص بلا وجہ اتنی شہرت اور اختیارات حاصل نہیں کر لیتا بہر حال شازیہ، دلاور، فیضان، غلام قادر سبھی ان دنوں اس تصویر کے پرنٹ جیب میں لیے پھر رہے تھے۔ خود صوفی بھی اب اس کی تلاش میں سرگرداں تھا اور پھر اس دن صوفی ایک سنیما ہاؤس کے سامنے سے گزر رہا تھا جس میں ایک بہت مشہور انگریزی فلم چل رہی تھی کہ اسے ایک ایسا چہرہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ اچھل پڑا تھا۔ ڈارک گرین کلر کے سوٹ میں ملبوس وہ سرخ وسفید رنگت والا نوجوان شاہانہ انداز میں چلتا ہوا ایک لمبی کار کی جانب بڑھ رہا تھا۔ بہت اعلیٰ درجے کی کار تھی۔

صوفی رک کر اسے دیکھتا رہا۔ وہ خود بھی ایک ایسی کار میں تھا جو اس کی نئی رہائش گاہ میں رہا کرتی تھی۔ نوجوان اس کار میں بیٹھا تھا اور صوفی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ سنیما ہال کے پاس اچھی خاصی بھیڑ بھاڑ تھی لیکن اچھا خاصا دور جا کر رش ختم ہو گیا تھا اور اب صوفی بڑی باقاعدگی سے اس کار کے پیچھے لگا ہوا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ آگے جانے والی کار کو تعاقب کا اندازہ ہو گیا ہے پھر اس کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ اگر یہ سہیل عالم بارو والا ہی تھا تو آج اونٹ پہاڑ تلے آیا تھا اور لازمی طور پر کسی دلچسپ صورت حال کا آغاز ہونے والا تھا۔

♥......♥......♥

آگے جانے والی کار کی رفتار بڑھتی رہی۔ لیکن صوفی کی کار اس سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں تھی۔ رفتار بتانے والی سوئی حدود توڑ رہی تھی اور آگے جانے والی کار نے سنسان سڑکوں کا رخ کیا تھا تاکہ اس تیز رفتاری کی وجہ سے کوئی حادثہ رونما نہ ہو جائے۔ صوفی محسوس کر رہا تھا کہ آگے جانے والا شخص انتہائی مشاق ڈرائیور ہے لیکن صوفی کی اپنی صلاحیتوں کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہیں تھا۔

پھر ایک موڑ پر وہ کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ دوسرے لمحے صوفی بھی تیز رفتاری سے اس موڑ سے گزرا اور پھر اگر وہ انتہائی مہارت کا ثبوت نہ دیتا تو ایک بہت ہی بڑا حادثہ ہو گیا تھا۔ کار موڑ کے بالکل نزدیک سڑک کے بیچ میں کھڑی ہوئی تھی۔ صوفی نے اپنی کار سائیڈ سے نکالی اور آگے چل کر اس کی رفتار ایک دم کم کر دی۔ اس کے بعد وہ کار کو ریورس میں پیچھے کی طرف لایا لیکن اسی وقت وہ کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

ڈرائیونگ کرنے والا اپنی ملیٹ سے ہٹا نہیں تھا جب کہ صوفی نے ایک لمحے کے لیے یہ سوچا تھا کہ وہ کار کو ایک لمحے کے لیے سڑک پر چھوڑ کر یقیناً نیچے کود گیا ہوگا۔ ایک بار پھر صوفی کو بریک لگانے پڑے، لیکن اسکی کار کا پچھلا حصہ کار سے ٹکرا ہی گیا تھا۔ صوفی کا خیال تھا کہ یہ صرف اتفاقیہ بات ہے لیکن تھوڑا سا آگے ہٹ کر ایک بار اس نے پیچھے سے زوردار ٹکر صوفی کی کار میں لگائی اور اس کے بعد اس کی کار سائیڈ سے

گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی لیکن وہی بات تھی کہ اونٹ پہاڑ تلے آیا تھا۔ صوفی نے اپنی کار بھی آگے بڑھا دی اور آن کی آن میں وہ اس کے عقب میں پہنچ گیا۔

لیکن اب وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا آگے جانے والی کار کو یک دم بریک لگے لیکن صوفی اس بار نہایت آسانی سے اس کی سائیڈ سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس کی کار کا بمپر صوفی کی کار سے ٹکرایا تھا اور کار سڑک پر لہرا کر رہ گئی تھی پھر اس نے ایسا یوٹرن لیا کہ صوفی کو بھی اس کی اعلیٰ ترین مہارت کا قائل ہونا پڑا البتہ یہ الگ بات تھی کہ کچھ ہی دور پہنچ کر صوفی نے بھی اپنی کار کو واپس موڑ لیا تھا اور سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

لیکن وہ شخص بھی شیطان ہی تھا۔ وہ اب اپنی کار کے دوسرے رخ کو صوفی کی کار کے اس سمت سے آیا جو ڈرائیونگ سائیڈ تھا اور پھر اس نے صوفی کی کار کو سائیڈ ماری، لیکن صوفی صاف بچ گیا۔ اس کے بعد وہ بار بار کوشش کرتا رہا تھا لیکن اسے بھی قائل ہی ہونا پڑا ہوگا کہ کس ڈرائیور سے واسطہ پڑا ہے۔ اس طرح آگے پیچھے دونوں کاریں شہر میں داخل ہو گئیں۔ پھر کچھ دیر کے بعد انہیں ایک سگنل کے پاس رکنا پڑا۔ صوفی نے اپنی کار اسکی کار کے بالکل برابر لا کر کھڑی کر دی اور پھر گردن نکال کر بولا۔

’’سلام عرض کرتا ہوں حضور والا!‘‘ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے بھی مسکرا کر گردن خم کی تو صوفی نے کہا۔

’’اگر محسوس نہ فرمائیے تو اس سگنل سے نکلنے کے بعد مجھ سے گفتگو کیجیے، نہ جانے کیوں آپ کی صورت آشنا معلوم ہوتی ہے۔‘‘ صوفی نے کہا۔

’’ضرور......ضرور جناب! مجھے بھی آپ اپنے اپنے سے لگ رہے ہیں۔‘‘ اس نے بزجستگی سے کہا، پھر سگنل کے بعد صوفی نے ہوشیاری سے کار آگے بڑھائی۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ شخص پھر کوئی حرکت کرے گا لیکن سگنل کے کچھ دور جا کر اس نے کار سڑک کے ایک طرف روک دی اور صوفی اس کے برابر پہنچ گیا پھر دونوں دروازے کھول کر نیچے اتر آئے۔ نوجوان نے مصافحے کے لیے صوفی کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

’’افسوس میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔‘‘

عزیزم زمانہ قدیم میں میری ایک خالہ زاد ممانی ہوا کرتی تھیں۔ ان کے سالے کی سگی بہن کا ایک بیٹا تھا جو بالکل آپ کا ہم شکل تھا۔ درویشوں کی دعاؤں سے میں عرصے سے آپ کی تلاش میں ہوں۔‘‘

’’اے کیا واقعی!‘‘ نوجوان کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔ ’’تو وہ تم ہو آہ...... کتنے عرصے کے بعد ملے ہو۔‘‘ یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر صوفی کی جانب لپکا اور صوفی نے بھی ہاتھ پھیلا دیئے۔ دوسرے لمحے دونوں بغل گیر ہو گئے۔ لیکن نوجوان کی تقدیر ہی خراب تھی۔ ہڈیوں کے اس فولادی ڈھانچے میں اس قدر قوت تھی کہ جب بھی اس کے اظہار کا موقع آیا مد مقابل کی چیخیں نکل گئیں۔ گلے ملنے کا تو ایک بہانہ تھا۔ صوفی کے ہاتھوں کا مخصوص دباؤ اس کی گردن پر آ پڑا اور گرفت اتنی خطرناک ہو گئی کہ نوجوان ایک لمحے کے لیے بوکھلا کر رہ گیا۔ اس نے خود کو صوفی کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس میں

کامیاب نہیں ہوسکا۔

پھر نوجوان نے پھرتی سے زمین پر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن لگتا تھا کہ لوہے کے بنے ہوئے کسی بجلی کے کھمبے سے ٹکرا گیا ہو اور پھر چند ہی لمحوں بعد اس کے چہرے کی رنگت تبدیل ہونے لگی۔ اس کا چہرہ گہرا سرخ ہوگیا تھا اور گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔ صوفی نے ایسی رگوں پر دباؤ ڈالا تھا جو دماغ کا بدن سے رابطہ منقطع کر دیتی ہیں۔ اس طاقت ور نوجوان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ کسی ایسی بلا سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی ساری خوش اخلاقی بھول گیا اور صوفی کے جسم کے مختلف حصوں پر گھونسے مارنے لگا لیکن یہاں بھی اسے عجیب و غریب تجربہ ہوا تھا۔ خود اس کے ہاتھوں کی ہڈیوں میں چوٹیں لگی تھیں اور رفتہ رفتہ اس کے ہوش و حواس جواب دینے لگے۔ صوفی نے جب محسوس کیا کہ اس کے بدن میں جان نہیں ہے تو وہ بڑی محبت سے اسے اٹھا کر اپنی کار تک لایا اور دروازہ کھول کر اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ بہر حال اس کے بعد اس نے ایک نگاہ اس نوجوان پر ڈالی اور پھر اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ دوسرے لمحے اس کی کار تیزی سے گرین ہاؤس کی جانب جا رہی تھی۔ گرین ہاؤس میں ظاہر ہے اور بھی بہت سے افراد تھے۔ غلام قادر اور دلاور نے صوفی کے اس شکار کو اٹھا کر صوفی کے اس مخصوص کمرے تک پہنچایا جسے صوفی نے خصوصی تیاریوں کے بعد ایک عجیب و غریب چیز بنا دیا تھا۔

کرنل رحیم شاہ نے بھی اس کی بڑی تعریف کی تھی کیونکہ اس کا میکنزم صوفی کا ہی نصب کردہ تھا۔ کرنل رحیم شاہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"صوفی صاحب! پتا یہ چلا کہ آپ انجینئر بھی ہیں؟"

"بس میں کیا اور میری اوقات کیا۔ سب درویشوں کا کرم ہے۔ درویشوں کا دامن پکڑ لیا جائے تو یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مشکل آسان کر دیتا ہے۔ اس کے بعد باقی لوگ تو اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور صوفی اس نوجوان کی نگرانی کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ہوش میں آیا تھا۔ صوفی نے اطمینان سے ایک کرسی سے پشت لگائی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں اور جگالی جاری تھی۔ نوجوان متحیرانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ خاموش اور پرسکون کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اور سامنے بیٹھا ہوا شخص اس قدر بے پروا نظر آ رہا تھا کہ اسے حیرت ہو رہی تھی اس کا ہاتھ بغلی ہولسٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں پستول لگا ہوا تھا یہ بات بھی تعجب خیز تھی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہا ہے۔ اس بے ہوشی کے درمیان اس کی تلاشی بھی لی جا سکتی تھی اور کوئی بھی ذی ہوش آدمی اس کے پاس پستول نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پتا نہیں اس شخص نے اس کی تلاشی کیوں نہیں لی۔ لیکن یہ ہے کون اور اسے اس طرح یہاں لانے کا مقصد کیا ہے؟ پھر اس کا ذہن اس کی بے ہوشی کے اسباب کی طرف چلا گیا اور اس کا چہرہ حیرت سے سکڑ گیا۔ وہ شخص انسان تھا! جونک مگر جونک تو تعجب اور بڑی عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے۔

یہ شخص..... اسے وہ لمحات یاد آ گئے جب وہ اس کی گرفت میں تھا اور اسے بالکل یہی لگ رہا تھا جیسے لوہے کے آنکڑے اس کے گرد پھنس گئے ہوں۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھتا رہا۔ عجیب و غریب شخص تھا۔ بہر حال نوجوان نے ایک لمحے کے اندر فیصلہ کیا اور پستول نکالنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس سے دوسرے انداز میں بات کرنی ہے پھر اس کی آواز ابھری۔

"ہیلو.....!" سامنے بیٹھا ہوا شخص چونک کر سیدھا ہوگیا اور پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"درویش رحم کریں۔" نوجوان گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے والے کے چہرے سے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ وہ ہے کیا مصیبت؟"

"مم..... مم معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو یہاں آنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔" نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"ہمارا تعارف نہیں ہوسکا۔"

"تو کرا دیجئے۔" سامنے والا شخص بولا۔

"احقر کو سہیل احمد بارود والا کہتے ہیں۔"

"بب..... بب..... بارود!" سامنے والے کے حلق سے آواز نکلی۔

"جی ہاں۔ یہ میرے والد کا سرنیم ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ ہمیں آپ صوفی کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔"

"صرف صوفی.....!"

"صوفی صرف نہیں ہوتا۔ بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"اس کا تو مجھے اندازہ ہوگیا ہے۔ بہر حال آپ ایک آئیڈیل شخصیت کے مالک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے اس دنیا میں موجود ہیں جو مجھے بے بس کر سکتے ہیں بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ موجود نہیں ہیں۔ اگر موجود ہوتے تو آپ سے پہلے مجھے ضرور ملتے۔"

"موجود اور نا موجود پر میں کوئی مدلل بحث نہیں کر سکتا درویشوں کے کرم سے۔"

"یہ درویش آپ کی گفتگو میں کہاں سے آ جاتے ہیں۔"

"درویشوں کا کرم ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو میرے دوست۔ یہ درویش اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت دنیا کے بہت سے کام سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہ نیکیوں کے نمائندے ہوتے ہیں جو اپنا کام ازل سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔"

"مگر ایک بات بتائیے جناب کہ کیا آپ نے مجھے درویشوں کی مدد سے ہی بے ہوش کیا تھا؟"

"ہم نے کہاں بے ہوش کیا تھا۔ بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر آپ ہم سے گلے ملے اور رونے لگے۔ بے شمار گاڑیاں رک گئی تھیں۔ لوگ پوچھنے لگے تھے کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو اور پھر تم روتے روتے بے ہوش ہوگئے تھے۔"

"ظاہر ہے کہ ایک کہانی کے سوا کچھ نہیں ہے؟ لیکن کیا یہ ٹھیک نہیں ہوا کہ اب ہم کہانیوں کی دنیا

سے نکل آئیں۔"

"نکل آئے درویشوں کی دعا سے۔"

"ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، اگر متاثر ہوئے ہیں تو ہمیں اس بات کی بہت خوشی ہوئی۔"

"اور یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ میں دھوکے سے آپ کا شکار ہوا، اگر ذرا بھی یہ اندازہ ہوتا کہ آپ فوراً ہی ایسا کوئی عمل کر ڈالیں گے تو شاید میں آپ کے قابو میں نہ آتا۔ آپ مجھے بے ہوش کر کے یہاں لائے ہیں۔ یقین فرمایئے کہ اب تک کوئی ایسی جگہ نہیں بنی جہاں مجھے میری مرضی کے خلاف ایک لمحہ بھی رکھا جائے۔"

"ہم سمجھے نہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"آسانی سے سمجھ لیجئے کہ آپ یہاں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں روک سکتے، اگر میں نہ چاہوں تو۔" صوفی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"نہیں میرے دوست اس کمرے سے نکلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہاں صرف میں ہی کسی کو لا سکتا ہوں اور میں ہی اسے جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔" سہیل عالم مسکرا دیا پھر بولا۔

"نہیں جناب! تقدیر نے مجھے یہی تو ایک خوبی بخشی ہے کہ میں قید رہنے کے لیے نہیں ہوں۔"

"اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔ دیکھو یہ دروازہ میں تمہارے سامنے کھول رہا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ باہر سے بند نہیں کروں گا۔ میں اس دروازے کی سیدھ میں ایک کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ تم اگر یہاں سے نکل سکو اور مجھ سے دوستی کرنا چاہو تو سیدھے میرے کمرے میں آ جانا اور اگر نہیں نکل سکتے تو تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔" نوجوان مسکراتی ہوئی نگاہوں سے صوفی کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"وعدے کی پابندی کرنا بھی پسند کرتے ہیں آپ!"

"ہاں۔" صوفی نے کہا اور اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ بہر حال جمشید مرزا کی بتائی ہوئی باتیں بھی اس کے علم میں تھیں۔ جمشید مرزا نے کہا تھا کہ وہ اسے ہتھکڑی ڈال کر لایا تھا لیکن ہتھکڑیاں اس نے بڑے اطمینان سے ایک لمحے کے اندر نکال کر اپنی گود میں رکھ دی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال چند ہی لمحے گزرے تھے۔ نوجوان مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ صوفی کے جبڑے ایک دوسرے پر بھنچ گئے تھے اس نے نوجوان کو دیکھا اور بولا۔

"گڈ..... ویری گڈ۔ بیٹھو۔"

"نہیں۔ شرط جیت چکا ہوں اس لیے اب تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔" نوجوان نے کہا اور اچانک ہی اس کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال لیا اور صوفی نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ لیا جو اس سے پہلے اس کی بغلی ہولسٹر میں موجود تھا۔

"یہ کیا؟ وہ جو کہتے ہیں نا کہ اپنی خو نہیں بدلنی چاہیے۔ کاش اس وقت ہمارے محبوب دوست معشوق نشیلے یہاں ہوتے تو فارسہ میں تمہیں وہ شعر سناتے، جو حسب حال ہوتا درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"یہ پستول ہے حضور والا اور اس سے گولیاں نکلتی ہیں اور وہ گولیاں بدن میں روشن دان کھول دیتی ہیں۔"

"ان روشن دانوں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی ہوگی۔" صوفی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں۔ ان سے گاڑھا خون باہر آتا ہے۔" نوجوان سفاک لہجے میں بولا اور اس نے صوفی پر پستول تان لیا۔

"نہیں۔ ایسا مت کرو بارودوالا۔ تم اپنے فن سے مجھے متاثر کر چکے ہو۔"

"ایک اور فریب ایک اور دھوکا۔ بوڑھے گدھ! چلو سامنے والی دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"دیکھو میری بات مان لو۔ اب ہم خوشگوار ماحول میں بات کریں گے۔"

"ہاں بے شک یہ میرا وعدہ ہے۔ میں تم پر گولی نہیں چلاؤں گا البتہ جو کچھ میں تم سے پوچھوں گا وہ تمہیں بتانا ہوگا۔"

"واہ، واہ..... حق اللہ، حق اللہ! اب تم الٹے مجھ سے سوالات کرو گے، وہ بھی میرے گھر میں۔"

"وقت وقت کی بات ہے، اگر تم اس آدھے گھنٹے میں جب میں بے ہوش تھا مجھے اپنے قابو میں کر لیتے تو شاید اس وقت سوالات تم کر رہے ہوتے۔ لیکن بدقسمتی ہے کہ تم اب میرے قابو میں ہو اور مجھے یوں لگتا ہے کہ تم یقیناً پولیس کے آدمی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا۔"

"ارے..... واہ! تمہیں میرے نام پر شک کیوں ہو رہا ہے۔ صوفی نے کہا۔

"اس لیے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"کیوں کیا میں تمہیں صورت سے صوفی نظر نہیں آتا۔"

"صورت سے تو تم مجھے کوئی نامعقول بکرے نظر آتے ہو۔ بہر صورت میں تم سے تمہاری صورت کی بجائے تمہارے اپنے بارے میں گفتگو کرنا پسند کروں گا۔ میرا تعاقب کیوں کیا تم نے اور میری وجہ سے اپنی کار کیوں تباہ کر دی اور پھر مجھے یہاں تک کیوں لائے۔ ان سوالات کے جواب دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ان سوالات کے جوابات دے رہا ہوں تم نے ایک لڑکی کو اغوا کیا اور وہ احمد عالم بارودوالا کی بیٹی ہے۔"

"ندا احمد۔ ویسے بارودوالا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اس شہر کا بہت بڑا بدمعاش ہوں۔"

"بدمعاش.....!" نوجوان نے کہا اور بے اختیار قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"یہاں اس ملک میں بدمعاش اس طرح کے ہوتے ہیں؟"

"جس طرح کے بھی ہوتے ہوں میں اسی طرح کا ہوں، درویشوں کے کرم سے۔"

"خیر کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں، میں تم سے۔"

"بس جتنا بتا دیا ہے اتنا کافی سمجھو۔ یعنی تھوڑے بتانے کو بہت جانو۔"

"دیکھو دوست میں تمہارے اس ملک میں اجنبی ہوں۔ تم جو کوئی بھی ہو صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ میں اپنے دشمنوں میں گھر گیا ہوں۔ یہاں تک کہ پولیس اور دوسرے افراد بھی میرے خلاف دشمنی پر کمربستہ ہیں۔ لیکن کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تم جیسے شان دار آدمی کو بھی

معاف نہیں کر سکتا۔ حالات ہی ایسے ہیں، میں کیا کروں اس لیے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خاموشی سے عمل کرو اور مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرو کہ میں تم کو ہلاک کر دوں۔"

"ارے واہ....." صوفی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا پھر بولا۔

"ڈائیلاگ خوب بولتے ہو۔"

"میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ خاموش ہو جاؤ۔"

"آؤ۔ دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔ دوستانہ ماحول میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ مذاق بہت ہو چکا۔" صوفی نے کہا اور اپنی جگہ سے جنبش کی لیکن نوجوان کے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ کون سا عمل تھا۔ اس کا پاؤں آگے بڑھ کر اس کی ران پر پڑا اور نوجوان نے فوراً ہی پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ گولی نہیں نکلی تھی اور پستول سے ٹچ کی آواز نکل کر رہ گئی تھی۔ نوجوان نے کئی فائر کیے لیکن گولی نہیں نکلی۔ تب اس نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"غلطی ہو گئی دوست! غلطی ہو گئی۔ مجھے اس کے وزن کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ میں حیران تھا کہ تم نے پستول میرے ہولسٹر میں کیوں رہنے دیا۔ اب پتا چلا کہ اصل معاملہ یہ تھا۔"

"چل گیا نا پتا درویشوں کی دعاؤں سے۔ اس کے بعد اب مجھے زیادہ مجبور نہ کرو کہ میں بھی سفاک ہو جاؤں۔ آؤ میں تمہیں چائے پلاتا ہوں۔" صوفی اس طرح کمرے سے باہر نکلا کہ نوجوان کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔"

"آیئے۔" اور پھر اس کے بعد وہ دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ صوفی نے شازیہ کو بلا کر چائے کے لیے کہہ دیا تھا۔ اب نوجوان کے انداز میں ڈھیلا ڈھالا پن نظر آ رہا تھا۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ یقین کریں گے کہ اس ملک میں پہلی بار مجھے کسی شخص نے متاثر کیا ہے۔"

"اماں چھوڑو اب تو سارے جھگڑے ختم ہو گئے۔ آزادی سے بیٹھے ہو میرے ساتھ بات کر رہے ہو۔ جب دل چاہے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ مجھے اعتراض نہیں ہے بس چند باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"میں آپ سے بہت متاثر ہوں صوفی صاحب آپ نے واقعی کمال کیا۔ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ کوئی اس طرح میرے بدن کی رگوں پر دباؤ ڈال کر مجھے بے ہوش کر دے گا۔ میں یہ کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"بخدا ہم تو بڑے معمولی سے آدمی ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ احمد عالم بارود والا کی بیٹی کہاں ہے؟"

"وہ میرے پاس ہے اور بے حد پرسکون ہے۔"

"تم نے اسے اغوا کیوں کیا ہے؟"

"صوفی صاحب! ایک عرض کروں آپ سے! آپ مجھے ان خطرناک جلادوں کے سپرد کر دیں جو انسان کے جسم سے کھال کھینچ کر اس میں نمک لگا دیتے ہیں۔ میں جو خود کو اذیت رسانی کا سب سے بڑا ماہر سمجھتا ہوں چیلنج کرتا ہوں کہ میری زبان سے کوئی ایک لفظ، بھی نہیں سن سکے گا اگر پسند کریں تو مجھ پر ہر حربہ

آزما دیکھیں لیکن دوسری ایک شرط یہ ہے کہ میں آپ کی بڑائی تسلیم کر چکا ہوں۔ مجھے ایسے شان دار لوگوں سے مل کر نہایت مسرت ہوتی ہے اور میں ان کا بے حد قدر دان ہوتا ہوں جو کسی ایسے فن کا مظاہرہ کر ڈالتے ہیں جو میرے دل میں اتر جائے۔ میں آپ کو بتاؤں صوفی صاحب میرے دوست نہ ہونے کے برابر ہیں۔ صرف چند ہی افراد ہیں جن کی میں نے دل سے قدر کی ہے اور انہیں اپنا دوست بنانے کے لیے شدید محنت بھی کی ہے۔ جب میں کسی شخصیت سے متاثر ہو جاتا ہوں تو اپنے آپ کو ان کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں اور اپنے مکمل خلوص کا یقین دلا دیتا ہوں پھر میری کوئی بات اپنی انا کی بات نہیں رہتی۔ میری تمام تر شخصیت اپنی پسند کے شخص کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔ ابھی تک میرے ایسے دوست صرف تین ہیں۔ صرف تین۔ نارزن جس سے آپ ملے تو آپ دنگ رہ جائیں گے۔ چھوٹے سے قد کا ایک بونا ہے لیکن وہ کیا ہے میرا خیال ہے کہ آپ اس کے قد کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔

اس کے علاوہ ایک اور شخص ہے جس کا نام سبحان فرزانی ہے۔ یہ شخص قدیم زبانوں کا بہت بڑا ماہر ہے۔ آثار قدیمہ کے سلسلے میں اس کی تفتیش آسمانی حیثیت رکھتی ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ ایک اور شخص ڈاکٹر نائیڈو جو ایک جرمن ڈاکٹر ہے اور ایک خطرناک مہم جو، خاموشی سے اپنی زندگی مختلف مہمات میں گذارتا رہا ہے لیکن اس کی اپنی مہمات کی کہانیاں دنیا کے سامنے نہیں آ سکیں۔ بہر حال یہ تین افراد جو آج تک میرے لیے محترم اور دوست تھے۔ آج چوتھی شخصیت ان میں شامل ہو گئی ہے جس نے مجھے بھرپور طریقے سے متاثر کیا ہے۔ آپ واقعی ماہرین فن ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟ ممکن ہے آپ کا تعلق پولیس سے ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں کبھی انسان کی دولت یا مرتبے کی قدر نہیں کی۔ ہاں اگر اس کی ذات میں کوئی صفت ہے تو میں اسے نظر انداز نہیں کر سکا۔ صوفی صاحب! میری خواہش ہے کہ میرے چوتھے دوست آپ ہوں اور میں اپنے دوستوں کے حصول کے لیے اپنے عظیم تر مفاد کو کبھی مدنظر نہیں رکھتا۔ صرف آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر میں آپ کو اپنی دلی کیفیت سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ آپ میرے کسی لفظ کو غلط نہ سمجھیں۔ وہ جذبہ جو میرے سینے میں پوشیدہ ہے اور وہ قسم جو میری ماں نے مجھے دلائی ہے۔ میرے دل و دماغ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ صرف یہ دو چیزیں ہیں جو میری اپنی ملکیت نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق میری ماں سے ہے۔ میں یہ دو چیزیں آپ کے سپرد نہیں کر سکوں گا۔ اس کے علاوہ میری ذات میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ آپ کے ایک اشارے پر کھل سکتا ہے۔"

نوجوان کی آواز میں ایک ہلکی سی بھراہٹ پیدا ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک دبے دبے جوش کا اظہار پھیل گیا تھا۔ صوفی کے چہرے کے تاثرات بھی تبدیل ہو گئے اور وہ نوجوان کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

اس وقت اس کی کیفیت میں وہی بات ابھر آئی تھی جو کبھی کبھی ابھرتی تھی اور اس کے مدمقابل حیران رہ جاتے تھے۔ کچھ دیر مکمل خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد صوفی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری دوستی کی قدر کرتا ہوں اور اب میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ہر بات پر یقین کروں گا اور تم بھی مجھ پر اعتبار ہی رکھنا۔ مجھے بتاؤ تم نے اس بچی کو اغوا کیوں کیا ہے اور جو کھیل تمہاری ذات سے وابستہ ہے وہ کیا ہے؟"

''احمد عالم بارود والا میرے باپ ہیں۔ تقریباً پچیس چھبیس سال قبل انہوں نے جرمنی میں میری ماں سے شادی کی تھی۔ میری ماں نسلاً جرمن تھی اور میرے باپ سے یعنی احمد عالم بارود والا سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس نے اپنا مذہب تک تبدیل کرلیا اور مسلمان ہوگئی۔ ایک مسلمان عالم نے اسے مسلمان کیا اور اس کا نام مریم رکھا۔ احمد عالم بارود والا اس وقت کچھ بھی نہیں تھے۔ زمانہ طالب علمی سے گزرنے کے بعد وہ کاروبار کے لیے سرمار رہے تھے اور جس کام کے لیے وہ جرمنی گئے تھے اس میں انہیں شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میرے نانا روڈلی فاسٹر بھاری مشینری کے ایک بہت بڑے کارخانے کے جنرل منیجر تھے۔ جب میری ماں احمد عالم صاحب سے متاثر ہوئی تو میرے نانا بھی ان کی مدد کرنے پر آمادہ ہوگئے اور احمد عالم بارود والا کے راستے کی تمام مشکلات آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئیں۔ انہوں نے میری ماں سے شادی کرلی اور میرے نانا نے انہیں تمام تر سہولتیں مہیا کردیں جو ان کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ انہوں نے باقاعدہ تجارت شروع کردی اور نہایت کامیابی سے کروڑوں روپے کی بھاری مشینری باہر بھجوائی۔ یہ تمام تر مشینری قرضوں پر خریدی گئی تھی اور یہ قرض تقریباً ایک یا دو ارب ڈالر تک پہنچ گیا تھا۔ میرے نانا یہ تمام کام اپنے ذمے داری پر بلکہ اپنے ہی نام سے کروا رہے تھے اور اس سلسلے میں احمد عالم بارود والا قطعاً ملوث نہ تھے۔ پھر نانا کی ریٹائرمنٹ کا وقت آ گیا اور انہوں نے احمد عالم صاحب سے ان تمام حسابات کو صاف کرنے کی درخواست کی جنہیں اب تک صاف نہیں کیا گیا تھا۔ احمد عالم صاحب کی پوزیشن اب ایسی نہیں تھی کہ وہ قرم کی ادائیگی نہ کر سکتے لیکن ان کے دل میں بے ایمانی آ گئی تھی اور انہوں نے مکمل طور پر معلومات حاصل کرلیں کہ قرم کے معاملات یا کارخانوں کے لین دین میں ان کی اپنی ذات تو کہیں ملوث نہیں ہے۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد انہوں نے میرے نانا کو قتل کردیا اور اس قتل کو خودکشی کا روپ دینے کے لیے ایک خوب صورت سا پلان تیار کیا۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ یہ قتل میری ماں نے اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھ لیا اور وہ شدت غم سے بے ہوش ہوگئی۔ احمد عالم بارود والا وہاں سے بھاگ نکلے۔ میری ماں ہوش میں آنے کے بعد نیم پاگل سی ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ احمد عالم کچھ عرصے بعد ضرور اس سے رابطہ قائم کریں گے اور اس سے اپنی اس حرکت کی معافی مانگیں گے لیکن احمد عالم صاحب اس طرح غائب ہوئے کہ ان کا کچھ پتا نہیں چل سکا۔ میری ماں نے کسی کے سامنے زبان نہیں کھولی۔ باپ تو مر ہی چکا تھا، شوہر کو عذاب کا شکار بنا کر وہ اسے بھی نہیں کھونا چاہتی تھی۔ اس دوران، میں پیدا ہو چکا تھا۔ میری ماں میری پرورش کرتی رہی اور اس نے اس اہم راز کو سینے میں دبائے رکھا۔ نانا صاحب کی جائیداد سے کارخانے کی رقم وصول کرلی گئی اور ہماری حیثیت معمولی لوگوں کی جیسی رہ گئی۔ میں پرورش پاتا رہا لیکن کسی سرپرست کی غیر موجودگی اور ماں کا یہ نیم پاگل پن مجھے صحیح راستوں کی طرف نہ لے جا سکا اور میرے دوستوں میں خطرناک لوگوں کے تعداد بڑھتی گئی۔ انہوں نے مجھے چھوٹے موٹے جرائم کرنا سکھا دیئے اور یہ جرائم ہی میری زندگی بن گئے۔ دنیا کے مختلف شہروں میں میرا دورہ ہوتا رہتا تھا اور پھر میں نے اپنی مالی حالت خاصی مستحکم کرلی۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن میری ماں اچانک ہی شدید بیمار ہوئی اور مرتے وقت اس نے مجھے زندگی کے اس اہم راز سے آگاہ کردیا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں صوفی صاحب کہ بچپن ہی سے مجھے اپنے باپ کی غیر موجودگی سے شرمندگی ہوتی تھی۔ باہر کی زندگی میں بن باپ کا

ہونا کوئی معیوب بات نہیں ہے، لیکن قدیم لوگ اب بھی ان لڑکوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے جن کے باپ نامعلوم ہوں۔ میری ماں ساری زندگی ایسی شدید ذہنی اذیتوں کا شکار رہتی تھی۔ حالات خراب ہونے کے بعد ہم نے اپنی حیثیت بھی بدل لی تھی اور اس بدلی ہوئی حیثیت سے ہمیں جاننے والے یہی سمجھتے تھے کہ میں اپنی ماں کی کسی لغزش کا شکار ہوں۔ صوفی صاحب! بچپن ہی سے میری ماں نے میرے باپ کے مذہب پر ہی مجھے ڈالا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کرکے کچھ ایسے عالموں کا تعاون حاصل کرکے دیا تھا جو مجھے میرے باپ کی زبان سکھائیں اور اسی کے مذہب کی تعلیم دیں۔ میں اس مذہب اور زبان سے بہت متاثر تھا اور میں نے شوق کی خاطر یہ زبان اچھی طرح سیکھ لی تھی۔ میری ماں نے بھی میرا نام سہیل عالم بارود والا رکھا تھا لیکن ان تمام چیزوں کو میں نے اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں دی جب تک ماں نے اپنی زندگی کے اہم راز کا انکشاف نہیں کیا۔ اسی نے مجھے احمد عالم بارود والا کے بارے میں تمام تفصیل بتائی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ احمد عالم بارود والا اب اپنے ملک میں ہیں اور ایک اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔ ماں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ احمد عالم بارود والا کا پتا معلوم کرنے کے بعد اس نے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن بارود والا نے اسے دھتکار دیا۔ اس نے کہا کہ اگر میری ماں اس کے ملک میں داخل ہوئی تو وہ اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کروا دیں گے۔ میں ان تمام انکشافات پر پاگل ہوگیا تھا۔ صوفی صاحب! میں نے اپنی ماں کی زندگی میں یہ تہیہ کیا کہ میں اس ظالم انسان کو ایسی اذیتیں دے کر ماروں گا کہ یادگار رہے، لیکن صوفی صاحب اس مذہب کی تعلیمات احمد عالم سے زیادہ میرے دماغ پر اثر انداز تھیں۔ ماں نے مجھے قسم دی اور کہا کہ اس کے سائے میں زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔ یہ قسمیں دینے کے بعد میں ماں سے احتجاج بھی نہ کرسکا تھا کہ وہ مرگئی اور اس کے بعد صوفی صاحب میں نے اپنے باپ کے ملک کا رخ کیا۔ میں آپ کو ٹارزن کے بارے میں مختصراً بتا دوں۔ ساڑھے تین یا پونے چار فٹ کا نوجوان زمانے کا ستایا ہوا انسان تھا۔ اس کے ساتھ بھی شدید ناانصافیاں ہوئی تھیں اور اس کی آدھی زندگی جیل میں گزری تھی لیکن پھر اس نے دنیا سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور اپنے اندر وہ قوتیں پیدا کرنے لگا جو اسے دنیا سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کرسکتی تھیں پھر اس کی ملاقات جیل میں مجھ سے ہوئی اور اس نے مجھے اپنے بیٹوں جیسی محبت دی اور اس بات کا اعتراف کیا کہ میری وجہ سے اس کی زندگی کا رخ بدلتے بدلتے رہ گیا۔ وہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ آپ اس کے بدن کی رگ رگ کو بندشوں میں کس دیں۔ لیکن وہ قید ہونے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ ان قوتوں کے حصول کے بعد اس نے جیل سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا تھا کہ مجھ سے ملاقات ہوگئی اور اس نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قانونی طور پر ہی جیل سے باہر نکلے گا اور پھر ہم دونوں ساتھ ہی ساتھ رہا ہوئے تھے۔ ٹارزن کی لاتعداد خوبیوں میں سے ایک، خوبی یہ بھی ہے کہ زمین سونگھ سونگھ کر انسانوں کا کھوج لگا لیتا ہے۔ اس کی نگاہ سے کسی کا بچنا ناممکن ہے میں اس کی آپ سے ملاقات کراؤں گا۔ آپ کو ایک حیرت انگیز آدمی لگے گا ہو۔''

صوفی متحیرانہ انداز میں یہ کہانی سن رہا تھا اور صحیح معنوں میں وہ اس شخص سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ ٹارزن کے بارے میں بھی اسے جو معلومات حاصل ہوئیں اسے سن کر اس کا جذبہ اشتیاق بڑھ گیا اور اس نے دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ اس بونے سے ضرور ملاقات کرے گا جو اس قدر صلاحیتوں کا مالک ہے۔ سہیل

عالم نے اپنی کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''پھر میں یہاں پہنچا تو طبیعت میں شرارت ابھری تھی، اس لیے اپنے ساتھ پسا ہوا سفید پتھر لیتا آیا اور اسے ہیروئن پاؤڈر بنا کر پیش کر دیا۔ اس طرح مجھے اپنے باپ تک رسائی حاصل ہو گئی لیکن میرے باپ نے انتہائی سنگ دلی سے مجھے ٹھکرا دیا۔ صوفی صاحب میری ماں پر ظلم کیا گیا۔ میرے نانا جو ہمیشہ میرے باپ پر مہربانیاں کرتے رہے تھے اور جنہوں نے تمام تر خلوص کے ساتھ اس کے مستقبل کی تعمیر میں اس کی مدد کی تھی اسی کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ میری ماں نے تمام عمر پاگلوں کے سے انداز میں گزار دی۔ میں نے اپنی فطرت کے تحت ہمیشہ اس کرب کو اپنے سینے میں محسوس کیا ہے کہ لوگ مجھے بن باپ کا بیٹا کہتے ہیں مگر میں ان کی زبانیں بند نہیں کر سکتا تھا اور جب مجھے اپنی ماں کی زبانی اس بات کا علم ہوا کہ میں بن باپ کا نہیں ہوں تو یقین کریں مجھے بے پناہ مسرت ہوئی تھی۔ اس کے باوجود کہ میرے باپ نے میری ماں کے ساتھ ظلم کیا تھا اور میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اگر اب بھی میرا باپ مجھے سینے سے لگا لے تو میرے دل کی ایک بہت بڑی خلش مٹ جائے گی لیکن یہاں آ کر میں نے دیکھ لیا کہ احمد عالم بہت سنگ دل انسان ہے۔ میری آمد اس کے حواس پر بجلی بن کر گری ہو گی، لیکن اس آہنی اعصاب کے مالک شخص نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ مجھے اپنا بیٹا تسلیم نہیں کرے گا بلکہ اگر ممکن ہو سکا تو کسی نہ کسی طرح مجھے ہلاک بھی کروا دے گا۔ صوفی صاحب اس کے بعد میرے لیے کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا ہے کہ میں اسے مجرمانہ کارروائیوں کے ذریعے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دوں۔ میں اب اپنے سینے میں انتقام کا جذبہ رکھتا ہوں۔

ٹھیک ہے وہ میرا باپ ہے مگر اس باپ کی موجودگی میں بھی میں بن باپ کا کہلاتا رہا ہوں اور آج بھی وہ میری یہ شخصیت برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ آپ یقین کریں میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں نے اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے، وہ میرے پاس محفوظ ہے اور نارزن اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ صوفی صاحب! وہ میری بہن لگتی ہے، میں اتنا بدفطرت نہیں ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بہن کو نقصان پہنچاؤں، لیکن بارود والا کو میں اس کی اولاد سے ضرور محروم کر دوں گا۔ ابھی تو صرف لڑکی کی بات ہے، اس کے بعد لڑکوں پر بات آئے گی۔ اگر میں بھی اسے دنیا میں اسی طرح تنہا نہ کر دوں جس طرح میری ماں تنہا رہ گئی تھی تو میں اس کی اولاد ہونے کا دعویٰ نہیں کروں گا۔'' وہ سخت جذباتی ہو رہا تھا اور صوفی پر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

''نہیں عزیزم! ایسا کرنا بے مقصد رہے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔ اس کے بجائے کوئی ایسا حل تلاش کرو جس سے تمہاری خواہش پوری ہو جائے اور تمہیں مجرم بھی نہ بننا پڑے۔''

''یہ میرے باپ کا وطن ہے۔ اسے یہاں اختیارات حاصل ہیں اور مجھے نہیں۔ آپ خود غور کر لیں کہ میری ذہنی کیفیت کیا ہے۔ ساری زندگی کی محرومیوں کے بعد یہ خواہش پایہ تکمیل کو پہنچنے والی تھی لیکن اس شخص نے زندگی کی اس آخری خواہش کو بھی ملیا میٹ کر دیا۔ اب میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات نہیں۔ میں اسے صرف اذیتیں دینا چاہتا ہوں، اسی کے لیے کارروائی کر رہا ہوں۔ مجرمانہ زندگی تو میں گزارتا ہی رہا ہوں صوفی صاحب! زیادہ سے زیادہ کسی اہم جرم کے سلسلے میں موت کی سزا ہو جائے گی، مجھے

زندگی سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ایک تنہا انسان کی زندگی اس قدر دل کش نہیں ہوتی۔'' صوفی نے گردن ہلائی اور پھر بولا۔

''نہیں دوست! تم اس ملک میں اجنبی ہو۔ کیا سمجھے، اب میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لاؤ، ہاتھ لاؤ۔ دونوں مل کر حالات کا رخ موڑیں گے۔'' صوفی نے ہاتھ بڑھایا اور سہیل احمد نے آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی صورت دیکھی پھر اس کا لرزتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا اور دونوں کے ہاتھ مضبوطی سے مل گئے۔

♥.....♥.....♥

کرنل رحیم شاہ اس بار کچھ زیادہ ہی یہاں رک گیا تھا۔ یہاں اس کے لیے بے شمار ٹھکانے موجود تھے۔ لیکن گرین ہاؤس وہ اکثر آتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ صوفی کی اسی نئی رہائش گاہ میں پہنچا تھا جہاں وہ بہت کم ہی آتا تھا۔ ان دنوں حسینہ اور نشیلے کا معاملہ کچھ ٹھنڈا سا پڑ گیا تھا۔ معشوق نشیلے پتا نہیں کس چکر میں تھے اور حسینہ بہ دستور خوش اخلاق بننے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ بہر حال کرنل رحیم شاہ کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد حسینہ صوفی کو اطلاع کرنے چلی گئی۔ صوفی بھی کرنل رحیم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

''جی صوفی صاحب! شاہ میر صاحب سہیل عالم کے بارے میں خاصے الجھے ہوئے ہیں۔ خاص طور پر ندا احمد کی گمشدگی کے بعد۔''

''بڑا سنگین مسئلہ ہے کرنل صاحب درویشوں کے کرم سے۔ اصل میں احمد عالم بارود والا ایک انتہائی گھناؤنی شخصیت کا مالک شخص ہے۔ جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لیے اس نے اپنی اولاد کو ٹھکرا دیا ہے۔ اتنا حق تو سب کو ہوتا ہے کہ اپنے جائز حق کے لیے لڑیں۔ میرے خیال میں اس جیسے شخص کو اس طرح کی تکلیفیں پہنچنی ہی چاہئیں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا۔ کیا یہ بات بالکل سچ ہے کہ وہ بارود والا ہی کی اولاد ہے۔''

''ہاں۔ بارود والا نے اپنی ابتدائی زندگی ویسٹ جرمنی میں گزاری ہے۔ کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے؟''

''ہاں مجھے پتا چل گیا ہے۔''

''نوجوانی کی عمر میں اس سے ایسی لغزش ہوئی ہے اور یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ ابتدائی زندگی تھی اور وہ زیادہ پکی طبیعت کا مالک بھی نہیں تھا اور وہ جو اس نے سرمایہ حاصل کیا اس کی بھی کوئی وجہ ہو گی کہ کہاں سے حاصل کیا۔ بے شک اس نے یہاں بھاری مشینری کے کارخانے لگائے اور اس سلسلے میں ایک عظیم نام حاصل کیا۔ لیکن کرنل صاحب اس کارخانے کو لگانے کے لیے اور بھاری مشینری کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا کیا اس کے بارے میں کوئی تفصیل آپ کے یا شاہ میر صاحب کے پاس موجود ہے۔ اتنی بڑی دولت آخر اس نے کہاں سے کمائی آخر کوئی تو ذریعہ ہو گا۔''

''ہاں یقیناً کیوں نہیں۔''

''آپ شاہ میر صاحب کے ذریعے یا کسی بھی ذریعہ سے یہ سوال اس سے ضرور کریں کہ اتنی دولت اس نے کہاں سے کمائی اور اس کا ذریعہ کیا تھا؟''

''اس کے علاوہ.....؟'' کرنل رحیم شاہ نے پوچھا۔

''وہ طویل عرصے کے بعد اپنے باپ کو تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا اور باپ کی شفقت سے محروم رہ کر اس نے دوسری کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔''

''کیا یہ بات بالکل طے ہو چکی ہے۔''

''کرنل صاحب! اگر میں یہ الفاظ کہہ رہا ہوں اور ٹھوس لہجے میں کہہ رہا ہوں تو میرا خیال ہے کہ آپ کو کم از کم میری ذات پر اس قدر اعتماد ضرور ہوگا۔''

''نہیں بھئی ظاہر ہے کیوں نہیں، مکمل اعتماد ہے مگر اب.....''

''اب صرف یہ کہ احمد عالم بارود والا کو زبان کھولنے پر مجبور کیا جائے۔ شاہ میر صاحب سے کہیں کہ وہ صحیح حقیقت بتائے اور حقیقت بتائے بغیر اس کی بیٹی کا ملنا ممکن نہیں ہے اور میں پیش گوئی کیے دیتا ہوں۔ اس وقت کہ بیٹی تک ہی بات نہیں رہے گی بلکہ اس کے بعد اس کے بیٹوں پر بھی بات آئے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے بیٹوں سے بھی محروم ہو جائے گا۔''

''کیا صوفی صاحب آپ اسے تلاش کر چکے ہیں؟''

''ہاں۔ میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے اور ہم دونوں کے درمیان ایک معاہدہ بھی۔''

''کیا.....؟'' رحیم شاہ چونک پڑا۔

''ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے میں مکمل طور پر اس کی پشت پناہی کروں گا۔''

''ارے..... ارے..... صوفی صاحب اس کا مطلب ہے کہ..... اچھا کام کریں پہلے ندا احمد کو واپس کرا دیں اور اس کے بعد باقی کام میں کرنے کی کوشش کروں گا۔'' صوفی نے عجیب سی نگاہوں سے کرنل رحیم شاہ کو دیکھا اور پھر کہا۔

''سوچ لیجیے ندا واپس پہنچ جائے گی لیکن آپ کو بھی اپنے وعدے کا پاس کرنا ہوگا۔''

''بے فکر رہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح یہ کام کر ہی لوں گا۔ ابھی جا کر شاہ میر صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

''بہت بہتر۔'' صوفی نے جواب دیا۔

♥.....♥.....♥

اس کے بعد صوفی نے سہیل عالم سے رابطہ قائم کیا تھا۔

''تم مطلوبہ پتے پر پہنچ جاؤ۔ مجھے تم سے بے حد ضروری کام ہے درویشوں کے کرم سے۔''

''پتا بتایئے۔'' سہیل عالم نے کہا۔ صوفی نے اسے اپنی نئی رہائش گاہ کا پتا بتا دیا۔ سہیل عالم جب وہاں پہنچا تو حسینہ ہی نے دروازہ کھولا تھا۔

''مجھے صوفی صاحب سے ملنا ہے۔''

''نئے آئے ہو سویے، پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''آپ صوفی صاحب کی کون ہیں؟'' سہیل عالم نے سوال کیا۔

''اے اللہ نہ کرے۔ میرا تعلق اونٹوں کی نسل سے لگتا ہے تمہیں۔'' حسینہ نے حسب عادت کہا۔

''نہیں البتہ دریائی گھوڑے کی مادہ ضرور معلوم ہوتی ہیں آپ!''

''دریائی گھوڑا..... مادہ، بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ہے میرے۔''

''صوفی صاحب ہیں۔''

''ہاں۔ ہاں بیٹھے ہیں اپنے کمرے میں۔ جاؤ جاؤ اندر جاؤ۔ ارے مگر سنو تو سہی۔ بتانا پڑے گا جا کر ہو کون؟'' سہیل عالم نے دلچسپی سے حسینہ بیگم کے حدود اربعہ کا جائزہ لیا تو حسینہ نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ایک تو ان کم بخت سارے مردوں کی عادت ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ لگتا ہے بدن میں خس جائیں گے۔ آؤ بھئی۔'' سہیل عالم چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ صوفی سامنے نظر آ گیا۔ سہیل عالم کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ سہیل عالم سے کہا۔

''آ جاؤ، آ جاؤ۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' سہیل عالم آگے بڑھا۔ اس نے صوفی سے ہاتھ ملایا اور پیچھے سے حسینہ کی آواز آئی۔

''اس وقت کچھ کرنے کی نہیں ہوں بوتلیں لا کر رکھ دیتی ہوں ٹھنڈی۔ بس انہیں پر گزارہ کرنا۔ میرا آرام کرنے کا وقت ہے۔'' صوفی نے حسینہ کو دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''بوتلیں ہی لے آؤ۔'' سہیل عالم نے صوفی کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''بھابی جان ہیں۔'' صوفی ایک دم اچھل پڑا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔

''دوستی کا یہ حق ادا کر رہے ہیں، جناب سہیل عالم صاحب!''

''نن..... نن..... نہیں معافی چاہتا ہوں، پھر آخر یہ ہیں کون؟''

''اس گھر کی مالکہ..... ملازم ہیں، ہم ان کے.....''

''نہیں مانتا۔''

''عزیزم یہاں کام کرتی ہیں۔ گھر کی صفائی کھانا وغیرہ پکا دیتی ہیں مگر رویہ یہی ہوتا ہے ان کا۔''

''ویسے صوفی صاحب ایک بات بتاؤں۔ بہت کچھ سوچتا رہا ہوں آپ کے بارے میں۔ آپ یقین کریں ٹارزن سے میری بات چیت ہوئی تو ٹارزن نے بھی یہی کہا کہ کوئی بہت ہی اونچی شخصیت ہوگی۔ اصل میں بات وہی آ جاتی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو عظیم بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جو درحقیقت عظیم ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں۔''

''بیٹھو۔'' صوفی نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

''ندا احمد کو ٹھیک شام چار بجے اس کی کوٹھی پر پہنچنا ہے۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے۔'' سہیل عالم نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولا۔

''دو بجے ہیں، ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ بتایئے کیا پہلے پہنچانا ہے؟'' صوفی نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''کوئی اعتراض تو نہیں ہے تمہیں۔''

''براہ کرم آئندہ یہ سوال نہ کریں صوفی صاحب! میرے پاس مزید کچھ کہنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔'' صوفی خاموش ہو گیا۔ سہیل عالم کے ان الفاظ نے اس کے کاندھوں پر ایک بھاری بوجھ ڈال دیا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ اسے اب خود ہی سب کچھ کرنا ہے۔

''ندا کو حقیقت تو نہیں معلوم ہوئی۔'' صوفی نے سوال کیا۔

''نہیں۔ اسے اغوا کرنے کے بعد میں نے اس سے ایک بار ہی ملاقات کی تھی مگر وہ گرجتی برستی رہی اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔''

''اچھے آدمی ہو۔''

''شکریہ صوفی صاحب! آپ میرے لیے انتہائی قیمتی انسان ہیں۔ خدارا ان معاملات کے بعد مجھے نظر انداز نہ کریں۔ اور ہاں اس شہر میں اگر مجھے کچھ وقت رہنا پڑ گیا تو لمحہ لمحہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''بے فکر رہو۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''سہیل عالم کہنے لگا۔'' خدا کی قسم صوفی صاحب! بڑا خوب صورت ملک ہے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ برے لوگ کہاں نہیں ہوتے۔ میری زندگی، پوری زندگی ہی ہلکی پھلکی مجرمانہ کارروائیوں میں گزری ہے۔ قتل و غارت گری سے ہمیشہ گریز کیا ہے بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ اب تک کبھی کسی کو زخمی تک نہیں کیا، لیکن اب شاید ایسا کرنا پڑ جائے۔''

''نہیں۔ تم یہ الفاظ نہیں کہو گے۔''

''ایک شرط صوفی صاحب! مجھے آپ کی سرپرستی درکار ہے۔ امتحان لے لیجئے میرا، میں نہیں جانتا کہ آپ کیا ہیں اور جب تک خود نہیں بتائیں گے جانوں گا ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے یہ معاملہ ختم ہو جانے دو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

''کیا یہ ہماری مرضی کے مطابق ختم ہو جائے گی۔''

''یہ سوچنا اب تمہارا کام نہیں ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کا تکیہ کلام ہے یہ۔''

''ہاں۔ پیر پرست آدمی ہوں، بس میری اپنی فطرت کا معاملہ ہے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

بہر حال اسی دن شام کو چار بجے ندا، احمد عالم کی کوٹھی پر پہنچ گئی اور صوفی اس سلسلے میں گرین فورس کے ممبروں کو ہدایت جاری کرنے لگا۔ شازیہ ان کی ہیڈ تھی اور ذمے داری اسی کے سپرد کی گئی تھی۔ لیکن فیضان، عادل، دلاور اور غلام قادر وغیرہ اس کی پوری پوری معاونت کر رہے تھے۔ اسی شام صوفی صاحب نے کرنل رحیم شاہ کے ساتھ شاہ میر صاحب سے ملاقات کی۔ کرنل رحیم شاہ نے ہی اسے بتایا تھا کہ شاہ پر اس سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ صوفی ان کے پاس پہنچ گیا۔

''صوفی صاحب! آپ سے بہت کم ملاقاتیں ہوتی ہیں، لیکن آپ یقین کریں کہ میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔ آپ نے اپنے آپ کو اس قابل ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو کسی بھی محکمے میں کوئی شان

دار سی جگہ دی جا سکتی ہے۔ لیکن مجھے یہی پتا چلا ہے کہ آپ کو یہ باقاعدہ ملازمت پسند نہیں۔''

''اصل میں باقاعدہ ملازمتوں میں اس قدر بے قاعدگی ہے کہ ہمارے راستے جگہ جگہ روکے جائیں گے، اس لیے بے قاعدہ کا سہارا زیادہ ضروری ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔ اب آپ ہمیں کچھ اور اجازت دیجئے۔ میں کرنل رحیم شاہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ کی ملاقات احمد عالم بارود والا سے ہوئی۔''

''ہاں میں نے شاہ میر صاحب کی وساطت سے ان سے ملاقات کی تھی۔''

''کیا کہتے ہیں وہ؟''

''تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ اور کہتے ہیں کہ وہ لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔ یہ سب فراڈ ہے۔''

''اوہو۔ اس کا مطلب ہے کہ احمد عالم کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔''

''ہاں بالکل۔''

''میں آپ سے درخواست کرتا ہوں صوفی صاحب! کہ آپ اس کمینے شخص کو گرفتار کر لیجئے۔ اس نے ہمارے ملک کے ایک معزز شخص کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی بیٹی کو اس نے اغوا کیا تھا، باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟''

''کوشش کروں گا؟''

''بس پلیز صوفی صاحب! اسے گرفتار کر لیجئے۔ یہ میری ذمے داری ہے کہ میں جرمن سفارت خانے کے معاملات سنبھال لوں گا۔''

''بہتر ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' صوفی نے یہ کہا پھر تقریباً ایک ہفتے تک صوفی نے خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے اس سے اس بارے میں سوال کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔ چلا کشی کر رہا ہوں اور درویشوں کی راہنمائی کا منتظر ہوں پھر ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جرمنی سے انٹرپول کے تین افراد یہاں پہنچے اور انہوں نے وزارت داخلہ سے اس شخص کی گرفتاری کی درخواست کی۔ شاہ میر صاحب کے پاس یہ درخواست پہنچی تو جس شخص کی گرفتاری کی خواہش ظاہر کی گئی تھی اس کا نام سن کر وہ دنگ رہ گئے۔

''وجہ.....؟'' انہوں نے وفد کے ممبران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مغربی جرمنی کی ایک فرم نے ستائیس سال قبل کے ایک جرم کی تصدیق کی ہے۔ جس شخص کی گرفتاری کے وارنٹ لے کر ہم یہاں آئے ہیں اس کا نام احمد عالم بارود والا ہے۔ اس نے ایک فرم کے جنرل منیجر کی معرفت اس فرم سے بھاری مشینری خریدی اور اسے یہاں منتقل کر دیا۔ فرم کے واجبات پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ذمہ دار شخص کو ہلاک کر دیا گیا اور اس وقت اس خاندان کے ایک نوجوان نے جو مقتول کا نواسہ ہے اس قتل کا انکشاف کیا اور ثبوت پیش کیے تو فرم نے حکومت سے قاتل کو قتل اور جعل سازی کے جرم میں گرفتار کرنے کی درخواست کی ہے۔ یہ تمام کاغذات تفصیلاً حاضر ہیں؟''

''شاہ میر صاحب کی آنکھوں میں تاریکی سی پھیلنے لگی تھی۔ انہوں نے فائل کھول کر دیکھی۔ تمام حوالوں کی نقلیں موجود تھیں۔ سب کی سب ناقابل تردید۔ ایک ایک چیز ٹھوس تھی جس میں پولیس رپورٹ بھی

شامل تھی۔ یہ تمام کاغذات ڈپلی کیٹ تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔

''ان کاغذات کی اصل کہاں ہے؟''

''فرم کے مالک، موجودہ مالک مسٹر اینڈریو ادون کے پاس۔''

''مجھے بتایئے میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''ہم آپ سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔''

''میں آپ لوگوں سے فوراً رابطہ قائم کروں گا۔ آپ کو مطمئن کرنا میری ذمہ داری ہے۔ یہ فائل رکھ سکتا ہوں میں۔''

''ہاں۔ یہ ڈپلی کیٹ آپ ہی کے لیے لائی گئی تھی اور اس کے بعد شاہ میر صاحب نے کپکپاتے لہجے میں فون پر کرنل رحیم شاہ کو ساری تفصیل بتائی اور انہیں طلب کرلیا۔ کرنل رحیم شاہ نے صوفی کو ساتھ لے لیا تھا اور شاہ میر صاحب کے پاس پہنچ گئے تھے۔ صوفی کو دیکھ کر شاہ میر صاحب کے انداز میں ہچکچاہٹ پیدا ہوئی ڈ کرنل رحیم شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آپ جانتے ہیں شاہ میر صاحب کہ میں نے اپنے ناکارہ وجود کو کارآمد بنانے کے لیے اپنا آپریشن کرکے ایک انسانی جسم اپنے آپ سے جوڑ لیا ہے۔ اس انسانی جسم کے بارے میں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون ہے۔ وہ صوفی صاحب ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی معاملہ ہو۔ میں صرف یہ سمجھتا ہوں کہ صوفی صاحب کے بغیر میری کسی معاملے میں شمولیت بے مقصد ہے۔'' شاہ میر صاحب فوراً سنبھل گئے پھر انہوں نے کہا۔

''میں جانتا ہوں اور اس اعتماد کی وجہ بھی جانتا ہوں۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بہرحال یہ تمام تفصیلات حاضر ہیں۔ میں ان پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ احمد عالم بارود والا نے ایک فرم کے جنرل منیجر کی معرفت اس فرم سے بھاری مشینری خریدی تھی اور اسے یہاں منتقل کردیا تھا۔ فرم کے واجبات پورے نہیں ہوئے کہ جنرل منیجر کو ہلاک کردیا گیا اور اب جنرل منیجر کے خاندان کے ایک فرد نے جو ان کا نواسہ ہے، اس قتل کا انکشاف کیا ہے اور ثبوت پیش کیے تو فرم نے حکومت سے رابطہ قائم کرکے احمد عالم کے خلاف تفصیلات مہیا کردیں اور حکومت سے مسٹر احمد عالم بارود کو قتل اور جعل سازی کے جرم میں طلب کرلیا۔ یہ تمام کاغذات کی تفصیلات حاضر ہیں اور ہماری حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ مجرم کو اس کے حوالے کیا جائے۔'' ساری تفصیلات کے بعد شاہ میر صاحب نے کہا۔

''اب آپ یہ بتایئے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' صوفی صاحب کیا کہتے ہیں آپ!''

''صرف ایک بات؟'' صوفی نے سرد لہجے میں کہا اور کرنل رحیم شاہ چونک کر صوفی کو دیکھنے لگے۔ صوفی کی یہ آواز کبھی کبھی ہی سننے کو ملا کرتی تھی اور اس آواز میں جو کچھ ہوتا تھا اس سے یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ بہ ظاہر مرنجان مرن نظر آنے والا یہ شخص جب اپنی اصل میں ہوتا ہے تو اس کا لہجہ بدلا ہوا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ شاہ میر صاحب کے علم میں تھا۔ انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اسے گرفتار کرلو۔''

♥.....♥.....♥

رات کے تقریباً آٹھ بجے تھے جب ندا احمد کا فون موصول ہوا اور انہوں نے بھاری لہجے میں کہا۔ ''کیا بات ہے ندا بیٹے!''

''انکل ہم لوگ سخت پریشانی میں پھنس گئے ہیں۔ براہ کرم آپ فوراً آجائیں۔''

''کیا پریشانی ہے؟''

''کچھ لوگ ڈیڈی کو گرفتار کرنے آئے ہیں؟''

''کیا ان کا جرم ثابت ہوگیا ہے ندا!''

''مم..... مم مجھے تو کچھ پتا نہیں انکل! کیا ہو رہا ہے؟ براہ کرم آپ جلد آجائیں۔'' ندا نے معصومیت سے کہا۔

''دیکھو ندا! تمہارے ڈیڈی نے جرم کیا ہے تو میں ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''

''انکل پلیز.....! میرے لیے آپ آجائیں۔ میں آپ سے کوئی ایسی درخواست نہیں کروں گی۔ آپ صرف ہمیں ڈھارس دینے کے لیے آجائیں۔ خدا کے لیے۔'' ندا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور شاہ میر صاحب پریشانی سے گردن ہلا رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں آرہا ہوں، پھر جب وہ احمد عالم کی کوٹھی پر پہنچے تو وہاں انہوں نے صوفی کو بھی دیکھا۔ کوٹھی میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ احمد عالم کے بیٹے منہ لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ندا نے رو رو کر آنکھیں سرخ کرلیں تھیں۔ وہ شاہ میر صاحب سے لپٹ گئی۔

''انکل، ڈیڈی..... ڈیڈی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''کیا تم لوگوں کو حقیقت معلوم ہوگئی۔'' شاہ میر صاحب نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''ہاں انکل! ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ ہمارے ڈیڈی قاتل ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ ایک قتل نہیں کیا انہوں نے کئی قتل کیے ہیں۔ افسوس جس نے ان کی زندگی کی تعمیر کی وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ مریم ان کے ظلم کا شکار ہوئی اور ان کا بیٹا۔ آپ یقین کریں انکل! یہ جرم ہم سب کو اپنا جرم محسوس ہو رہا ہے۔'' احمد عالم کے بڑے بیٹے مسعود عالم نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

''صوفی میرے ساتھ آؤ۔'' شاہ میر صاحب نے کہا اور اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں وہ سب افسران موجود تھے۔ یہاں انہوں نے ان تمام لوگوں کو دیکھا جن میں سے کچھ غیر ملکی تھے اور باہر سے آئے تھے۔

''احمد عالم صاحب نے اعتراف جرم کرلیا ہے۔''

''اگر یہ اعتراف تم کچھ عرصے پہلے کرلیتے احمد تو شاید تمہارے لیے کچھ کیا جاتا۔''

''ہاں۔ شاہ میر صاحب! میں مجرم ثابت ہوچکا ہوں۔ اس لیے اب بے حیا بھی ہوگیا ہوں۔ اس وقت ایک بدکردار شخص آپ سے مخاطب ہے۔ خدا کی قسم اب مجھے کسی رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ جرم انسان کے سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے تو وہ اپنے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے میں اپنے جرم کو چھپا نہیں سکا۔ اس جرم میں کوئی مجبوری نہیں تھی۔ بس میں کچھ بننا چاہتا تھا۔ ہر مجرم کسی نہ کسی مقصد کے تحت جرم کرتا ہے۔ مریم کے والد بہت نیک انسان تھے اور میں نے انہیں ان کی نیکی کا صلہ یہ دیا کہ انہیں قتل کردیا۔ مریم ایک نیک فطرت عورت

تھی۔ مجھے بہت چاہتی تھی لیکن اس کی چاہتوں کا صلہ میں نے یہ دیا کہ اسے زندگی کی اذیتوں میں گرفتار کر کے چھوڑ دیا۔ سہیل عالم میرا بیٹا ہے لیکن ایک ذلیل باپ کی اولاد۔ کاش میں یہ سب کچھ نہ کرتا۔

سب خاموش تھے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی اور پھر احمد عالم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں اعتراف جرم کرتا ہوں کہ میں نے یہ سب کچھ کیا ہے، اگر ایک رعایت میرے ساتھ ہو سکے تو آپ لوگ میرے ساتھ تعاون کریں۔''

''وہ کیا احمد عالم؟''

''سہیل اگر کہیں مل جائے تو میری اس سے ملاقات کرا دیں۔ میں اسے ایک بار سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔ آنکھوں سے ہوس کا غلاف اتر جائے تو انسان کو بہت سے احساسات ہونے لگتے ہیں۔ وہ میری اولاد ہے، میرا بچہ، میرا بیٹا!'' اچانک ہی احمد عالم بے اختیار ہو گیا۔ اس کی سسکیاں ہچکیوں میں بدلیں اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شاہ میر صاحب نے بے چین نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ کرنل رحیم شاہ اس وقت موجود نہیں تھے البتہ صوفی انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاہ میر صاحب نے ایک بار پھر صوفی کی طرف دیکھا تو صوفی نے کہا۔

''وہ باہر موجود ہے۔''

''کک..... کک..... کیا.....؟'' شاہ میر صاحب اچھل پڑے۔ صوفی صورت حال جان کر باہر نکل گیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ سہیل عالم کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سب کے چہرے پر سنسنی کے آثار تھے۔ احمد عالم کے دونوں بیٹے اور بیٹی بھی اندر آ گئے تھے۔ احمد عالم سہیل کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا۔ پھر وہ سہیل کی طرف جھپٹا اور اس نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

''سہیل میرے بچے.....! میرے بیٹے.....! مجھے معاف کر دے۔ تیرا باپ بے حد ذلیل ہے، انتہائی قابل نفرت مگر تو مجھے معاف کر دے۔'' سہیل نے جلدی سے احمد عالم کو بازو پکڑ کر اٹھا لیا۔ وہ خود بھی جذباتی ہو گیا۔ احمد عالم نے اپنے بچوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

''سنا تم نے میرے بچو! یہ تمہارا بھائی ہے۔ خدا کی قسم یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کی ماں سے میں نے اسلامی طور پر نکاح کیا تھا۔ وہ ایک مسلمان عورت تھی۔ میرے بچو! تمہارا مجرم باپ تم سے درخواست کرتا ہے کہ اگر مجھے پھانسی ہو جائے یا میرا ہارٹ فیل ہو جائے تو تم اسے اپنا بھائی سمجھنا۔ یہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔'' احمد عالم کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ سہیل کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اس نے بھی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ سب لوگ گواہ رہیں۔ میری ماں نے تمام زندگی اس کرب کے عالم میں گزاری کہ لوگ اسے فاحشہ عورت سمجھتے تھے۔ ایک کنواری ماں اور مجھے حرامی کے لقب سے نوازا جاتا تھا۔ جہاں میں رہتا ہوں وہاں یہ بات معیوب نہیں ہے۔ لیکن ہم جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس میں یہ لفظ بدترین حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کرب میری ذات سے چمٹا ہوا تھا۔ آپ گواہ رہیں کہ میں حرامی نہیں ہوں۔'' سہیل کی آواز بلند ہو گئی۔

''نہیں میرے بیٹے، میں ہوں تیرا باپ! میں گرفتار ہو کر جرمنی جاؤں گا تو وہاں کی عدالتوں میں اس بات کا اعتراف کروں گا، اخبارات کو یہ بیان دوں گا۔''

''اور آپ لوگ اس بات کے بھی گواہ رہیں کہ میں احمد عالم کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ یہ دولت میری نہیں میرے بھائیوں کی ہے۔ میں اسے خود پر حرام سمجھتا ہوں۔ اگر میں نے اس میں سے کچھ قبول کیا تو یہ میری ماں کی روح پر بوجھ ہو گا۔''

''نہیں، سہیل ہرگز نہیں۔ تم میرے بیٹے ہو۔'' بڑی رقت آمیز صورت حال تھی۔ وہاں موجود تمام ہی لوگ متاثر نظر آ رہے تھے۔ شاہ میر صاحب نے انٹرپول گروپ کے چیف سے بات شروع کی۔ انہوں نے کہا۔

''ہمیں آپ تھوڑی مہلت دے سکتے ہیں۔''

''میں آپ سے تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ ہمیں معاف کر دیں گے۔'' انٹرپول گروپ کے سربراہ نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''ہمارا تعلق نہ تو انٹرپول سے ہے اور نہ ہم اس سلسلے میں کوئی ایکشن لینے آئے ہیں۔ بے شک ہم لوگ جرمنی سے یہاں پہنچے ہیں لیکن ہم بالکل غیر متعلق لوگ ہیں۔ یہ کاغذات اور یہ تمام چیزیں ہم نے صوفی صاحب کی ہدایت پر تیار کرائی ہیں اور ہم نے یہ سب کچھ جو کیا ہے وہ صرف احمد عالم سے اعتراف جرم کرانے کے لیے کیا ہے۔ ہم معافی چاہتے ہیں کہ آپ جیسے اتنے بڑے شخص کو ہم نے غلط بیانی سے پریشان کیا۔'' شاہ میر صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو لے کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ باقی تمام افراد اندر ہی موجود تھے۔ باہر نکل کر انہوں نے صوفی کو دیکھا اور کہا۔

''صوفی صاحب.....! کک..... کک کیا یہ سچ ہے؟''

''درویشوں کی دعاؤں سے یہ ضروری تھا اور آپ بے فکر رہیں یہ تمام تفصیل بے شک معلومات کر کے حاصل کی گئی تھیں اور یہ کاغذات اسی شکل میں تیار کرائے گئے تھے۔ حکومت جرمنی کو کبھی اس کی خبر نہیں ہو گی کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ باقی معاملات آپ سنبھالیے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔'' شاہ میر صاحب اس قدر بے اختیار ہوئے کہ انہوں نے صوفی کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور کہنے لگے۔

''آپ ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں صوفی صاحب!''

''د..... در..... درویش رحم کریں۔ خدا کے واسطے یہ نہ کہیے کل ہی لوٹ لیا جاؤں گا۔'' صوفی نے کہا اور شاہ میر صاحب ہنس پڑے۔

''آپ نے جو کیا ہے صوفی صاحب اس کے بارے میں بعد میں بات ہو گی ابھی نہیں۔''

''میرا فرض تھا جناب! دیکھیے کتنی خوشی کی بات ہے کہ اتنا بڑا کام ہو گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آگے کیا کروں؟''

''کرنل صاحب آنے ہی والے ہیں۔ وہ اس ڈرامے میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ میں چلتا ہوں۔'' صوفی نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد کرنل رحیم شاہ طے شدہ پروگرام کے تحت وہاں پہنچ گئے۔ شاہ میر صاحب کرنل رحیم شاہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے متاثر لہجے میں کہا۔ ہر انسان کے اندر ایک فطری کمزوری ہوتی ہے کہ وہ اپنوں کے لیے اپنی شخصیت بھول جاتا ہے۔ میں بھی اسی کمزوری کا شکار ہوں۔ کرنل رحیم شاہ یہ

جو کچھ ہوا ہے یقین کرو میں نے بھی زندگی میں بہت سے الٹ پھیر دیکھے ہیں لیکن یہ جس انداز میں ہوا ہے میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بہر حال اور کیا کہوں اس بارے میں، تم جو داستانیں رقم کر رہے ہو۔ میں ان کی اس قدر خاموشی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ شخص جس کا نام صوفی ہے جن اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے ان کی مثال ناممکن ہی محسوس ہوتی ہے۔

چنانچہ اب بات تمہاری اجازت کی نہیں رہ گئی بلکہ میری کوتاہی کی ہے جو مقام تم لوگوں کو چاہیے اب اس کا تعین کرنا تمہارا نہیں میرا کام ہوگا۔" کرنل رحیم شاہ نے مسکرا کر گردن ہلا دی تھی۔

بہر حال وہ لوگ تو چلے گئے جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہ احمد عالم بارود والا کو گرفتار کر کے جرمنی لے جائیں گے اور جرمنی کی حکومت بارود والا پر مقدمہ چلا کر اسے سزا دے گی۔ بارود والا کا سارا سرمایہ ضبط کر لیا جائے گا۔ یہ بات سب کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ احمد عالم نے کافی دیر کے بعد سوال کیا۔

"شاہ میر صاحب میری گرفتاری میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟ اگر وقت ہے تو مجھے اپنے بچوں سے تھوڑی سی باتیں کر لینے دیں۔"

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔ تم اطمینان سے باتیں کرو۔"

"میں نے اپنے بچوں کی بات کہی ہے سہیل اور اب کم از کم کچھ وقت کے لیے مجھ سے گریز نہ کرو۔ میرے بچوں کے درمیان ہی آ کر بیٹھ جاؤ۔" باقی لوگ باہر چلے گئے تھے۔ احمد عالم کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"ہاں۔ میرے بچو! بدنصیبی ہے میری کہ آج میں اس عالم میں تم سے ہم کلام ہو رہا ہوں۔ پتا نہیں کون کون انسان اس دنیا میں رہنے والے میری ہی طرح گناہ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ میں بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ میرا گناہ تم لوگوں کے علم میں آ چکا ہے اور اب میں سزا کے دور سے گزر رہا ہوں۔ حکومت جرمنی مجھے لازمی بات ہے کہ موت کی سزا دے گی اور اس کے ساتھ ہی میرے تمام اثاثے ضبط کر کے اس کمپنی کے نام منتقل کر دیے جائیں گے اور تم قلاش ہو جاؤ گے۔ میں تم تینوں بھائیوں کو کوئی حکم نہیں دے سکتا اس لیے کہ میں ایک مجرم ہوں اور میں نے تم لوگوں کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ خاص طور سے سہیل کے ساتھ۔ سہیل دیکھا کبھی کبھی کی طلب کس قدر تکلیف دہ ہوتی ہے اب تم پر ایک بہن کی کفالت کا بوجھ آ پڑا ہے۔ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے گناہوں کو معاف کر کے تم میری بچی کا خیال رکھو گے اور تم بھی کہو مجھ سے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔

"بات ختم ہو گئی ڈیڈی! آپ نے مجھے میری شناخت دے دی، یہی آپ کا ورثہ ہے باقی جو کچھ بھی ہوتا ہے ہونے دیں، آپ فکر نہ کریں ہم سب آپ کے لیے لڑیں گے۔"

"نہیں بیٹے! سزا مکمل ہونے دو۔ موت کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ بہت دیر تک احمد عالم روتا رہا اور اس کے بچے بھی روتے رہے پھر شاہ میر نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"ارے بھائی! اب تم لوگ روتے پیٹتے ہی رہو گے یا ہمیں اجازت بھی دو گے۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں، میں گرفتاری کے لیے تیار ہوں۔"

"احمد عالم تمہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ تم اپنے بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی گزارو۔ اصل میں تم کسی طرح مان ہی نہیں رہے تھے۔ تم سے حقیقت اگلوانے کے لیے اور سچائی کو مضبوط قدموں سے نصب کرنے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا گیا۔ جرمنی سے کوئی وفد نہیں آیا۔ مجبوری تھی یہ سب کچھ کرنا۔ آرام سے اپنے بچوں کے ساتھ زندگی گذارو جو ہنگامہ ہوا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ بے پناہ خوشیاں اس گھر کو مل گئی تھیں اور اس کے روح رواں صوفی اور کرنل رحیم شاہ تھے۔ لیکن شاہ میر صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے نہ جانے کیا کیا کاروائی کر ڈالی اور اس کارروائی کے نتیجے میں کرنل رحیم شاہ کو ملٹری ہائی کمان کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا اور ایک میٹنگ کے لیے کال کر لیا گیا کرنل رحیم شاہ بیساکھی ٹیکتے ہوئے جب ہال میں داخل ہوئے جہاں ملٹری ہائی کمان سے لے کر اور وزیر اعظم سے لے کر صدر مملکت تک موجود تھے تو انہیں ایک خوشگوار حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ یہاں موجود بے شمار جرنل، کرنل سب کے سب کرنل رحیم شاہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور تالیوں کی گونج میں ان کا استقبال کیا گیا تھا۔

یہ اعزاز یہ بلندی کرنل رحیم شاہ کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔ تب اس پروگرام کو کمپیئر کرنے والے جنرل غلام حسین نے کہا۔

"کرنل رحیم شاہ آپ نے اپنی دوران ملازمت جو پیش بہا کارنامے سرانجام دیے وہ فوج کی تاریخ میں سنہرا باب ہیں۔ آپ درحقیقت ایک قابل فخر ہستی ہیں ملک اور فوج کا سرمایہ ایک فوجی اپنا عضو عضو اپنے ملک کو دے دیتا ہے۔ آپ کو صرف اس لیے آپ کی ذمہ داریوں سے ہٹایا گیا کہ آپ اپنے فرض سے کہیں زیادہ فرائض سرانجام دے چکے تھے اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ اپنے جسم کی ایک چھوٹی سی معذوری کے بعد آپ کو مصروف عمل رکھا جائے اس لیے آپ کو آرام کرنے کا حکم ملا لیکن کرنل رحیم شاہ ہم میں سے ہر شخص آپ کی کاوشوں پر سربلند ہے اور فخر سے یہ بات کہنے پر مجبور ہے کہ دیکھو یہ ہے ہماری فوج اور یہ ہیں ہمارے فوجی افسران جو اپنا فرض کسی طرح نہیں بھولتے۔ وزیر داخلہ شاہ میر صاحب نے سبک دوشی کے بعد آپ کی خدمات کی تفصیل پیش کی۔ آپ نے اپنے معاونین کا ایک گروپ بنا کر ملک کے لیے جو جو کچھ کیا ہے اس کی رپورٹ ہمارے پاس پہنچ چکی ہے۔ ہائی کمان نے بہ نفس جنرل کا عہدہ تجویز کیا ہے۔ آپ ایک بار پھر فوج میں بحال ہو گئے ہیں۔

ہم آپ کو ملٹری انٹیلی جنس کے خفیہ سیل کا سربراہ مقرر کرتے ہیں اور آج سے یہ عہدہ آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے ہائی کمان کی طرف سے ہی کہ ایک فوجی کی حیثیت سے آپ کو تاحیات اپنا یہ عہدہ سنبھالنا ہوگا۔ آپ اپنے گروپ میں جتنا چاہیں اضافہ کریں۔ ملکی اور غیر ملکی معاملات میں آپ کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوں گی۔ کرنل رحیم شاہ نے گردن جھکا لی۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے نکلے اور زمین پر ٹپکے۔ ایک لمحے کی خاموشی اختیار کرنے کے بعد چاروں طرف سے مبارک باد کی صدائیں بلند ہوئیں اور پھر صدر مملکت نے خود اپنے ہاتھوں سے کرنل رحیم شاہ کے لباس پر جنرل کے بیج لگائے اور انہیں مبارک باد دی۔ یہ چھوٹی سی رسمی تقریب تھوڑی دیر کے بعد اختتام پذیر ہو گئی۔ کرنل رحیم شاہ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ شاہ میر صاحب خود انہیں لے کر آئے، اپنی رہائش

گاہ پر پہنچے پھر انہوں نے صوفی کو بھی طلب کر لیا۔ صوفی فوراً پہنچ گیا تھا۔ تب شاہ میر صاحب نے کرنل رحیم شاہ کے نئے عہدے اور ان کے سپرد کی گئی ذمہ داریوں کی تفصیل صوفی کو بتائی اور صوفی کی باچھیں کھل گئیں۔

''میں بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں جناب والا!'' کرنل رحیم شاہ بے ساختگی کے بغیر بے اختیار اٹھے اور صوفی سے لپٹ گئے۔

''اور میں انتہائی شرمندہ ہوں صوفی کہ تمہارے طفیل یہ عہدہ وصول کر کے میں خود تمہاری مبارک باد لے رہا ہوں لیکن فوج میں تمہیں ایک اعلیٰ عہدہ دلوانا میری ذمہ داری ہے۔'' صوفی اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے کہا۔

''میرا ایک ماضی ہے جناب! اور ماضی کو میں نے اپنے بدن میں موجود روح کی طرح پوشیدہ رکھا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ میرا ماضی میری روح ہے اور شاید میں کبھی کسی کو اس کے بارے میں نہ بتا سکوں۔ بزرگ درویش میرا سب کچھ ہیں۔ بچپن ہی سے کچھ اس طرح کی فطرت تشکیل پائی کہ میں بزرگوں، پیروں اور ولیوں کا معتقد رہا۔ مجھے علم ہے کہ اس کائنات میں جسے اللہ کی قربت حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو زندگی کی ان چیزوں سے دور رکھا جو انسانی ذہن کو تقسیم کر دیتی ہیں۔ وہ تیتر رہتا ہے نہ بٹیر، سادگی کی زندگی میں جو مزہ پھلکاری کی زندگی میں نہیں ہے، اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے۔ سرکاری عہدوں میں آ کر میں نے محسوس کیا کہ اس میں لاتعداد پابندیاں فطرت اور مسلط کر دی جاتی ہیں جب تک اپنی مرضی پر قائم رہ سکا۔ قائم رہا اور اس کے بعد میں نے ریڑھی پر سامان تک بیچا۔

آپ یقین کیجیے انسان اگر اپنی اصل کو پہچان لے تو سکون کے سمندر میں موجزن ہو جاتا ہے اور اصل دو روٹی اور بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا ہے باقی سب چلتا ہے۔ کرنل رحیم شاہ صاحب نے انسانی مفاد کے لیے انسانی بہتری کے لیے مجھے آواز دی اور مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی عہدہ نہیں چاہیے اگر یہ عہدہ کرنل صاحب کے پاس ہے بلکہ اب میرے جنرل کے پاس ہے تو مجھ سے زیادہ خوش اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

البتہ میں عہدوں کا حلف اٹھاتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ میرا جنرل مجھے جو حکم دے گا جب تک زندہ ہوں آنکھیں بند کر کے اس حکم کی تعمیل کرتا رہوں گا۔'' صوفی نے کہا۔ وہ بہت کم بولتا تھا۔ اس نے بھی بڑی جذباتی کی تھیں۔ کرنل رحیم شاہ شدت جذبات کی وجہ سے مزید کچھ نہ بول سکا تھا۔

بہر حال ادھر یہ تمام معاملات چل رہے تھے اور ادھر ایک نئی کہانی جنم لے رہی تھی۔ احمد عالم بارود والا ہر ممکن طریقے سے کوشش کر رہا تھا کہ سہیل عالم کے ساتھ ہونے والی تمام ناانصافیوں کا خاتمہ کر دے اس نے آخری حد تک کوشش کر ڈالی تھی کہ سہیل اس کے ساتھ اس گھر میں قیام کرے لیکن سہیل نے ان سے بڑی محبت سے کہا تھا۔

''آپ اگر حکم دیں گے ڈیڈی تو اپنے بدن کا سارا گوشت کاٹ کر آپ کے سامنے ڈال دوں گا لیکن ایک عہد ماں کے سامنے کیا تھا اور وہ یہی تھا کہ اگر مجھے آپ کی طرف سے کوئی ورثہ ملا تو وہ صرف آپ کی ولدیت ہو گی اور اس کے علاوہ کچھ قبول کرنا ڈیڈی میرے لیے حرام ہو گا۔ میری بہن اور میرے بھائی مجھ

پر ہر طرح کا حق رکھتے ہیں۔ اب یہ میرا وطن ہے میں یہاں رہوں گا۔ آپ کی خدمت میں مسلسل حاضری دیتا رہوں گا لیکن آپ کی دولت میں سے ایک پیسہ بھی استعمال کرنا میری مری ہوئی ماں کی توہین ہو گی۔ ڈیڈی آپ بھی میری مدد کیجیے اور مجھے بھی موقع فراہم کیجیے کہ میں اپنی ماں کی توہین نہ کر سکوں۔ بارود والا خاموش ہو گیا تھا۔ ندا اور باقی دونوں افراد نے بھی بھرپور کوششیں کر لی تھیں لیکن وہ تیار نہیں ہوا تھا۔ ابھی اس کا قیام ایک ہوٹل میں ہی تھا۔ نارزن بھی اس کے ساتھ ہی تھا البتہ وہ صوفی کا بڑا معتقد ہو گیا تھا۔

اور ایک دن جب گرین فورس کے تمام ممبران گرین ہاؤس میں ہی موجود تھے وہ اچانک گرین ہاؤس پہنچ گیا تھا۔ وہ سب اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

''کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے صوفی صاحب! آپ مجھے بے ہوشی کے عالم میں یہاں لائے تھے لیکن میری واپسی ہوش ہی کے عالم میں ہوئی تھی پھر میں دوبارہ کیوں نہ پہنچتا البتہ باقی معلومات میں نے اپنی محنت سے حاصل کی ہیں۔''

''معلومات۔'' کرنل رحیم شاہ نے کہا۔

''جناب عالی! آپ کا ماضی مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ اس دوران یہی کچھ تو کرتا رہا ہوں اور بات وہی تھی یعنی صوفی صاحب پر عقیدت۔ میں صوفی صاحب کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کر چکا ہوں۔ مجھے معاف کیجیے کرنل صاحب! یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ آپ فوج سے ریٹائر ہونے کے باوجود ملکی معاملات میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس عمارت میں موجود چند افراد مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ملکی مفادات کے لیے کام کرتا ہے اور یہ ٹیم گرین فورس کہلاتی ہے۔'' صوفی نے کرنل رحیم شاہ کی طرف دیکھا۔ کرنل رحیم شاہ کے چہرے پر سنگین تاثرات نمودار ہو گئے تو سہیل نے جلدی سے کہا۔

''نہیں۔ میرے بارے میں برے انداز میں نہ سوچیے۔ یہ بات مجھے شاہ میر صاحب سے معلوم ہوئی ہے اور میں نے اپنی ذہانت سے یہ سب کچھ معلوم کیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کرنل رحیم شاہ کو جنرل کا عہدہ عطا کیا گیا ہے۔ سر! آپ لوگوں نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے اس کا صلہ تو میں خیر زندگی بھر نہیں دے سکتا۔ میں نے ایک معمولی سے چور اچکے کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے لیکن ایک بات آپ سے عرض کیے دیتا ہوں کہ اگر مجھے آپ کے قدموں میں جگہ مل گئی تو میں آپ کی ٹیم میں ایک عظیم سرمایہ ثابت ہوں گا۔ میں اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں آخری حد تک کوشش کرتا رہوں گا کہ آپ مجھے اپنے درمیان جگہ دے دیں لیکن ایک وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ بات کہیں اور میرے منہ سے نکل جائے تو ایک بار پھر مجھے حرامی کہنا شروع کر دیا جائے۔

بات اس قدر ہولناک تھی کہ وہ لوگ لرز کر رہ گئے۔ ایک شخص جس نے اپنی ماں کے اوپر سے یہ الزام ہٹانے کے لیے اپنی دنیا ترک کر دی تھی۔ وہ بھلا کس طرح اپنے آپ پر یہ گندگی مسلط کر لے گا؟ ناممکن تھا اور اس سے اس کی سچائی ظاہر ہوتی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر کہا۔

''گرین فورس میں اس وقت صرف پانچ افراد ہیں۔ میں سمجھتا ہوں صوفی صاحب! ہمارے درمیان ایک اور ممبر کا اضافہ ہو گیا ہے اور اس کا نام سہیل بارود والا ہے۔''

"ایک نہیں سردو۔ دوسرا ٹارزن ہے۔"

"قبول کیا ہم نے درویشوں کے کرم سے۔" صوفی نے مسخرے پن سے کہا پھر بولا۔

"اب اس کے لیے کچھ نئے انتظامات کرنا پڑیں گے۔" جنرل رحیم شاہ نے سہیل عالم اور اس کے ساتھی ٹارزن کے لیے ایک خوب صورت فلیٹ کا بندوبست کیا تھا اور سہیل عالم کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اس نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کی رپورٹ صوفی کو پیش کر دی تھی۔ اس طرح ایک ایسی آرگنائزیشن وجود میں آ گئی تھی جو ملک کی بقا کے لیے ایک اہم درجہ رکھتی تھی اور یہ بھی ملکی بقا ہی کا کوئی اہم کام تھا جس میں صوفی ایک نئی سج دھج کے ساتھ شازیہ کو اپنے ساتھ لے کر نادر پور چل پڑا تھا جو ایک بہت ہی مختلف علاقہ تھا۔ بہت سی ایسی خصوصیات کا حامل جو سرکاری نوعیت کی حامل تھیں اور یہاں ایک نئی کہانی کا آغاز ہوا تھا۔

یہ آغاز نادر پور کی سب سے بڑی بلند پہاڑی چوٹی گینسرہ سے شروع ہوا تھا۔ اس وقت گینسرہ کی پانچ ہزار چھ سو ستاسی فٹ بلند چوٹی اپنی پرشکوہ روایات کے ساتھ سینہ تانے کھڑی تھی۔ اوپر سے پہاڑی سلسلہ بالکل مسطح اور وسیع و عریض میدانوں کی مانند تھا۔ یہاں دو جنگیں ہو چکی تھیں اور ان چوٹیوں کو پڑوسی ملک کے ایک اہم حصے کی حیثیت حاصل تھی۔ عام طور سے یہ چوٹیاں سنسان ہی رہا کرتی تھیں اور کبھی کبھی ان کا استعمال ہوا کرتا تھا ورنہ یہاں عموماً تاریکی اور سناٹے کا راج ہی رہا کرتا تھا۔

شازیہ نے انتہائی کوشش کر کے صوفی کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ اس مہم میں اسے اپنے ساتھ رکھے۔ صوفی کی پراسرار شخصیت کے اتنے روپ سامنے آتے تھے کہ اسے جاننے والے حیران رہ جاتے تھے۔ خود کرنل رحیم شاہ جو اب جنرل بن چکا تھا لیکن اس نے صوفی سے یہی کہا تھا کہ اس کا عہدہ صیغہ راز میں رہنے دیا جائے چنانچہ وہ لوگ اسے کرنل رحیم شاہ ہی کہہ کر پکارتے تھے۔ بہر حال اس وقت وہ چاند کی مدھم روشنی میں گینسرہ کی یہ چوٹیاں خاموشی سے آسمان کو تک رہی تھیں۔ تاحد نگاہ گہرا بے کراں سناٹا چھایا ہوا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہاں زندگی کا کوئی وجود نہ ہو۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

زندگی تو کائنات کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی ہے۔ کہیں چٹان کے رخنے سے کسی نے آہستہ سے گردن نکال کر جھانکا اور اس کی کئی شاخہ زبان دو تین بار باہر نکلی اور پھر ساز گار، ٹھنڈی چاندنی اور خنک ہواؤں کے موسم سے لطف اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا نرم سیاہ چمکیلا بدن رخنے کے سوراخ سے ابلنے لگا اور باہر ڈھیر ہوتا گیا۔ مدھم چاندنی میں ٹھنڈی ہواؤں کے درمیان اس کا چوڑا شان دار پھن آہستہ آہستہ بلند ہوا اور چکی کے پاٹ کی مانند پھیل گیا۔ اس کے منہ سے ٹلل، ٹلل کی ہلکی آوازیں نکلنے لگیں اور سرخ ننھی آنکھیں گردش کر کے ماحول کا جائزہ لینے لگیں۔

پھر غالباً اس نے جگہ مناسب نہ سمجھ کر چمپا کے درختوں کی ان جھاڑیوں کا رخ کیا جن سے چمپا کے پھولوں کی مست خنک خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ اس کے بدن کی چمکیلی لکیر گھاس کے اس قطعے کی جانب بڑھنے لگی جہاں چمپا کے جھاڑ اگے ہوئے تھے۔ چمپا کی جھاڑیوں کے نزدیک پہنچ کر اس کا بدن آہستہ آہستہ اٹھا اور وہ اپنی پسند کی اس خوشبو کو خود میں جذب کرنے کے لیے درختوں کی جھاڑیاں سونگھنے لگا۔ لیکن دفعتاً ہی اس کے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہاں اسے کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اور غالباً اپنی اس

خلوت میں کسی اور کی موجودگی اسے پسند نہیں آئی تھی۔

چنانچہ اس نے اپنے بدن کا ایک گھیرا بنایا اور ایک بار پھر اس کا چوڑا پھن فضا میں بلند ہو کر اس تحریک کو تلاش کرنے لگا جس نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر ایک انسانی وجود جو خود بھی اس جانب نگراں تھا۔ کالے سیاہ ناگ کو اس انسانی وجود پر غصہ آنے لگا۔ بھلا اس حسین ماحول اور پرفضا منظر میں اس مکروہ مخلوق کی کیا گنجائش ہوتی ہے جو صرف اپنے مقاصد کے لیے جیتی ہے اور کسی بھی موسم سے لطف اندوز ہونا نہیں جانتی۔ اس خیال سے وہ اپنے مدمقابل کے سامنے ڈٹ گیا اور اس کی غفلت تلاش کرنے لگا لیکن مدمقابل جسمانی طور پر اس جیسا نہیں تھا البتہ ذہنی طور پر اس سے کہیں زیادہ تھا۔

دفعتاً ایک ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی اور سفید رنگ کا ایک اور انسانی وجود کے ہاتھ میں دبے ہوئے ایک سلنڈر سے خارج ہوا اور سانپ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ انسانی کارستانیوں سے بے خبر اس مخلوق کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ کسی عذاب میں گرفتار ہو گئی ہے۔ چمپا کے پھولوں سے کہیں زیادہ حسین خوشبو نے اسے لپیٹ میں لے لیا اور اس پر ایک عجیب سا سرور طاری ہو گیا لیکن اس کیفیت کا احساس اسے ایک لمحے سے زیادہ نہ ہو سکا۔ دوسرے لمحے اس کا پھن سکڑا اور بدن زمین پر آ رہا۔ جب چمپا کی جھاڑیوں میں چھپا ہوا وہ انسانی وجود آگے بڑھا اور ایک انگلی سے اس نے سانپ کے زمین پر پڑے ہوئے پھن کو کھٹکھٹایا۔ جب سانپ میں کوئی تحریک نہ پائی تو اس کے دونوں ہاتھ آگے بڑھے اور اس نے سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اپنے لباس سے اس نے ایک چیز نکال کر سانپ کو اس میں لپیٹ لیا اور اس کی بڑی سی پوٹلی اپنے نزدیک ہی رکھ لی۔ نہ جانے یہ وحشی مخلوق کون تھا۔ اس کے نقوش نظر نہیں آ رہے تھے۔

کیونکہ وہ سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپے ہوئے تھے۔ اپنے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد جیسے ہی اسے گہرا سکون ملا۔ وہ پاؤں پھیلا کر گھاس کے قطعے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ کی کلائی پر بہت ہی اعلیٰ درجے کی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے گھڑی کے ہندسوں کو دیکھا اور ایک لمحے کے بعد چمپا کے جھاڑ کے نیچے رینگ گیا۔

بہت دور سے کسی مشین کے انجن کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی دو لکیریں گینسرہ کی ڈھلانوں کی جانب سے اوپر ابھر رہی تھیں۔ سفید روشن لکیریں جن کا رخ گینسرہ کے آخری پہاڑی گھٹاؤں کی جانب تھا۔ سیاہ پوش ساکت ہو گیا۔ اتنا ساکت کہ چمپا کی جھاڑ میں ہلکی سی جنبش بھی نہیں رہی۔ آنے والی لکیریں آہستہ آہستہ گینسرہ کے اس کٹاؤ کے سامنے پہنچ گئیں جس کے بعد ہزاروں فٹ گہری کھائیاں شروع ہو جاتی تھیں اور یہ گہرائیاں ایسی تھیں کہ یہاں سے کسی پتھر کے ٹکڑے پر بھی قدم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ نیچے کی دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو اس انتہائی طاقت ور اور دیوہیکل لینڈ کروزر کے ذریعے اوپر آ رہے تھے لازمی طور پر شان دار صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بہر حال یہاں پہنچنے کے بعد روشن لکیریں بجھ گئیں اور دیوہیکل لینڈ کروزر سے دو افراد نیچے اتر آئے۔ مدھم چاندنی میں ان کے خاکے دیکھے جا سکتے تھے۔ ان میں سے ایک دراز قامت اور کسی قدر بے تکے بدن کا مالک عجیب سی شخصیت والا صوفی تھا اور دوسری ایک شان دار جینز میں ملبوس شازیہ دونوں لینڈ کروزر سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

لینڈ کروزر صوفی نے ڈرائیو کی تھی۔ شازیہ تو ان بلندیوں کو دیکھ کر ہی دہشت زدہ ہو گئی تھی اور اس نے سرسراتی آواز میں کہا تھا۔

''چھوٹے بابا یہاں تو کوئی باقاعدہ سڑک بھی نہیں ہے۔''

''بے قاعدہ تو ہے درویشوں کی دعاؤں سے، ویسے شازیہ ان بلندیوں پر باقاعدہ سرکاری نگرانی رہتی ہے۔ اس کے کچھ حصوں میں ہمیشہ فوجی جوان پوشیدہ رہتے ہیں جو ان بلندیوں سے سرحد پار کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ ان کے اوپر آنے جانے کا بھی تو کچھ نہ کچھ ذریعہ ہے ہی۔''

''ٹھیک ہے چھوٹے بابا! میں بھلا آپ سے کیا کہہ سکتی ہوں لیکن رات کی تاریکیوں میں؟''

''پتا نہیں بچپن کے کسی دور میں الوؤں سے میری بڑی دوستی رہی ہے۔ رات میں مجھے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی نظر آتا ہے۔'' صوفی نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور شازیہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گئی تھی۔ صوفی نے آہستہ سے کہا۔

''تم ڈر رہی ہو شازیہ! اور بس۔ ان الفاظ نے شازیہ کو دہکا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح ساکت رہے پھر شازیہ چند قدم آگے بڑھ کر کٹاؤ کے آخری حصے پر پہنچ گئی لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ایک بار پھر اس کے بدن پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی جب کہ صوفی اپنی جگہ کھڑا مسکراتا رہا تھا۔

پھر اس نے بھی کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی وہ کچھ بول بھی نہیں سکا تھا کہ آسمان سے ہلکی ہلکی آوازیں ابھریں۔ یہ آوازیں بھی روشنیوں کے ساتھ ساتھ ہی تھیں۔ ایک ہیلی کاپٹر تھا جس کے نیچے کی روشنیاں روشن تھیں اور وہ غالباً اسی طرف آ رہا تھا۔ شازیہ دوڑ کر صوفی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں مستعد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے گھاس کے اس قطعے کے پاس پہنچ گئے جہاں چمپا کے جھاڑ اگے ہوئے تھے۔

ہیلی کاپٹر نے دو تین چکر لگائے اور چند لمحات کے بعد جگہ کا تعین کر کے نیچے اتر آیا۔ چمپا کے جھاڑ سے اس کا فاصلہ کوئی دو سو گز کے قریب تھا۔ صوفی اور شازیہ ہیلی کاپٹر کی روشنی میں نمایاں ہو گئے تھے۔

ہیلی کاپٹر سے بھی دو ہی آدمی اترے تھے۔ ان دونوں کا تعلق کسی یورپی ملک سے تھا۔ بہت ہی اسمارٹ اور اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''ہیلو ڈیئر مجھے آپ کے پاس پہنچنے میں دیر تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں۔ میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں۔''

''آپ مجھے کربی کوسٹر کہہ سکتے ہیں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر کوسٹر۔''

''آپ یہ بتائیے۔ کیا ہماری امانت لے آئے؟''

''ہاں۔'' صوفی نے شازیہ کو اشارہ کیا اور شازیہ لینڈ کروزر کی جانب بڑھ گئی۔ صوفی مستعدی

سے خاموش کھڑا رہا تھا۔ پتا نہیں یہ سارا گیم کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت صوفی اپنی شخصیت سے بالکل مختلف نظر آ رہا تھا۔ شازیہ ایک بریف کیس لے کر صوفی کے پاس پہنچ گئی اور صوفی نے ہاتھ بڑھا کر بریف کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا۔''

''آپ کے حکم کے مطابق دو ملین ڈالر۔'' صوفی نے کہا۔

''ویری گڈ۔''

''کاغذات۔'' صوفی کی آواز ابھری۔

''ہاں، ہاں بالکل۔ ظاہر ہے ہم ایک باعزت سودا کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں اور یہ رقم وصول کر کے مجھے یہ کاغذات آپ کے حوالے کرنے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی میں کچھ اور بھی بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔ میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں سر!''

ہیلی کاپٹر سے آنے والے نے سوال کیا۔

''ناموں کی ضرورت نہیں پیش آتی اس طرح کے سودے بازی میں پھر بھی آپ مجھے ایکس کہہ سکتے ہیں۔'' صوفی نے کہا۔

''ٹھیک ہے مسٹر ایکس! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ایک ذہین ترین انسان اس سودے کے لیے منتخب کیا گیا ہے تو ہمارے ذہن میں کچھ اور تجاویز پیدا ہوئیں۔ ہمارے پینل نے مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ کیوں نہ آپ کو ہم اس سلسلے میں اپنے ساتھ شمولیت کی دعوت دیں۔ مسٹر ایکس آپ جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ آپ سے تعلق نہیں رکھتا اور نہ ہی آپ کا ملک اس سلسلے میں کسی قسم کی ذمہ داریاں قبول کرتا ہے اور ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ آپ ذاتی طور پر اس طرف متوجہ ہوئے ہیں چنانچہ کیوں نہ ایک نیا معاہدہ کر کے ہم اور آپ دوستی کا ایک نیا قدم اٹھائیں۔''

''ہمارے درمیان یہ طے ہوا تھا مسٹر کربی کوسٹر کہ پہلے ہم اس سودے کو مکمل کر لیں اور کسی قسم کی چالاکی کا مظاہرہ نہ کریں۔ آپ نے درمیان میں یہ گفتگو کر کے مجھے اس بات کا احساس دلایا ہے کہ آپ شاید اپنے طور پر کوئی اور منصوبے لے کر آئے ہیں۔

''ہاں۔ میں آپ سے خود اس کا اعتراف کر چکا ہوں۔ کاغذات میرے پاس موجود ہیں اور ڈاکٹر آپ کے پاس۔ ان کا سودا آپ کی خواہش کے مطابق ہی کیا جائے گا لیکن یہ تجویز جس کے بارے میں مجھے بھی ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کے سامنے پیش کروں اور اگر آپ اسے منظور کریں تو ہم از سر نو اس پر کام شروع کر دیں۔''

''کیا تجویز ہے؟'' صوفی نے سوال کیا۔

''مسٹر ایکس! آپ کے پاس ان کاغذات کا بقیہ حصہ موجود ہے اور آپ یقینی طور پر ان کے بارے میں تحقیقات بھی کر رہے ہیں اگر یہ ایک جگہ مکمل ہو جائیں اور ہم آپ بھی یکجا ہو جائیں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہم اس فارمولے کی تکمیل آپ کے تعاون سے کر لیں گے اور اس کے لیے آپ کو ہر طرح کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی جو بھی سائنٹسٹ آپ اس فارمولے کی تکمیل کے لیے مقرر کریں

گے ہم ہر طرح کے وسائل سے ان کی مدد کریں گے اور اپنے بھی چھ سائنس دان آپ کے سپرد کریں گے۔ آپ خود سمجھتے ہیں مسٹر ایکس کہ اگر ہم نے مل جل کر یہ فارمولا مکمل کر لیا تو دنیا ہماری مٹھی میں ہوگی۔ وہ بڑے بڑے ملک جو دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں ہمارے قبضے میں ہوں گے اور ہم انہیں بلیک میل کر کے کھربوں ڈالر کما ئیں گے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ فارمولا مکمل ہو کر کسی بھی بڑے ملک کے ہاتھوں فروخت کیا جا سکتا ہے اور اس وقت ہر ملک کی طاقت اس فارمولے کے سامنے ختم ہو جائے گی جس کے پاس یہ فارمولا ہوگا۔ وہ اپنے حریفوں کو نیچا دکھا سکتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں کو تو خیر کہنا ہی کیا ہے۔ آپ کو اندازہ ہے کہ ایٹمی توانائی کس شکل میں استعمال ہو رہی ہے۔ تخریب اور صرف تخریب میں تعمیری امور میں تو اسے استعمال ہی نہیں کیا جا رہا جب کہ ہر ملک ایک ہی کہانی سناتا ہے کہ اس کا ایٹمی پروگرام پر امن ہے۔ ہر شخص ایک ہی انداز میں سوچ رہا ہے جب دنیا یہی کر رہی ہے تو ہم اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ یہ فارمولا جہاں ایک طرف دنیا کو تباہی کے غار تک لے جا سکتا ہے وہیں اس سے بڑے بڑے کام بھی لیے جا سکتے ہیں۔ ہم کم از کم کسی کو تباہ تو نہیں کریں گے لیکن اس کے بل پر اس کے چھوٹے چھوٹے مظاہرے کر کے ہم ان تمام بڑے ممالک کو بیک میل کر سکتے ہیں۔"

"سوری..... ! اسے دہشت گردی کہا جاتا ہے اور ہم دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ ہم نے دہشت گردی کے خلاف ایک عظیم محاذ کھول رکھا ہے۔ جب کہ تم لوگ اسے گندے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہو۔ بڑے بڑے ممالک میں کم از کم کچھ اقدار ہیں بین الاقوامی معاہدوں کا پاس کرتے ہیں وہ لوگ، لیکن تمہارا مقصد صرف دولت کا حصول اور دنیا بھر میں دہشت گردی پھیلانا ہے۔"

صوفی کے لہجے کی صاف گوئی پر شازیہ بھی حیران رہ گئی۔ صوفی نے ایک بار بھی درویشوں کا نام نہیں استعمال کیا تھا۔ شازیہ نے ایک لمحے کے اندر اس سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ صوفی اپنے تکیے کلام کو ان لوگوں کے علم میں نہیں لانا چاہتا کیونکہ اس سے ان کی شناخت ہوتی ہے اور اسی وقت کربی کوسٹر کی آواز ابھری۔

"سوچنے کا فرق ہے مسٹر ایکس! صرف سوچنے کا فرق ہے ورنہ دنیا یہی کر رہی ہے۔ انسانی زندگی اب کمپیوٹر کے قبضے میں ہے۔ آپ خود سوچیے کہا جاتا ہے کہ کمپیوٹر ذرا سی غلطی سے تیسری جنگ عظیم کا آغاز کر سکتا ہے۔ کیا انسانی زندگی اس سے نازک موڑ پر نہیں پہنچی ہے۔ یہ فارمولا اگر آپ کی مدد سے اس ملک سے مل جائے جس نے اسے آپ کو اس کے لیے تیار کیا ہے تو کیا یہ ملک دوسرے ممالک کو دھمکی نہیں دے گا کیا یہ اس فارمولے کی تکمیل نہیں کرے گا؟"

"سوری مسٹر کربی کوسٹر! یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔ آپ اپنا کام کیجیے اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔"

"لیکن ہم سے کہا گیا ہے کہ آپ کو ہر قیمت پر اس کے لیے تیار کر لیا جائے۔ کربی کوسٹر اپنی اصلی شکل میں آ گیا اور صوفی چونک پڑا اور اس نے شازیہ کی طرف دیکھا لیکن اس دوران کربی اور اس کا دوسرا ساتھی ریوالور نکال چکے تھے۔ صوفی نے سرد نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر بولا۔

"جس باعزت طریقے سے آپ لوگوں نے سودے کا یقین دلایا تھا اس کا مظاہرہ نہیں ہے ہیں مسٹر کربی کوسٹر!"

"ہاں۔ ہم سے کچھ غلطیاں ہو رہی ہیں لیکن مجبوری ہے۔ ہم نے تو بڑے دوستانہ انداز میں آپ کو یہ پیشکش کی تھی۔ آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔ براہ کرم اب آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ رقم وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں اس رقم سے زیادہ آپ کی ضرورت ہے اور مسٹر ایکس براہ کرم اس سلسلے میں کسی قسم کا تعرض نہ کیجیے گا۔ ہمیں ہدایت ملی ہے کہ اگر آپ اس کے لیے آمادہ نہ ہوں تو دو صورتیں ہیں یا تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے یا پھر ساتھ لے آیا جائے۔ آپ ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھیے اس میں دو افراد اور موجود ہیں اور ان کے ہاتھوں میں مشین گنیں دبی ہوئی ہیں جن کا رخ آپ ہی کی طرف ہے۔ تجربہ چاہتے ہیں تو میں اس کا مظاہرہ کیے دیتا ہوں۔ کربی کوسٹر نے کہا اور پستول کا رخ ان کے جانب کیے کیے اپنا ایک ہاتھ فضا میں لہرایا۔ دوسرے لمحے مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ سے پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ چاروں طرف ایک خوف ناک سنسناہٹ پھیل گئی تھی۔ مشین گنوں کا رخ آسمان کی جانب رکھا گیا تھا کیونکہ آسمان کی طرف لپکتے ہوئے شعلے یہی بتا رہے تھے۔ صوفی نے ایک نگاہ شازیہ کو دیکھا اور آہستہ سے گردن ہلا دی۔ کربی کوسٹر کی نگاہیں ان دونوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں مسٹر ایکس! کوشش کارگر نہیں ہو سکتی کوئی بھی آپ کی۔ آپ کو پھر ایک بار یہی دعوت دی جاتی ہے اور دوسری بار....." ابھی یہ جملے کربی کوسٹر پورے ہی نہیں کر پایا تھا کہ دفعتاً ہی ایک لمبی سیاہ لکیر فضا میں بلند ہوئی اور اس کے اوپر آگری کربی کوسٹر سمجھ بھی نہیں پایا تھا کہ کیا ہوا ہے؟ لیکن اس کے ساتھی کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی تھی۔ وہ خوف ناک آواز میں چیخا تھا۔

"فلائنگ وی ایسک۔" لمبا سیاہ چمکیلا سانپ ان دونوں پر آ گرا اور صرف ایک لمحہ صرف ایک لمحہ صوفی اور شازیہ کے لیے کار آمد ثابت ہوا۔ انہوں نے فوراً ہی زمین پر چھلانگ لگا دی۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے لوگ نہ سمجھ پائے کہ صورت حال کیا ہوئی ہے البتہ انہوں نے اندھا دھند مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ اس دوران زمین پر گرے ہوئے صوفی اور شازیہ نے اپنے لباس سے ریوالور نکال لیے اور دوسرے لمحے ان کے ریوالوروں سے چلی ہوئی گولیوں نے کربی کوسٹر اور اس کے ساتھی کے جسموں میں سوراخ کر دیے۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو شاید یہ احساس ہو گیا تھا کہ ادھر صورت حال گڑبڑ ہو گئی ہے چنانچہ وہ انتہائی وحشیانہ انداز میں مشین گنوں سے فائرنگ کرنے لگے لیکن اول تو وہ بوکھلائے ہوئے تھے اور صورت حال کو سمجھ نہیں پائے تھے۔ دوسری بات یہ کہ فاصلہ خاصا تھا پھر جس جگہ صوفی اور شازیہ نیچے زمین پر گرے تھے وہاں کا صحیح طور پر نشانہ نہیں لیا جا سکتا تھا چنانچہ ان کی یہ کوشش بے مقصد ثابت ہوئی اور چند لمحات کے بعد ہیلی کاپٹر کی جانب سے فائرنگ رک گئی۔ وہ لوگ غالباً صورت حال کا جائزہ لگا رہے تھے۔

صوفی اور شازیہ خاموشی سے اپنی جگہ کھڑے رہے لیکن اس وقت انہیں چوکنا ہونا پڑا جب دفعتہً ہی ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا۔ صوفی نے سانپ کی طرح پلٹ کر ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے ہیلی کاپٹر پر فائرنگ کی لیکن بے مقصد ہیلی کاپٹر فضا میں اٹھتا چلا گیا تھا۔ اب صورت حال سنگین ہو گئی تھی، چونکہ بلندی سے ان دونوں کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا چنانچہ صوفی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہیلی کاپٹر ایک مخصوص بلندی پر پہنچنے کے بعد تیرتا ہوا انہی کی جانب آ رہا تھا اور ایک بار پھر مشین گن سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ صوفی اور شازیہ

نے ایک بار پھر ایک سست چھلانگ لگائی۔ ہیلی کاپٹر فائرنگ کرتا ہوا دور نکل گیا تھا لیکن صوفی کو یقین تھا کہ وہ پھر پلٹے گا اور انہیں پھر اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کرے گا چنانچہ اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ ایک ابھری ہوئی چٹان اسے بہتر پناہ گاہ نظر آئی اور اس نے شازیہ کو پکارتے ہوئے کہا۔

"شازیہ اس طرف۔" اور دوسرے لمحے وہ دونوں چٹان کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ ان کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ ہیلی کاپٹر پلٹ کر واپس آ رہا تھا اور اس کے بعد وہ بے تحاشا گولیاں برساتا ہوا اس جگہ سے آگے نکل گیا۔ پتا نہیں ان لوگوں کی سوچ کیا تھی لیکن صوفی اب خود بھی کوئی عمل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شازیہ سے کہا۔

"جب تک وہ پلٹ کر واپس آئیں ہمیں ان دونوں آدمیوں کی تلاشی لے ڈالنی چاہیے۔"

"چھوٹے بابا.....!"

"آؤ۔" صوفی نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ زمین پر پڑی ہوئی دونوں لاشوں کے قریب پہنچا اور اس نے پھرتی سے ان کی تلاشی لے ڈالی۔ ہیلی کاپٹر ایک بار پھر واپس پلٹ رہا تھا۔ صوفی نے اچھی طرح ان دونوں کی تلاشی لی اور پھر اس بیگ کی جانب جھپٹا جس میں اس کے بیان کے مطابق رقم موجود تھی لیکن ہیلی کاپٹر سر پر پہنچ گیا تھا اور اس سے ایک بار پھر فائرنگ ہونے لگی تھی۔ صوفی بیگ نہ اٹھا سکا۔ اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور کسی چیتے کی طرح دوڑتا ہوا چٹان کے عقب میں پہنچ گیا جہاں شازیہ بدستور موجود تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں شازیہ ہمیں نکلنا ہوگا۔"

"جی چھوٹے بابا.....!" شازیہ نے کہا۔

"لینڈ کروزر کی طرف۔" صوفی بولا۔ انہوں نے نگاہیں اٹھا کر بلندی کی طرف دیکھا۔ ہیلی کاپٹر کافی لمبے لمبے چکر لے رہا تھا اور ایک بار پھر وہ پلٹ رہا تھا لیکن اتنی دیر میں وہ لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گئے تھے پھر صوفی نے خود ہی لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اسے اسٹارٹ کر کے طوفانی رفتار سے آگے بڑھا دیا۔ لینڈ کروزر کا رخ بھی بڑے خوف ناک انداز میں تبدیل کیا گیا تھا کیونکہ وہ کٹاؤ زیادہ دور نہیں تھا جس پر پہنچنے کے بعد زندگی کا تصور ایک مذاق رہ جاتا ہے۔ ہیلی کاپٹر اب بھی گولیاں برسا رہا تھا۔ وہ چند لمحات کے بعد سے لینڈ کروزر پر سے گزرتا چلا گیا۔ نہ جانے کیوں اوپر سے گولیاں برسنا بند ہو گئی تھیں۔ لیکن ہیلی کاپٹر نے لینڈ کروزر کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ مسلسل اس کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ لینڈ کروزر اس خوف ناک پگڈنڈی پر جس کے دونوں جانب گہرائیاں تھیں دوڑتی رہی۔ صوفی اس وقت ڈرائیونگ کا ایک ایسا مظاہرہ کر رہا تھا کہ یقین نہ آئے۔ شازیہ اس کے ساتھ سانس روکے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ شازیہ بہ ذات خود انتہائی مضبوط اعصاب کی مالک تھی اور اس وقت اس کا صوفی کے ساتھ ہونا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ گرین فورس میں وہ شازیہ کو سب سے اول حیثیت دیتا تھا۔

بہر حال جس انداز میں لینڈ کروزر سفر کر رہی تھی اس نے شازیہ کے بھی حواس خراب کر دیے تھے اور اس نے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ ہیلی کاپٹر سے فائرنگ شاید اس لیے بند ہو گئی تھی کہ اب ان کے پاس ایمونیشن نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی تقدیر ہی تھی ورنہ دوڑتی ہوئی لینڈ کروزر کو نشانہ بنانا بھی مشکل نہ ہوتا۔

صوفی بہ دستور اسی رفتار سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ خوفناک پہاڑیوں میں ڈرائیونگ ناقابل یقین تھی۔ لینڈ کروزر نہایت خوف ناک انداز میں ڈھلان عبور کرتی رہی۔ اس کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں تھوڑے فاصلے پر ایک پل بنا ہوا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ لینڈ کروزر انہی شہتیروں سے بنے ہوئے مضبوط پل سے گزر کر آئی تھی لیکن لینڈ کروزر پل کے نزدیک پہنچی بھی نہیں تھی کہ دفعتاً پل پر خوف ناک دھماکے ہونے لگے اور لکڑی کے شہتیر آگ کے شعلوں کے درمیان فضا میں بلند ہونے لگے۔ صوفی نے پوری قوت سے بریک لگائے اور لینڈ کروزر تیز چرچراہٹ کے ساتھ رک گئی۔ صوفی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس تباہ شدہ پل کو دیکھ رہا تھا۔ جو آگ اور شعلوں کے لپیٹ میں تھا اور اب راستے بند ہو گئے تھے لیکن ان کا یہ خیال غلط تھا کہ وہ لوگ ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ مسلسل کوششوں میں مصروف تھے۔ ابھی صوفی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ پل کے دوسری جانب سے ایک بار پھر ہول ناک فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ فائرنگ بھی لمبی رینج کی مشین گن سے کی جا رہی تھی۔ صوفی نے کسی چونکے ہوئے چیتے کی طرح ادھر ادھر دیکھا۔ اس جگہ لینڈ کروزر کو موڑنا ناممکن نہیں تھا چنانچہ اس نے لینڈ کروزر کو ریورس گیئر میں ڈالا اور ایکسیلٹر دبا دیا۔ لینڈ کروزر ریورس ہی میں یہ پتلا سا راستہ طے کرنے لگی۔ یہ بھی کسی انتہائی مشاق ڈرائیور کا کام ہی ہو سکتا ہے ورنہ اس پتلی سی جگہ میں لینڈ کروزر کو ریورس میں اتنی دور لے جانا ممکن نہیں تھا۔ شازیہ کے چہرے پر اب دہشت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے اور بدحواسی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ صوفی کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کی آنکھ میں ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اسی عالم میں ریورس گیئر میں لینڈ کروزر کو دور تک لیتا چلا گیا پھر ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں سے وہ اسے موڑ سکتا تھا۔ اس نے فوراً اس جگہ رک کر لینڈ کروزر کو واپس موڑ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس پھر اسی جگہ پہنچ گئے جہاں اس سارے ڈرامے کا آغاز ہوا تھا۔ شازیہ خاموشی سے صوفی کو دیکھ رہی تھی اس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل پا رہی تھی اچانک ہی صوفی نے کہا۔

"نہیں شازیہ! ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تم اپنی اسی حیثیت میں آ جاؤ جس میں تم نظر آتی ہو۔ مجھے تمہارے اوپر مکمل اعتماد ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میرے اعتماد کو دھوکا نہیں دو گی۔" شازیہ کو یوں لگا جیسے اس کے بدن میں نئی توانائی ابھر آئی ہو۔ صوفی کیا کرنا چاہتا ہے یہ اسے نہیں معلوم تھا۔

صوفی کو سطحی طور پر جاننے والے بس اس کا مذاق ہی اڑایا کرتے تھے۔ اگر کبھی اس کا کوئی کارنامہ کسی کے علم میں آ جاتا تو یا تو اسے جھوٹ تصور کر لیا جاتا یا پھر یہ بھی کہا جاتا کہ کچھ پراسرار قوتیں صوفی کی مدد کرتی ہیں۔ وہ جو درویش درویش چیختا رہتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ لیکن جو لوگ صوفی کو بہت زیادہ قریب سے جاننے لگے تھے انہیں بہ خوبی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس ہڈیوں کے بدنما ڈھیر میں ایک ایسا خزانہ چھپا ہوا ہے جس کی صحیح تفصیل شاید کوئی کبھی نہ جان سکے۔

شازیہ، دلاور، غلام قادر، عادل اور فیضان وغیرہ صوفی سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے اور رحیم شاہ تو خیر تھا ہی اس کے دیوانوں میں۔ اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر لیتا تھا۔ نہ صرف بھروسا کر لیتا تھا بلکہ اس کی راہنمائی میں ہر وہ کام کرنے کے لیے تیار ہو جاتا تھا جسے اس کی اپنی عقل تسلیم کرنے کے

لیے تیار نہیں ہوتی تھی، لیکن وہ جانتا تھا کہ صوفی کا دماغ یقینی طور پر الگ راستوں پر چل رہا ہوگا۔ شازیہ کو اس بات پر ناز تھا کہ بعض مہمات میں صوفی نے اسے مردوں سے زیادہ اہمیت دی تھی اور اس مہم میں بھی یہی پوزیشن تھی۔

اس وقت شازیہ صوفی کے جس روپ کو دیکھ رہی تھی وہ طلسماتی روپ تھا۔ صوفی وہ کچھ کر رہا تھا جو تصور میں بھی نہ آئے اور اس وقت اس بھیانک پہاڑی مقام پر جو کھیل کھیلا جا رہا تھا، وہ انتہائی سنسنی خیز تھا۔ اچانک ہی صوفی کی آواز ابھری۔

''شازیہ! پچھلے حصے میں دو پیراشوٹ رکھے ہوئے ہیں نکالو'' شازیہ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پچھلے حصے کا رخ کیا اور اسے پیراشوٹ نظر آ گئے۔

''سنو تمہیں کبھی کوئی ہوابازی کا کوئی تجربہ رہا ہے۔''

''تن..... نن نہیں چھوٹے بابا۔'' شازیہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''شازیہ یہ آواز مجھے دکھ دے رہی ہے۔''

''سس..... سس..... سوری چھوٹے بابا۔''

''لو۔ یہ پیراشوٹ اس طرح اپنے بدن پر کس لو'' صوفی نے شازیہ سے کہا اور شازیہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا صوفی کے الفاظ نے بے شک اس کے حوصلے بہت بڑھا دیے تھے لیکن جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ اس کی روح فنا کر دینے کے لیے کافی تھا۔ صوفی نے دوسرا پیرا شوٹ اپنے بدن پر کس لیا اور پھر اس نے مسکرا کر شازیہ کو دیکھا اور اسے ہدایات دینے لگا۔ اس کے بعد اس نے لینڈ کروزر کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور ایک پھر لینڈ کروزر ریورس گیئر میں پیچھے کی جانب جانے لگی۔ اس دوران ہیلی کاپٹر دو مرتبہ ان کے سروں پر سے گزر چکا تھا غالباً اب وہ یہ جائزہ لینے کی کوشش کر رہے تھے کہ اب ان کا دوسرا اقدام کیا ہوگا۔

لینڈ کروزر ریورس گیئر میں چلتی ہوئی پیچھے کی جانب دور تک نکل آئی اور اس کے بعد صوفی نے اسے بریک لگایا پھر فرسٹ گیئر میں ڈال کر اسے پوری قوت سے آگے بڑھایا۔ تھوڑا سا آگے بڑھنے کے بعد اس نے سیکنڈ اور پھر تھرڈ گیئر لگایا اور لینڈ کروزر کی رفتار بے پناہ تیز ہوگئی۔ شازیہ نے دانت بھینچ لیے تھے لیکن وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی پھر دفعتہً ہی لینڈ کروزر کے ٹائروں نے زمین چھوڑ دی۔ وہ جس تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اسی تیز رفتاری سے زمین چھوڑ کر خلا میں دور تک چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی صوفی کے حلق سے تیز آواز نکلی۔

''شازی! دروازہ کھولو اور لینڈ کروزر چھوڑ دو۔ کود جاؤ'' اس نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی طرف کا دروازہ کھول لیا تھا۔ شازیہ نے پوری قوت سے دانت بھینچے آنکھیں بند کیں اور اس کے بعد اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ خلا میں کسی پتھر کی طرح نیچے اتر رہے تھے اور لینڈ کروزر بھی اس کے ساتھ ہی نیچے جا رہی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان کے اور لینڈ کروزر کے درمیان کا فاصلہ زیادہ ہونے لگا کیونکہ پیراشوٹ کھل گئے تھے اور لینڈ کروزر برق رفتاری سے نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ شازیہ نے بھی اب

آنکھیں کھول لی تھیں اور مدھم چاندنی کی روشنی میں لینڈ کروزر اسے نیچے گرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

صوفی کوشش کر رہا تھا کہ لینڈ کروزر سے زیادہ فاصلے پر نکل جائے۔ ہوائیں ان دونوں کی مدد کر رہی تھیں۔ شازیہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ پیراشوٹ سے کودنے کا اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھیوں میں جکڑ لیا ہو۔ حلق بند ہو گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے تمام اندرونی اعضا منہ کے راستے باہر نکل آئیں گے۔

لینڈ کروزر تھوڑی دیر بعد نیچے وادیوں کی گہرائیوں میں پہنچ گئی اور اس کے بعد چٹانوں میں شعلے بکھر گئے۔ گہرائی اب بھی اتنی تھی کہ لینڈ کروزر کے دھماکے کو یہاں تک نہیں سنا جا سکا تھا لیکن شعلوں کا طوفان انہیں برابر نظر آ رہا تھا۔ جو دور دور تک بکھر گئے تھے۔ صوفی نے یہ دیکھ کر گہری سانس لی کہ وہ اس جگہ سے خاصے فاصلے پر تھے جہاں لینڈ کروزر گری تھی اور اس کے ٹکڑے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ شازیہ بھی اب انتہائی کوشش کر رہی تھی کہ وہ صوفی سے دور نہ رہے اور اس کوشش میں اسے کامیابی بھی حاصل ہوگئی تھی۔

بہت دیر تک خلا سے زمین کا سفر جاری رہا اور پھر شازیہ بے تکے انداز میں نیچے گر رہی تھی جب کہ صوفی پیروں کے بل پر ہی نیچے اترا تھا۔ تاہم گرنا اتنا خطرناک نہیں ثابت ہوا۔ شازیہ نے خود بھی کوشش کر کے احتیاط کے ساتھ زمین چھوئی تھی۔ پیراشوٹ ان کے سروں پر پھیلے ہوئے تھے۔ صوفی نے جلدی سے پیرا شوٹ کی رسیاں کھولیں اور اس کے نیچے سے نکل آیا۔ شازیہ بھی یہی کوشش کر رہی تھی۔ یہ صرف ذہانت کی بات تھی ورنہ تربیت کے بغیر پیراشوٹ کے ذریعے نیچے کودنا آسان کام نہیں تھا۔ غالباً صوفی نے اسی لیے شازیہ کا انتخاب کیا تھا۔ کہ شازیہ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھی تاہم دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے لینڈ کروزر ان سے بہت فاصلے پر گری تھی شازیہ گہری سانسیں لے رہی تھی۔ صوفی نے کہا۔

''ٹھیک ہو نا تم؟''

''درویشوں کی دعاؤں سے۔'' شازیہ نے شگفتگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''آؤ'' صوفی اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا۔ چاند کی مدھم روشنی میں ماحول بے حد عجیب نظر آ رہا تھا۔ شازیہ کو کچھ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ وہ جتنا فاصلہ طے کر کے یہاں تک پہنچے تھے اتنا فاصلہ پیدل عبور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دو بار اس نے زبان کھولنا بھی چاہی تھی لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ صوفی محسوس نہ کرے۔

تھوڑا فاصلہ عبور کرنے کے بعد صوفی رک گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا اور اس کے بعد ایک اونچی چٹان پر چڑھ گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر وہ گردن لمبی کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کے بعد شازیہ نے اس کے منہ سے نکلنے والی ایک آواز سنی۔ وہ انتہائی برق رفتاری سے چٹان سے نیچے کود آیا۔ شازیہ حیرت بھری نگاہوں سے اس وقت صوفی کی پھرتی دیکھ رہی تھی۔ صوفی کی عمر کا کوئی صحیح اندازہ لگانا کم از کم شازیہ کے بس کی بات نہیں تھی۔ کبھی تو یہ ایک ایسا بچھوا نظر آتا جو صرف زمین پر رینگ سکتا ہے۔ کچھوے سے بھی زیادہ سست رفتار اور کبھی جب اس کی دوسری شخصیت کا روپ سامنے آتا تو صرف شازیہ ہی کیا بڑے بڑے حیران رہ جاتے تھے۔ اس وقت جو کام اس نے شازیہ سے کروایا تھا لاکھنڈر اور بے باک ہونے کے باوجود شازیہ اس

قدر اعلیٰ کارکردگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے پیراشوٹ سے کودنے کی کوئی مشق نہیں تھی۔ بس صوفی کی ہمت افزائی پر اس نے یہ انوکھا کام سرانجام دے دیا تھا اور خود اپنے اس کارنامے پر حیران تھی۔

صوفی اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''آؤ'' اور شازیہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ صوفی نے جس انداز میں راستہ تبدیل کیا تھا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کسی مخصوص حصے کی طرف جا رہا ہے۔ بہرحال شازیہ نے اب اس کے بعد زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کوئی دس گیارہ منٹ کا یہ سفر بڑا دشوار گزار تھا۔ کیونکہ راستے ناہموار تھے لیکن اس کے بعد شازیہ کو نیم تاریک ماحول میں ایک جیپ کا ہیولا نظر آیا اور وہ حیران رہ گئی۔ اس ویرانے میں بھلا اس جیپ کا کیا تصور تھا۔ وہ صوفی کے ساتھ اس جیپ کی جانب چل پڑی۔ جیپ خالی تھی آس پاس بھی کوئی موجود نہیں تھا لیکن جیپ کے قریب پہنچ کر صوفی نے آواز دی۔

''ٹارزن!''

''میں آپ کو دیکھ چکا ہوں سر! آ جایئے۔'' جیپ سے آواز ابھری اور شازیہ نے چونک کر دیکھا۔ ٹارزن اسٹیئرنگ پر ہی موجود تھا لیکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ننھا سا وجود سیٹوں کے درمیان چھپا ہوا تھا۔

صوفی جیپ کے قریب پہنچ کر بولا۔

''ٹارزن تم پچھلی سیٹ پر آ جاؤ۔''

''لیس سر!'' شازیہ کے ہوش و حواس اڑے ہوئے تھے۔ بھلا ٹارزن اور جیپ کی یہاں موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ صوفی کو ہی سب کچھ کرنا تھا جو اس نے کیا تھا یا حالات کے تحت ہو گیا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی۔ انتہائی قیمتی لینڈ کروزر جس پر لگے ہوئے ایک مونوگرام سے شازیہ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ملٹری کی لینڈ کروزر ہے البتہ وہاں سے چلتے ہوئے جہاں سے یہ سفر اسٹارٹ ہوا تھا صوفی نے دو آدمیوں کو اشارہ کر کے یہ مونوگرام اتروا دیا تھا۔ بڑا سنسنی خیز عمل تھا اور شازیہ کو لگ رہا تھا کہ کوئی بہت ہی پراسرار کام ہو رہا ہے لیکن ظاہر ہے وہ صوفی سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کر سکتی تھی۔

صوفی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور شازیہ اچک کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ڈرائیونگ بھی بے مثال ہی تھی، کیونکہ کوئی سڑک کوئی ایسی جگہ نہیں تھی۔ انتہائی ناہموار چٹانیں ٹیڑھے میڑھے راستے، لیکن جیپ کی رفتار ناقابل یقین تھی اور پھر تقریباً سینتیس منٹ کا سفر شازیہ کے انجر پنجر ہو گئے تھے لیکن اسے ہنسی بھی آ رہی تھی کیونکہ پچھلی سیٹوں پر بیٹھا ہوا ٹارزن کسی گولی کی طرح ادھر سے ادھر لڑھک رہا تھا۔ اس کے منہ سے بار بار آوازیں نکل جاتی تھیں اور وہ مختلف چیزوں کو پکڑ کر اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے تھا۔ اس کی تو کھچڑی ہی پک گئی تھی۔ خدا خدا کر کے یہ سفر طے ہوا اور صوفی نے انتہائی مہارت کے ساتھ جیپ ایک اونچی دیوار پر چڑھا دی جو گزر کر سڑک تک جاتی تھی۔ اسے دیوار ہی کہا جا سکتا تھا سپاٹ اور سیدھی۔ اس پر جیپ چڑھانا بھی ایک مہارت ہی کا کام تھا، لیکن شازیہ کو اب یہ اندازہ اچھی طرح ہو چکا تھا کہ یہ شخص جو بہ ظاہر ایک بے ضرر کیچوا نظر آتا ہے درحقیقت کینچوی سے نکلا ہوا ایک سانپ ہے۔ برق رفتار اور بجلی کی طرح عمل کرنے والا سانپ۔ جیپ ہموار سڑک پر دوڑنے لگی اور صوفی نے کہا۔

''ٹارزن تمہارا کیا حال ہے؟''

''تھوڑی دیر پہلے میری کھوپڑی سیٹوں کے نیچے تھی اور ٹانگیں آپ دونوں کے سر کے قریب لیکن اب خیریت ہے؟'' ٹارزن نے مسخرے پن سے کہا۔

''درویش رحم کریں۔'' صوفی گہری سانس لے کر بولا۔

♥.....♥.....♥

گینترا کی بلند و بالا پہاڑی پر شروع ہونے والا ڈراما ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ لوگ غالباً اس بات کی توقع خواب میں بھی نہیں رکھتے کہ آنے والے حالات سے مجبور ہو کر اس طرح خودکشی کر لیں گے۔ وہ خود بھی بدحواسیوں کا شکار نظر آ رہے تھے۔ پل اڑا دینا اور پھر لینڈ کروزر پر اندھا دھند فائرنگ کرنا۔ بدحواسی ہی کی حالت تھی۔ انہیں اس بات کی امید نہیں تھی کہ وہ لوگ واپس اس طرح پل کی جانب آ سکتے ہیں۔ اس دوران ہیلی کاپٹر والوں کے پاس ایمونیشن بھی ختم ہو گیا تھا اور اب غالباً پیٹرول بھی ختم ہوتا جا رہا تھا جب کہ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ لینڈ کروزر اور اس کے ساتھ ہی اس میں آنے والے دونوں افراد گینترا کی گہرائیوں میں گر کر فنا ہو چکے ہیں اور اب ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے ہیلی کاپٹر کا رخ موڑا اور وہاں سے کافی دور نکل آئے۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے وائرلیس پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر دی تھی۔

''ہم آپ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں جب ایک انسانی وجود اور ایک سانپ کے درمیان تھوڑی سی آنکھ مچولی ہوئی تھی۔ سیاہ لباس میں ملبوس یہ انسانی وجود سہیل تھا۔ احمد عالم بارود والا کا بیٹا سہیل عالم بارود والا جو صوفی کی شاگردی میں آ چکا تھا اور کرنل رحیم شاہ اور صوفی نے مشترکہ طور پر اسے اور ٹارزن کو گرین فورس میں قبول کر لیا تھا۔

سہیل کی یہ پہلی مہم تھی جس میں وہ صوفی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور صوفی نے بڑے اطمینان کے ساتھ ٹارزن اور سہیل کو دو الگ الگ ذمے داریاں سونپ دی تھیں۔ سہیل اس وقت بھی وہیں موجود تھا۔ جب مشین گن سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں اس نے رینگ کر ایک ایسی چٹان کے نیچے پناہ لے رکھی تھی جو اوپر سے سائبان کی مانند جھکی ہوئی تھی پھر جب یہ سارا کھیل ختم ہوا تو وہ اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔ اس کھیل کی ابتدا اس نے خود ہی کرائی تھی۔ اس بے ہوش سانپ کو ان دونوں پر پھینک کر جو اس کے قبضے میں آ چکا تھا اور بے ہوش ہونے کے بعد کسی قابل نہیں رہا تھا۔

سیاہ لباس میں چھپا ہوا سہیل اس سانپ سے بھی زیادہ خطرناک اور پھرتیلا تھا۔ آخر میں جب ہیلی کاپٹر لینڈ کروزر کے خاتمے کے بعد واپس پلٹا تو سہیل اپنی جگہ سے نکلا اور اس نے برق رفتاری سے اس سمت چھلانگ لگا دی۔ جدھر وہ دونوں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے اس نے بیگ پر قبضہ کیا جس میں لاکھوں ڈالر کے نوٹ بند تھے اور جو لاوارث پڑا ہوا تھا۔ اس بریف کیس کو بغل میں دبا کر وہ پھر اس جھاڑی کے نزدیک آ بیٹھا اور اس نے بریف کیس کھول لیا۔

بریف کیس میں رکھے ہوئے نوٹوں کا جائزہ لینے کے بعد وہ تیزی سے ان لاشوں کے قریب آیا

جو خون میں لتھڑی ہوئی پڑی تھیں۔ اس نے ان کا تفتیش وغیرہ چیک کیا۔ دونوں مر چکے تھے۔ سہیل نے کچھ دیر کچھ سوچا اور اس کے بعد نگاہیں اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ ہیلی کاپٹر کا اب کوئی پتا نہیں تھا۔ اس نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر جھک کر ایک مردہ شخص کا لباس اترنے لگا۔ یہ لباس اس نے آن کی آن میں اپنے بدن پر پہن لیا اور اس کے بعد وہ اس مردہ شخص کو ہاتھوں پر اٹھا کر چمپا کی جھاڑ کے نزدیک پہنچا اور اس نے اسے چمپا کے درختوں کی آڑ میں ڈال دیا۔ یہ لباس پہننے کے بعد اس نے بڑے نوٹوں کے بنڈل اس لباس میں چھپائے اور پھر دوسری لاش کا خون اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے لباس پر لگانے لگا۔ ویسے بھی مرنے والے کا یہ لباس خود آلود تھا۔

لیکن سہیل نے کچھ اور خون اس لباس پر لگایا اور اس کے بعد اس نے اپنا چہرہ بھی خون میں ڈبو لیا۔ اپنے لباس سے چھٹکارا پانے کے بعد اس نے اس مختصر سے کام سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد دوسری لاش کے پاس زمین پر لیٹ گیا۔ اس کی نگاہیں بدستور آسمان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ خاصے فاصلے پر اسے روشنیاں نظر آئیں تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور ان روشنیوں پر نگاہیں جمائے رہا۔ ہیلی کاپٹر کی مشین کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپٹر بھی عین اسی جگہ نیچے اتر گیا جہاں وہ تھوڑی دیر پہلے اترا تھا۔ وہ دونوں آدمی بے چارے جو اس دوران عجیب و غریب مصیبت کا شکار رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر سے نیچے اتر آئے اور ان لاشوں کی طرف بڑھنے لگے۔ جو ان کے ساتھیوں کی تھی۔ نہ جانے ان کی ذہنی حالت کیا تھی۔ لاشوں کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رکے پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اٹھاؤ۔ ایک ایک کر کے اٹھاؤ۔"

"ہاں۔" دوسرے آدمی نے کہا اور وہ پہلے سہیل کی ہی لاش کی جانب جھکے۔ انہوں نے اس کے پاؤں سیدھے کیے اور پھر بازوؤں میں ہاتھ ڈالنے لگے لیکن اسی وقت ان کے چہروں پر ایک تیز پھوار پڑی۔ بہت ہی جان لیوا قسم کی پھوار۔ جس نے ان کے سانس آن کی آن میں بند کر دیے۔ نوجوان کی ٹانگیں پکڑنے والے شخص کے ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں نکل گئیں اور جس نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے لیکن کوشش کے باوجود وہ سانس لے پا رہے تھے۔ ان کے سر بری طرح چکرا رہے تھے۔ آکسیجن بالکل بند ہو گئی تھی۔ ایک لمحے تک وہ اپنی جگہ کھڑے ڈولتے رہے اور پھر اوندھے منہ نیچے آ رہے۔

سہیل پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے جھک کر ان دونوں کی تلاشی لی اور جو کچھ ان کی جیبوں میں ملا اپنی جیبوں میں منتقل کر لیا اور پھر ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھ گیا۔ ہیلی کاپٹر کی مشین اسٹارٹ تھی اور اس کے پنکھے چل رہے تھے۔ سہیل نے جھک کر پائلٹ سیٹ سنبھالی اور کچھ لمحوں کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ بلندی پر پہنچنے کے بعد اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ پہاڑی چٹانوں کی جانب کر دیا۔ جدھر سے وہ وادی کے اوپر سے گزر سکتا تھا۔

ہیلی کاپٹر وادی پر پرواز کرنے لگا۔ سہیل اسے نیچے جھکاتا جا رہا تھا۔ پھر کافی نیچے آنے کے بعد

اس نے ایک سیدھ اختیار کر لی۔ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے لباس کی جیبوں کو تلاش کیا۔ اوپری جیب میں رومال مل گیا اور اس سے وہ اپنے چہرے کا خون صاف کرنے لگا۔ چہرہ رگڑ رگڑ کر صاف کرنے کے بعد اس نے اپنے بال سنوارے اور پھر پرسکون انداز میں سامنے کی سمت دیکھنے لگا۔

ہیلی کاپٹر برق رفتاری سے شہر کی جانب سفر کر رہا تھا۔ سہیل تھوڑی دیر تک ہیلی کاپٹر اڑاتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ تاحد نگاہ بلند و بالا عمارتیں پھیلی ہوئی تھیں اور رات کے سناٹے میں کچھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔ بہت کم جگہیں ایسی تھیں جہاں تیز روشنیاں اور انسان نظر آ جاتے تھے۔ سہیل نے نیچے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہیلی کاپٹر کو ایک مخصوص سمت میں کر دیا اور آن کی آن میں ایک بلند و بالا عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ سو فی صدی کی یہ رہائشی عمارت تھی۔ اور اس علاقے کی سب سے بلند و بالا عمارت تھی۔ اس کے اطراف میں دوسری عمارتیں بھی تھیں لیکن سب کی سب اس سے نیچی تھیں۔ سہیل نے ہیلی کاپٹر کو اس عمارت کے اوپر سے گزارا اور پھر اسے ایک لمبا چکر دینے کے بعد اسے بالکل نیچے جھکا لیا۔ اب وہ اس عمارت کی سیدھ میں آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپٹر کے پہیوں نے عمارت کی چھت کو چھو لیا۔ سہیل نے فوراً ہیلی کاپٹر کی مشین بند کر دی اور برق رفتاری سے اس سے نیچے اتر آیا۔

ایک رہائشی عمارت کی چھت پر ہیلی کاپٹر کا اترنا ایک انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ عمارت کے مکین سو رہے تھے لیکن ہیلی کاپٹر کی کان پھاڑ دینے والی آواز اور اس کے بعد اس کا عمارت پر اترنا کوئی عام بات نہیں تھی۔

چنانچہ بہت سے فلیٹوں کے مکین جاگ اٹھے۔ نوجوان سہیل نے ایک لمحے کے لیے بھی چھت پر رکنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ تیزی سے ایک ایسے حصے کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں سے اتر کر پہلی منزل کی راہ داری میں پہنچا جا سکے۔ فلیٹوں کی روشنیاں جلنے لگی تھیں اور بعض فلیٹوں سے ڈری ڈری آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سہیل برق رفتاری سے اٹھارہویں منزل کے رہائشی علاقے میں پہنچا اور پھر وہاں سے دوڑتا ہوا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ چند ہی لمحات کے بعد لفٹ اسے نچلی منزل پر لے جا رہی تھی۔ لیکن وہ جس منزل سے بھی گزرا اس نے لوگوں کو دروازوں سے جھانکتے ہوئے دیکھا۔ سب ہی ایک دوسرے سے سوالات کر رہے تھے اور اس کے بعد ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پہنچ گئی۔ سہیل آرام سے اس سے اترا اور پھر راہداریوں سے ہوتا ہوا بیرونی حصے کے احاطے کی اس دیوار کے پاس پہنچا جہاں سے وہ دوسری طرف کود سکتا تھا۔ نیچے غالباً پہرے داروں کا بھی انتظام تھا اور وہ ہیلی کاپٹر کی موجودگی کو محسوس کر چکے تھے۔ ایک کیبن سے پولیس کو ٹیلی فون کیا جا رہا تھا ایک رہائشی عمارت پر ہیلی کاپٹر کا اتر جانا کسی خطرناک حادثے کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا تھا۔ اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ جرائم پیشہ افراد ہوں اور عمارت میں ایک جدید ترین طریقے سے لوٹ مار شروع ہونے والی ہو۔

چنانچہ عمارت کے مکینوں کو ہوشیار کرنے کے لیے الارم بجا دیا گیا اور آن کی آن میں زبردست ہنگامہ ہو گیا۔ فلیٹوں کی روشنیاں دھڑا دھڑ جل رہی تھیں نہ صرف ان فلیٹوں کی بلکہ آس پاس کی دوسری عمارتوں

میں بھی اس کی وجہ سے روشنی ہوتی جا رہی تھی اور بھاگ دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ سہیل آہستگی سے سڑک عبور کرنے کے بعد دوسری عمارت کے پاس پہنچ گیا جو اس عمارت کے بالکل سامنے تھی۔ اس عمارت کے فلیٹوں میں بھی روشنیاں ہونے لگی تھیں اور اندر سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کچھ فلیٹوں کے دروازے بھی کھل گئے تھے۔

سہیل ان تمام کارروائیوں کو دیکھتا ہوا پھرتی سے اس دوسری عمارت کی لفٹ میں پہنچا۔ لفٹ نے اسے چوتھی منزل پر پہنچا دیا۔ چوتھی منزل پر پہنچنے کے بعد اس نے جیب سے ایک چابی نکالی اور اس فلیٹ کا تالا کھولنے لگا۔ اس کام میں بھی اسے چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اندر پہنچنے کے بعد اس نے فلیٹ کا دروازہ بند کر لیا اور روشنی جلا دی۔ فلیٹ تین کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک چھوٹا سا لاؤنج سہیل نے اطمینان سے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

یہاں اس نے لباس اتارا اور ایک دوسرا لباس پہن لیا جو ایک ڈریسنگ الماری کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اپنے اتارے ہوئے لباس کو اس نے اطمینان کے ساتھ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور سیٹی بجاتا ہوا بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔ بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے روشنی جلائی اور پھر کھڑکی کی ریلنگ سے پردہ ہٹانے لگا۔ پردہ ہٹا کر اس نے باہر کا منظر دیکھا۔ وہ عمارت جس کی چھت پر اس نے ہیلی کاپٹر اتارا تھا۔ بہ خوبی نظر آ رہی تھی۔ باہر پولیس سائرنوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور تیز بریکوں کے ساتھ گاڑیاں رکتی جا رہی تھیں۔ کئی پیٹرولنگ کاریں یہاں پہنچ چکی تھیں اور اس میں سے پولیس کے افراد نکل نکل کر عمارت میں داخل ہو رہے تھے پوری عمارت میں ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

سہیل پر خیال انداز میں ان لوگوں کی بھاگ دوڑ دیکھتا رہا۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی سائرن بجاتی ہوئی پہنچ گئی تھی۔ ایک شدید افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ سہیل نے آسمان کی طرف دیکھا اور کھڑکی بند کر دی اور ایک گہری سانس لے کر ایک بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ اس نے سائڈ لیمپ کی روشنی بجھائی اور آنکھیں بند کر لیں۔

♥.....♥.....♥

شاہ میر صاحب نے یہ کیس جنرل رحیم شاہ کو دیا تھا۔ انہوں نے جنرل کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا۔

"رحیم شاہ صاحب! اصل میں کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں فوری طور پر سرکاری نوعیت کا حامل نہیں بنایا جا سکتا، جب تک کہ اس کے بارے میں کچھ ٹھوس ثبوت موجود نہ ہوں۔ میں نے اب تک اس سلسلے میں نہایت خفیہ کارروائی کی ہے اور ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل رفیق سے براہ راست رابطہ رکھا ہے۔ جنرل صاحب نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ اس معاملے کو مکمل طور پر خفیہ رکھا جائے۔ اصل میں آپ کے علم میں یہ بات آئی ہو گی کہ پچھلے دنوں دہشت گرد کی ایک واردات میں بڑی تباہی پھیلی تھی، لیکن ملٹری انٹیلی جنس کے کچھ خفیہ کارکنوں نے ایک دہشت گرد کو گرفتار کیا تھا اور وہ دہشت گرد ایک تنظیم کا رکن تھا۔ اس دہشت گرد کے پاس سے کچھ کاغذات دستیاب ہوئے تھے جو نامکمل تھے۔ ہمارے لیے یہ کاغذات انتہائی دلچسپی کا باعث بن گئے تھے۔ میرا مطلب ہے جنرل رفیق کے لیے۔ جنرل رفیق نے بڑی راز داری کے

ساتھ ان کاغذات پر کچھ سائنس دانوں کی مدد سے کام کیا تھا لیکن وہ کاغذات نامکمل ہیں اور ان کا بقیہ حصہ کہیں اور ہے۔ جس دہشت گرد کے ہاتھوں یہ کاغذات موصول ہوئے تھے وہ دم توڑ چکا تھا۔

چنانچہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا۔ جس سے ہمیں کاغذات کے بارے میں مزید کچھ معلوم ہو سکے۔ کاغذات کے اندر جو موضوع تھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ بہر حال انہی دنوں غیر ملکی ایجنسی سے رابطے پر یہ معلوم ہوا کہ ایک غیر ملکی ایجنسی بھی ان کاغذات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ جنرل رفیق نے میرے ذریعے تمام انتظامات کیے اس غیر ملکی ایجنسی کے سربراہ نے جو کہانی سنائی وہ یوں تھی۔

کہ ایک بہت بڑے ملک کے سائنسی شعبے کا سربراہ ڈاکٹر شارگن کچھ ایسے مہلک جراثیمی ہتھیاروں پر کام کر رہا تھا جن کی تکمیل کے بعد ایک بہت بڑا جراثیمی ہتھیار تیار کیا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر شارگن حکومت کی مدد سے اس فارمولے پر کام کر رہا تھا لیکن وہ مخلص نہیں تھا۔ اس نے ایک جرائم پیشہ تنظیم کے رہنما سے رابطہ قائم کیا اور ایک خفیہ منصوبے کے تحت اس جراثیمی ایجاد کی تکمیل کے بعد وہ اسے کسی جنگ باز ملک کے ہاتھوں فروخت کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن تجربے کے لیے ان کے پاس دولت نہیں تھی۔

ڈاکٹر شارگن نے یہ دولت حکومت سے حاصل کی تھی اور اس نے آخر کار یہ جراثیمی محلول تیار کر لیا پھر وہ فرار کے لیے تیار ہو گیا۔ تنظیم کا سربراہ مل ماسکر ہر طرح سے اس کا شریک کار تھا۔ فرار کا جو وقت مقرر کیا گیا تھا اس وقت ڈاکٹر شارگن وہاں سے چل پڑا لیکن جب فرار کا منصوبہ تکمیل پا گیا تو شارگن نے مل ماسکر کو زخمی کر دیا۔ وہ اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا لیکن مل ماسکر خود بھی ایک چالاک اور توانا آدمی تھا۔ اس نے زخمی ہوتے ہوئے بھی شارگن کو زخمی کر دیا اور فارمولے کے کاغذات اس سے جھپٹ لیے، چونکہ دونوں ہی مجرم تھے۔ ڈاکٹر شارگن تو وہ محلول لے کر فرار ہو گیا اور کاغذات مل ماسکر کے ہاتھ آ گئے لیکن وہ واپس اپنے ٹھکانے پر نہیں گیا بلکہ اس نے اپنے طور پر سوچا کہ فارمولے کے ان کاغذات ہی سے کام چلائے گا۔ وہ زخمی حالت میں کسی جگہ پوشیدہ ہو گیا۔

لیکن جس جگہ وہ پوشیدہ ہوا تھا اس جگہ ایک اور دہشت گرد تنظیم کے افراد پوشیدہ تھے۔ جنہوں نے آخر کار مل ماسکر کو ہلاک کر کے فارمولے کے وہ کاغذات اپنے قبضے میں لے لیے، البتہ ان کے اپنے درمیان بھی پھوٹ پڑ گئی اور ان میں سے ایک شخص کاغذات کا ایک بڑا حصہ لے کر فرار ہو گیا۔ تنظیم کے آدمی اپنے ساتھی کو تلاش کرتے رہے اور وہ آدمی بھی مارا گیا بہر حال اس کے بعد اس دہشت گرد تنظیم کے افراد نے رابطے قائم کیے اور بات مجھ تک پہنچ گئی۔ ہمیں یہ پیش کش کی گئی کہ یا تو فارمولے کے باقی کاغذات جو اندازے کے مطابق جنرل رفیق کے ایک کارکن کے پاس تھے انہیں فروخت کر دیے جائیں یا ان باقی کاغذات کا سودا کر لیا جائے جو ان کے پاس ہیں۔ اب آپ خود بتائیے ایسے کام براہ راست حکومتی بنیاد پر تو نہیں ہو سکتے اس کے لیے پہلے ہمیں اپنے طور پر کام کرنا ہو گا اور خوش قسمتی سے مجھے اپنے جیسے لوگوں کا تعاون حاصل ہے۔"

"گویا اس تنظیم نے یہ پیشکش فراخ دلی سے کی ہے کہ ان آدھے کاغذات کو خلوص کے ساتھ ہمارے ہاتھوں فروخت کر دیں گے۔"

"خلوص کی بات تو میں نہیں کر سکتا جنرل! لیکن بہر حال بات قابل غور ہے اور میں چاہتا ہوں کہ

ڈاکٹر شارگن کا بھی پتا لگایا جائے کہ وہ کہاں ہے اور فارمولے کے بقیہ کاغذات کہاں مل سکتے ہیں؟"

"ٹھیک۔ بڑا دلچسپ مسئلہ ہے۔ میرا خیال ہے صوفی صاحب اس میں دلچسپی لیں گے۔"

"اندازہ میرا بھی یہی ہے۔"

"لیکن دہشت گرد تنظیم کی اپنی تفصیل کیا ہے۔ کیا یہ بات معلوم ہو سکی؟"

وہی دولت کا حصول آدھے کاغذات اس کے لیے بھی بے کار ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کار آمد بنایا جائے جہاں تک ڈاکٹر شارگن کا تعلق ہے تو اسے نہ صرف دہشت گرد تنظیم کے افراد تلاش کر رہے ہیں بلکہ اس کی اپنی ملکی حکومت بھی تلاش کر رہی ہے اس کے جتنے شناسا ہیں وہ سب اس کی تلاش میں ہیں۔ بہر حال اگر ہم لوگ اصلی کاغذات حاصل کرنے کی کوشش کریں تو شاید ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے۔"

"تنظیم کا مطالبہ کیا ہے؟ وہ باقی کاغذات فروخت کرنا چاہتی ہے یا بقیہ کاغذات خریدنا چاہتی ہے؟"

"دونوں ہی صورتیں قابل قبول ہیں اس کے لیے۔"

"ہوں..... تو بہتر یہ ہوگا کہ بقیہ کاغذات تنظیم سے حاصل کر لیے جائیں کیونکہ ڈاکٹر شارگن اس فارمولے کو سنبھالے سنبھالے پھر رہا ہوگا۔ اس کے لیے یہ کام بہت مشکل ہوگا، بہر حال دیکھتے ہیں کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ صوفی تک یہ بات پہنچی اور اس نے بہ خوشی یہ کام قبول کر لیا اور اس کے بعد برق رفتاری سے کام شروع کر دیا گیا۔ وہ دولت مہیا کی گئی جو تنظیم کے افراد کو دینی تھی اور سارا کام نادر پور گینئر کی عظیم الشان چوٹی پر طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تنظیم کی طرف سے بھی یہی جگہ مخصوص کی گئی تھی اور اس کے بعد تمام انتظامات ہوئے تھے۔ صوفی نے اس بار جن افراد کا انتخاب کیا تھا ان سے بھی رحیم شاہ نے اتفاق کیا تھا۔ شازیہ سہیل عالم اور ٹارزن پھر ساری کارروائی اسی انداز میں ہوئی تھی۔ اب یہ صوفی کو طے کرنا تھا کہ کس انداز میں کام کیا جائے اور کام جس انداز میں ہوا تھا اس کے ایک ایک عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ صوفی نے کتنی دور اندیشی سے سب کچھ کیا ہے۔ غرض یہ کہ ایک طرف صوفی اور شازیہ نے اپنا کام کیا تھا تو دوسری طرف سہیل عالم نے بھی کمال ہی کر دکھایا تھا اور اپنی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ کچھ کر دکھایا تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ ہر کام بڑی عمدگی سے کر سکتا ہے۔

ادھر شازیہ گرین ہاؤس پہنچ چکی تھی اور چھوٹے بابا کی تعریفیں کرتے کرتے وہ دیوانی ہو گئی تھی کہ چھوٹے بابا کی شخصیت کے نہ جانے کتنے روپ ہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اس وقت جب دشمن بدمقابل ہو۔ اس وقت کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ یہ وہی عام حالت میں نظر آنے والے چھوٹے بابا ہیں، لیکن یہ انکشاف بھی صوفی ہی کے ذریعے ہوا تھا اور اس انکشاف پر جنرل رحیم شاہ ہی نہیں بلکہ خود شاہ میر صاحب بھی دنگ رہ گئے تھے۔ پتا یہ چلا تھا کہ یہ جو تنظیم ڈاکٹر شارگن اور مل ماسکر سے متعلق بتائی جاتی تھی اس کا ماسٹر برین کوئی اور ہی تھا۔ یہ تنظیم اس طرح کے سنسنی خیز کیسز بناتی تھی کہ حکومتیں اس میں ملوث ہو جائیں اور اس کے بعد وہ انوکھے کھیل کھیلے جاتے تھے جو ناقابل یقین ہوتے تھے اور اس طرح حکومت سے دولت بٹوری جاتی تھی۔

بات بڑی دلچسپ تھی۔ نہ ڈاکٹر شارگن کا کوئی وجود تھا نہ اس مخلول کا اور نہ ہی وہ کاغذات بلکہ اس سلسلے میں پلاننگ بنائی جاتی تھی اور حکومتوں کو ایسے راستے دکھائے جاتے تھے جس سے وہ غلط فہمیوں کا شکار ہو

جائیں اور پھر ان سے دولت بٹوری جاتی تھی۔ یہ منصوبہ بھی گینئرہ کی پہاڑی پر ہی منظر عام پر آیا تھا۔ جس سے بعد میں تفصیلات معلوم ہوئی تھیں اور سب ششدر رہ گئے تھے۔ جنرل رحیم شاہ نے جب شاہ میر صاحب کو یہ بات بتائی تو شاہ میر صاحب کی بری حالت ہوئی۔

"اس طرح تو یہ سمجھ لیا جائے کہ میری ساری کوششیں داؤ پر لگ گئیں کیونکہ میں نے جس اعتماد کے ساتھ کام شروع کیا تھا۔ اس میں بہت بڑے بڑے لوگ ملوث ہو گئے تھے۔ جنرل رفیق بھی اسی میں شامل ہیں۔ میں کیا کروں، یہ ایسا مرحلہ آ گیا تھا کہ اب تو صوفی شاہ میر صاحب کی بھی مدد نہیں کر سکتا تھا اور اس کے بعد ایک سنسنی خیز انقلاب کا آغاز ہو گیا یعنی شاہ میر صاحب کو استعفیٰ دینا پڑا اور ان کا استعفیٰ منظور بھی کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی جو رپورٹیں ملٹری انٹیلی جینس کی طرف سے موصول ہوئی تھیں ان میں جنرل رحیم شاہ کا نام بھی سامنے آیا تھا۔

بس جب انقلاب آتے ہیں تو اس طرح آتے ہیں جنرل صاحب کو ان تمام کارروائیوں پر سخت سرزنش کی گئی تھی اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ فوری طور پر ملک چھوڑ دیں۔ یہ سارے کام اس قدر تکلیف دہ تھے کہ ہر چہرہ شدت غم سے سکڑ گیا تھا۔ اب تک جو ہو رہا تھا وہ سب کا سب ختم ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ صوفی کو بھی طلب کر لیا گیا۔

"آپ جو کوئی بھی ہیں اور جس طرح بھی کام کرتے ہیں آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنی حد میں رہیں۔ ملک کے معاملات میں کسی سویلین کا اس قدر داخل ہو جانا ملک کے لیے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ اگر آپ نے اس کے بعد ملکی معاملات میں اپنی ٹانگ پھنسائی تو آپ کو گرفتار کر کے ساری زندگی کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ آپ کو وارننگ دی جاتی ہے۔" ظاہر ہے صوفی اس بارے میں کیا جواب دے سکتا تھا۔ بس خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی لیکن جب جنرل رحیم شاہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ ملک سے باہر جا رہے تھے تو صوفی نے ان سے کہا تھا۔

"گرین فورس قائم رہے گی سر! اور ہم اس وقت کا انتظار کریں گے جب آپ کو باعزت طریقے سے ملک کے اندر بلایا جائے گا جو کچھ ہوا یہ ملکوں کی تاریخوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا انداز فکر ہوتا ہے درویشوں کے کرم سے۔" جنرل رحیم شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا البتہ کچھ دیر کے بعد انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

"یہ عہدہ مجھے راس نہیں آیا۔ بہت عرصے پہلے ایک نجومی نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ اگر میں ریٹائر نہ ہوا تو اپنے بدن کے کسی حصے سے محروم ہو جاؤں گا۔ ظاہر ہے کسی نجومی کے کہنے سے میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی نجومی نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں اپنے عہدے کے بڑھ جانے کی فکر میں ہوں تو عہدہ بڑھتے ہی یا تو میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا یا پھر اپنے منصب سے۔ بعض لوگ واقعی بڑی صحیح پیش گوئی کر دیتے ہیں۔"

"نہیں۔ جنرل رحیم شاہ! بہت جلد واقعات میں تبدیلی رونما ہوگی اور ہم آپ کو اسی ایئر پورٹ پر خوش آمدید کہیں گے۔" شدید سوگواری پھیل گئی تھی اور اس کے بعد بہت سے سوالات بہت سے خیالات منہ پھاڑ کر آ کھڑے ہوئے تھے اور یہ سوچنا پڑ گیا تھا کہ آئندہ کیا ہوگا۔ فیضان اور عادل کو تو فوراً ہی گرین فورس

سے نکل جانا پڑا تھا۔ جنرل رحیم شاہ کے ساتھ ہی انہیں بھی ملک چھوڑنا پڑا تھا کیونکہ وہ ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔

غرض ایک بھیانک تبدیلی رونما ہوئی تھی جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ نئے وزیر داخلہ کبیر احمد شاہ صاحب نے صوفی کو طلب کر لیا۔ یہ صوفی کے بہت پرانے شناسا تھے اور اس کے مخالفوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر اس بنگلے میں طلب کیا تھا۔

''ہوں۔ صوفی صاحب! آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہے؟''

''درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''دیکھیے ملکی معاملات میں آپ کی مداخلت پسند نہیں کروں گا۔ آپ کو وارننگ تو مل ہی چکی ہے لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آپ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔''

''تو ہمیں جیل میں ڈال دیجیے درویشوں کی دعاؤں سے۔ ہمارے لیے تو یہ ساری دنیا ہی ایک جیل ہے باہر نہ سہی اندر ہی سہی۔''

''نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گا لیکن آپ پر نگاہ رکھی جائے گی۔''

''معشوق نشیلے اور حسینہ بیگم کی موجودگی میں ایک میٹنگ ہوئی۔ صوفی نے حسینہ بیگم سے کہا۔

''اب اگر آپ چاہیں تو جا سکتی ہیں کیونکہ جنرل صاحب بھی اپنے اہل خاندان کے ساتھ ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔''

''دھوبن نے کبھی کوئی کتیا نہیں پالی۔'' معشوق نشیلے صاحب نے اعتراف کیا۔

''اے تم تو چپ ہی رہنا۔ تمہاری تو شکل دیکھ کر مجھے غصہ آتا ہے۔''

''فارسہ میں ایک شعر کہا ہے۔ میں نے اس موضوع پر۔''

''اس وقت معشوق نشیلے صاحب نہ فارسہ کے کسی شعر کی گنجائش ہے اور نہ آپ لوگوں کی چیں چیں کی۔ ہم لوگ ایک سنجیدہ مرحلے پر گفتگو کر رہے ہیں، اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں اس کی اجازت دیں اور یہاں سے چلے جائیں۔''

''بڑے بے آبرو ہو کر کہاں سے ہم نکلے حسینہ بیگم!''

''بھاڑ میں سے..... اور یہ بے آبرا کیا ہوتا ہے؟''

''فارسہ میں آبرو کو برا ہی کہا جاتا ہے۔'' معشوق نشیلے نے کہا اور سنجیدہ ماحول کے باوجود ہر طرف قہقہے بکھر گئے۔ پھر حسینہ اور معشوق نشیلے دونوں ہی کو اس محفل سے برخاست کر دیا گیا۔ دلاور نے پوچھا۔

''صوفی صاحب! ہمارا رواں رواں آپ کے ساتھ ہے۔ ہمیں بتائیے ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''دلاور میاں غلام قادر اور شازیہ جہاں معاملہ ہمارا آپس کا ہے تو اب تم لوگ تو دل و جان کے ساتھ ہو۔ بھلا تم سے علیحدگی کیا معنی رکھتی ہے۔ گرین ہاؤس والی عمارت ہماری اپنی ہے اور یہ بنگلہ بھی کرنل رحیم شاہ نے خرید لیا تھا ہمارے پاس ہی رہے گا جہاں تک آگے کے معاملات کے تعلق ہے، ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔''

''جی۔''

''فی الحال کچھ وقت آرام اس کے بعد یہ فیصلہ کہ آگے کیا کیا جائے گا؟ گرین ہاؤس میں شدید اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ گو بہت سے انتظامات کر دیے تھے لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ کبیر احمد شاہ صاحب اینٹی صوفی تھے اور انہوں نے سیدھی سیدھی بات کر لی تھی کہ وہ صوفی کی نگرانی کریں گے۔ ایسے حالات میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ صوفی نے ایک بار پھر گرین ہاؤس میں ایک میٹنگ منعقد کی اور کہا۔

''درویشوں کی دعائیں شامل حال رہنی چاہیں۔ زندگی میں یہ الٹ پھیر تو آتے ہی رہتے ہیں۔ فی الحال حالات ہمارے لیے سازگار نہیں ہیں لیکن بہت مختصر وقت کی بات ہے آپ لوگوں کو ذرہ برابر فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ جیسے معاملات یہاں چل رہے ہیں میں ذرا کھل کر بات کر لینے کا عادی ہوں۔ اخراجات کا جو سلسلہ ہے آپ لوگ بالکل فکر ہی نہ کریں یہ اخراجات یونہی چلتے رہیں گے۔

جنرل رحیم شاہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ اپنے اثاثے مجھے دے جائیں لیکن میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا اور انہیں بھی اطمینان دلایا ہے کہ پیسے کی کمی ہمیں کبھی منتشر نہیں کرے گی، درویشوں کی دعاؤں سے..... تو میرے دوستو! ہم لوگ خود کمائیں گے خود کھائیں گے اور بلکہ میرے پاس بھی اچھے خاصے پیسے بے کار پڑے ہوئے ہیں اور میں ان کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں سمجھتا کہ ہم لوگ آپس میں انہیں صرف کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ان لوگوں کی تجوریاں کس کام آئیں گی جو جرائم کرتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ ہمارے اخراجات ان کی تجوریوں سے چلیں گے۔

انداز بے شک تبدیل ہو جائے گا لیکن ضرورت ایجاد کی والدہ ہوتی ہے، درویشوں کے کرم سے۔ چنانچہ ہماری ضرورت وہ پوری کریں گے۔ ہاں ایسے جرائم پیشہ افراد کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا جو ہمارے ضمیر کے خلاف کام کر رہے ہوں۔ انہیں سرکاری تحویل میں پہنچنا ہوگا۔ سمجھ رہے ہیں ناں..... آپ لوگ! طریقہ کار میں بعد میں منتخب کروں گا۔ بہت عرصے سے پرانی بات ہے، جب میں نے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس کا نام ڈی جی ٹی لمیٹڈ تھا۔ بڑی کامیابی سے وہ ادارہ چل رہا تھا مگر اس پر بھی اسی طرح بم بلاسٹ کیا گیا۔ میں اس ادارے کو دوبارہ تو منظر عام پر نہیں لا رہا۔ لیکن اس سے ملتا جلتا ایک ادارہ ضرور قائم ہونا چاہیے۔ جس کے تحت ہم لوگ کام کریں گے۔

گرین ہاؤس میں تم لوگ اسی طرح رہو گے۔ یہاں کی ذمہ داریاں اپنی طرح پوری ہوتی رہیں گی اور ادھر ہمارا وہ دوسرا گھر وہ اسی طرح قائم رہے گا۔ حسینہ اور معشوق نشیلے اس گھر میں رہیں گے او رمعاملات اسی طرح جاری رہیں گے۔ ویسے میں آپ لوگوں کو یہ بات بتا دوں کہ بہت مختصر وقت میں اس قسم کے مسئلے ٹل جاتے ہیں۔''

جنرل رحیم شاہ واپس آئیں گے اور اسی طرح اپنی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ وہ مستقل طور پر ہمارے سربراہ رہیں گے۔ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوئی ہے۔ بس یوں سمجھو کہ قدیم تاریخوں میں بھی ایسے معاملات ملتے رہتے ہیں، درویشوں کی دعاؤں سے۔ چنانچہ آپ لوگ اپنے اپنے طور پر آرام سے زندگی بسر کیجیے۔ میں بھی کچھ دن تک ممن خان کے ساتھ وقت گزاروں گا کیا خیال ہے؟''

''جیسا آپ پسند کریں چھوٹے بابا! ویسے آپ نے ایک جملہ کہا تھا میں تو اس پر غور کر رہی تھی۔''

''کیا.....؟'' صوفی نے سوال کیا اور شازیہ ایک لمحے تک خاموش رہی پھر بولی۔

''آپ نے کہا تھا ناں چھوٹے بابا ہم خود کھائیں گے، خود کمائیں گے، میرا خیال ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ صلاحیت رکھتا ہے اور میرے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اس وقت دنیا کا بہترین کاروبار بھیک مانگنا بن چکا ہے۔ بھکاریوں کی ایک سائنس ہے چھوٹے بابا اگر میں چاہوں تو بھکاری آرگنائزیشن کی چیئرمین بن سکتی ہوں۔ بھیک مانگنے کے ایسے ایسے گر بتاؤں گی ان لوگوں کو کہ وہ لوگ اپنی ساری فن کاری بھول جائیں گے۔''

''نہیں شازیہ! یہ کام بڑے دکھ کا باعث ہے اور پھر ضرورت نہیں ہے۔''

''اور سر! میرا نام دلاور خان ہے۔ آپ حکم کریں کتنی رقم جمع کر دوں۔''

''ارے ماں قسم غلام قادر کو تم لوگ کیا سمجھتے ہو۔ گدھا گاڑی ایسوسی ایشن بنا کر لاکھوں کما سکتا ہوں۔'' صوفی کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ نظر آئی۔ اس نے کہا۔

''سب لوگ اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر چکے مگر مجھے ان میں سے کسی کی فن کاری نہیں چاہیے۔ تم لوگوں کو اخراجات کی کمی نہیں ہوگی۔ ایک وظیفہ پڑھوں گا۔ چلہ کاٹوں گا اور درجنوں منوکل میرے گرد آ کھڑے ہوں گے۔ بھلا سوچو اس کے بعد پیسوں کی کیا کمی ہے؟ درویشوں کی دعاؤں سے۔ بہر حال وہ لوگ خوشگوار گفتگو کر رہے تھے۔ کیونکہ ذہنوں پر بوجھ تو تھا ہی لیکن حالات جب کروٹ بدلتے ہیں تو اسی طرح بدلتے ہیں۔ اس کے بعد صوفی نے نئے بنگلے میں آ کر حسینہ اور نشیلے کو بریف کیا۔

''ہمارے حلقے میں شادیوں کا کوئی رواج نہیں ہے۔ جب میں نے شادی نہیں کی تو معشوق نشیلے تم بھی شادی نہیں کرو گے، بشرطیکہ تم اس بنگلے سے تعلق رکھنا چاہو؟''

''میں کہتی ہوں اس موٹے مئے سے شادی کرے گا کون؟''

''حسینہ بیگم نہ چھیڑو آگ لگا دوں گا آشیانے کو؟''

''اے جا تیرا ایسا تاس، آگ لگا اپنے منہ میں۔ ہمارے آشیانے کو آگ کیوں لگائے گا؟'' اسی وقت دروازے کی بیل بجی تھی اور صوفی نے پر خیال انداز میں کہا تھا۔

''یہ کون آ گیا؟''

''میں دیکھتی ہوں۔'' حسینہ باہر گئی اور الٹے قدموں میں واپس آ گئی۔

''وہی کھگا ہے؟''

''کھگا..... یہ کون ہے ہماری تو کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی درویشوں کے کرم سے۔''

''ارے وہی جمشید مرزا؟''

''اوہو..... اچھا کہاں ہیں؟''

''میں نے صورت دیکھ کر دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ باہر کھڑا ہوا ہے۔'' بیل پھر بجی تھی۔ صوفی نے گہری سانس لے کر کہا۔

''جاؤ۔ معشوق نشیلے تم دروازہ کھولو اور ذرا عزت کے ساتھ انہیں اندر لے جاؤ۔'' کچھ لمحوں کے بعد صوفی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ جمشید مرزا کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

''صوفی صاحب! کیا میں آپ سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ آپ نے اس عورت کو یہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟''

''تت..... توبہ کیجیے مرزا جی درویشوں کی دعاؤں سے۔ ہماری عزت پر انگلی نہ اٹھائیے۔''

''بہت بدتمیز عورت ہے۔ آپ میرا یقین کریں کہ جس دن میرا پارہ چڑھ گیا تو.....''

''نہیں ہرگز نہیں۔ اگر آپ کا پارہ چڑھ گیا تو اسے شادی کا پیغام بالکل نہ دیجیے گا، کیونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا میں اس کی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔''

''ہم بھی تو آپ سے سچ عرض کر رہے ہیں۔ جمشید مرزا صاحب!''

''گویا یہ اسی طرح بدتمیزی کرتی رہے گی؟''

''نہیں۔ اسے سمجھا دیں گے۔ آئندہ آپ کے ساتھ ذرا خیال رکھا کرے۔''

پانی پلوا دیجئے ذرا مجھے

''ہم خود لاتے ہیں۔'' پانی پینے کے بعد جمشید مرزا نے صوفی کو دیکھا اور کہا۔

''یہ بات تو میرے علم میں تھی کہ آپ کا براہ راست تعلق شاہ میر صاحب سے تھا اور وہ کرنل رحیم شاہ صاحب جنہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ اصل میں دیکھیے قانون کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی طور اپنے آپ پر کسی کو قابو نہیں پانے دے سکتا۔ آپ لوگ قانون کے دائرہ اختیار سے نکل گئے تھے۔''

''جی ہاں۔ قانون کو ہم پر اختیار حاصل نہیں رہا تھا، درویشوں کی دعا سے۔'' صوفی نے الفاظ سے کھیلتے ہوئے کہا اور جمشید مرزا صوفی کے الفاظ پر غور کرنے لگا، پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

''دلچسپ باتیں کرتے ہیں آپ صوفی صاحب!''

''درویشوں کا کرم ہے بس اور محبت ہے آپ کی مرزا جی!''

''ایک پیش کش ہے آپ کے لیے۔ ظاہر ہے یہ ذریعہ معاش ختم ہونے کے بعد آپ کو کسی ملازمت وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔'' صوفی نے غور سے جمشید مرزا کو دیکھا پھر بولا۔

''یہ باتیں صرف محبت کرنے والے ہی سوچ سکتے ہیں مرزا جی! آپ کے مزاج کو میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ آپ اوپر سے سخت ہیں اندر سے نرم، آپ کی محبت کا بے حد شکریہ۔''

''نہیں۔ میں نے شکریہ کے الفاظ نہیں کہے ہیں۔ آپ کا کہنا درست ہے صوفی صاحب! محبت کرنے والے ہی کسی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔ ویسے میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ آپ ذہین آدمی ہیں اور آپ نے دو تین معاملات میں میری مدد بھی کی ہے۔ جس کی وجہ سے میرے دل میں آپ کے لیے جگہ موجود ہے۔''

''شکریہ نہ ادا کروں تو اور کیا کروں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے نیاز مندی سے کہا۔

''آپ میرے لیے کام کریں صوفی صاحب! مجھے محکمے سے کیس ملتے ہیں ہر طرح کے واقعات ہوتے ہیں آپ میرے ایجنٹ کے طور پر کام کریں۔ میں آپ کو آپ کے کام کا معاوضہ دوں گا۔ ایک اچھا معاوضہ۔''

''غور کرنے کا موقع مرحمت فرمایئے۔'' صوفی نے کہا۔

''بھلا اس میں غور کرنے کی کیا بات ہے؟ آپ یوں سمجھئے کہ آج سے آپ میرے ملازم ہو گئے ہیں۔ میں آپ کو ایک بہتر معاوضہ ادا کروں گا۔''

''آپ تو کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہیں۔'' جمشید مرزا تھوڑی دیر تک صوفی کو مختلف ہدایات دیتا رہا اور اس کے بعد چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سہیل احمد اور نارزن بھی آ گئے تھے۔ سہیل عالم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ یقین کریں صوفی صاحب! میں منحوس نہیں ہوں یہ نہ سمجھیں کہ میری آمد.....''

''درویش تم پر رحم کریں۔ ہم سے بڑا منحوس تو اس دنیا میں آیا ہی نہیں۔ بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہیں آپ سہیل عالم صاحب!''

''نہیں واقعی دیکھیے۔ دو عجیب واقعات ایک ساتھ ہوئے ایک تو وہ تنظیم فراڈ نکلی اور ہم لوگ خاصے چکر میں آ گئے، لیکن صوفی صاحب! میں یہ آپ کے لیے لے کر آیا ہوں۔'' سہیل نے کہا اور نارزن کی طرف رخ کیا۔ نارزن نے وہ بریف کیس سہیل کے سامنے کر دیا جو گینترا کی پہاڑیوں سے سہیل عالم نے اٹھایا تھا۔

''یہ وہی سوٹ کیس ہے جو؟''

''ہاں، ہاں مجھے معلوم ہے۔ یہ میرے ذہن میں تھا، لیکن میں نے سوچا کہ شاید وہیں ضائع ہو گیا۔''

''اچھی رقم ہے، خاصے دن تک ساتھ دے جائے گی لیکن صوفی صاحب آپ اگر حکم دیں تو میں احمد عالم صاحب سے رجوع کر لوں۔ ان کی طرف سے مجھ پر مسلسل دباؤ بڑھ رہا ہے کہ میں ان کی خدمت میں آ جاؤں، ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آ جائے گا۔''

''کیوں بھئی کیوں؟ ہمارے لیے کیوں؟ ارے بابا پوری زندگی گزارنی ہے۔ اسی دشت کی سیاہی میں اور وہ جو ایک مقولہ ہے درویشوں کی دعاؤں سے کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ تھوڑا سا انتظار کر لو۔ کچھ کر لیں گے اب ہم اس قدر بے دست و پا بھی نہیں ہیں درویشوں کا سایہ چاہیے ہوتا ہے۔ ویسے لگتا ہے کہ تم درویشوں سے متاثر نہیں ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے صوفی صاحب! میں آپ سے متاثر ہوں۔ سو آپ سے متعلق ہر شخصیت سے متاثر ہوں۔''

''درویش تمہیں اپنی پناہ میں رکھیں۔ بے فکر رہو، تھوڑا سا وقت گزار لو۔ رابطے تو ہمارے درمیان رہیں گے ہی، کریں گے کچھ نہ کچھ۔ بے فکر ہو جاؤ۔'' صوفی نے مستانہ وار کہا اور سہیل عالم خاموش ہو گیا۔

♥.....♥.....♥

''خوب ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کرنل رحیم شاہ کا ملک سے باہر چلے جانا بڑا المیہ تھا۔ لیکن صوفی نے سب کو یقین دلایا تھا کہ بہت جلد رحیم شاہ واپس آ جائیں گے۔ وہ کوئی ایسا الٹا چکر پھیرے گا کہ سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے اور پھر ممن خان والی گلی اور گرین فورس کے تینوں ممبران..... لطف ہی آ گیا تھا۔ قوالیاں ہوتی تھیں غلام قادر کا رقص دیکھنے کے قابل ہوتا۔ اب تو شازیہ کو بھی ان محفلوں میں مزہ آنے لگا تھا۔ دلاور بھی مدھم مدھم سی مسکراہٹوں کے ساتھ شریک رہتا تھا۔ صوفی کی اپنی حرکتیں بھی اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اکثر شازیہ، غلام قادر اور دلاور سے کہتی۔

''تم لوگ یقین کر لو، اگر گینترا کی پہاڑیوں میں تم چھوٹے بابا کا عمل دیکھ لیتے تو یقین کرو کہ دنگ رہ جاتے۔ کیا دلیری تھی ان کے انداز میں۔ ساتھ تو میں نے بھی دیا لیکن اس یقین کے ساتھ کہ میری زندگی کا اختتام یہیں ہو مگر چھوٹے بابا، ان کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے ماحول پر ان کی حکمرانی ہو اور اس وقت دیکھو کیسا شیروانی اٹھا اٹھا کر ناچ رہے ہیں۔ کافی دیر تک صوفی کی یہی کیفیت رہی۔ ادھر باقی تمام افراد بھی اپنے اپنے طور پر زندگی گزار رہے تھے۔ معشوق نشیلے کو خاص طور سے اب اس کوٹھی میں رکھ دیا گیا تھا جو رحیم شاہ صاحب نے خرید کر دی تھی۔ حسینہ کی معشوق نشیلے سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں اور اس سے ایک دلچسپ ماحول بن جاتا تھا۔ معشوق نشیلے نے اب حسینہ سے عشق لڑانا چھوڑ دیا تھا اور حسینہ کو اس بات پر بھی غصہ تھا۔

''یہ تم چوبیس گھنٹے گھر میں کیوں رہتے ہو، کچھ کام دھندا کرو۔''

''کیا تم میرے بچوں کی ماں ہو؟'' معشوق نشیلے نے غصیلے لہجے میں کہا اور حسینہ اس بات پر غور کرنے لگی پھر اچانک ہی اس نے جھک کر پاؤں سے جوتی نکال لی۔

''شادی نہ بیاہ بچوں کی ماں کیسے کہا تم نے مجھے۔''

''بچے کہاں ہیں؟'' معشوق نشیلے نے حسینہ بیگم کے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا اور حسینہ بیگم بھی بے اختیار پیچھے کی جانب مڑ گئیں معشوق نشیلے غڑاپ سے دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔ حسینہ بیگم کو پھر خیال آیا تو وہ جوتی لیے لیے باہر نکلیں لیکن باہر معشوق نشیلے کا کوئی پتا نہیں تھا۔

♥.....♥.....♥

آخر کار صوفی نے کچھ سوچ لیا۔ ایک بھری پری سڑک پر ایک دکان لی گئی۔ اس میں الماریاں بنوائی گئیں۔ خواتین کے لیے پردے کا انتظام کیا گیا اور الماریوں میں بوتلیں سجا دی گئیں۔ کسی پر معجون، کسی پر خمیرہ، کسی پر بنفشہ سفید، کسی پر عرق بلبل، چاروں طرف لیبل لگی بوتلیں سج گئی تھیں۔ باہر ایک بورڈ لگا تھا جس پر لکھا تھا۔ ''حکمت۔''

سب سے پہلے سہیل عالم نے ہی وہ دکان دیکھی تھی۔ صوفی اپنی قدیم شیروانی اوڑھے ڈھیلے پاجامے میں ملبوس پان کی گلوری منہ میں دبائے، میز کے پیچھے رکھی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میز پر ایک چھوٹی سی تختی رکھی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا۔ جناب قبلہ حکیم صاحب! سہیل عالم کار روک کر نارزن کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کر کے دکان میں داخل ہو گیا۔ صوفی کے گالوں کے گڑھے پان کی گلوری سے بھرے ہوئے تھے۔ سہیل عالم نے میز کے نیچے جھانک کر دیکھا اور پھر تابنے کا اگال دان سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''تمام ساز وسامان اس میں الٹ دیجئے۔''

''قم قم..... بم بم..... غم غم۔'' صوفی نے عاجزی سے کہا۔

''میں کہتا ہوں یہ کیا ہے سب کچھ؟''

''قم قم..... بم بم۔''

''آپ براہ کرام پلیز! نکالیے سب کچھ۔'' سہیل عالم نے اگال دان آگے کرتے ہوئے کہا اور پھر غلاظت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا اور پان کی ساری پیک مع اس کے ملغوبے کے اگال دان میں منتقل ہوگئی۔''

''یہ دکان حکمت کیا ہے۔''

''عزیزی دکان حکمت ہے۔ ہم نے باقاعدہ حکمت پڑھی ہے۔ وہ دیکھو ہمارے سرٹیفکیٹ لٹکے ہوئے ہیں۔ صوفی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ تین فریم لٹکے ہوئے تھے جن میں صوفی کے لیے سندیں تھیں۔ ں نے واقعی حکمت کے بڑے بڑے امتحانات پاس کیے تھے۔

''صوفی صاحب! آپ کیا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن یہ بات آپ ضرور ذہن نشین کرلیں۔ میں یہ سب کچھ آپ کو نہیں کرنے دوں گا۔''

''احمق ہو..... نامعقول ہو..... بے وقوف ہو..... درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''اگر درویشوں کی دعاؤں سے یہ سب کچھ ہے تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔'' سہیل عالم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں تو میرے عزیز یہ خیال دل سے نکال دو۔ مجھے تمہاری محبتوں کا سہارا کافی ہے۔ دولت ہمیشہ میری جوتوں سے چمٹی رہی ہے اور میں نے کبھی اس کی نہ پروا کی نہ ضرورت محسوس کی۔ جب بھی مجھے جتنی بھی رقم کی ضرورت ہوتی ہے بس یوں سمجھ لو کہ درویشوں کی دعاؤں سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اس وقت صوفی کے چہرے سے ایک نقاب سی سرک گئی تھی اور سہیل عالم اسے غور سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''مجھے یقین ہے صوفی صاحب۔''

''ہم سارے کام کریں گے سہیل واقعات کی نوعیت پر غور کرو۔ کبیر احمد شاہ صاحب میرے دیرینہ مخالف ہیں۔ اس وقت بھی انہوں نے مجھے بدترین نقصانات پہنچائے تھے۔ بس ہوتا ہے، اگر یہ الٹ پھیر نہ ہو درویشوں کی دعاؤں سے تو پھر زندگی میں مزہ ہی کیا رہے۔ ہم ایک یکساں لکیر پر چلتے رہیں۔ تم اطمینان سے اپنی زندگی گزارو۔ لاتعداد دلچسپیاں ہیں اس ملک میں تمہارے لیے اور سنو! میں بالکل یہ بات نہیں کہوں گا کہ تم اپنے والد سے اس لیے رابطہ کرو کہ ان کے ذریعے تمہاری ضروریات پوری ہوں، لیکن باقی سب ٹھیک ہے۔ دولت کی اگر تمہیں جب بھی ضرورت پیش آئے چونکہ تم گرین فورس کے ممبر ہو اس لحاظ سے تم مجھ سے کہہ سکتے ہو۔'' سہیل عالم مسکرا دیا تھا۔ اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے صوفی صاحب!''

دکان حکمت کو باکمال ہونا ہی چاہیے تھا، کیونکہ صوفی اسے چلا رہا تھا۔ مریض آتے تھے۔ صوفی

ان کا جائزہ لیتا تھا۔ دوا دیتا تھا۔ اور وہ ٹھیک ہو جاتے تھے پھر تھوڑی سی تبدیلی یہ ہوئی معشوق نشیلے دکان پر آ کر بیٹھنے لگے۔ وہ دوا ساز تھے۔ حکیم صاحب قبلہ نبض دیکھتے تھے۔ دوائیں تجویز کرتے تھے نسخے لکھتے تھے اور معشوق نشیلے یہ نسخے تیار کرتے تھے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا پھر جمشید مرزا کو صوفی کی ضرورت پیش آ گئی اور معلومات حاصل کرتا ہوا وہ یہاں تک آ گیا۔

''یہ کیا لغویت ہے؟'' اس نے دکان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دکان حکمت ہے، اگر آپ کو کوئی تکلیف ہو تو بتایئے؟''

''توبہ، توبہ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سے علاج کرا کے نہ مرض رہے گا نہ مریض۔ خیر میں سمجھ گیا یہ چکر کیوں چلایا ہے آپ نے۔ بات میرے علم میں آ گئی ہے۔ صوفی صاحب!''

''ہمارے علم میں نہیں آئی درویشوں کی دعاؤں سے۔ پان نوش فرمایئے گا۔'' صوفی نے پانوں کی ڈبیا کھولتے ہوئے کہا۔

''بند کیجئے اسے۔ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ آپ میری ماتحتی میں کام کر رہے ہیں۔''

''جی۔'' صوفی حیرت سے بولا۔

''جی ہاں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کو باقاعدہ حاضری کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ آڑ بنائی ہے آپ نے اور یہ اچھا کیا میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ اچھا خیر آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔ ایک کیس ملا ہے۔''

''کک..... کہاں چلنا ہے۔''

''آپ ذرا وہاں سامنے جا کر بیٹھئے۔'' جمشید مرزا نے معشوق نشیلے سے کہا۔

''وہ..... جج..... جناب! اصل میں فارسہ میں کہا ہے۔''

''جاتے ہو یا تمہیں فارسہ میں ہتھکڑیاں لگا دوں۔''

'ایک تو پولیس کا یہ رویہ بہت ہی دل سوز ہے۔ آپ لوگ مجرم کے ساتھ تو خیر جو سلوک کرتے ہیں وہ کرتے ہی ہیں، لیکن سخت گیری آپ کا مزاج بن گئی ہے فارسہ میں۔''

''جمشید مرزا اپنی جگہ سے اٹھا اور معشوق نشیلے جلدی سے باہر نکل گئے۔ جمشید مرزا نے صوفی کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بہت سے منصوبے بنائے ہیں میں نے اس دوران۔ بات اصل میں یہ ہے صوفی صاحب کہ دنیا اس وقت ایک ہی ڈگر پر چل رہی ہے۔ دولت، دولت، دولت۔ رقم بناؤ زندگی عیش سے گزارو۔''

''حق اللہ.....'' صوفی نے کہا۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم پرائیویٹ کیس لیں گے، یعنی ایسے کیس جو آئیں گے تو پولیس کے پاس لیکن ہم ان کے وہ پہلو دیکھیں گے جہاں سے وہ دوسرا راستہ اختیار کریں اور اس طرح دولت بنائیں گے۔ جہاں پولیس کی مداخلت کی ضرورت پیش آئے گی، میں آپ کی مدد کروں گا۔ کہیے کیسا.....''

''در..... درویش رحم کریں۔''

''درویش بالکل رحم کریں گے۔ آپ دیکھئے اب تک آپ جو کرتے رہے ہیں یہ سب کچھ اس

سے کہیں زیادہ بہتر رہے گا۔ آپ یہ لیجئے یہ موبائل فون رکھئے۔ یہ میری طرف سے آپ کا تحفہ ہے۔ اس کا نمبر نوٹ کر لیجئے آپ کے ذہن میں رہے گا۔"

"نن..... نہیں ہمارے ہمارے پاس....."

"صوفی صاحب! یہ میرے اور آپ کے درمیان معاہدے کی پہلی شق ہے۔" جمشید مرزا نے کہا۔

"درویش رحم کریں۔"

"بس دیکھئے تو سہی ہوتا کیا ہے؟ بھول جائیں گے آپ کرنل رحیم شاہ کو۔"

"جنرل..... جنرل۔"

"ارے بابا! ایسے خود ساختہ عہدے آپ جتنے کہیں میں آپ کو دے دوں، کیا سمجھے آپ!" جمشید مرزا نے کہا پھر بولا۔

"میں آپ سے فوراً رابطہ کروں گا۔ ہمیں عادل نگر چلنا ہوگا۔ یہ بالکل پرائیویٹ کیس ہے، فی الحال اس کا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس سمجھ لیجئے ایک ذاتی سا معاملہ ہوگا۔ اوکے میں چلتا ہوں۔ اللہ حافظ۔" جمشید مرزا نے کہا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنی پولیس کار تک پہنچ گیا۔ وردی میں تھا، قرب و جوار کے لوگ ان قبلہ حکیم صاحب کے بڑے معتقد ہو گئے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ ان میں سے کچھ نے ان سے اپنا علاج بھی کرایا تھا اور بڑے فائدے حاصل کیے تھے پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ بہت بڑے بڑے لوگ کاروں میں آتے ہیں اور قبلہ حکیم صاحب کی حکمت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

بہر حال معشوق نشیلے واپس آ گئے۔ منہ پھولا ہوا تھا۔ کہنے لگے۔

"صوفی صاحب! ہماری نگاہوں میں تو آپ اتنے ہی بڑے آدمی ہیں فارسہ میں کوئی پولیس والا ہو یا کوئی اور یہ سب آپ پر رعب کیوں جما لیتے ہیں۔"

"درویشوں کی مرضی ہم کیا کہیں؟"

"یہ تو بے عزتی ہوتی ہے؟"

"ہمارا خیال ہے ہماری کوئی عزت نہیں ہے جو چیز نہیں ہے اس کی کیا پروا کی جائے۔ آرام سے اپنا کام کرو۔ یہ جو صاحب ہیں ناں پولیس افسر بے فکر رہو اگر واقعی ضرورت پیش آ گئی تو پھر....." صوفی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

بہر حال معاملات جیسے بھی تھے صوفی نے کبھی کسی مرحلے پر کسی بات کی پروا کی ہی نہیں تھی۔ دکان حکمت، ممن خاں کا ہوٹل، پان گھر، گرین ہاؤس، حسینہ بیگم پہلے تو سب کچھ محدود تھا لیکن اب اس کے بعد بہت سے مسئلے پھیل گئے تھے اور صوفی جانتا تھا کہ ان مسائل سے کس طرح نمٹنا ہے۔ دکھ تھا رحیم شاہ صاحب کا جن کے ساتھ شدید ناانصافی ہوئی تھی۔ مگر ایسا ہی ہوتا ہے۔ بھولنے والے لمحوں میں بہت کچھ بھلا دیتے ہیں۔ رحیم شاہ اگر چاہتے تو اسے پچھلے عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر طرح کی مراعات حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ خود بھی صاحب ظرف آدمی تھے اور پھر ہر چیلنج کو قبول کرنا ان کی فطرت کا ایک حصہ تھا۔ اگر خود جانا پسند نہ کرتے تو بھلا کس کی مجال تھی۔ جو انہیں ملک سے باہر بھیج دیتا، لیکن صوفی سے انہوں نے یہی کہا تھا۔

اصل میں زندگی میں اگر تبدیلیاں ہوتی رہیں تو زندگی کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایک ہی ڈگر پر چلتے رہنا سمجھ لو بہت سے راستے روک دیتا ہے۔ میں خود بھی جاننا چاہتا ہوں یہاں کی صورت حال آپ کس طرح سنبھالیں گے؟ صفی صاحب! یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ آ جائیں گے تھوڑے عرصے میں واپس اور اس کے بعد وہی شب و روز۔"

صوفی بھی یہ بات اچھی طرح جانتا تھا اس وقت دکان بند کر کے وہ گرین ہاؤس ہی پہنچا تھا۔ شازیہ، دلاور، غلام قادر اور ان کا خاندان گرین فورس میں خوش حال زندگی گزار رہا تھا۔ شازیہ نے کہا۔

"چھوٹے بابا! کچھ کرنا چاہیے؟ زندگی ذرا بے کیف سی ہو گئی ہے۔"

"یہ صرف احساس ہے تمہارا شازیہ! زندگی کبھی بے کیف نہیں ہوتی۔ ہر بدلتی ہوئی شب، ہر بدلتا ہوا دن، نئی کیفیتوں کا حال ہوتا ہے۔ تھوڑا سا وقت سکون سے گزار لو اس کے بعد پھر وہی ہنگامہ پرور زندگی۔ زندگی تو ہے ہی ہنگاموں کا نام درویشوں کی دعاؤں سے۔ ویسے جمشید مرزا صاحب میرا خیال ہے مجھے پھر سے بائیل کرنا چاہتے ہیں۔ سوچا تھا کچھ عرصے اپنی حکمت کی پریکٹس کو بڑھاؤں گا لیکن انہوں نے زبردستی مجھے اپنا ملازم بنا لیا ہے۔

"ایس پی صاحب!"

"ہاں۔" صوفی نے کہا اور شازیہ کو ساری تفصیل بتا دی۔ شازیہ ہنس پڑی تھی۔ صوفی نے اسے موبائل دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ موبائل بھی عنایت فرمایا گیا ہے۔" کافی دیر تک شازیہ ہنستی رہی تھی پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

"چھوٹے بابا! ایک کام کریں آپ ان کی ملازمت قبول کر لیں اور اس کے بعد ان کی وہ درگت بنائیں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں۔"

"حق اللہ، حق اللہ، حق اللہ۔" موبائل پر جمشید مرزا کا فون موصول ہوا۔

"آپ تیار ہیں صوفی صاحب!"

"کشتی لڑنی ہے کسی سے؟"

"نہیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ عادل پور چلنا ہوگا۔ بس میں ذرا انتظار کر رہا تھا۔ آپ ایسا کریں کہ دکان سے اٹھ جائیں۔ گھر جا کر تیاریاں کریں۔ میں آپ کو گھر سے ہی پک کر لوں گا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔"

"در..... درویش رحم کریں۔" صوفی نے کہا۔ پھر دوسری طرف سے فون بند ہو گیا تھا۔ دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ معشوق نشیلے ایک کونے میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ صوفی نے انہیں آواز دی تو وہ چونک پڑے۔

"جی۔"

"میرا خیال ہے مجھے کچھ دن کے لیے شہر سے باہر جانا ہوگا اس دوران آپ دکان سنبھالیں گے۔"

"یہ کوئی سوال ہے فارسہ میں۔"

"خیال رکھیے گا، مریض آئیں تو ان سے کہہ دیجئے گا کہ حکیم صاحب کام سے گئے ہوئے ہیں۔"

معشوق نشیلے نے گول مول انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

بہر حال صوفی جو یہاں اپنی مشہور زمانہ موٹر سائیکل پر آیا کرتا تھا۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے گھر چل پڑا۔ حسینہ نے دروازہ کھولا تھا اور مسکراتے ہوئے صوفی کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

''کہیے حسینہ بی بی! کیسی گزر رہی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے منحوس مردودوں سے نجات مل گئی ہے اور ایک کام تو تم نے بہت بڑا کیا ہے صوفی صاحب! وہ یہ کہ اس فارسہ کو یہاں سے لے گئے۔ اس کا یہاں سے چلے جانا سمجھ لو میری نئی زندگی بن گیا ہے ورنہ کم بخت خون کرنا پڑتا۔''

''خون خرابے سے گریز کیا کیجئے۔'' صوفی نے کہا اور اندر پہنچ گیا پھر اس نے اپنے طور پر تیاریاں کیں۔ دو تین جوڑے کپڑے بیگ میں رکھے اور ذرا قدرے صاف ستھری شیروانی اور پاجامہ نکال لیا۔ پان دان کھول کر گلوریاں بنائیں اور ڈبیا میں رکھ لیں۔ اس کے بعد وہ کچھ اور تیاریاں کرنے لگا۔ ایک گھنٹے کے بعد بیل بجی اور جمشید مرزا اندر داخل ہو گیا۔

''آپ تیار ہیں؟''

''درویشوں کے کرم سے۔''

''وہ صوفی صاحب کوئی سوٹ وغیرہ نہیں ہے آپ کے پاس بہتر ہوتا کہ سوٹ پہن لیتے۔ اس میں..... میرا مطلب ہے اس لباس میں؟''

''ہمیں تو صرف اس بات کا افسوس ہے ایس پی صاحب کہ ہم اس لباس میں پیدا کیوں نہ ہوئے۔ بس اسی پر آج تک شرمندہ ہیں۔ باقی سب خیریت ہے درویشوں کے کرم سے۔''

''میں سمجھتا تھا آپ بھی ضدی آدمی ہیں، بہر حال آیئے۔''

''ہمارا یہ سفر خاصا پرائیویٹ معلوم ہوتا ہے؟'' صوفی نے جمشید مرزا کے لباس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جمشید مرزا نے اپنا حلیہ ہی بدل لیا تھا۔ ایک خوب صورت سفاری سوٹ میں ملبوس تھا اور لگتا تھا کہ چہرے کی بھی خاصی مرمت کرائی ہے۔ بالوں کا اسٹائل بھی خاصا تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک نگاہ میں دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو چھلانسپر و بنانے کی کوشش کی ہے۔ کار بھی نئی اور خوب صورت تھی۔ پتا نہیں اس کی اپنی تھی یا کسی سے ادھار مانگ لایا تھا۔ بہر حال اس سج دھج میں وہ صوفی کے پاس پہنچا تھا۔

''ڈرائیونگ میں کروں گا اور آپ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جایئے۔'' جمشید مرزا نے رعونت کا مظاہرہ کیا۔ صوفی کو وہ اپنے برابر جگہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ صوفی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پیچھے بیٹھ گیا۔ جمشید مرزا اسی زمانے کا انسان تھا۔ کچھ دن پہلے جب صوفی نے اس کے لیے ایک دو مسئلے حل کیے تھے، وہ صوفی کے قدموں میں بیٹھنا پسند کرنے لگا تھا لیکن اب اسے پتا چل گیا تھا کہ صوفی کا اقتدار ختم ہو چکا ہے چنانچہ شاید وہ اپنے پرانے بدلے لے رہا تھا چونکہ شاہ میر صاحب کی وجہ سے اسے کئی بار صوفی کے سامنے پست ہونا پڑا تھا لیکن صوفی اس طرح کا انسان ہی نہیں تھا۔ درویشوں سے عقیدت نے اس کے اندر بڑی حلیمی پیدا کر دی تھی اور وہ معمولی معمولی باتوں کو اہمیت نہیں دیتا تھا۔ جمشید مرزا پہلے تو صوفی کے بولنے کا منتظر رہا پھر اس نے خود

ہی کہنا شروع کر دیا۔

عادل پور میں ہم لوگ ایک بہت بڑے رئیس آدمی کے ہاں جا رہے ہیں۔ رائے راحیل عادل پور کے نواحات میں پھیلی ہوئی ہزاروں ایکڑ زمین کا مالک ہے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس نے دنیا کے بیشتر ممالک میں گزارا ہے۔ بڑی اچھی عزت اور حیثیت والا آدمی ہے۔ کسی مشکل میں گرفتار ہے پھر پولیس سے براہ راست مدد نہیں لینا چاہتا، کسی ذریعے سے اسے میرے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں اور یہ پتا چلا کہ میں خصوصی ذہانتوں کا مالک ہوں اور اس کا مسئلہ حل کر سکتا ہوں چنانچہ اس نے ایک پیش کش کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ پچاس لاکھ روپے تک خرچ کرنے کو تیار ہے اگر اس کی مشکل حل کر دی جائے تو صوفی صاحب! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے مسائل کا حل میں دوں گا۔ آپ سمجھ لیجئے یہ اس حصے کی پہلی کڑی ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے پچاس لاکھ میں سے دس لاکھ آپ کو مل جائیں تو آپ کے تو سالہا سال کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔''

''درویش رحم کریں۔''

''ذرا اپنے آپ کو سنبھالے رکھیں۔ انسان کو اپنی حیثیت بنانے کے لیے خود کو لیے دیے رکھنا پڑتا ہے۔ آپ کو بھی صوفی صاحب میرے خیال میں یہی کرنا چاہیے۔''

''یعنی خود کو لیے دیے رکھنا ہے ہمیں۔''

''بالکل بالکل، اسی میں بہتری ہوتی ہے۔''

''بہت بہتر۔ جیسا آپ کا حکم ہو ویسا ہی کریں گے۔''

''نہیں نہیں حکم کی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک مناسب بات بتائی ہے آپ کو۔''

''مشکل کیا ہے رائے صاحب کو۔''

''تفصیل تو وہیں جا کر پتا چلے گی۔''

''وہ آپ کے بھی شناسا نہیں ہیں۔''

''ہاں۔ صورت آشنائی نہیں ہوئی ہے لیکن ٹیلی فون پر ان سے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنی مشکل بتا دی ہے۔''

''ٹھیک۔ اچھی بات ہے مشکل کیا ہے؟''

''میں نے کہا نا بس یہ کہا ہے انہوں نے کہ انہیں خفیہ طور پر مدد درکار ہے اور کوئی ذہین پولیس آفیسر ہی ان کی یہ مشکل حل کر سکتا ہے۔ صوفی خاموش ہو گیا کہنے کو تو بہت کچھ دل چاہ رہا تھا لیکن خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

بہر حال عادل پور تک کا سفر جاری رہا تھا۔ تین ساڑھے تین گھنٹے کی ڈرائیو تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جمشید مرزا خود گاڑی چلاتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

''سیدھی سڑک ہے اور میرا خیال ہے آپ کی ڈرائیونگ اتنی بہتر تو ہو گی۔''

''جی۔'' صوفی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس بار جمشید مرزا سامنے ہی بیٹھا ہوا تھا یعنی صوفی کے

برابر۔ کوئی آدھے گھنٹے کا سفر مزید طے ہوا تھا کہ سامنے سڑک پر ایک کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس کے سائیڈ گارڈ سے ٹیک لگائے ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔

''ارشاد فرمایئے۔ کیا کروں نکل چلوں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' جمشید مرزا نے سامنے چونک کر دیکھا پھر جلدی سے بولا۔

''نہیں نہیں نہیں۔ روکیے، روکیے کوئی خاتون ہیں۔ خواتین کی مدد کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ جمشید مرزا جلدی سے چیخا۔ دور ہی سے اس اسمارٹی کا جائزہ لے لیا تھا۔ چست پتلون، گلابی رنگ کا اپر اخروٹی رنگ کے بال، سرخ و سفید چہرہ، آنکھوں پر جدید ساخت کی عینک، ایسی کوئی شکل نظر آجائے تو بھلا جمشید مرزا کو قرار رہ سکتا تھا۔ جوں جوں کار قریب پہنچتی جارہی تھی۔ لڑکی کے دل کش نقوش نمایاں ہوتے جارہے تھے۔ وہ زور زور سے کار روکنے کے لیے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ صوفی نے کار اس کی کار سے آگے نکال کر دس قدم پر روک دی اور بولا۔

''آپ صورت حال دریافت فرمالیجئے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' جمشید مرزا نے کار کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی۔ وہ بہت زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش کررہا تھا۔ کچھ لمحے کے بعد وہ لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا اور لڑکی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بڑے ناز سے بولی۔

''ہیلو۔''

''خیریت کیا ہوا؟''

''خیریت ہوتی تو میں آپ کو یہاں کھڑی نظر آتی۔''

''کیا ہوا ہے؟''

''ریڈی ایٹر جل گیا ہے۔ کار اسٹارٹ نہیں ہورہی۔''

'اوہو۔ اوہو۔ ذرا بونٹ کھولیے۔'' جمشید مرزا نے زبردستی کی۔ وہ بھلا جلے ہوئے ریڈی ایٹر کا کیا کرسکتا تھا۔ لڑکی نے اندر جا کر بٹن دبایا اور بونٹ کھل گیا۔ جمشید مرزا نے ہاتھ سے صوفی کو بھی اشارہ کیا تھا۔ صوفی اتر کر جمشید مرزا کے پاس پہنچ گیا۔

''ان کا ریڈی ایٹر جل گیا ہے۔ بتایئے کیا کریں؟'' جمشید مرزا نے صوفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لڑکی بھی بونٹ کا بٹن کھول کر ان کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ ریڈی ایٹر سے چلتی ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے سوال کیا اور جمشید مرزا ایک دم سنبھل گیا، البتہ لڑکی نے چشمہ ناک پر رکھ کر صوفی کو غور سے دیکھا تھا پھر بولی۔

''ڈرائیور خاصا حاضر جواب معلوم ہوتا ہے آپ کا۔''

''دیکھیں بھئی کیا کرنا ہے؟'' جمشید مرزا نے صوفی سے کہا اور صوفی بونٹ کی طرف جھک گیا۔

''میں ایک گھنٹے سے پریشان ہورہی ہوں یہاں''

''اکیلی نکلی ہی کیوں تھیں آپ!'' جمشید مرزا بولا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔''

''نن، نہیں میرا مطلب ہے کہ لانگ ڈرائیو پر کسی کو ساتھ تو ہونا چاہیے تھا۔ اصل میں ڈرائیور بیمار ہوگیا تھا۔ میں اس سے پوچھے بغیر گاڑی نکال لائی۔ یقیناً ریڈی ایٹر میں پانی نہیں تھا۔ لڑکی نے کہا۔

''آپ فکرمند نہ ہوں ہم کچھ نہ کچھ کریں گے آپ کے لیے۔''

''ایک گھنٹے سے کھڑے کھڑے دماغ خراب ہوگیا اس طرف سے تو ٹریفک گزرتا ہی نہیں۔ اکا دکا ٹرک نظر آیا تھا مگر میں نے انہیں روکنا پسند نہیں کیا۔ ٹرک ڈرائیور بہت بدتمیز ہوتے ہیں۔''

''بالکل بالکل۔'' صوفی ریڈی ایٹر پر جھکا ہوا تھا۔ لڑکی نے کہا۔

''پینے کا پانی ہوگا آپ کے پاس۔''

''میں لاتا ہوں۔'' جمشید مرزا نے رخ بدل کر کہا تو لڑکی نے جلدی سے کہا۔

''نہیں پلیز! آپ میری گاڑی پر توجہ دیجئے۔ ڈرائیور سے کہیں کہ جلدی کچھ کرے مجھے دیر ہورہی ہے۔ پانی میں خود پی لیتی ہوں۔'' لڑکی نے کہا اور جمشید مرزا ٹھٹک کر رک گیا۔ صوفی ریڈی ایٹر کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''پانی ختم ہوجانا ایک الگ بات ہے۔ لیکن اس کے تو تمام پائپ وغیرہ جل گئے ہیں۔''

''کچھ کریں صوفی صاحب! ویسے آئی ایم سوری اس نے آپ کو دوبارہ ڈرائیور کہا ہے۔''

''ڈرائیور گاڑی چلانے والے کو کہتے ہیں اور میرا خیال ہے اس میں معذرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی صوفی نے اتنے ہی الفاظ ادا کیے تھے کہ دفعتہً آگے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی اور صوفی کے ساتھ جمشید مرزا بھی بری طرح اچھل پڑا۔ انہوں نے اپنی کار کو تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ لڑکی کار لے کر ہوا ہوگئی تھی۔

''ارے ارے..... ارے ارے..... ارے.....'' جمشید مرزا کئی قدم دوڑا۔ صوفی اطمینان سے کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ جمشید مرزا رک گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہورہا تھا۔

''کتیا کی بچی!'' اس نے ہتھیلی پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

''درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''یار جان مت جلاؤ کیا زبردست چوٹ ہوئی ہے۔''

''در..... درویش رحم کریں۔'' صوفی نے کہا اور جیب میں پانوں کی ڈبیا تلاش کرنے لگا۔

''پان نہ کھایا کریں آپ میرے سامنے۔'' جمشید مرزا نے چیخ کر کہا اور صوفی مضحکہ خیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر اس نے اطمینان سے پانوں کی ڈبیا ایک گلوری نکال کر منہ میں رکھی۔ چھالیوں کے بٹوے تمباکو اور چھالی نکالنے لگا اور اس کی پھنکی لگا کر بولا۔

''اب کیا حکم ہے؟'' جمشید مرزا بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ دفعتہً اس نے چیخ کر کہا۔

''ذرا نمبر دیکھئے۔ میں اس لڑکی کو ٹھیک نہ کردوں تو میرا نام نہیں ہے۔''

''تجربہ تو نہیں ہے مرزا صاحب! درویشوں کی دعاؤں سے لیکن سنا ضرور ہے کہ لڑکیوں کو ٹھیک

کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے اور آپ ٹھہرے شریف آدمی!"

"نمبر دیکھیے آپ!"

"دیکھ لیا ہے۔" صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا کو نمبر بتانے لگا۔ جمشید مرزا نے اپنا موبائل نکال لیا تھا اور پھر وہ اپنے محکمے کے لوگوں کو طلب کرنے لگا۔ چند لمحات کے بعد رابطہ قائم ہو گیا تو اس نے اپنے کسی ماتحت سے کہا۔

"عادل پور کے راستے میں ایک کار کھڑی ہوئی ہے نمبر نوٹ کرو۔ اس کا ریڈی ایٹر جل گیا ہے۔ تمام انتظامات کر کے مکینک کے ساتھ آؤ۔ کار کو پولیس ہیڈ کوارٹر لے جاؤ اور رجسٹریشن آفس سے اس کے مالکان کے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھے میرے موبائل فون پر اطلاع دو۔ یہ ہدایت جاری کرنے کے بعد جمشید مرزا پھر کار کی جانب متوجہ ہو گیا اور صوفی سے بولا۔

"کچھ امکانات ہیں؟"

"نہیں۔ جلے ہوئے ریڈی ایٹر کو ٹھیک کرنے کی کوئی ترکیب ہمیں نہیں آتی درویشوں کے کرم سے۔"

"یار! ایک تو تمہارے یہ درویش....."

"مرزا صاحب! ساری باتیں اپنی جگہ، درویشوں کے بارے میں اگر آپ نے ایک لفظ غلط کہا تو نقصان اٹھائیں گے آپ!" جمشید مرزا نے یا تو صوفی کی بات پر توجہ نہیں دی تھی یا توجہ دی بھی تھی تو کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"بہر حال وہ انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ شہر سے مدد آنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ویسے بھی جمشید مرزا اس وقت کسی پرائیویٹ مشن پر جا رہا تھا۔ ظاہر ہے اپنے آپ کو نمایاں کرنا پسند نہ کرتا۔ وہ دونوں سڑک پر آ کھڑے ہوئے۔ صوفی نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"ہمارے کپڑے بھی لے گئی۔"

"یار! اس میں اسلحہ بھی تھا۔ سرکاری اسلحہ! میں تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔" جمشید مرزا بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کچھ کھانے پینے کا سامان بھی ہو گا؟"

"ہاں بہت کچھ تھا۔" جمشید مرزا نے کہا۔

"سبزیوں سے لدا ہوا ایک ٹرک اس سمت سے آتا ہوا نظر آیا جہاں سے وہ لوگ آ رہے تھے۔ جمشید مرزا سڑک کے بیچوں بیچ آ کھڑا ہوا۔ ٹرک رک گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"نور آباد صاحب جی!" ٹرک ڈرائیور نے جواب دیا۔

"ہمیں عادل پور چھوڑ دو۔ تمہیں معاوضہ دیں گے۔" ڈرائیور اپنے کلینر کی طرف دیکھنے لگا تو کلینر نے کہا۔

"کتنے پیسے دو گے؟"

"پانچ سو روپے۔ دونوں الگ الگ راستے ہیں۔ ہم پہلے آپ کو عادل پور چھوڑیں گے اور اس کے بعد واپس آ کر اپنی منزل پر جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

"یار! پیچھے تو سبزیاں لدی ہوئی ہیں۔ کپڑے خراب ہو جائیں گے۔"

"ادھر ہی بیٹھنا ہو گا صاحب جی اور کوئی جگہ نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"تم اپنے کلینر کو پیچھے بھیج دو، ہم دونوں آگے بیٹھ جاتے ہیں۔"

"نہیں صاحب جی! آپ کو بیٹھنا ہے تو پیچھے جا بیٹھو۔"

"مجبوری تھی۔ جمشید مرزا نے صوفی کا سہارا لیا اور ٹرک پر چڑھ گیا۔ صوفی بھی ٹرک پر جا کر بیٹھ گیا۔

"تازہ سبزیاں ہیں۔ یہ گاجریں تو بالکل تازہ معلوم ہوتی ہیں۔" صوفی نے ٹرک میں رکھی سبزیوں کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے جمشید مرزا سے کہا۔

سبزیوں سے ان کے کپڑوں پر دھبے پڑ گئے تھے۔ جمشید مرزا کی ساری محنت خاک میں مل گئی تھی پھر جب وہ عادل پور میں رائے راحیل کی حویلی میں اترے تو شکل وصورت سے نہ جانے کیا لگ رہے تھے۔ ٹرک والے کو پانچ سو روپے دیے اور وہ مڑ کر واپس چلا گیا۔ حویلی کے دروازے پر کھڑے ہوئے دربان نے نہایت حقارت سے پوچھا۔

"کیا ہے..... کس سے ملنا ہے؟"

"رائے راحیل صاحب کے مہمان ہیں؟"

"تم لوگ مہمان ہو....."

"ہاں۔ جا کر راحیل صاحب سے کہو کہ جمشید مرزا آیا ہے۔"

"ادھر ہی رک جاؤ۔ وہ اجازت دیں گے تو اندر بلاؤں گا۔" چوکیدار نے کہا۔ جمشید مرزا منہ ہی منہ میں گالی بک کر خاموش ہو گیا۔ چوکیدار اندر گیا اور پھر واپس آ گیا لیکن اب اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔

"آ جائیے صاحب! باہر کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟" جمشید مرزا نے خون خوار نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"بتاؤں گا تجھے کہ باہر کیوں کھڑا ہوا تھا۔"

"صوفی بالکل خاموش رہا تھا۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ جمشید مرزا کی حالت بری طرح خراب تھی۔ صوفی کی شیروانی پر بھی دھبے لگے ہوئے تھے۔ سفید پاجامے پر کئی ہرے ہرے اور لال لال نشان بنے ہوئے تھے۔ اس حلیے میں رائے راحیل کے سامنے جانا جمشید مرزا کو بہت ہی کھل رہا تھا، لیکن مجبوری تھی رائے راحیل نے شان دار سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں ان کا استقبال کیا اور ان دونوں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

"تم لوگ کون ہو؟"

"رائے صاحب! رائے صاحب میرا نام ایس پی جمشید مرزا ہے اور یہ میرے دست راست صوفی صاحب!"

"اوہو۔ کیا آپ لوگ بھیس بدل کر نکلے ہیں اور کسی خاص حیثیت سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"پہنچے تو خاص حیثیت میں ہی ہیں لیکن ہمارا بھیس خود بہ خود بدل گیا ہے۔" جمشید مرزا نے جواب دیا۔

"مطلب میں سمجھا نہیں۔"

"راستے میں ایک حادثہ پیش آ گیا ہماری کار کو۔ ہم لوگوں کو سبزی کے ٹرک میں یہاں تک آنا پڑا۔ راستے میں یہ حلیہ بن گیا۔"

"اوہو۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا لباس وغیرہ۔"

"جی ہاں۔ مجبوری ہے کچھ کریں گے یہاں آپ کے شہر میں رہ کر۔"

"نہیں، میرا خیال ہے آپ کے سائز کا لباس تو میں مہیا کر سکتا ہوں، لیکن یہ آپ کے ماتحت اس طرح کی شیروانیاں تو میرا خیال ہے کم از کم ہمارے ملک میں نہیں سلتیں۔ کوئی درزی اس ڈیزائن کی شیروانی سینے کو تیار نہیں ہو سکے گا۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ اوپر شیروانی ہے لیکن اندر پریشانی نہیں قمیص موجود ہے۔ پاجامہ لوگوں کو دوں گا، درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور راحیل اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

رائے راحیل تقریباً چھ فٹ دو انچ قد و قامت کا مالک اور اسی تناسب سے چوڑا بدن رکھنے والا ایک پراثر شخص تھا۔ اس نے کہا۔

"مجھے آپ کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی جمشید مرزا صاحب! مہمان خانے میں آپ کے لیے بندوبست کر دیا گیا ہے۔ آپ یہاں رکیں، لباس بھی آپ کو پہنچا دیا جائے گا۔ میں کچھ گھنٹوں کے لیے آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ ایک ضروری کام میں مصروف ہوں، اس کے بعد آپ سے تفصیلی بات چیت ہوگی۔"

بے شک! میری آپ سے ملاقات پہلے نہیں ہوئی لیکن جس شخصیت نے آپ کے سلسلے میں میری خدمات حاصل کی ہیں۔ اس نے آپ کو میرے عہدے وغیرہ کے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا۔"

"جی جی جی۔ آپ محکمہ پولیس میں ایس پی کا عہدہ رکھتے ہیں لیکن مجھے یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ میری مشکل کے حل کے لیے آپ دو ہفتے کی چھٹی لے کر آئیں گے اس لیے معذرت کے ساتھ آپ کو یہاں تھوڑا وقت انتظار کرنا ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر آپ بہت زیادہ مصروف ہیں تو مجبوری ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کروں گا اور آپ کو واپس پہنچوا دوں گا۔" رائے راحیل بھی اکثر مزاج معلوم ہوتا تھا جمشید مرزا نے فوراً پینترا بدلا اور بولا۔

"آپ ہمیں کب وقت دے سکیں گے۔ اصل میں یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا کہ میں کس حد تک آپ کو وقت دے سکتا ہوں اور آپ کے لیے کام کر سکتا ہوں۔" رائے راحیل نے عجیب سی نگاہوں سے جمشید مرزا کو دیکھا پھر صوفی کی طرف، پھر بولا۔

"جانا ضروری ہے واپسی آٹھ گھنٹے میں بھی ہو سکتی ہے، اور چوبیس گھنٹے بھی لگ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد لازمی طور پر میری آپ کے ساتھ نشست رہے گی۔ یہ آپ کو کرنا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" جمشید مرزا بولے اور رائے راحیل نے ملازم کو بلا کر ان لوگوں کو مہمان خانے بھجوا دیا۔ صوفی اپنے کمرے میں چلا گیا تھا مہمان خانے میں بہت سے کمرے تھے لیکن مہمان دونوں ہی تھے۔ جمشید مرزا کو عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے لیے لباس آ گیا اور وہ اسے لے کر غسل خانے میں چل گیا لباس واقعی اس کے بدن پر فٹ تھا اور خاصا اچھا سلا ہوا تھا۔ جمشید مرزا صوفی کا انتظار کرتا رہا اور جب صوفی دیر تک نہ آیا تو اس نے صوفی کے کمرے میں دروازے پر دستک دی۔ جواب میں صوفی نے دروازہ کھولا اور جمشید مرزا اچھل پڑا جو نمونہ اس نے دیکھا تھا وہ اتنا ہی عجیب و غریب تھا۔ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ سرخ جانگیے میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جمشید مرزا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ..... یہ..... یہ کیا۔"

"پپ..... پاجامہ سوکھ رہا ہے۔ ہم نے قمیص بھی ساتھ ہی ساتھ دھو ڈالی ہے۔ اب شیروانی پہن کر تو جانگیے میں عجیب سا لگے گا۔ آپ تھوڑا سا توقف فرما لیجئے۔ ہم جھولا جھلا کر پاجامہ سوکھا رہے تھے کہ آپ نے طلب فرما لیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ پاجامہ کیا جلدی سوکھ جائے گا۔"

"کوشش کر رہے ہیں کوئی حکم ہے ہمارے لیے۔"

"یار! کپڑے وغیرہ پہن کر آؤ۔ عجیب مصیبت بن گئی ہے۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلطی کی ہے۔" صوفی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اندر ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ جمشید مرزا دیر تک وہیں کھڑا رہا تھا۔ اسے واقعی بڑی شرمندگی کا سا احساس ہو رہا تھا۔ ایک تو یہ افتاد آ پڑی تھی۔ دوسرے رائے راحیل نے اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی، بہرحال اس کی اپنی ایک حیثیت تھی، ایک عہدہ تھا۔ جمشید مرزا سوچنے لگا کہ کہیں معاملہ ٹائیں ٹائیں فش ہی نہ ہو جائے لیکن بہرحال اب چھٹی لے کر باقاعدہ ایک پرائیویٹ کیس کو نمٹانے آ گیا تھا جس کے بارے میں اس نے بہت کچھ سوچا تھا۔ چنانچہ تھوڑا سا وقت گزار لیا جائے۔ آدھے گھنٹے کے بعد صوفی بھی آ گیا۔ جمشید مرزا نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا محسوس کر رہے ہیں صوفی صاحب!"

"بھوک اور پیاس، کتنے گھنٹے ہو گئے ہیں کچھ کھائے پیے ہوئے۔" صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا خود بھی چونک پڑا۔ واقعی یہاں تو حد ہی ہو گئی تھی۔ اس نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی کا بٹن دبایا اسی وقت ملازم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں بڑی سی ٹرے دیکھ کر جمشید مرزا نے سکون کی سانس لی تھی۔ چائے کے برتنوں کے ساتھ ساتھ کچھ اور اشیاء بھی موجود تھیں جو ملازم نے احترام سے ان کے سامنے رکھ دیں اور بولا۔

"جناب والا! کوئی اور شے درکار ہو تو گھنٹی کا یہ بٹن دبا دیجئے۔ میں ان تمام چیزوں کی تیاری کے لیے کچن گیا ہوا تھا لیکن اس کے بعد مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ آپ ہی کی خدمت میں حاضری دوں۔" صوفی ان باتوں کو سنے بغیر ٹرے میں رکھے ہوئے برتنوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ چائے کی دو پیالیاں بنا کر اس نے ایک جمشید مرزا کے سامنے کی اور دوسری اپنے سامنے..... پھر پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ اسی وقت

موبائل فون کی گھنٹی بجی اور جمشید مرزا نے فون اٹھا کر دیکھا پھر جو نمبر اسے نظر آئے تھے اسے دیکھ کر اس نے جلدی سے موبائل فون آن کیا اور بولا۔

"ہیلو۔"

"یس سر! ابراہیم شاہ بول رہا ہوں۔ ہم اس کار کو وہاں سے لے آئے تھے۔ رجسٹریشن آفس سے اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔"

"ہاں بتاؤ۔"

"سر! کار عادل پور کی رجسٹرڈ ہے اور وہاں کے ایک صاحب رائے راحیل کے نام کی ہے۔" دوسری طرف سے جواب دیا گیا اور جمشید مرزا حیرت سے اچھل پڑا۔

"رائے راحیل!..... عادل پور۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"جی سر!"

"اچھا..... کار کہاں ہے؟"

"ہیڈ کوارٹر پہنچا دی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے تحویل میں رکھو۔ اگر کوئی اس کے لیے رابطہ کرے تو معلومات حاصل کر کے مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"یس سر!" جواب ملا اور جمشید مرزا نے فون بند کر دیا پھر اس نے صوفی کی طرف دیکھا جو ہر چیز سے بے نیاز کھانے میں مصروف تھا۔

"صوفی صاحب!" جمشید مرزا نے اسے آواز دی۔

"نکال دیا ہے، نکال دیا ہے، درویشوں کے کرم سے۔" صوفی جلدی سے بولا۔

"کسے نکال دیا ہے۔"

"حلوہ۔ آپ کا حصہ۔"

"میں حلوے کی بات نہیں کر رہا۔"

"یہ کٹلس بھی موجود ہیں۔"

"کیوں فضول باتیں کر رہے ہو یار!..... تم پہلے پیٹ بھر لو پھر باتیں کریں گے۔" جمشید مرزا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نوازش.....!" صوفی نے کہا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ جمشید مرزا اس وقت تک خاموش رہا جب تک صوفی خوب اچھی طرح شکم سیر نہ ہو گیا۔ پھر اس نے پانوں کی ڈبیاں اور چھالی وغیرہ کا بٹوا نکال لیا۔

"اب آپ یہ غلاظت منہ میں ٹھونس کر بیٹھ جائیں گے۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ صوفی صاحب اس کے علاوہ ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔"

"ارشاد.....!"

"دیکھیے میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

"بے شک، بے شک درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"جی نہیں۔ درویشوں کی دعاؤں سے نہیں اپنی محنت سے۔"

"ہم تائید نہیں کریں گے بلکہ ایک پیش گوئی کریں گے صوفی نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔

"میری بات سنیں آپ! پیش گوئی نہ کریں۔"

"آپ نے درویشوں کی توہین کی ہے، ان سے انحراف کیا ہے۔ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا آپ کو، خیر فرمایئے! آپ پولیس کے آدمی ہیں۔"

"تھوڑا سا ڈسپلن ضرور ہوتا ہے۔ آپ میرے لیے کام کر رہے ہیں، چنانچہ بہتر ہو گا کہ آپ میرے سامنے پان کھانے سے بھی گریز کریں۔" جمشید مرزا نے کہا۔

"آپ نے پانوں کی بھی توہین کی ہے۔ اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا آپ کو۔" صوفی نے کہا۔

"عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ!" جمشید مرزا بولا۔

"اس کے بعد آپ پر لازم ہے کہ اپنے حواس قابو میں رکھیں اور لغو باتوں سے گریز فرمائیں۔ میرے سامنے درویشوں کی شان میں گستاخی کا ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالیں۔ پانوں کے بارے میں کوئی فضول بات نہ کریں، ورنہ آپ کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔"

جمشید مرزا کا منہ ایک لمحے کے لیے حیرت سے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر گھس آیا۔

پھر تین چیخیں ایک ساتھ ابھری تھیں۔

♥.....♥.....♥

آنے والی وہی لڑکی تھی جو ان کی کار لے کر بھاگی تھی۔ اس نے ان دونوں کو پہچان لیا تھا اور صوفی اور جمشید مرزا نے بھی۔ لڑکی چیخ کر ایک دم باہر نکل گئی اور صوفی کے منہ سے نکلا۔

"درویش رحم کریں۔"

"یار بعض اوقات....." جمشید مرزا کہتے کہتے رک گیا۔ صوفی نے اپنی چھوٹی سی چگی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"حق اللہ..... حق اللہ۔" دروازہ ایک بار پھر کھلا اور اس بار لڑکی اندر آ گئی اور تیز نگاہوں سے انہیں گھور رہی تھی پھر اسکی آواز ابھری۔

"تم لوگ..... تم لوگ میری شکایت لے کر یہاں آئے ہو۔" جمشید مرزا اسے ہونٹ بھینچ کر گھورنے لگا صوفی نے بھی پہلی بار لڑکی کو غور سے دیکھا۔ مشرقی نقوش، مغربی رنگ مشرق و مغرب کا ملا جلا امتزاج تھی چہرے پر بے پناہ ملاحت تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی تیزی بھی تھی وہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی تھی اور اس کے دلکش نقوش ضرورت سے زیادہ جاذب نگاہ لگ رہے تھے۔ جمشید مرزا کا جو حال ہوا تھا وہ الگ ہی تھا۔ ساری ریپوٹیشن ختم ہو گئی تھی اس نے اپنے آپ کو بڑا بنایا سنوارا تھا۔ جس ذریعہ رائے راحیل سے رابطہ قائم ہوا تھا۔ وہ بہت ہی معتبر تھا اور جمشید مرزا کو بتایا گیا تھا کہ رائے راحیل بہت ہی نفاست

پسند آدمی ہے پچاس لاکھ روپے کی پیش کش اس نے خود کر دی تھی کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے۔ وہ پولیس کو اپنے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا بلکہ پرائیویٹ طریقے سے سارا کام کرانا چاہتا تھا۔ حالانکہ کام کی نوعیت اسے نہیں معلوم تھی۔ لیکن بہر حال اسے صوفی پر اعتماد بھی تھا اور اپنی دانست میں اس نے صوفی کو خرید لیا تھا۔

''یہاں لڑکی کی وجہ سے وہ جس حال میں پہنچا تھا۔ اس سے اس کی ساری حیثیت ختم ہو گئی تھی۔ اور اس کا اسے احساس بھی ہو گیا تھا۔ رائے راحیل کے رویے سے۔ لیکن حسن پرستی کو کیا کرتا۔ لڑکی کو دیکھ کر اس کے سارے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ لڑکی نے پھر کہا۔

''کار کہاں ہے؟'' جمشید مرزا نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''گیراج میں ہے۔ میں نے بند کر دی ہے تا کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ چھپا کر رکھی ہوئی ہے میں نے۔''

''اور اس میں موجود سامان؟''

''دیکھا تک نہیں میں نے۔''

''بس بے بی..... پولیس یہاں پہنچنے والی ہی ہو گی۔''

''پپ..... پولیس۔'' لڑکی کے چہرے پر سہمے ہوئے نقوش نظر آنے لگے۔ پھر وہ بولی۔

''دیکھو..... میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مجھے یہاں پہنچنا ضروری تھا۔ مجھے معاف کر دو کیا تم نے پولیس میں میری شکایت کر دی ہے؟''

''تمہاری کار بھی پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہے۔ رجسٹریشن آفس سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کار رائے راحیل کے نام رجسٹرڈ ہے اور پولیس چھان بین کرتی ہوئی عادل پور آنے ہی والی ہے۔''

''مم..... مم..... میں بتائے دیتی ہوں میں گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی اور پھر واپس نہیں آؤں گی۔ ساری ذمہ داری تم پر ہو گی وہ روہانسے لہجے میں بولی اور اسی وقت صوفی کی آواز ابھری۔

''حق اللہ.....'' لڑکی نے چونک کر صوفی کو دیکھا اور پھر بولی۔

''یہ ٹوئنٹی سکس کون ہے؟'' جمشید مرزا بے اختیار ہنس پڑا پھر اس نے صوفی کو طرف دیکھ کر کہا۔

''بتائے مسٹر ٹوئنٹی سکس آپ کون ہیں؟''

''درویش رحم کریں۔'' صوفی نے کہا۔

''نہیں کریں گے؟'' ہاں بے بی بتاؤ کہ تم پولیس کو کیا جواب دو گی؟

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''چلو چھٹی ہوئی۔ جب سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو جواب کیسے پیدا ہو گا درویشوں کے کرم سے۔''

''یار درویشوں کے کرم سے تو سب کچھ ہو سکتا ہے چلو چھوڑو ٹھیک ہے ہم تمہاری شکایت نہیں کریں گے۔ مگر بے بی تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔''

''اور پولیس کا کیا کرو گے؟'' وہ بولی۔

''پولیس کو بھی روک دیں گے تم ہو کون؟''

''میرا نام سیمل رائے ہے۔''

''اوہو..... رائے راحیل کی بیٹی ہو۔'' جمشید مرزا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... میں ان کی بیٹی نہیں ہوں سمجھے تم۔''

''ارے..... بب..... باپ رے باپ۔''

''تو پھر کیا بیوی ہو؟'' جمشید مرزا بولا۔

''اے کھوسٹ میں اس کی بیوی بننے کے قابل ہوں میری اور اس کی عمر کا اندازہ لگایا ہے تم نے۔'' لڑکی تیز لہجے میں بولی اور صوفی کے حلق سے ایک قہقہہ نما آواز نکل گئی۔ جمشید مرزا نے چونک کر صوفی کو دیکھا آواز قہقہہ جیسی نکلی تھی۔ لیکن چہرے کے تاثرات بالکل سنجیدہ تھے۔

''ہم دونوں کے ناموں کا ترجمہ کرا لیں تو زیادہ اچھا ہو گا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''صوفی صاحب ایک بار پھر آپ کو وارننگ دیتا ہوں کہ اپنے اور میرے مرتبے کا خیال رکھیے۔''

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ'' صوفی نے تین بار گردن جھٹکی اور مراقبے کے انداز میں گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

''بیٹھو..... کیا نام بتایا تھا تم نے سیمل رائے۔''

''تمہارا انداز تحکمانہ کیوں ہے آخر؟''

''اس لیے کہ تم نے جرم کیا ہے؟''

''معافی بھی تو مانگ لی ہے۔''

''کیا ہم نے تمہیں معاف کر دیا؟''

''دیکھو پلیز میری شکایت مت کرنا ویسے ہی رائے صاحب سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ اگر تم نے شکایت کی تو انہیں ممی سے لڑنے کا موقع مل جائے گا میری ممی بہت دکھی ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''ہم سوچنا بھی نہیں چاہتے'' جمشید مرزا نے جواب دیا۔

''یہ ظلم ہے۔''

''ارے واہ..... اچھی کہی تم نے ہمارا سب کچھ لے کر وہاں سے فرار ہو گئیں ہمیں سبزی کے ایک ٹرک میں یہاں تک آنا پڑا اور تم الٹا کہہ رہی ہو کہ ظلم ہے۔''

''سس..... سس..... سبزی کے ٹرک میں۔'' لڑکی بے اختیار ہنس پڑی پھر بولی۔

''کدو لگ رہے ہو گے۔''

''کیا؟''

''نہیں میں ان کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔''

''کدو..... حق اللہ۔'' صوفی نے گردن اٹھائی اور پھر جھکا لی پھر گردن جھکائے جھکائے بولا۔

''کھوسٹ..... کدو..... چھبیس۔'' جمشید مرزا دانت پیس کر رہ گیا تھا لڑکی بولی۔

''تو پھر مجھے..... امید ہے کہ تم میری شکایت نہیں کرو گے؟''

''اگر تم ہم سے دوستی کرلو تو.....'' جمشید مرزا نے کہا اور لڑکی اسے چونک کر دیکھنے لگی۔

''دوستی؟''

''ظاہر ہے۔''

''یہ بتاؤ تم یہاں آئے کیوں ہو؟''

''رائے صاحب کے مہمان ہیں۔''

''ارے بب..... بب باپ رے تم رائے صاحب کے مہمان تھے۔''

''تھے کیا مطلب؟''

''نن..... نہیں میرا مطلب ہے مجھے اندازہ نہیں تھا ورنہ میں تمہارے ساتھ کم از کم وہ سلوک نہ کرتی ویسے واقعی کار تو خراب ہو ہی گئی تھی۔ اب یہ بتاؤ پولیس ہیڈ کوارٹر سے میری کار کیسے آئے گی۔''

''صرف ایک ہی شکل ہے اس کی۔'' جمشید مرزا بولا۔

''کیا؟''

''دوستی کرلو مجھ سے۔''

''ارے بابا..... دوستی کیسے کروں۔''

''قریب آؤ ہاتھ ملاؤ۔'' جمشید مرزا صوفی کو نظر انداز کر کے بولا اور لڑکی کچھ دیر سوچتی رہی پھر آگے بڑھی اور اس نے اپنا ہاتھ جمشید مرزا کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہاتھ جمشید مرزا سے چھڑانے میں اسے کافی وقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر وہ صوفی کی طرف مڑ کر بولی۔

''انکل ہد ہد..... آپ بھی تو گردن سیدھی کرلیں۔''

''اس بار جمشید مرزا کو ہنسنے کا موقع ملا تھا۔ صوفی ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا لڑکی اچھل کر پیچھے ہٹ گئی لیکن صوفی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ لڑکی گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر اس نے اپنا ہاتھ صوفی کے ہاتھ میں دیا اور بولی۔

''یہ آپ نے پہن کیا رکھا ہے؟''

''شرپھپھوندا۔''

''کیا؟''

''بول کر دکھاؤ۔''

''عجیب لوگ ہیں آپ اور مجھے تعجب ہے کہ رائے صاحب نے آپ کو اپنا مہمان کیوں بنایا ہے وہ تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے؟''

''بس بنا لیا ہے مہمان۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سمجھتا میں ہوں کہ انہوں نے بہت نیک کام کیا ہے کم از کم اس طرح تم سے ملاقات تو ہو گئی۔''

''دیکھو پلیز! میری کار واپس منگوا دو میں تمہارا شکریہ ادا کروں گی اور ویسے بھی اب ہماری دوستی ہو چکی ہے؟''

''پھر بیٹھو ابھی تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''ابھی نہیں ایسا کرتے ہیں۔ رات کو سامنے والے پارک میں ملاقات کریں گے، ویسے بھی آج چاند کی چودہ تاریخ ہے مجھے پورا چاند بہت پسند ہے۔ انکل ڈنڈی آپ بھی آئیں گے۔''

''تم نام رکھنے کی ماہر معلوم ہوتی ہو۔ کتنے سارے نام رکھ دیے تم نے۔''

''پھر رات گیارہ بجے مائی ڈیئر کھوسٹ۔'' لڑکی بولی اور اٹھ کر باہر تک گئی صوفی پھر ہنس پڑا تھا۔

''یار! تم ہنستے ہوئے بڑے عجیب لگتے ہو۔ ویسے مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''جی ارشاد.....'' صوفی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ جمشید چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔

''دیکھئے صوفی صاحب میں چور دروازے سے محکمہ پولیس میں نہیں آیا ہوں اور باقاعدہ ٹریننگ ہوئی ہے میری اور اس ٹریننگ میں ڈسپلن کو اول مقام دیا جاتا ہے اب جب آپ نے اپنی خوشی میری ملازمت قبول کر لی ہے تو آپ کو کم از کم اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ میں آپ کا افسر ہوں۔ میرے سامنے نہ تو آپ مذاق فرمانے کی کوشش کریں گے۔ نہ پان کھائیں گے بعد میں آپ کا جو جی چاہے کیجئے گا۔ لیکن جو بنیادی چیزیں ہیں وہ میں نے آپ کو بتا دیں۔

''استعفیٰ۔'' صوفی نے بڑی سادگی سے کہا۔

''جی۔''

''مطلب یہ کہ استعفیٰ..... استعفیٰ پیش کیا جاتا ہے آپ کو..... جس طرح آپ نے بغیر اپائنٹمنٹ لیٹر کے ہمیں ملازم تو فرما لیا ہے اسی طرح ہمارا زبانی استعفیٰ بھی قبول فرمایئے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کو شاید یاد نہیں کہ میں نے آپ کو کیا آفر کی تھی؟''

''حق اللہ.....''

''دس لاکھ روپے صوفی صاحب دس لاکھ روپے حلیہ بدل دیتے ہیں اور میں نے جو کہا ہے غلط نہیں کہا۔ سنجیدگی اختیار کیجئے۔''

''ہم نے عرض کیا نا کہ ہم نے آپ کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔''

''تو پھر ایسا کریں کہ کم از کم اس مسئلے میں میرے ساتھ کام کر لیجئے۔ بعد میں ہم طے کر لیں گے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں آپ کو وارننگ ہی دے رہا تھا کہ وہ بدبخت گھس آئی درویشوں کا نام لیتے ہوئے آپ کے لہجے میں پاکیزگی آنکھوں میں شرم اور گردن جھکی ہوئی ہونی چاہیے نیز یہ کہ اس کیس پر ہی صحیح کام کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ ابھی میرے سامنے آپ ایک پان تناول فرمایئے درویشوں کے کرم سے۔''

''کیا!'' جمشید مرزا اچھل پڑا اور صوفی نے جیب سے پانوں کی ڈبیا نکال لی۔

''نہ صرف پان بلکہ تمباکو اور قوام بھی۔''

''اماں آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''پانوں کی تعداد دو گنی ہو گئی۔ دونوں گلوریاں ایک ساتھ تناول فرمالیجئے یا پھر تھوڑے تھوڑے وقفے

سے اور پھر مزید کوئی بدکلامی فرمائی تو دو سے یہ تعداد چار ہو سکتی ہے۔"

"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔"

"چار پان۔" صوفی نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"لعنت ہو۔"

"چھ ہو گئے۔ اب دو دو کر کے بڑھیں گے۔ تو پان پیش کیا جائے اس شرط کی ابتدا فرما دیجئے گا اور پہلے مرحلے میں دو گلوریاں اٹھائے گا۔" جمشید مرزا اسے گھورتا رہا پھر ادھر ادھر دیکھا اور پانوں کی ڈبیا سے دو پان اٹھا کر منہ میں ٹھونس لیے۔

"زردہ..... اور قوام۔"

"یار! چکر آ جائے گا۔ مر جاؤں گا۔"

"کفن دفن کا وعدہ کیا جاتا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"دیکھو بس اتنا ہی رہنے دو چھالیہ دے دو۔"

"جی..... نہیں شرط تو شرط ہوتی ہے آدھی شرط تو قابل اعتنا ہوتی ہی نہیں ہے۔" صوفی نے کپڑے کا بٹوہ کھول دیا۔ اور پھر باقاعدہ جمشید مرزا کو پان کھانے کا طریقہ بتانے لگا۔ جمشید مرزا نے زردہ اور قوام چھالیہ کے ساتھ منہ میں رکھا اور ابکائیاں لینے لگا۔ صوفی نے کہا۔

"ایک اہم کام آپ بھول گئے۔ کار باہر نکلوایئے اور اس سے کم از کم اپنے لباس نکلوا لیجئے گا ورنہ۔"

"غم..... غم..... قم..... قم..... اخ..... اخ..... چھو۔" جمشید مرزا کے منہ سے ساری چیزیں بہ یک وقت نکل پڑیں۔

♥.....♥.....♥

"ماما آپ نے یہ دو جل گرد دیکھے جو مہمان خانے میں آ کر ٹھہرے ہیں۔"

'جل گر؟' عورت چونک کر بولی یہ ایک دراز قامت عورت تھی قد کوئی پانچ فٹ گیارہ انچ لیکن جسم انتہائی موزوں چہرے کے نقوش جاذب نگاہ تھے۔ رنگ دودھ جیسا سفید..... شخصیت خاصی دلکش تھی۔

"ماما آپ کو تو کچھ خبر ہی نہیں ہوتی۔"

"سیمل! تم جانتی ہو کہ میں پریشان ہوں۔ کیا کہانی سنا رہی ہو مجھے۔"

"ماما دو آدمی آئے ہیں یہاں دونوں عمر رسیدہ ہیں۔ ایک آدمی کی عجیب و غریب شخصیت ہے جبکہ دوسرا ایک چالاک سا آدمی ہے پتا نہیں دونوں کون ہیں۔ ماما! ایک گڑبڑ ہو گئی تھی اصل میں۔"

"گڑبڑ....." عورت نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ماما..... میں اپنی گاڑی میں آ رہی تھی۔ راستے میں میری گاڑی خراب ہو گئی۔ کوئی ذریعہ ہی نہیں تھا اسے ٹھیک کرنے کا اور یہاں تک لانے کا مجبوراً ماما..... میں نے ان لوگوں کو ہاتھ دے کر روکا وہ ادھر ہی آ رہے تھے۔ پھر ماما میں ان کی گاڑی لے کر بھاگ آئی۔ گاڑی میں نے گیراج میں لاک کر دی ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں آ رہے ہیں وہ کہتے ہیں ماما..... کہ وہ رائے صاحب کے مہمان ہیں

ماما..... وہ وہ ماما وہ ادھر ہی ہیں مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور وہ بتاتے ہیں کہ میری گاڑی پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا دی گئی ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ تو کر لیا ہے کہ وہ میری گاڑی واپس منگوا دیں گے مگر ماما کیا ان پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟"

"سیمل! رائے صاحب پچھلے دنوں ہمارے خلاف کچھ کارروائیاں کر رہے تھے ہو سکتا ہے کہ آنے والے پرائیویٹ جاسوس ہوں یا پھر ایسے لوگ جو میرے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہوں۔ تم جانتی ہو رائے راحیل کے سامنے اس وقت صرف ایک ہی مقصد ہے زندگی کا وہ یہ کہ وہ مجھے مجرم ثابت کر دے اور مجھے نقصان پہنچا دے۔ وہ مسلسل اپنی کوشش میں مصروف ہیں۔ اگر ہمارے پاس موزوں انتظامات نہ ہوتے تو وہ مجھے قتل بھی کرا دیتا۔ یہ اس کا ملک ہے۔ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔"

"ماما..... میں عجیب مصیبت میں پھنس گئی ہوں یہ ملک اتنا خوب صورت ہے کہ میں کہ آپ کو بتا نہیں سکتی۔ رائے راحیل نجانے کیوں ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ ماما آپ تو کہتی تھیں کہ وہ بہت ہی ڈیسنٹ آدمی ہیں۔"

"ہو گئی ہے گڑبڑ سیمل..... بس ہو گئی ہے لیکن اب ہمیں صرف اپنا بچاؤ کرنا ہے کہیں بھی چوکے تو بن موت مارے جائیں گے۔ بے بی میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ کوئی ایسا کام مت کرنا جو میرے لیے مصیبت بن جائے۔ کہاں ٹھہرے ہیں یہ دونوں۔"

"ماما..... وہ وہاں مہمان خانے میں ہیں۔"

"ہوں! چلو میں دیکھتی ہوں لیکن تم ایسا کرو ان کی کار تو باہر نکالو۔"

"جی ماما پلیز..... آپ میری ہیلپ کیجئے۔"

"تم کار نکال کر باہر کھڑی کرو میں دیکھتی ہوں۔" عورت نے کہا اور سیمل باہر نکل گئی۔" عورت آئینے کے سامنے جا کر اپنا حلیہ درست کرنے لگی بلاشبہ وہ ایک جوان بیٹی کی ماں تھی۔ لیکن انتہائی دلکش..... لباس وغیرہ بھی بہت سلیقے سے استعمال کیا گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئینے میں اپنا جائزہ لیتی رہی اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کی چال بھی بے حد دلکش تھی۔ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی وہ مہمان خانے کی طرف بڑھ گئی۔ باہر کھڑے ہوئے ملازم نے اسے دیکھا تو دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر جھک گیا۔

یہ کوئی مخصوص انداز تھا عورت نے پاٹ دار آواز میں پوچھا۔

"مہمان کون سے کمرے میں ہیں؟" اور خادم نے سامنے کی جانب اشارہ کر دیا عورت دروازے پر رکی اس نے انگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا تو آواز آئی۔

"درویش رحم کریں۔" اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا صوفی سامنے ہی کھڑا تھا عورت نے گردن خم کر لی اور بولی۔

"میرا نام راشیل رائے ہے۔"

"تت..... تشریف لایئے..... را..... رائے صاحب چشم ماہ روشن دل ماشاد درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی ایک ہاتھ ہلا کر بولا۔ عورت نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور اندر داخل ہو گئی۔ جمشید مرزا واش روم میں تھا۔ نسوانی آواز سن کر فوراً باہر نکل آیا اور پھر عورت کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے وہ ساکت رہ گیا تھا

عمر بے شک نوخیزیت کی نہیں تھی۔ لیکن دلکشی ایسی کہ اس پر ہزار نوعیت قربان کر دی جائے۔ ایک لمحے تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہا۔ پھر اس کے چہرے پر خوش اخلاقیت کے آثار نظر آنے لگے۔

''لگتا ہے یہ جگہ شاید ماضی میں جنت کا کوئی حصہ رہی ہو۔''

''حق اللہ......'' صوفی نے کافی زور سے آواز نکالی عورت ان دونوں کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

''آپ لوگ کسی سرکس میں ملازمت کرتے ہیں۔''

''جج...... جی۔'' جمشید مرزا بولا۔

''جوکر ہیں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر خاتون اور یہ جان کر مزید کہ رائے راحیل صاحب کی کوٹھی میں کوئی کسی کی عزت کرنا نہیں جانتا۔''

''اور جو حرکتیں آپ کر رہے ہیں اس کے بعد آپ عزت کے خواہش مند بھی ہیں خیر یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے آپ سلیقہ سیکھیں کہیں مہمان بن کر جانے کا جب اس طرح کے تماشے کریں گے تو جوکر ہی سمجھے جائیں گے۔ وہ آگے بڑھی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی جمشید مرزا کی مسلسل بے عزتی ہو رہی تھی اس نے کہا۔

''بہر حال ہم رائے راحیل کے مہمان ہیں۔''

''جانتی ہوں یقیناً آپ لوگ پرائیویٹ جاسوس ہوں گے اس ملک کے جاسوسوں کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

''توہین نمبر 2...... حق اللہ۔'' صوفی نے کہا اور جمشید مرزا نے قہر آلود نگاہوں سے صوفی کو گھورا وہ دانت پیس کر ہی رہ گیا تھا۔ عورت نے کہا۔

''دیکھئے...... سنیے میں کسی سے نہیں ڈرتی آپ لوگ جو کچھ یہاں کرنے آئے ہیں شوق سے کیجئے میں جانتی ہوں کہ رائے صاحب نے آپ کو معقول معاوضے پر یہاں بلایا ہوگا۔ یہ میرا اپنا وطن نہیں ہے ورنہ میں بھی آپ کو یہ پیشکش کرتی کہ صرف سچ تلاش کیجئے۔ معاوضہ رائے راحیل سے دگنا ہوگا۔ خیر انسانیت کا نام لے کر میں اپنا مذاق نہیں اڑانا چاہتی لیکن پھر بھی آپ کو یہ بتائے دیتی ہوں کہ آپ کو میرے سفارتخانے کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر میرے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تو پھر میرا بھی فرض بنتا ہے کہ اپنا تحفظ کروں۔'' یہ الفاظ ادا کر کے وہ باہر نکل گئی۔ صوفی آہستہ سے بولا۔

-''درویش رحم کریں۔'' جمشید مرزا نے اسے دیکھا اور دانت پیس کر رہ گیا چند لمحات وہ دروازے کو دیکھتا پھر اس نے کہا۔

''الجھنیں شروع ہو گئی ہیں صوفی صاحب! اب آپ درویشیت کے دائرے سے باہر نکل آئیں۔''

''کاش! میں آپ کو انسان بنا سکتا۔'' صوفی نے سرد لہجے میں کہا اور جمشید مرزا اچھل پڑا۔

''کیا مطلب...... کیا ہوں میں...... انسان نہیں ہوں......؟''

''مرزا جی! اگر درویشوں کی طرف سے ہدایت ہوئی تو میں آپ کی زبان نکال کر آپ کی جیب میں رکھ دوں گا اس بات کو نوٹ کر لیجئے گا۔'' جمشید مرزا کا منہ حیرت سے کھلا پھر بند ہو گیا۔ بہر حال یہ صورت

حال کافی دلچسپ تھی اور جمشید مرزا چاہتا تھا کہ صوفی اس کیس میں کافی دلچسپی لے پھر طے یہ کیا گیا کہ محدود نہ رہا جائے باہر بھی نکل کر دیکھتے ہیں کیا صورتحال ہوتی ہے۔

''آپ کو خدا کا واسطہ صوفی صاحب موڈ میں آ جایئے اس کیس پر کام کیجئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو دس لاکھ روپے ادا کروں گا کیوں کہ اس سلسلے میں مجھے پچاس لاکھ کی پیش کش کی گئی ہے ایک معقول رقم مجھے کہیں اور بھی دینا ہوگی باقی میرا اپنا معاوضہ ہوگا۔ اور میں تو پہلے ہی طے کر چکا ہوں کہ جو چینل آپ نے بنایا ہے اور جو اس سلسلے میں کام کرتا رہا ہے وہ قائم و دائم رہے اور آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو۔''

''حق اللہ...... حق اللہ...... حق اللہ۔'' صوفی نے تین بار کہا تھا۔

♥......♥......♥

سیمل رائے نے اس وقت صوفی کو تاکا جب وہ ایک کیاری کے پاس کھڑا ہو کر کیاری سے کچھ پتیاں توڑ کر انہیں مسل کر سونگھ رہا تھا۔

''ان میں تو بڑی بری بو ہوتی ہے۔'' سیمل کی آواز ابھری اور صوفی چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''فارسہ پڑھی ہے آپ نے؟''

''فارسہ؟''

''جی ہاں۔''

''کوئی بات ہے یہ؟''

''جی نہیں زبان ہے؟''

''آپ نے پڑھی ہے۔''

''بالکل نہیں، صرف معشوق تشلیے کو اس پر عبور حاصل ہے۔''

''میں نے کہا تھا یہ پتیاں آپ کیوں سونگھ رہے تھے کہ یہ بھی جاسوسی کی کوئی قسم ہے۔''

''درویش رحم کریں ہم آپ کو شکل سے جاسوس نظر آتے ہیں۔'' صوفی نے کہا۔

''پتا نہیں کیا نظر آتے ہیں آپ؟''

''سیمل رائے ہے تمہارا نام؟''

''ہاں مجھے یہ نام اچھا لگا جب کہ رائے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''یہی سوال ہم کرنا چاہتے تھے کہ جب تم رائے راحیل کی بیٹی نہیں ہو تو اپنے نام کے ساتھ اس کا نام کیوں لگاتی ہو؟''

''میں نے کہا نا کہ رائے کا لفظ مجھے اچھا لگتا ہے ایک ردھم بن جاتا ہے سیمل رائے۔''

''ویسے تمہارے ڈیڈی کا نام کیا تھا...... یا کیا ہے؟''

''جاسوس صاحب میں بھی بہت چالاک ہوں۔ آپ کو بہت ساری باتیں نہیں بتائی جا سکتیں۔''

''تو ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو سوچ رہا ہوں کہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔''

''مجھے فضول باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میری اپنی ایک لائف ہے۔ ماما جانیں اور ان کا کام اور وہ صاحب جن کا نام رائے راحیل ہے یہاں آنے کے بعد اتنے اکڑے ہوئے نظر آتے ہیں جب کہ وہاں ایسا نہیں تھا۔''

''کہاں؟'' صوفی نے سوال کیا اور سیمل رائے پھر اسے گھورنے لگی۔

''کہا نا میں کوئی جواب نہیں دوں گی۔''

''تو پھر کیوں آ گئیں ہیں یہاں۔''

''یہ معلوم کرنے کہ آپ ان پتیوں کو کیوں سونگھ رہے تھے؟''

''آپ کو علم ہے اس پودے کے بارے میں؟''

''یہ پودا..... بھلا اس کا کیا علم ہوگا؟''

''یہی تو خرابی ہے نوجوان نسل میں ذرا بھی جنرل کالج نہیں ہے۔ آپ نے رکوکہ ایمویا کا نام سنا ہے۔ کبھی۔''

''کیا!'' سیمل رائے بولی۔

''یہ بھی نہیں جانتیں خدا کی پناہ تاریخ کے اتنے بڑے حادثے کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں معلوم۔''

''آپ نے نام ہی عجیب لیا ہے۔ کیا ہے یہ حادثہ۔''

''میں کیوں بتاؤں آپ کو؟''

''آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں آخر..... ہونہہ، اپنی شکل دیکھو میں تم سے بات کر رہی ہوں یہ ہی کافی ہے۔'' سیمل رائے نے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی ایک طرف چلی گئی صوفی شیروانی کی جیب میں پان کی ڈبیہ تلاش کرنے لگا تھا۔

رات کا کھانا انہوں نے مہمان خانے ہی میں کھایا پھر چہل قدمی کے لیے باہر نکل آئے جمشید مرزا صوفی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''اصل میں پہلا امپریشن ہی غلط ہوگیا۔ بات یہ ہے صوفی صاحب! کہ آپ نے تو جو اپنا حلیہ بنا رکھا ہے آپ اس سے مطمئن نظر آتے ہیں ظاہر ہے ہر انسان اپنی زندگی سے مطمئن ہوتا ہے مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فی زمانہ اگر آپ ٹیپ ٹاپ سے نہیں ہیں.....'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک لینڈ کروزر اندر داخل ہوئی اور اس سے رائے راحیل نیچے اترا دونوں کو دیکھ کر وہ انہی کی طرف آ گیا تھا۔

''ہیلو..... کیسے ہیں آپ لوگ۔''

''ٹھیک ہیں رائے صاحب! آپ نے ہمیں مہمان بنایا ہے۔ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں جب تک چاہیں مہمان رکھیں، جب چاہیں خدا حافظ کہہ دیں۔'' جمشید مرزا بولا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے میں سمجھ رہا ہوں آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں بڑی الجھنوں میں گھرا ہوا ہوں کیا خیال ہے کہیں بیٹھا جائے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

''ویسے ایک بات میں آپ سے کہوں۔ کھلی جگہ ہر طرح سے محفوظ ہوتی ہے۔ میں مختصر الفاظ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں مصروف بھی رہوں تو براہ کرم آپ اسے محسوس نہ کریں میری ذمہ داریاں ہی کچھ ایسی ہیں مختصر لفظوں میں آپ کو تھوڑی سی تفصیل بتا دوں۔

اس طرح چہل قدمی کرتے ہوئے باہر کھلی فضا میں آ گئے۔

''ہاں۔''

''بتایئے پھر بتایئے۔''

''بس یوں سمجھ لیجئے ملک کا نام نہیں لوں گا۔ اپنے ملک سے باہر تھا بہت سارے بزنس میں نے پھیلا رکھے ہیں۔ میں کام کر رہا تھا سچ بتاؤں آپ کو میں نے شادی نہیں کی تھی کیونکہ بچپن ہی سے میری فطرت میں کچھ تبدیلیاں تھیں۔ ایک مقولے کا قائل تھا میں، کہ جب بازار سے دودھ مل جاتا ہے تو گھر میں بھینس پالنے کا کیا فائدہ میری زندگی اسی انداز میں گزری۔ آزاد رہا۔ آزادی سے وقت گزارا ایک دن پھر ایک لغزش ہوگئی۔

اسی ملک کے ایک خوبصورت کیمپنگ میں میری ملاقات راشیل سے ہوگئی راشیل اس قدر دلکش عورت ہے میرے ساتھ بھی یہ ہی ہوا۔ راشیل مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہوگئی اور اس بے تکلفی کے نتیجے میں مجھے اس سے شادی کرنا پڑی مجھے بعد میں یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ ایک ارب پتی عورت ہے بہر حال ایک اضافی بات تھی۔

اس کا کہنا تھا کہ وہ بیوہ ہے ایک جوان بیٹی تھی اس کی۔ اس نے بیوگی کی زندگی گزاری تھی میں نے سوچا کہ چلو سودا گھاٹے کا نہیں رہا اس کی دولت میرے کاروبار میں کام آئے گی اس کے کہنے پر میں نے بہت بڑی بڑی رقمیں مختلف جگہوں پر لگا دیں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی ڈیڑھ ارب روپیہ میں نے اس کے کہنے پر کئی فرموں میں لگا دیا۔ لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ فرمیں جعلی تھیں اور ان کے دفاتر بھی عارضی طور پر بنائے گئے تھے۔ آپ کا نام جمشید مرزا ہے نا؟''

''جی ہاں.....'' جمشید مرزا نے کہا۔

''جمشید مرزا صاحب یہ سارا جال مجھے پھانسنے کے لیے بچھایا گیا تھا مجھے مزید یہ معلوم ہوا کہ راشیل کئی بڑی بڑی پارٹیوں کو کنگال کر چکی ہے یہ اس کا کام ہے اور پھر ایک اور انکشاف ہوا جو بڑا روح فرسا تھا وہ یہ کہ راشیل بذات خود ایک..... قلاش عورت تھی اس نے اپنے منہ سے مجھ سے کبھی نہیں کہا تھا کہ وہ کوئی دولت مند عورت ہے مجھے دوسری جگہوں سے ہی معلوم ہوا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک چال تھی اس کی..... بڑی زبردست پبلسٹی کرا رکھی تھی اس نے اپنی، میں بے موت مارا گیا اور اس کے بعد اور بھی بہت سے مسئلے ہوئے میں زندگی کے ایک بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہوگیا۔ راشیل کو ہر طرح سے قانونی تحفظ حاصل تھا۔ مجھے کچھ اس طرح جال میں پھانس لیا گیا کہ میں اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ اس کا وطن ہے وہاں اسے ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔ تو میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے آپ کو سمیٹ کر اپنے وطن میں واپس آ جاؤں کم از کم مجھے تھوڑا سا تحفظ تو حاصل ہوگا اور اس طرح میں نے اپنے وطن کا رخ کیا۔ یہاں آ گیا۔ حالانکہ یہاں میرے عزیز و اقارب نہیں تھے لیکن پھر بھی مجھے اس بات کی امید تھی

کہ یہاں وہ اپنے پنجے نہیں پھیلا سکے گی۔ لیکن صاحب غضب کی عورت ہے میں نے بے پناہ کوشش کی کہ اس کے ذرائع اور اس کے وسائل تلاش کر سکوں لیکن ناکام رہا۔"

"ذرائع وسائل کس سلسلے میں؟" جمشید مرزا نے بڑا برمحل سا سوال کیا تھا۔ صوفی نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا تو جمشید مرزا کا سینہ فخر سے پھول گیا۔

"میں وہ ہی بتانے جا رہا تھا مجھے مسلسل یہ لگ رہا ہے کہ کچھ لوگ میری تاک میں ہیں کوئی ایسا پلان بن رہا ہے جو یقینی طور پر میرے خلاف ہوگا۔ مختصر سی تفصیل بتا رہا ہوں متعلقہ اداروں سے میٹنگوں اور دوسرے ذرائع سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے میرے پاس کتنی دولت ہے اور کہاں کہاں محفوظ ہے مزید یہ کہ میری جائیدادیں کہاں کہاں ہیں؟"

"آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"کچھ اداروں سے۔"

"ان اداروں نے یہ تو نہیں بتایا ہوگا کہ یہ معلومات حاصل کرنے والے کون لوگ ہیں؟"

"دو جگہ سے پتا چلا ہے مجھے، وہ غیر ملکی ہیں اسی ملک سے ان کا تعلق ہے جس ملک سے ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔"

"یعنی میڈم..... کیا نام بتایا ان کا آپ نے۔"

"راشیل۔"

"ہاں میڈم راشیل کے ملک سے۔"

"جی۔"

"خطرناک بات ہے۔"

"مزید معلومات مجھے یہ حاصل ہوئیں کہ وہ دونوں افراد جو معلومات حاصل کر رہے ہیں اس ملک کے سفارت خانے کے لوگ ہیں۔"

"اوہ....." جمشید مرزا نے گردن ہلائی۔

"میں پولیس سے مدد لے سکتا تھا۔ لیکن آپ بتائیے کیا پولیس میری اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتی ہے ویسے بھی بیوی کا معاملہ ہے ایک شریف آدمی ہوں۔ میں نے ابھی....." رائے راحیل نے ابھی یہ ہی الفاظ کہے تھے کہ صوفی کی آواز ابھری۔

"حق اللہ....." اور رائے راحیل چونک کر اسے دیکھنے لگا اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نظر آئے پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟"

"کک..... کیوں میں نے کیا مذاق اڑا ہے۔"

"تم نے جس انداز میں حق اللہ کہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہیں میری اس بات پر اعتراض ہے۔"

"خدانخواستہ حضور من ہم بھلا اعتراض کا کیا حق رکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے اپنے بیان میں فرمایا تھا

کہ شادی آپ نے اس لیے نہیں کی کہ آپ دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے درویشوں کے کرم سے اور اس کے بعد اصل میں غلطی آپ کی نہیں ہے شرافت کا معیار بدل گیا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"تم تو مجھے صورت ہی سے چغد نظر آتے ہو۔ یہ شخص کیا بکواس کر رہا ہے۔"

"صوفی صاحب! آپ خاموش رہیے۔ براہ کرم خاموش رہیے۔" جمشید مرزا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ دل تو اس کا یہ چاہا کہ صوفی کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دے لیکن جو بیان رائے راحیل دے رہا تھا۔ وہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ جمشید مرزا چاہتا تھا کہ صوفی کے سامنے ہی ساری باتیں ہوں اس نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں اصل میں یہ درویش منش آدمی ہیں، بڑے کام کی شخصیت ہے ان کی۔"

"تو کیا یہاں آپ کوئی چلہ کشی کرانے لائے ہیں انہیں۔"

"یہ میرے معاون ہیں۔ میں ان کی طرف سے آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

"سارا موڈ چوپٹ کر دیا اس شخص نے۔ تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ کچھ نہ کرنے کے باوجود وہ اتنا کچھ کر رہی ہے کہ میں حیران ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی بہت ہی تجربے کار آدمی میرا یہ کام کرے۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ آپ کا پولیس میں ایک اہم عہدہ ہے اور آپ مصروف آدمی ہیں لیکن میری شخصیت بھی بہرحال اس ملک کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ میں بڑے بڑے منصوبے لے کر یہاں آیا ہوں۔ آگے چل کر مجھے بہت سے کام کرنے ہیں جس کی اطلاع میں نے گورنمنٹ کو دے دی ہے۔ چنانچہ میرے لیے تحفظ ضروری ہے۔"

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔" جمشید مرزا نے کہا اور چور نظروں سے صوفی کو دیکھا۔ صوفی آنکھیں بند کیے آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ جمشید مرزا کو بعض اوقات خوب اس کی شخصیت پر غصہ آتا تھا۔ لیکن صوفی نے اس کی جو اوقات بدلی تھی اسے بھی نگاہ میں رکھنا تھا۔ جمشید مرزا کو یہ بات معلوم تھی کہ صوفی انتہائی ذہین آدمی ہے اور اس نے بڑے موقعے سے صوفی کو پکڑا تھا جو کام وہ کر رہا تھا اسے بھی صوفی کے کندھے پر بندوق رکھ کر ہی کرنا تھا تاکہ اپنی پوزیشن بھی محفوظ رہے۔ اپنی دانست میں وہ بڑی چالاکی سے کام لے رہا تھا لیکن اب یہ تو آگے کی بات تھی کہ اس کی چالاکی صوفی کے مقابلے میں کس قدر کارگر ہے۔ اچانک ہی جمشید مرزا نے کہا۔

"ایک بات بتائیے رائے صاحب۔"

"ہاں پوچھیے..... پوچھیے۔"

"آپ کہتے ہیں کہ محترمہ راشیل گھر پر ہی رہتی ہیں لیکن ان کے کام ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں..... بے شک!"

"ان کی ایک صاحبزادی بھی تو ہیں جن کا نام سیمل ہے۔"

"ہاں کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"کیا سیمل ان کا ذریعہ نہیں ہیں؟"

"میں جائزہ لے چکا ہوں وہاں اس کے اپنے ملک میں بھی اور یہاں بھی میں نے بھرپور طریقے

سے سیمل کا جائزہ لیا ہے وہ بالکل معصوم سی بچی ہے۔ شوخ شریر اپنی عمر کے مطابق وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی۔ کر ہی نہیں سکتی وہ..... وہ بس ایک کھلنڈرے مزاج کی لڑکی ہے۔"

"آپ کو اس پر مکمل بھروسا ہے۔"

"ہاں بس یوں سمجھئے کہ وہ قطعی طور پر کوئی مشکوک شخصیت نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی ذہانت سے آپ کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی ہو کہ وہ معصوم ہے اور در پردہ وہ کام کر رہی ہو؟" رائے راحیل نے عجیب سی نگاہوں سے جمشید مرزا کو دیکھا اور پھر بے یقینی کے انداز میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ایک نیا خیال آپ نے میرے ذہن میں ڈال دیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ اگر ایسا ہوا تو میں اپنے آپ کو پرلے درجے کا گدھا سمجھوں گا۔"

"حق!ام۔" صوفی کے منہ سے نکلنے ہی والا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ دیا۔

"اس شخص کو باہر نکال دیجئے۔ یہ میرا بلڈ پریشر ہائی کر رہا ہے۔" رائے راحیل نے کہا۔ صوفی اپنی جگہ سے اٹھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"کمال کی بات ہے آپ اچھے خاصے اسمارٹ آدمی ہیں اور آپ نے معاون کے ور پر اس آدمی کو رکھا ہے۔ جس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔"

"اصل میں میں نے آپ سے کہا تھا آپ نے تسلیم نہیں کیا وہ بہت کام کا آدمی ہے۔ بس ذرا پیر پرست ہے، ولیوں اور درویشوں سے عقیدت رکھتا ہے اور ابھی جمشید مرزا اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دفعتہً دو زوردار دھماکے ہوئے اور جمشید مرزا نے پھرتی کے ساتھ رائے راحیل کو ایک زوردار ٹکر ماری اور دونوں نیچے آ رہے۔ گولیاں سنسناتی ہوئی ان کے سروں پر سے گزر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے شیشیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں ابھری تھیں۔ پھر مزید فائرنگ ہوئی تھی۔ غالباً مسلسل گولیاں برسانے والی رائفل سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ رائے راحیل اوندھا پڑا رہا۔

باہر سے آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ نوکر بھاگ دوڑ کرنے لگے تھے اور اچھی خاصی بھگدڑ مچ گئی تھی۔ رائے راحیل بالکل ساکت پڑا ہوا تھا۔ خود جمشید مرزا کی بھی حالت خراب تھی۔ گولیاں جس انداز میں اس کے سر پر سے گزری تھیں اگر ذرا سی بھی چوک ہو جاتی تو خود اس کی کھوپڑی بھی اڑ گئی ہوتی۔ زبردست قسم کا قاتلانہ حملہ تھا۔ پھر ملازموں کی آوازیں آس پاس سنائی دینے لگیں اور اسی وقت ایک آواز دروازے سے سنائی دی۔

"حق اللہ..... کیا آپ دونوں زندہ ہیں۔" جمشید مرزا خود بھی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

"ہاں زندہ ہیں۔ آپ باہر مر رہے ہیں۔"

"نہیں ہم بھی زندہ ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔" اسی وقت راشیل اور سیمل بھی بھاگی آ گئیں۔ سیمل نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"انکل آپ ٹھیک ہیں..... انکل..... انکل..... ماما دیکھئے انکل کو کیا ہو گیا..... انکل!"

"راحیل!" راشیل کی تیز چیخ ابھری اور اس نے راحیل کی طرف تیز چھلانگ لگائی لیکن راحیل خود اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہوں۔ ٹھیک ہوں۔ ابھی کافی عرصے تک ٹھیک رہوں گا تم بالکل بے فکر رہو ڈارلنگ۔ دیکھئے جمشید صاحب! کون ہے؟" راحیل کے الفاظ بڑے احمقانہ تھے۔ اس کا مقصد یہ ہی تھا کہ باہر دیکھئے حملہ کرنے والا کون ہے۔ لیکن جمشید مرزا یہ بات جانتا تھا کہ بھلا حملہ آوروں کا اب کوٹھی میں کیا وجود ہو گا۔

رائے راحیل نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب یہ بھی شروع ہو گیا۔ ہونا ہی تھا۔ میں تو نہ جانے کب سے اس کا منتظر تھا۔"

"حق اللہ" صوفی نے کہا اور تیزی سے وہاں سے کھسک گیا۔ رائے راحیل بری طرح چڑ گیا تھا لیکن اب صوفی کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔

♥.....♥.....♥

دکان حکمت ظاہر ہے معشوق نشیلے ہی کی تحویل میں تھی۔ خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان دنوں دو تین مریض بھی آ گئے تھے اور معشوق نشیلے ان کے مرض کا علاج کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ نہ جانے کیا کیا دوائیں دی جا چکی تھیں۔ بہت سی باتیں بتا چکے تھے جن کا تعلق حکمت سے تھا بہر حال پیسے بھی اچھے خاصے کما رہے تھے۔ گھر سے باہر ہی کھانا کھایا جاتا تھا۔ ایک دن تو ممن خان کے پاس پہنچے تھے۔ ممن خان نے انہیں دیکھ کر کہا۔

"آیئے۔ معشوق صاحب! آج کل فارسہ میں کچھ نہیں ہو رہا۔"

"بھائی! بس یہ جو شعر و شاعری ہے نا۔ یہ ایک ذرا الگ صیغہ ہے۔ آج کل ذرا دوسری طرف توجہ دی ہوئی ہے۔ اصل میں آپ لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ حکمت ورثے میں ملی ہے اور اندر ہی اندر زور مار رہی تھی کہ صوفی صاحب نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔"

"دکان حکمت کھول کر۔"

"ہاں۔ اصل میں بڑا حکیم وہاں میں ہی ہوں۔"

"خدا خیر کرے۔ کوئی بہت برا وقت آنے والا ہے صوفی صاحب پر۔" کسی نے کہا۔

"یار! دیکھو فارسہ میں بکواس مت کیا کرو۔" معشوق نشیلے برا مان کر بولے۔ بہر حال اس دن انہوں نے وہاں سب کو چائے پلائی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی مریض سے اچھی خاصی رقم مار لی تھی۔ دوا بے چارے کو جو کچھ بھی دی تھی وہ الگ بات تھی۔ وہ صوفی کے گھر میں رہتے تھے۔ حسینہ اور ان کا آگ اور پانی کا معاملہ تھا۔ عشق تو خیر ہوا ہو گیا تھا کیونکہ حسینہ ہی نے گھاس نہیں ڈالی تھی۔

معشوق نشیلے بھی ذرا دوسری طرف متوجہ ہو گئے تھے لیکن حسینہ سے چونچیں چلتی رہتی تھیں۔ اس دن بھی صبح ہی صبح اٹھے۔ پہلے مسواک کی پھر زور زور سے غرارے کرنے لگے۔ حسینہ کہیں سے نمودار ہوئی تھی۔ معشوق نشیلے کو دیکھ کر بولی۔

"بیڑہ غرق جس دن بھی صبح ہی صبح تمہاری شکل دیکھ لی سارا دن برا گزرا۔ اے میں کہتی ہوں کہ

اس وقت تو کہیں دوسری طرف جا کر مر جاؤ۔ جب تک صوفی صاحب گھر پر نہیں ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ گویا فارسہ میں آپ یہ فرمانا چاہتی ہیں۔"

"غرق ہو اپنی فارسہ سمیت۔ یہ کر کیا رہے تھے صبح ہی صبح۔ لگ رہا تھا جیسے کتے کی گردن پر چھری پھیر دی گئی ہو۔ بکرے کی آواز تو پھر بھی الگ ہوتی ہے۔"

"کالی کلوٹی بینگن لوٹی۔ میں خود صبح ہی صبح تیری شکل دیکھنے سے گریز کرتا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ جس دن صبح ہی صبح تیری شکل نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے بس دن بھر برا گزرتا ہے۔"

"تو مرتے کیوں نہیں ہو کہیں جا کر، کیوں یہیں مرے ہوئے ہو۔"

"کیوں کیا رخصت ہو کر اس گھر میں آئی ہو؟ باپ نے جہیز میں گھر دیا ہے۔"

"دیکھو باپ تک مت پہنچنا، اچھا نہیں ہوگا۔"

"اچھا تو کبھی ہوتا ہی نہیں ہے۔ چلو ناشتہ وہ دکان پر جانا ہے۔"

"نوکر ہوں کیا تمہارے باپ کی جو ناشتہ دوں۔ رات سے سر میں درد ہے۔ میں نے ناشتہ نہیں تیار کیا۔"

"جانتا تھا..... جانتا تھا۔ کون سی بات سچی ہوئی وہی نا کہ صبح کو تیری شکل دیکھ لی تو ناشتا تک نہیں ملے گا۔"

"ہاں ہاں جاؤ نہیں ملے گا۔ مفت خورے کم بخت ڈیرہ ڈال کر پڑ جاتے ہیں۔ یہ صوفی بھی کمال کا آدمی ہے خواہ مخواہ گندگی گھر میں جمع کر رکھی ہے۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں کالی کچھڑ گھر میں جمع کر رکھی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حسینہ بیگم کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا پینا بھی کھاتے ہوئے طبیعت پر ایک عجیب سی اکتاہٹ سوار ہو جاتی ہے۔ پتا نہیں ہاتھوں کا رنگ ہی چھوتا ہو کھانے میں۔"

"دیکھو..... دیکھو میرے منہ مت لگو۔"

"توبہ..... توبہ۔" تمہارے منہ لگنے کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم تین گھنٹے تک مسواک کر کے اپنا منہ صاف کر لوں۔" حسینہ خود ہی چلی گئی تھی۔ معشوق نشیلے نے گردن ہلائی اور بولے۔

"چلو نشیلے آج صبح کا ناشتہ دکان پر ہی چل کر کریں گے۔ سامنے حلوہ پوڑی بنتی ہے۔ لیکن اس کم بخت کا منہ واقعی دیکھ لیا۔ صورت حال خراب نہ ہو جائے کہیں۔ انہوں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد باہر نکل آئے۔ بس میں سوار ہو کر اس علاقے کی طرف چل پڑے جہاں دکان حکمت تھی۔ بس سے اترے تو پاؤں مڑ گیا۔ لچک کھائی۔ وہ تو شکر ہے باقاعدہ موچ نہیں آئی تھی۔ دل ہی دل میں کئی بار لاحول پڑھی اور کہنے لگے۔

"خداوند کریم تیرا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔ میں تو اس نامعقول عورت سے شادی کرنے جا رہا تھا۔ خدانخواستہ اگر شادی ہو جاتی تو صبح ہی صبح کس کا منہ دیکھنا پڑتا۔ اس کا پھر اور دن جو گزرتا۔"

"دکان پر پہنچے۔ دکان کھولی۔ جھاڑو لگائی۔ چیزیں قرینے سے رکھیں اور پھر یہی سوچ رہے تھے

کہ ناشتہ لے آئیں کہ ایک گاڑی سامنے آ کر رکی۔ اس میں سے چار افراد اترے۔ تین غنڈوں جیسی شکل کے مالک لگ رہے تھے۔ ایک کسی قدر شریف صورت آدمی تھا۔ چاروں کچھ اس طرح دکان کی طرف بڑھے کہ معشوق نشیلے کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"یہی تھا وہ۔" شریف صورت نظر آنے والے آدمی نے غنڈوں سے کہا۔

"چل بے باہر نکل۔ تیری حکیمی کی ایسی تیسی۔"

"ہیں..... ہیں..... ایں۔ کیا مطلب ہوا؟"

"کاہے کی دوا دی تھی تم نے مجھے۔" اس شخص نے کہا۔

"غالباً آپ نے فرمایا تھا کہ معدے میں درد ہے۔"

"ہاں۔ معدے میں درد تھا۔ تو نے کیا کہا تھا۔"

"میں نے یہی کہا تھا کہ معدہ آنتوں کی زد میں آ گیا ہے اور آنتوں نے کنکھجورے کی طرح معدے پر پنجے گاڑ دیے ہیں۔"

"آنتوں میں پنجے ہوتے ہیں۔"

"نہیں۔ فارسہ میں محاورہ....."

"اور تو نے دوا جو دی تھی وہ کیا تھی؟"

"آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ مجھے بتائیے کہ کیا ہوا؟"

"وہ دوا میرے لیے نہیں تھی۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میرے چھوٹے بھائی کو یہ تکلیف ہے۔"

"ہاں۔ ہاں..... پھر؟"

"اس کو ہیضہ ہو گیا۔"

"ارے واہ..... گویا دوا نے بھرپور کام کیا۔"

"کام کے بچے بری حالت ہے اس کی۔ اسپتال میں داخل کرانا پڑا ہے۔"

"یہی تو آپ لوگوں کی بدعقیدگی ہے۔ ارے بابا آنتوں کو معدے پر سے ہٹانے کے لیے جلاب تو ہونا ہی تھا..... فارسہ میں۔"

"مارو اسے..... میرے بھائی کی جو حالت ہو گئی وہ اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔"

"نکل بے تیرے حکیم کی۔"

"دیکھیے..... دیکھیے..... حکمت کو گالی نہ دیجیے۔ بڑے بڑے لوگوں کے علاج کیے ہیں ہم نے۔ سرٹیفکیٹ تک پیش کر سکتے ہیں۔ بہر حال آپ نے غلطی کی کہ انہیں اسپتال میں داخل کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا فارسہ میں۔"

"یار یہ تو پاگل آدمی لگتا ہے۔ تم آ کہاں سے گئے تھے۔" غنڈوں میں سے ایک نے کہا۔

"بس غلطی ہو گئی۔"

"غلطی ہو گئی..... ارے بھائی۔" معشوق نشیلے نے کہنا چاہا لیکن غنڈوں نے ایک تھپڑ اس کے منہ

پر دیا۔ اس کے بعد بہت سے تھپڑ، گھونسے اور لاتیں معشوق نشیلے پر پڑیں۔ اچھی خاصی پٹائی کرنے کے بعد وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے اور معشوق نشیلے کا حلیہ بری طرح بگڑ گیا۔ ان کے منہ سے نکلا۔

''حسینہ تو غارت ہو جائے فارسہ میں۔ کیڑے پڑ جائیں تیرے بدن میں۔ ارے باپ رے کم بختوں نے بہت مارا ہے۔ حلیہ ہی خراب کر دیا۔'' اب اس کے بعد دکان پر بیٹھنا کس کے بس کی بات ہے۔ انہوں نے دکان بند کی اور لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر ممن خان کا ہوٹل یاد آیا اور وہ اس کی جانب چل پڑے۔ ہوٹل میں پہنچے تو بہت سے ہمدردوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

''ارے معشوق بھائی یہ کیا ہو گیا؟''

''یارو..... بس گر پڑے تھے۔ بڑی بری حالت ہے پورا بدن درد کر رہا ہے۔''

''آنکھ پر نیلا نشان ہے۔ رخسار پر نیلا نشان ہے۔ یہ بس سے گرنے کا تو نہیں ہو سکتا۔''

''معشوق ہیں بھائی کسی عاشق نے پٹائی کر ڈالی ہو گی۔''

''یارو! اس وقت اگر مناسب سمجھو تو ناشتہ کرا دو۔ سخت بھوک لگ رہی ہے۔ صبح ہی صبح یہ حلوہ پراٹھا کھا لیا۔'' معشوق نشیلے نے کہا اور کرسی پر بیٹھ کر ناشتے کا انتظار کرنے لگے۔

♡.....♡.....♡

صوفی اپنے مخصوص انداز میں پان چباتا ہوا باہر نکل آیا تھا اور اس کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے جا کر کھڑا ہوا تھا۔ درخت کے پیچھے احاطے کی دیوار تھی۔ جس کے ساتھ ساتھ چوڑی کیاری بنی ہوئی تھی۔ صوفی ابھی تک اس صورت حال پر صحیح طریقے سے غور نہیں کر سکا تھا۔ سوچنے کے انداز میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی اور اب وہ بالکل پہلے جیسا صوفی نہیں تھا۔ گرین فورس کو باقاعدگی سے چلانا اس نے اپنی ذمہ داری سمجھ لی تھی۔

جنرل رحیم شاہ سے بھی اس کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ رحیم شاہ نے خود اس سے کہا تھا کہ صوفی صاحب میں خود بھی ایک لمبے عرصے ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ آپ میرے لیے بالکل پریشان نہ ہوں اور پوری دل جمعی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں کسی دن میں خود آپ سے آ کر ملاقات کر لوں گا۔ یہ میری شہر بدری جو ہے نا..... ایک طرح سے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری مرضی سے ہے۔ ورنہ شاید میں اپنے لیے کچھ تھوڑا بہت کر بھی لیتا۔

''میں جانتا ہوں جنرل!'' صوفی نے اسے سلیوٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔ بہر حال وہ انہی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دفعتہً ہی اسے دھپ دھپ کی دو آوازیں سنائی دیں اور صوفی فوراً چونک پڑا۔ یقینی طور پر احاطے کی دیوار سے کوئی اندر کودا تھا اور اس نے چوڑی کیاریاں بہ آسانی عبور کر لی تھیں پھر صوفی کو دو سائے نظر آئے اور صوفی درخت کے تنے کی آڑ میں سمٹ گیا۔

صورت حال کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ سائے سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور انتہائی برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے اندر کوٹھی میں داخل ہو گئے تھے۔ صوفی کو ایک دم کچھ احساس ہوا وہ ابھی یہ فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ کیا کرے کہ اندر سے زبردست فائرنگ کی آواز سنائی دی۔

اور ظاہر ہے فائرنگ کرنے والے وہ دونوں سائے ہی ہو سکتے تھے۔ صوفی ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ دونوں بدحواسی میں واپس پلٹے اور اسی طرف آنے لگے۔ صوفی مستعد ہو گیا۔ دوڑنے والے بالکل اسی جگہ پہنچے تھے جہاں سے انہیں وہ دیوار عبور کرنی تھی۔ اچانک ہی صوفی زمین پر بیٹھا اور اس نے وہ داؤ مارا جو کبڈی میں کبڈی دینے والے کو گرانے کے لیے ہوتا ہے۔ ایک ہی ہاتھ آیا تھا۔ دوسرا پھرتی سے نکل گیا تھا۔ ہاتھ آنے والے کو اس نے ٹانگ سے پکڑ کر اسے نیچے گرا لیا اور اچھل کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

''ہب..... بہ خدا خود کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ زندگی سے محروم ہو جاؤ گے۔'' اس نے جھک کر اس شخص کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ کھلا ہی ہوا تھا۔ مقامی ہی آدمی تھا۔ بالکل نوجوان لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مارشل آرٹ کا ماہر بھی معلوم ہوتا تھا۔ صوفی چونکہ اس کے سینے پر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے پیچھے سے اپنے دونوں پیر اٹھائے اور صوفی کی گردن میں لپیٹ کر پوری قوت سے نیچے کی جانب موڑ دیئے۔ صوفی الٹ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ شخص پھرتی سے قلابازی کھا کر اٹھا اور اس کے بعد اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی لیکن اس بار وہ کیاری کی کیچڑ میں گرا تھا اور اس کے حلق سے ایک کریہہ آواز نکل گئی تھی۔ اس کے بعد وہ شاید پھرتی سے اٹھ کر دیوار کود گیا تھا۔

صوفی جب تک وہاں پہنچا وہ دونوں دیوار سے کود کر غائب ہو گئے تھے۔ صوفی نے اس کیاری کو دیکھا کوئی چھ فٹ چوڑی کیاری تھی لیکن دیوار کود کر آنے والے یقینی طور پر اس کیاری اور اس کے بعد اس جگہ جہاں انہیں جانا تھا اس کے بارے میں جانتے تھے کیونکہ اگر اجنبی لوگ دیوار سے نیچے کودتے تو کیاری میں گرتے لیکن انہیں کیاری کے بارے میں معلوم تھا اور انہوں نے اتنی لمبی چھلانگ لگائی تھی کہ کیاری کو عبور کر گئے تھے۔

بہر حال دونوں بہترین جمناسٹر تھے۔ اب صوفی کو اندر کی فکر ہوئی کیونکہ اندر جمشید مرزا بھی تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ ملازم اور کوٹھی کے رہنے والے تمام ہی افراد دوڑ پڑے تھے۔ صوفی نے جمشید مرزا اور رائے راحیل کو دیکھا اور اس کے بعد گہری سانس لی۔ بہر حال جو بھی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔ صوفی اس سے لاتعلق ہی رہا تھا۔ البتہ جب یہ ہنگامہ ختم ہو گیا اور جمشید مرزا مہمان خانے کے بیڈ روم میں پہنچا تو صوفی بھی آ گیا تھا۔

''یار صوفی صاحب کیا کر رہے ہیں آپ؟''

''ارشاد فرمایئے کیا کریں؟ ہم آپ کے حکم سے انحراف نہیں کریں گے۔''

''مایا! حکم مجھے دینا ہے اگر میں اتنا ہی بڑا حاکم ہوتا تو آپ کو تکلیف کیوں دیتا۔''

''تو پھر بتایئے ہمارے لیے کیا حکم ہے۔''

''پھر وہ ہی..... آپ نے یہاں کی صورت حال کا جائزہ لیا۔''

''جی ہاں۔ ویسے آپ کا کیا خیال ہے گولی آپ پر چلائی گئی تھی یا رائے راحیل پر۔''

''یار دونوں ہی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ وہ تو یوں کہو کہ قدرت کی نگاہ سیدھی تھی ورنہ ڈھیر ہو گئے تھے۔''

''ہاں۔ واقعی بات تو افسوس کی ہوئی پھر پتا نہیں پچاس لاکھ روپے ملتے یا نہ ملتے۔ میرے دس لاکھ بھی جاتے۔ آپ نے وہاں جو چکر چلا دیا تھا اس کا کیا مقصد تھا؟''

''پتا نہیں کیوں آج کل ہم بالکل بے مقصد ہو کر رہ گئے ہیں درویشوں کے کرم سے۔''

''نہیں صوفی صاحب! یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں جانتا ہوں آپ بے پروائی سے کام لے رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ہمیں نوکری سے نکال دیجئے۔'' صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا اسے گھورنے لگا۔

''آپ اس سلسلے میں کوئی تبصرہ آرائی نہیں کریں گے؟''

''کریں گے۔'' صوفی نے جواب دیا۔ جمشید مرزا پھر چونک پڑا۔

''وہ خاتون بہت خوب صورت ہیں۔ اللہ انہیں طویل زندگی عطا فرمائے۔''

''چڑا رہے ہیں مجھے آپ؟''

''نہیں۔ ویسے یہ بتائیے کہ یہ فائرنگ کرنے والے کون تھے۔ باہر دیوار کود کر آئے تھے۔ کیاری میں ان کے پیروں کے نشانات بھی ہوں گے۔ ویسے وہاں کا جائزہ لینا صبح ہی کو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس وقت آرام کرنا چاہیے۔ دوسروں کو متوجہ کرنا اچھا نہیں ہوگا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ وہ احاطہ کود کر آئے تھے اور باہر ہی کے لوگ تھے۔''

''بالکل اسی طرح جیسے آپ کے منہ پر یہ ناک۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''بے تکلفی نہیں۔ بے تکلفی نہیں، ڈسپلن قائم رکھئے گا۔'' اور صوفی لیٹے لیٹے اٹینشن ہو گیا۔ جمشید مرزا نے رخ بدل لیا تھا۔ دوسری صبح صوفی ہی نے جمشید مرزا کو بتایا۔

''محترم رائے راحیل صاحب صبح ہی صبح کہیں نکل گئے ہیں! اور وہ لڑکی پوری کوٹھی میں دندناتی پھر رہی ہے۔''

''غالباً یہی جملہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ویسے دن اور دنا یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ یا آپ اس کی کچھ وضاحت فرمائیں گے۔''

''یار دندناتی پھر رہی ہے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''انگریزی میں اسے جوگنگ کہتے ہیں۔'' صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا اسے گھور کر رہ گیا۔ اس کی جھلاہٹ عروج کو پہنچتی جا رہی تھی۔ ابھی وہ کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دروازے سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''اندر آ سکتی ہوں؟'' انہوں نے راشیل کی آواز صاف پہچان لی تھی۔ جمشید مرزا نے جلدی سے بدن پر گاؤن ڈال لیا اور صوفی نے لمبی چھلانگ لگا کر شیروانی پر جھپٹا مارا تھا۔ راشیل اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''دیکھ لیا آپ نے وہ ڈراما اپنی آنکھوں سے۔'' جمشید مرزا راشیل کو دیکھ کر موم کی طرح پگھل جاتا تھا۔ کہنے لگا۔

''آپ آئیے۔ تشریف رکھئے، آئیے آئیے پلیز۔'' اور راشیل کرسی پر بیٹھ گئی جمشید مرزا نے کہا۔

''آپ کے الفاظ بڑے عجیب ہیں۔''

''آپ لوگ جب تک مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ آپ لوگ کون ہیں تو میرا خیال ہے ہمارے درمیان کوئی مناسب گفتگو ہو ہی نہیں سکتی۔''

''فدوی کو صوفی کے نام سے نوازا جاتا ہے۔ درویشوں کی رہنمائی میں زندگی گزاری ہے۔ بہت سے ایسے مرحلے آئے ہیں جب زندگی سے گریز کیا، لیکن زندگی نے ہم سے کبھی گریز نہیں کیا۔ بس کیا بتائیں آپ کو یوں سمجھ لیجئے کہ زندگی زیادہ اچھی نہیں گزری۔''

''صوفی صاحب! براہ کرم خاموش ہو جائیے۔'' صوفی ایک دم چونک کر خاموش ہو گیا تھا۔ بالکل یوں لگا جیسے وہ بے خیالی کے عالم میں بولتا رہا ہو۔ جمشید مرزا نے کہا۔

''ہاں محترمہ! آپ نے رات کے واقعے کو ڈرامے کا نام دیا ہے۔''

''آپ اسے کیا نام دیتے ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''گویا آپ کے خیال میں یہ صرف ایک ڈراما تھا۔''

''جی ہاں۔ میں نے کہا نا کہ آپ کا خیال تو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب مجھے آپ کے بارے میں پتا چل جائے۔''

''ہم صرف مہمان ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

''خیر آپ جو کچھ بھی ہیں میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ یہ حملہ رائے راحیل نے آپ کے سامنے خود پر کرایا تھا۔ حملہ آور باہر کا کوئی شخص نہیں تھا بلکہ انہی کے اپنے آدمی تھے۔''

''پورے وثوق سے کہتی ہیں آپ یہ بات؟''

''جی ہاں۔''

''آپ نے کہا ہے کہ وہ رائے راحیل کے آدمی تھے۔'' صوفی بولا اور راشیل چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''جی ہاں یہی کہا ہے میں نے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ ان میں سے کسی کو جانتی ہیں۔ رائے راحیل کے ان آدمیوں کے بارے میں بتائیے جو آپ کے خیال میں ان کی طرف سے یہ ڈراما کر سکتے ہیں؟''

''اتنا نہیں جانتی میں۔ یہ رائے راحیل کا وطن ہے اور یہاں اس کے بے شمار گرگے ہیں ویسے بھی ایک بڑے آدمی کے بہت سے ساتھی ہوتے ہیں۔''

''دولت کے بل پر۔'' لقمہ دے کر صوفی خاموش ہو گیا۔

دروازے کی بیل بجی تو حسینہ معمول کے مطابق دوازے پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک خوب صورت سا نوجوان نظر آیا جس کے پیچھے چھوٹے قد کا ایک بونا تھا۔ نوجوان کی شکل صورت دیکھ کر ہی حسینہ خوشی سے کھل اٹھی۔ حسن کسے نہیں بھاتا۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ دل میں برے ارادے ہی ہوں۔

حسینہ نے فوراً ہی کہا۔

''چشمہ ماہ روشنی اور وہ کہتے ہیں کہ دل ماشادی۔ ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔''

''اے..... اے..... اے کالی بھوتنی فارسہ کا بیڑہ غرق مت کرو۔ پیچھے سے معشوق نشیلے کی آواز سنائی دی۔

''جھاڑو پھرے تیرے منہ پر کم بخت صبح سے آنکھیں بند کیے کیے پھر رہی ہوں کہ کہیں پہلی شکل تیری نظر نہ آجائے۔ خدا نے میری سن لی تو جل کر کباب ہو گیا۔ دیکھ تو سہی چاند جیسی صورت اسے کہتے ہیں۔ حسینہ نے سامنے کھڑے ہوئے نوجوان کو دیکھتے ہوئے کہا جو حیرت سے آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔''

'اور کالی مائی کلکتے والی اسے کہتے ہیں بھائی صاحب!'' معشوق نشیلے نے سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر کہا۔

''صوفی صاحب یہیں رہتے ہیں؟'' اس شخص نے سوال کیا۔

''پہلے آپ اس سے کہیے کہ فارسہ کی ٹانگ توڑنے پر معافی مانگے۔ میں یہاں فارسی کا عاشق بیٹھا ہوا ہوں۔''

''کم بخت کو فارسی کا ایک لفظ نہیں آتا۔ اپنے ابا کے نام پر فارسہ فارسہ رگڑتا پھرتا ہے۔ میں کہتی ہوں فارسہ کون سے ملک کی زبان ہے رے۔''

''آپ لوگوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ صوفی صاحب یہاں رہتے ہیں نا۔''

''ارے رہتے تھے۔ آج کل نہیں ہیں۔''

''تم کہہ کیا رہی تھیں حسینہ بیگم!..... یہ بتاؤ پہلے۔''

''وہ جو اچھی شکلوں کو دیکھ کر کہا جاتا ہے۔ چل کوے!'' حسینہ نے پلٹ کر معشوق نشیلے سے کہا۔

''یعنی آپ شاید کہنا چاہتی تھیں کہ چشم ماہ روشن..... دل ماشاد۔''

''وہ تو کہہ فارسہ میں اپنی میرے جو دل میں آئی میں نے کہہ دیا۔''

''صوفی صاحب کہاں ہیں پلیز۔''

''ارے آؤ..... اندر آؤ۔ گھر تو انہی کا ہے۔ بتا دیں گے۔'' حسینہ نے کہا اور دروازہ چھوڑ دیا۔ نوجوان اندر داخل ہو گیا پھر اس نے کہا۔

''میرا نام سہیل عالم ہے اگر صوفی صاحب اندر ہیں تو براہ کرم انہیں اطلاع دیجئے کہ سہیل عالم اور نارزن آئے ہیں۔'' نارزن کے نام پر معشوق نشیلے بری طرح اچھل پڑے تھے۔

''آؤ، آؤ، آؤ..... اندر آؤ۔ قسم اللہ کی چائے پیے بغیر نہیں جانے دوں گی۔'' حسینہ نے کہا اور سہیل عالم آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ صوفی سے ملاقات ہوئے کئی دن گزر گئے ملتا رہتا تھا۔ صوفی کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو اس دکان حکمت پر جا کر دیکھا۔ دکان بھی بند ملی تو اس پتے پر آ گیا جس کے بارے میں اسے معلوم تھا وہ گرین ہاؤس میں جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا پہلے یہاں دیکھ لیا جائے۔ بہر حال حسینہ نے

اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور بولی۔

''اچھا اب یہ بتا دو چائے کے ساتھ کچھ کھاؤ گے بھی۔''

''ارے نہیں، نہیں۔ آپ چائے کی تکلیف نہ کیجئے بس یہ بتایئے صوفی صاحب کہاں ملیں گے۔''

''ایک منٹ..... ایک منٹ کہہ دو بھائی صاحب کہ چائے کے ساتھ کچھ کھاؤ گے بھی مجھ بدنصیب کو صبح سے ناشتہ تک نہیں ملا ہے۔ ہمارے لیے ناشتہ بھی نہیں اور غیروں کے لیے وہ جو کہا ہے کسی نے کہ

سنا ہے غیر کی محفل میں تم نہیں جاؤ گے
کہو تو آج سجا لیں غریب خانے کو

فارسہ میں پتا ہیں اس شعر کا ترجمہ کیسے ہو گا۔ آپ اردو ہی میں برداشت کر لیجئے جناب!'' معشوق نشیلے نے سہیل عالم سے کہا۔

''اے..... تجھے تو ایک پیالی چائے بھی نہیں دوں گی مجھے سمجھا کیا ہے تو نے؟''

''معشوق نشیلے صاحب آپ تو دکان حکمت پر بیٹھے تھے؟''

''آئے ہاں..... مار کر بھگا دیے گئے۔ یہ دیکھ نہیں آنکھ ابھی تک نیلی ہو رہی ہے۔ سنا ہے جوتے ہی جوتے پڑے تھے۔''

''حسینہ بیگم یہ آنکھ پر جوتا نہیں گھونسا پڑا ہے۔''

''تو قبول دیا۔'' حسینہ منہ پھاڑ کر ہنس پڑی۔

''ایسا کیجئے آپ مجھے صوفی صاحب کا پتا بتا دیجئے کہاں گئے ہیں؟''

''آئے بھیا! ہم ملازم ٹھہرے ہمیں کون بتا کر جاتا ہے۔''

''تو پھر مجھے اجازت دیجئے۔ میں انہیں کہیں اور تلاش کر لیتا ہوں۔'' سہیل عالم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''چائے نہیں پیو گے؟''

نہیں میں چائے نہیں پیتا

''اور یہ نارزن صاحب! یہ تو مجھے لگتا ہے کہ جنگل میں شیر اور چیتوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں گے۔'' معشوق نشیلے نے کہا۔

''جی، جی، جی۔ افسوس یہ آدم خور بھی ہو چکے ہیں۔ آیئے ذرا چلتے ہیں۔'' سہیل عالم نے کہا۔

''مم..... میرا کیا دماغ خراب ہے؟''

''نہیں۔ تین دن سے بھوکے ہیں بے چارے۔ اصل میں ہم کسی ایسے انسان کی تلاش میں ہی نکلے تھے جو لاوارث ہو اور نارزن کی غذا بن سکے۔''

''اماں..... دماغ خراب ہوا ہے کیا۔ کک..... کیا کہتے ہیں فارسہ میں..... میں ہی رہ گیا تھا کیا۔ معشوق نشیلے نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ پوچھ لیں نارزن صاحب..... کیوں نارزن کیسا رہے گا یہ شخص۔'' نارزن نے نگاہیں گھما کر معشوق نشیلے کو دیکھا اور لمحوں کے اندر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اس کے چہرے پر ایک خون

خوار تاثر پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ حسینہ بیگم نے ایک چیخ ماری اور دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ معشوق نشیلے بھی اس کے پیچھے ہی لپکے تھے۔

"اے..... اے برے وقت میں کہاں ساتھ چھوڑے جا رہی ہو۔ بیڈ ٹائم اسٹوری..... بیڈ ٹائم اسٹوری فارسہ میں۔" معشوق نشیلے نے کہا۔

"آؤ۔" سہیل عالم بولا اور اس کے بعد وہ ٹارزن کے ساتھ عمارت کے گیٹ سے باہر نکل آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ صوفی کہاں غائب ہو گیا۔ بہر حال گرین ہاؤس سے ہی چل سکے گا۔ ٹارزن نے کہا۔

"عجیب مسخرے لوگ تھے۔"

"ہاں۔ یہ ایک بڑی مزے دار جوڑی ہے۔ صوفی صاحب مجھے اس کے بارے میں بتا چکے ہیں لیکن پتا نہیں صوفی صاحب گئے کہاں؟" پھر سہیل عالم اپنی رہائش گاہ پر ہی واپس آ گیا تھا لیکن ابھی وہ کوئی اور فیصلہ نہیں کر سکا تھا صوفی کی تلاش کے بارے میں کہ اسے گھر کی ٹیلی فون پر کال موصول ہوئی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو..... پہچانے؟" ایک آواز سنائی دی اور سہیل عالم غور کرنے لگا اور پھر وہ ایک دم چیخ پڑا۔

"نک کارسن!"

"ہاں۔ یار دماغ خراب ہو گیا تمہیں تلاش کرتے کرتے۔ عجیب ہے یہاں کا ماحول بھی۔ ہوٹل بمبینو میں کمرا نمبر 270 میں ہوں۔ آ جاؤ اور مجھے لے جاؤ۔"

"پہنچ رہا ہوں۔" سہیل عالم نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ نک کارسن ایک خوف ناک نام تھا۔ بڑی سنسنی خیز شخصیت کا مالک نوجوان آدمی تھا۔ زبردست قسم کا جرائم پیشہ، چار سو بیسی اور قتل و غارت گری اس کا کام تھا۔ بہت ہی سفاک قسم کا آدمی تھا، لیکن سہیل عالم سے بری طرح مار کھائی تھی اس نے۔ سہیل نے اسے ایک ایسے جنجال میں پھنسا دیا تھا کہ اس کے بعد موت ہی اس کی گلوخلاصی کر سکتی تھی لیکن اس نے سہیل عالم کے قدموں پر سر رکھ دیا تھا اور کہا تھا:

"سہیل میں نے زندگی میں کبھی کسی کے سامنے ہار نہیں مانی، اگر تم معاف کر دو تو زندگی بھر تمہارا غلام بن کر رہوں گا۔" اور سہیل عالم نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اس کے بعد دونوں کی گہری دوستی ہو گئی تھی اور سہیل جب اپنے وطن آیا تھا تو نک کارسن نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو اسے اپنے ساتھ لے چلے، لیکن سہیل نے اس سے کہہ دیا تھا کہ حالات غیر یقینی ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے وطن میں اس کی کیسی پذیرائی ہو، اس لیے وہ پھر کبھی آ جائے اور شاید اسی وجہ سے وہ آ بھی گیا تھا۔

بہر حال اس کی شخصیت کافی دل کش تھی۔ سہیل نے فوراً ہی ٹارزن کو تیار کیا اور ایک بار پھر وہ باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہیل کی کار ہوٹل بمبینو پر پارک ہو رہی تھی۔ کار کو پارک کرنے کے بعد وہ دونوں باہر نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد مطلوبہ کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ ناک کرنے پر اندر سے آواز آئی۔

"آ جاؤ" سہیل اور ٹارزن اندر داخل ہو گئے۔ کرسی پر نک کارسن بیٹھا ہوا تھا لیکن اسے دیکھ کر سہیل دنگ رہ گیا۔ نک کارسن ایک تروتازہ شخصیت کا مالک تھا۔ انتہائی پھرتیلا اور شان دار شخصیت کا نوجوان

لیکن سامنے جو شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے گال پچکے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک بال منتشر، بدن انتہائی لاغر لیکن چہرے کے نقوش سے سہیل نے اسے فوراً پہچان لیا۔ نک کارسن اسے دیکھ کر مسکرایا پھر بولا۔

"آؤ..... تماشا دیکھ رہے ہو نا۔"

"نک..... یہ کیا ہو گیا؟"

"بس یار وقت ہماری مٹھی میں تو نہیں ہوتا، وقت کی اپنی قوت ہے۔ ہم چاہے اپنے طور پر کتنا ہی آگے بڑھ جائیں، وقت سے نہیں لڑ سکتے۔ اصل میں بس سوچنے کے انداز میں فرق ہوتا ہے۔ صحیح راستہ انسان اسی وقت تلاش کر سکتا ہے جب اس پر کوئی مصیبت پڑ جائے۔"

"مگر نک.....!"

"کچھ نہیں..... اعمال کی سزا ہے۔ ایک غلط جگہ پہنچ گیا تھا۔ ایڈز کی بیماری مول لے لی۔"

"ہیں! اچھا خیر..... ہاں تو سنو میرے دوست! اچھا خیر ذرا یہ بتاؤ فادر سے کیسے تعلقات چل رہے ہیں اور جو کچھ ہم کرتے رہے ہیں وہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں؟"

"نہیں۔" سہیل نے جواب دیا۔

"اوہو..... مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ڈیڈی بہت دولت مند آدمی ہیں۔"

"نہیں۔ میں اپنے باپ کے ساتھ نہیں ہوں۔ بڑی مشکل سے میں نے ان سے یہ تسلیم کرایا کہ میں ان کی اولاد ہوں اور اس کے بعد میں نے ان کی کوئی پیش کش قبول نہیں کی۔"

"تو پھر ذریعہ معاش کیا ہے۔ تمہاری شہ خرچی کے بارے میں میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ دولت تمہارے قدموں تلے ہوتی ہے لیکن اب کیا پوزیشن ہے؟"

"آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔"

"کچھ کیے بغیر؟"

"یار! یہ میرا وطن ہے۔ میں اپنے اہل وطن کے ساتھ اچھے انسان کی حیثیت سے رہنا چاہتا ہوں۔ اس لیے جرم کی راہ نہیں اپنائی۔ ضرورت کی ہر چیز میرے پاس موجود ہے۔"

"پر میرے دوست! میرے لیے تمہیں ایک کام کرنا ہو گا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ اور اعتماد کے ساتھ یہاں تمہارے پاس پہنچا ہوں براہ راست۔ کوئی جرم نہیں ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر تمہیں کوئی جدوجہد کرنی پڑ جائے۔"

"قتل کرنا ہے کسی کو؟"

"وہ نہ میں نے کیا اور جانتا ہوں کہ تم بھی نہیں کرتے۔"

"کام بتاؤ؟"

"بس اتنی سی بات ہے کہ کسی کو زندگی کی سولی پر نہ لٹکایا جائے اور اگر ایسا ہوا تو میں اپنے وطن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ نہ خود کروں گا نہ تمہیں کرنے دوں گا۔"

"کام کی نوعیت سمجھ لو اس کے بعد جیسا کہو گے ویسا کریں گے۔ تمہارے لیے میں وہ ایک لاکھ ڈالر چھوڑ دوں گا جن کی مجھے آفر کی گئی ہے۔ کیا خیال ہے۔"

"ہاں، ہاں..... ضرور۔"

"یہاں کہیں آس پاس ہی ایک آبادی عادل پور کے نام سے جانی جاتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"عادل پور میں ایک شخص رائے راحیل کے نام سے رہتا ہے۔"

"ممکن ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔

"یہ شخص کچھ عرصے پہلے وہاں تھا جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ وہیں یہ اپنا کوئی بزنس کرتا تھا۔ ہمارے ہاں ایک عورت راشیل کے نام سے جانی جاتی تھی۔ راشیل کا اپنا ایک بزنس تھا۔ وہ دولت مند لوگوں سے رابطے قائم کرتی تھی اور انہیں اپنے چنگل میں پھانس کر ان کی دولت اپنے قبضے میں کر لیا کرتی تھی۔ اپنے طور پر اس نے اپنے آپ کو ایک بہت دولت مند عورت شو کر رکھا تھا۔ اس نے طرز زندگی بھی ایسا ہی اپنایا ہوا تھا۔ کیونکہ بہر حال اسے خاصے لوگوں سے بہت کچھ حاصل ہوا تھا۔ لیکن اتنا نہیں کہ وہ اس قدر دولت مند ہو جاتی جتنا اس نے خود کو ظاہر کر رکھا تھا۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"ہاں..... بالکل۔"

"پھر اس نے رائے راحیل سے شادی کر لی۔ رائے راحیل کے بارے میں یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ وہ اربوں کی دولت کا مالک ہے۔ رائے راحیل نے اس عورت سے شادی کر لی۔ اس کے ساتھ اس کی ایک بھتیجی سیمل بھی ہے۔ سیمل کو وہ اپنی بیٹی ظاہر کرتی ہے جب کہ سیمل اس کی بیٹی ہے نہیں، بھتیجی ہے۔ یہ بات منظر عام پر نہیں ہے۔ کچھ خاص ذرائع سے بس مجھے ہی معلوم ہوئی ہے۔ خیر، یہ کوئی اہم پوائنٹ نہیں ہے۔ وہاں شادی کرنے کے بعد رائے راحیل کو اچانک اپنے وطن آنے کی سوجھی اور وہ راشیل اور سیمل کے ساتھ یہاں آ گیا۔ عادل پور اس کی آبائی رہائش گاہ ہے۔ یہاں اس کا کافی وسیع کاروبار، دولت اور جاگیر پھیلی ہوئی ہے لیکن یہاں آنے کے بعد شاید اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ راشیل ایک عام عورت ہے اور اس کے پاس کوئی بڑی دولت نہیں ہے۔ ظاہر ہے دونوں کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ نہیں تھا جس کے تحت دولت کی کوئی شق آئی ہو۔ راشیل کو یہاں آ کر یہ احساس ہوا کہ راحیل کو یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ وہ ایک قلاش عورت ہے رائے راحیل اس کی زندگی کا دشمن ہو گیا ہے۔ وہ ایک چالاک عورت ہے۔ اس نے فوری طور پر اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کر لیا۔

اور وہاں شاید تھوڑی سی تفصیل بھی بتا دی اور کہا کہ اب اسے اپنے شوہر سے زندگی کا خطرہ ہے۔ بہر حال ایک طرف تو اس نے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ دوسری طرف وہ شاید رائے راحیل سے کچھ رقم کا مطالبہ بھی کرنا چاہتی ہے۔ اب وہ رقم کچھ تو نہیں ہو گی بہت کچھ ہو گی۔ اس نے مجھے ایک لاکھ ڈالر کی پیشکش کی ہے اور مجھے اپنی مدد اور تحفظ کے لیے بلایا ہے غالباً اس رقم کے حصول کے لیے وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔"

"کیا کام.....؟" سہیل عالم نے سوال کیا۔

"یہ اس سے ملاقات کے بعد ہی معلوم ہو گا۔ بہر حال میں بہت زیادہ تمہید نہیں باندھوں گا۔ مختصراً الفاظ میں تفصیل تمہارے علم میں آ گئی ہے۔ میرا خیال ہے میں اسے پوری طرح مطمئن نہیں کر سکوں گا کیونکہ میری کارکردگی صفر ہو گئی ہے۔ پھر میری حالت بھی ایسی نہیں ہے چنانچہ میرے دوست یہ کام میں تم سے چاہتا ہوں۔ تم میری جگہ یہ کام سرانجام دو گے۔ لیکن میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اگر تمہارا دل گواہی دے جہاں تک رقم کا مسئلہ ہے یہ رقم میری ضرورت ہے۔ میں اسے اپنے علاج کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی اگر تم چاہو تو....."

سہیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور بولا۔

"اتنے اعتماد کے ساتھ آئے ہو نک کارسن! تو میری بے عزتی مت کرو اور سنو! تمہارے علاج کے لیے وہ ہی رقم ضروری نہیں میں تمہیں....."

"اگر تمہارے پاس کچھ بندوبست ہو سکے تو ضرور دے دینا مجھے۔ کبھی انکار نہیں کروں گا لیکن اگر یہاں سے یہ رقم حاصل ہو جائے تو پھر میں یہاں سے سیدھا جاپان جاؤں گا اور وہاں اپنا علاج کراؤں گا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، مگر وہاں کرنا کیا ہو گا مجھے؟"

"کچھ نہیں، نک کارسن کے نام سے تم راشیل سے ملو گے۔ راشیل نے تمہیں میرا مطلب ہے مجھے سیمل کا منگیتر ظاہر کیا ہے۔"

"سیمل اس منصوبے میں اس کے ساتھ ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"ہوں۔ یہ تو واقعی دلچسپ معاملہ ہے۔ ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا۔ تم یہاں آرام سے رہو۔ نارزن تمہاری ہر طرح دیکھ بھال کرے گا۔ تمہیں یہاں سے میرے گھر منتقل ہونا ہو گا۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے میں ہوٹل۔"

"بالکل نہیں یار! کیسی باتیں کرتے ہو۔ میرے گھر آئے ہو تو پھر ہوٹل میں کیوں ٹھہرو گے۔ ویسے مجھے کب جانا ہے۔"

"بس راشیل انتظار کر رہی ہو گی۔ تم نک کارسن کی حیثیت سے اس کے پاس پہنچو گے۔"

"میک اپ.....؟"

"ہاں بالکل یقینی طور پر اس نے کہیں نہ کہیں نک کارسن کو دیکھا ہو گا تب ہی اس نے بڑے اعتماد سے مجھ سے رابطہ قائم کر لیا ہے اور یہ بات میں جانتا ہوں کہ میرا میک اپ تم کس طرح کر لیتے ہو پہلے بھی کئی بار کر چکے ہو۔" سہیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

"یہاں آ کر میں نے یہ سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ خیر ٹھیک ہے، ہو جائے گا۔" سہیل نے جواب دیا اور پھر نارزن کو نک کارسن کے بارے میں ہدایت دینے لگا۔

♡.....♡.....♡

رائے راحیل نہ جانے کہاں غائب رہتا تھا آتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا۔ بہر حال صوفی نے ابھی تک اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ رائے راحیل نے خود انہیں بلایا تھا اور اس کے بعد ان کے ساتھ اس طرح سلوک کر رہا تھا۔ اس پر صوفی اور جمشید کے درمیان گفتگو چھڑ گئی۔ جمشید مرزا نے سیمل کی کار واپس منگوادی تھی۔ اس نے اپنے خاص ماتحت کو ہدایت کی تھی کہ اسے ٹھیک کرالیا جائے اور عادل پور پہنچا دیا جائے۔ کار آنے سے سیمل بہت خوش ہوئی تھی اور اس نے جمشید مرزا کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر کہا تھا۔

''کوئی نہ کوئی واقعہ دوستی پکی کر دیتا ہے۔ ہماری دوستی پکی۔'' جمشید مرزا نے دیر تک اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔''

''دوستی جب پکی ہو جاتی ہے تو ہاتھ آسانی سے نہیں چھوڑے جاتے۔'' جمشید مرزا نے رومانی شکل بنا کر کہا۔

''فی الحال تو چھوڑ دو مجھے جانا ہے۔'' صوفی کی موجودگی یا غیر موجودگی ایسے موقعوں پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ ہاں جب وہ چلی گئی تو جمشید مرزا نے کہا۔

''صوفی صاحب! بس تقدیر کی بات ہے ویسے تقدیر نے ہمیشہ ہی میرا ساتھ دیا ہے۔ اب آپ دیکھ لیجیے کہ کیا عیش ہو رہے ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔'' جمشید مرزا اب سنبھل گیا تھا۔ یہ انداز اسے ہو گیا تھا کہ صوفی پان اور درویشوں کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سن سکتا۔ وہ بڑے کام کا آدمی تھا اس لیے جمشید مرزا اسے ہاتھ سے نکالنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ پانوں کی ڈبیا کے سلسلے میں صوفی نے اس کا کیا حشر کر دیا تھا۔ بہر حال اس وقت سیمل کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔

''ایک عجیب سا حسن ہے اس کی شخصیت میں۔''

''حق اللہ.....''

''یار ویسے ایک بات بتاؤ صوفی صاحب! یہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے خوف زدہ ہیں۔ شوہر کہتا ہے کہ بیوی فراڈ ہے اور بیوی شوہر کو ظالم ظاہر کرنا چاہتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر رائے راحیل کوئی غلط کردار کا ہے تو ان حالات میں وہ کیا کر سکے گا؟''

''عورت کے معاملے میں کوئی بھی..... آہیں بھرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔''

''ایک سوال میں آپ سے کرتا ہوں صوفی صاحب! فرض کیجیے راشیل اگر کوئی گہرا منصوبہ لے کر آئی ہے تو کیا یہ لڑکی سیمل..... میرا مطلب ہے اس کی بیٹی اس کی راز دار ہے۔''

''سو فیصدی۔'' صوفی نے جواب دیا۔ جمشید مرزا اچھل پڑا۔

''کک..... کیا مطلب؟ آپ کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مجرمانہ کارروائی ہو رہی ہے تو سیمل بھی اپنی ماں کی ساتھی ہو گی؟''

''سو فیصدی۔''

''وجہ.....؟''

''اگر وہ اس کے ساتھ نہ ہوتی تو اس طرح یہاں نہ آ جاتی۔''

''کیا بات بنی؟''

''درویش بہتر جانتے ہیں۔''

''بھائی آپ کیا جانتے ہیں اور دوسری بات کہ آپ کر کیا رہے ہیں یہاں۔ صوفی صاحب! میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ یہاں بالکل ڈل ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے آپ کو ایک بہت بڑی رقم کی پیشکش کی ہے۔ وہ بلاوجہ تو نہیں دوں گا۔''

''تقدیر میں ہو گی تو مل جائے گی۔ نہیں ہو گی تو آپ کے فرشتے تک نہیں دے سکتے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔'' جمشید مرزا جھلا گیا تھا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا تھا لیکن اس وقت اس کی جھلاہٹ سیمل کی آمد نے ختم کر دی۔

''گڈ..... آپ لباس بدل کر بیٹھے ہیں۔ آیئے میں آپ کو سیر کرانے لے چلوں۔''

''ارے واہ..... آپ کہاں تکلیف کریں گی۔''

''اپنے کندھوں پر بٹھا کر نہیں لے جاؤں گی میں آپ کو گاڑی میں لے چلوں گی آیئے۔''

''ٹھیک ہے صوفی صاحب! ہم لوگ ذرا جا رہے ہیں۔'' جمشید مرزا نے جوش سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور صوفی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ جمشید مرزا سیمل کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ صوفی نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر ایک کاغذ کی شیٹ اور بال پوائنٹ اسے حاصل ہو گیا تھا۔ غالباً اس کی نگاہیں اسی کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ اس نے کاغذ کی شیٹ کو ایک سینٹر ٹیبل پر پھیلایا۔ اس کے کونے دبائے اور پھر اس پر کچھ بنانے لگا۔ انسانی شکل کی ایک تصویر تھی جو صوفی نے کاغذ پر بنائی تھی۔ تقریباً بیس منٹ تک وہ اس پر محنت کرتا رہا تھا اور پھر اس وقت چونکا جب اس نے عقب میں ایک سایہ سا محسوس کیا۔

تصویر میں وہ کچھ اس طرح منہمک ہو گیا تھا کہ اسے راشیل کی آمد کا بھی پتا نہیں چلا پھر جب اس نے چونک کر دیکھا تو اسے راشیل نظر آئی اور صوفی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

''در..... در..... درویش رحم کریں۔'' راشیل کی آنکھیں صوفی کی بنائی ہوئی تصویر پر جمی ہوئی تھیں پھر اس کی آواز ابھری۔

''تم اسے کیسے جانتے ہو؟'' صوفی نے چونک کر راشیل کو دیکھا پھر مدھم لہجے میں بولا۔

''درویش رحم کریں۔ یہ ہماری خالہ زاد پھوپھی کا خالہ زاد سالا لگتا ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔''

''مجھے بتاؤ گے نہیں تم اسے کیسے جانتے ہو؟''

''بتائیں گے، ضرور بتائیں گے..... لیکن ایک شرط پر۔''

''شرط؟''

"ہاں۔"

"اچھا شرط بھی رکھو گے اب تم مجھ سے کیا شرط ہے۔"

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ اسے کیسے جانتی ہیں۔"

"یہ اکثر رائے صاحب کے پاس آتا رہتا ہے۔"

"کون ہے، کہاں رہتا ہے کچھ نہیں معلوم۔"

"رائے صاحب! اسے جمشید کہہ کر بلاتے ہیں اور ایک مرتبہ انہوں نے اس کے گھر کے بارے میں بات کی تھی۔ غالباً ایاز ہوٹل ہے جہاں یہ رہتا ہے۔ اب یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم اس کی تصویر کیوں بنا رہے تھے۔" صوفی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور مدھم لہجے میں بولا۔

"یہ ہمارا بچھڑا ہوا پھوپھی زاد سالا ہے۔"

"یہ کیا رشتہ ہوا؟"

"ہمارے سارے رشتے ایسے ہی آگے پیچھے ہوا کرتے ہیں درویشوں کے کرم سے۔ پان نوش فرماتی ہیں آپ؟"

"پان.....؟"

"یہ..... یہ..... یہ۔"

"چھی..... کیا ہے یہ؟" وہ ناک چڑھا کر بولی۔ ایک ملازم آیا اور اس نے کہا۔

"رائے صاحب آ گئے ہیں آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"اوہو..... چلو ٹھیک ہے تم سے پھر بعد میں بات کروں گی۔" راشیل یہ کہہ کر پلٹی ہی تھی کہ رائے راحیل اندر گھس آیا۔ صوفی ایک دم سے سینٹر ٹیبل پر بیٹھ گیا تھا۔

"ان لوگوں کو کیوں تنگ کر رہی ہو تم؟ میں پوچھتا ہوں یہاں کیوں آئیں۔"

"راحیل..... راحیل یہ کیا ہے؟ کیا اب میری یہی اوقات رہ گئی ہے تمہاری نگاہوں میں کہ تم اجنبیوں کے سامنے مجھے ڈانٹ رہے ہو۔" راشیل کا لہجہ نرم تھا۔

"یہ جیمس کون ہے جو یہاں آیا ہے۔"

"جیمس۔"

"ہاں، تمہیں پوچھتا پھر رہا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کون ہے یہ۔"

"آہ..... کیا جیمس آیا ہے اطلاع دی تھی اس نے مجھے کہ وہ آ رہا ہے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ سیمل کا منگیتر ہے۔ ایک مہم جو، جو مہم جوئی پر گیا ہوا تھا کافی عرصے کے بعد آیا ہے۔"

"مجھے تو تم نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔"

"میں نے تمہیں سیمل کے منگیتر جیمس کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ کیا اب تمہاری یادداشت بھی تمہارا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔ آؤ میں بتاتا ہوں کہ میری یادداشت ساتھ چھوڑتی جا رہی ہے اور سنو۔ وہ جو

کوئی بھی ہے اسے زیادہ عرصے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ سمجھیں۔"

"آؤ تم سب کے سامنے میری بے عزتی کر کے شاید کوئی بڑی خوشی محسوس کر رہے ہو۔" راشیل نے کہا اور اس کے بعد دونوں باہر نکل گئے۔ صوفی نے ایک مدھم سی آواز حلق سے نکالی تھی۔

"حق اللہ، اللہ۔" اور اس کے بعد وہ تصویر سے اٹھ گیا تھا پھر اس نے تصویر کی طرف رخ کر کے کہا۔

"حمیدو..... ایاز ہوٹل۔" اور اس کے بعد اس نے تصویر اٹھائی اور اسے تہہ کر کے شیروانی کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

♥.....♥.....♥

سہیل نک کارسن کے میک اپ میں عادل پور پہنچ گیا۔ نک کارسن نے اسے بتا دیا تھا کہ راشیل اس کا اصل نام جانتی ہے لیکن وہ اسے جیمس کہہ کر مخاطب کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی نک کارسن نے سہیل عالم بارودوالا کو اور بھی بہت سی تفصیلات بتائی تھیں۔ یہ بھی بتایا تھا اس نے کہ نک کارسن کی حیثیت سے رائے راحیل اسے نہیں جانتا، یعنی اس ملک میں جہاں راشیل اور رائے راحیل رہائش پذیر تھے۔

راشیل تو یہ بات جانتی تھی کہ نک کارسن اس طرح سے لوگوں کے لیے کام کر دیا کرتا ہے لیکن رائے راحیل کو کبھی اس سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ بہرحال وہ اس عالی شان کوٹھی میں داخل ہو گیا جس وقت وہ گیٹ پر پہنچا اور ٹیکسی سے اترا اسی وقت ایک شان دار لینڈ کروزر بھی گیٹ پر آ کر رکی تھی۔ نک کارسن کی حیثیت سے وہ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس ہاتھ میں لیے ہوا تھا جس میں نک کارسن کے تمام تر کاغذات جو جیمس ہی کے نام سے بنے ہوئے تھے موجود تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے کچھ لباس وغیرہ۔

چوکیدار نے اس سے سوال کیا کہ وہ کون ہے تو اس نے بتایا کہ اس کا نام جیمس ہے اور وہ میڈم راشیل کی دعوت پر یہاں آیا ہے۔ چوکیدار نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ لینڈ کروزر وہاں پہنچ گئی تھی۔ رائے راحیل اس میں موجود تھا۔ اس نے سہیل کو دیکھا اور بولا۔

"ہیلو ینگ مین خیریت کس سے ملنا چاہتے ہو۔"

"سر! میڈم راشیل کا مہمان ہوں باہر کے ملک سے آیا ہوں۔" سہیل نے اس ملک کا نام لیا جہاں راشیل رہتی تھی۔

"میڈم نے تمہیں بلایا ہے؟"

"نہیں سر! سیمل میری منگیتر ہے۔"

"کیا!!!.....؟ آؤ..... بیٹھو۔" رائے راحیل نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والا دروازہ کھول دیا اور اسے بٹھا کر پورچ تک لایا پھر بولا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا کہہ رہے تھے تم۔" اس نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

"آپ شاید رائے راحیل ہیں۔"

"ہاں۔ کوئی اعتراض ہے تمہیں۔"

"سر میں سیمل کا منگیتر ہوں اس سے ملنے آیا ہوں۔ میڈم راشیل نے مجھے یہاں کا پتا دیا تھا۔

بہت عرصے سے میری منگیتر سے ملاقات نہیں ہوئی جب سے وہ یہاں آئی ہے۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ کا رویہ تو زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔'' رائے راحیل نے فوراً ہی اپنا موڈ بدلا اور بولا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آؤ میرے ساتھ۔'' یہ کہہ کر وہ اسے اندر لایا۔

''پلیز تمہیں تھوڑی دیر بیٹھنا پڑے گا میں ابھی آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور سہیل کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکل گیا۔ سہیل کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔ واقعات اب ایک دلچسپ حد میں داخل ہو گئے تھے اور سہیل یہ سوچ رہا تھا کہ نک کارسن کی حیثیت سے اسے یہاں خاصی دلچسپیوں سے واسطہ پڑے گا۔ یہ شخص رائے راحیل ذرا بدمزاج اور اکھڑ قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے محتاط بھی رہنا پڑے گا۔

بہرحال یہ سچوئیشن دلچسپ تھی لیکن رہ رہ کر اسے صوفی یاد آ رہا تھا۔ پتا نہیں صوفی صاحب کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس نے سوچا پھر اچانک ہی اسے باہر آہٹیں سنائی دیں اور اس کے بعد جو عورت اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر سہیل نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا کہ ایسی خوب صورت عورتیں کم ہی نگاہوں سے گزرتی ہیں۔ وہ خود بھی کھڑا ہو گیا راشیل کے ساتھ رائے راحیل بھی تھا اور اب یقیناً کوئی دلچسپ معرکہ ہونے والا تھا۔

سہیل کا اپنا بھی کوئی تجربہ تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اسے اندازہ ہو گیا کہ رائے راحیل انتہائی شاطر آدمی ہے اس کی تیز اور گہری نگاہیں راشیل اور سہیل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں دماغ میں گھس جانے والی قوت تھی۔ لیکن راشیل بھی انتہائی چالاک عورت تھی اس کے چہرے پر پھوٹنے والی محبت دیکھنے کے قابل تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور سہیل کی طرف دوڑی۔

''اوہ جیمس..... مائی ڈیئر جیمس..... جیمس..... تم۔'' سہیل خاموشی سے گردن جھکائے کھڑا رہا۔ راشیل نے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ پھر اس نے سہیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''رائے..... یہ میرا بیٹا ہے۔ مجھے اپنے اصلی بیٹوں کی طرح عزیز ہے سہیل کا منگیتر ہے یہ اور راحیل تم نہیں جانتے کہ اس کے لیے میرے دل میں کتنا پیار ہے۔''

''اسی لیے آنٹی بغیر کسی اطلاع کے یہاں آ گئی تھیں اور مجھے اپنا پتا تک نہیں دیا۔'' سہیل نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''سوری مائی ڈیئر جیمس..... سوری۔ اصل میں حالات ہی ایسے تھے کہ مجھے اتنی ہی خاموشی سے یہاں آنا پڑا لیکن بس کچھ وقت کی بات اور تھی میں تمہیں یہاں کے بارے میں اطلاع دیتی۔'' رائے راحیل اس دوران خاموش کھڑا رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس نے کہا۔

''سہیل کہاں ہے؟''

''باہر نکلی ہوئی ہے تمہارے اس مہمان کے ساتھ۔''

''ہوں! میرا خیال ہے۔ تمہیں جیمس کی خاطر مدارت کرنی چاہیے۔ اگر اسے یہاں رکنا ہے۔ تو پھر کہیں اس کے لیے بندوبست کرنا ہوگا۔'' راشیل نے چونک کر رائے راحیل کو دیکھا اور بولی۔

''کہاں بندوبست کرنا ہوگا۔ اتنی بڑی کوٹھی میں کیا میرے بیٹے کے لیے جگہ نہیں ہے۔''

''نہیں تمہیں اندازہ تو ہے راشیل! کہ اس وقت ہمارے ہاں خاصے مہمان ہیں اور پھر۔''

''تم جاؤ میں اس کا بندوبست خود کر لوں گی۔ جاؤ..... آرام کرو۔'' راشیل کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا اور رائے راحیل نے اسے چونک کر دیکھا۔ پھر اس نے اپنے چہرے کے نقوش بدل لیے۔

''اوکے..... اوکے..... میں تو صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ کہیں تمہارے مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ویسے کیا سیمل بتا کر گئی ہے کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔''

''مجھے نہیں بتا کر گئی۔ پلیز..... تم جاؤ۔'' راشیل نے کہا اور رائے راحیل باہر نکل گیا۔ سہیل دلچسپی سے اس ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ راشیل خاصی اپ سیٹ ہو گئی ہو۔ وہ بالکل خاموش کھڑی ہوئی تھی اور چند لمحات کے بعد وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ سہیل ایک گہری سانس لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ راشیل اندر آئی اور اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

پھر وہ سہیل کے سامنے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''تمہیں یہاں تک پہنچنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی۔ نک کارسن۔''

''نہیں میڈم! آپ نے مجھے مکمل تفصیل بتا دی تھی۔ میں آرام سے یہاں پہنچ گیا۔

''آہ..... میں تمہیں فوراً ہی ساری حقیقتیں بتائے دیتی ہوں۔ پلیز میری مدد کرو۔ میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہیں یہاں بلایا ہے۔''

''جی..... میڈم جی! آپ بتائیے مجھے اور راشیل مدہم لہجے میں اسے اپنی کہانی بتانے لگی۔ سہیل خاموشی سے اس کی روداد الم سن رہا تھا۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا بہت خوش تھا۔ سیمل جیسی حسین لڑکی کا التفات معمولی بات تو نہیں تھی۔ سیمل اسے عادل پور کے نواحات کی سیر کراتی پھر رہی تھی۔ دونوں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے حالانکہ ابھی تک سیمل نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو جمشید مرزا کو ساتویں آسمان پر پہنچا دے۔ لیکن جمشید مرزا جیسا حسن پرست آدمی سیمل کی قربت سے ہی سیراب ہو گیا تھا۔ البتہ سیمل کی گفتگو کا انداز بڑا محبت بھرا تھا۔ اس نے کہا۔

''حالانکہ یہ وطن تمہارا ہے۔ میں نے تو باہر کی دنیا میں زندگی گزاری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے ممالک دیکھے ہیں میں نے لیکن میں یہ بات کہنے میں حق بہ جانب ہوں کہ یہاں کی فضا مختلف ہے۔ جس میں ایک ندرت ہے۔ بے شک باہر کی دنیا بہت ترقی یافتہ ہے۔ یہ پہاڑ، یہ برفانی چوٹیاں اور یہ وسیع و عریض میدان اور مخمل ہیں۔ یہاں انسانی ہاتھوں کی عمل داری نہیں ہے اور یہی شاید ان کی خوب صورتی ہے۔ ہوائیں بھی یہاں اپنی مرضی سے ہی چلتی ہیں۔

''آپ تو اچھی خاصی شاعری کر لیتی ہیں سیمل!''

''ہاں..... جب قدرت کے حسن کا تاثر دل میں ہو تو ہر بات شعر بن جاتی ہے۔''

''خدا کی پناہ..... خدا کی پناہ..... اگر آپ لکھنا شروع کر دیں تو میرا خیال ہے کہ آپ کی تحریریں بے حد حسین ہوں۔ ویسے مس سیمل! شاعری کا حق تو ہر ایک کو پہنچتا ہے۔''

''شعر.....! یہی ہے حقیقتوں کے اظہار کا نام۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں کچھ بندشیں ہیں۔ لیکن یہ دیکھ لیجئے کہ باہر کی دنیا کی شاعری بھی بندشوں سے آزاد ہے۔''

''قیامت ڈھا رہی ہیں آپ سیمل..... اور اگر شعر کی آزادی ہر شخص کو ہے تو میں بھی ایک شعر کہنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں..... ہاں ضرور..... ضرور.....'' سیمل نے کہا۔

''وہ شعر یہ ہے سیمل..... کہ

آپ کے بدن کی خوشبو آپ کی قربت زندگی کی شام ہے
اس کے بعد کوئی اور آرزو دل میں باقی نہیں رہ جاتی

''ارے واہ..... آپ نے تو مجھ پر ہی شعر کہہ دیا۔''

''ان پرفضا مقامات پر اور ان حسین فضاؤں میں۔ طبیعت پر جو بھی کیفیت نہ طاری ہو جائے۔ کم ہے وہ دیکھئے کیا خوب صورت جگہ ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے قدرت نے کسی دلہن کی سیج سجا دی ہو۔ جمشید مرزا اس وقت زمین آسمان ایک کر دینا چاہتا تھا۔ اشارہ ایک ایسے پھولوں بھرے ٹیلے کی طرف تھا۔ جو تھا تو مٹی کا تودہ لیکن اس پر اس طرح پھول کھلے ہوئے تھے کہ ان پھولوں نے پورا ٹیلہ ڈھک لیا تھا اور واقعی ایک دیواری بنی ہوئی تھی۔ جمشید مرزا کا اشارہ اسی طرف تھا۔ سیمل نے گاڑی کا رخ اسی طرف کر دیا اور جمشید مرزا مسکرا دیا۔

''واقعی بہت حسین جگہ ہے۔'' کچھ دیر کے بعد وہ اس ٹیلے کے قریب پہنچ گئے اور سیمل نے گاڑی روک دی۔

''آیئے..... سر! دلہن کی اس سیج سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہ بولی اور جمشید مرزا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ان الفاظ کے بہت سے معنی نکل سکتے تھے۔ جمشید مرزا کا سانس پھولنے لگا۔ سیمل نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی اور اس کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔ جمشید مرا سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے یہ تو بات بالکل اتفاقیہ طور پر بہت آگے بڑھ گئی۔ ابھی اس کے حواس پوری طرح ساتھ نہیں دے پا رہے تھے کہ اچانک ہی اسے کچھ قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی اور دوسرے لمحے وہ پلٹا۔

وہ تین افراد تھے۔ جنہوں نے چست لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں پستول نظر آ رہے تھے۔ جمشید مرزا ہونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا تھا۔

''چلو آگے آؤ۔'' ان میں سے ایک کی بھاری آواز ابھری۔

''کک..... کک..... کون..... کون ہو تم۔'' جمشید مرزا نے کہا۔ اسی وقت ان میں سے ایک نقاب پوش آگے بڑھا۔ جمشید مرزا بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ اس کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس طرح اچانک وہ تینوں نظر آئے اور ایک ایسے ماحول میں جس میں جمشید مرزا کسی بھی مداخلت کے لیے تیار نہیں تھا۔

چنانچہ وہ ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکا اور ان میں سے آگے بڑھنے والے نے ایک رومال جمشید مرزا کی ناک پر رکھ دیا۔ کلوروفارم کی بو ایک لمحہ میں محسوس ہو گئی تھی جمشید مرزا نے ہاتھ پاؤں چلانے

چاہے۔ اسی وقت اسے سیمل کی زوردار چیخ سنائی دی۔ بس یہ آخری احساس تھا۔ جو جمشید مرزا کو ہوا اور اس کے بعد اس کے حواس تاریکی میں کھو گئے۔ دوبارہ جاگا تو ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں تھا۔ جس میں اسپتال کی طرح چار پانچ بستر لگے ہوئے تھے۔ پلنگ بھی اسپتال جیسے ہی تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو اس ماحول کو دیکھ کر جمشید مرزا کو یہی احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں ہے۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کے اپنے خیال کی تردید ہو گئی۔

دو افراد اندر آئے ہیں۔ ان کے چہرے نقابوں ہی میں چھپے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے جمشید مرزا کے پلنگ کے قریب پہنچ کر کہا۔

''اٹھو۔''

''سس..... سنو..... تت..... تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر جمشید مرزا کا گریبان پکڑا اور پوری طاقت سے اسے کھڑا کر دیا۔

''چلو آگے۔'' اس نے ریوالور کی نال جمشید مرزا کی پیٹھ سے لگاتے ہوئے کہا۔ اور جمشید مرزا آگے بڑھ گیا۔ ایک لمحے کے لیے اسے غصہ آیا تھا۔ لیکن دو ریوالور سامنے تھے ایک پیچھے ایک آگے۔ کوئی بھی کوشش نقصان اٹھانے کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ لوگ اسے اس بڑے ہال سے نکال کر چھوٹے کمرے میں لائے اور یہاں آتے ہی انہوں نے اس پر لاتوں، گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔

''اچھی خاصی مرمت کی گئی تھی جمشید مرزا کی اور جمشید مرزا کے منہ سے بے مقصد آوازیں نکلتی رہی تھیں۔ وہ لوگ جیسے مارنے کی مشین بنے ہوئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے جمشید مرزا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور جمشید مرزا زمین پر گر پڑا تھا۔ ان میں سے ایک نے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... اب اپنے بارے میں جو کچھ بھی ہے۔ صاف صاف بتا دو۔'' ان میں سے ایک نے کہا اور جمشید مرزا کی ران پر ایڑی سے دباؤ ڈالا۔ جمشید مرزا کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکل گئی تھی۔ پھر اس نے بہ مشکل تمام کہا۔

''آدمی کے بچے بنو۔ یہ جو تم جنگلی بھیڑیئے بن گئے ہو۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔'' انہوں نے جمشید مرزا کو سیدھا کر کے بٹھا دیا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''جمشید مرزا۔''

''کہاں سے آئے ہو یہاں؟''

''دارالحکومت سے؟''

''کیوں آئے ہو؟''

''رائے راحیل نے بلایا ہے۔''

''کیوں؟''

''وہ کچھ مشکل حالات کا شکار ہے۔ ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔ وہ اپنی بیوی راحیل کے

بارے میں تحقیقات کرانا چاہتا ہے۔"

"کیوں؟ سی آئی ڈی والے ہو۔"

"نہیں...... اسپیشل پولیس سے تعلق ہے۔"

"اور وہ دوسرا...... گدھا؟"

"کچھ نہیں، وہ صرف گدھا ہے۔ میرے ساتھ آ گیا ہے۔ عام طور سے میرے پیچھے پیچھے لگا پھرتا ہے۔ میرا دوست ہے۔"

"پولیس میں ہے۔"

"نہیں بھائی میں نے کہا ناں...... بس یوں سمجھے میرے حاشیہ برداروں میں سے ہے۔ نہ جانے کس طرح جمشید مرزا کی عقل کام کر گئی تھی۔ اس نے کم از کم صوفی کو چھوڑ دیا تھا۔

"ہوں...... تو کیا معلومات حاصل کیں تم نے راشیل کے بارے میں۔"

"ابھی آئے ہوئے وقت ہی کتنا گزرا ہے...... وہ لڑکی میرا مطلب ہے راشیل کی بیٹی کہاں ہے۔" براہ کرم مجھے اس کے بارے میں بتا دو۔"

"وہ ہمارے لیے بے مقصد تھی۔ اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے راشیل کے بارے میں کیا معلومات حاصل کیں۔"

"جو دل چاہے قسم لے لو۔ یا جس طرح جی چاہے تحقیقات کرلو۔ میں نے تو ابھی اپنے کام کا آغاز بھی نہیں کیا ہے۔"

"ہوں...... اب کیا چاہتے ہو۔ زندگی یا موت......"

"ظاہر ہے زندگی چاہتا ہوں۔"

"تو جاؤ اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ...... لیکن ایک بات غور سے سن لو۔ اگر کوئی ذرا برابر گڑبڑ...... کی تو یہ صرف آخری موقع ہوگا تمہاری زندگی کے لیے ہم کسی کو بے مقصد نہیں مارنا چاہتے۔ اس لیے ہم تمہیں زندہ چھوڑ دے رہے ہیں۔ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اسے بھول جاؤ اور صرف زندگی بچ جانے پر خوشی مناؤ۔ ابھی تھوڑی دیر بعد تمہیں رائے راحیل کی کوٹھی پہنچا دیا جائے گا۔ سمجھ رہے ہو۔ لیکن جو کیا جا رہا ہے اس کے خلاف نہیں کرنا ہے۔"

"ٹھیک...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے۔" جمشید مرزا نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا اور ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر جمشید مرزا کی ناک پر کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال رکھ دیا تھا۔

اور اس کے بعد پھر جمشید مرزا کو ہوش آیا تھا۔ لیکن ہوش آنے کے بعد اس نے قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا۔ بہت دیر تک سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ ایک درخت کے نیچے پڑا ہوا تھا اور سامنے ہی ایک عمارت نظر آ رہی تھی۔ قرب و جوار میں حیران تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنے لباس پر نگاہ ڈالی۔ ظاہر ہے زمین پر پڑا رہنے سے جو حالت ہو سکتی تھی یا پھر ان لوگوں نے جس مرمت پٹائی کی تھی اس کے بعد لباس کی یہی کیفیت ہونی چاہیے تھی۔

مگر یہ جگہ کون سی ہے؟ جمشید مرزا اندازے لگاتے رہا اور پھر اس کے بعد وہ اٹھ کر عمارت کی جانب چل دیا۔

عمارت کی بغلی سمت سے گھوم کر وہ سامنے آیا تو ایک دم اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ رائے راحیل کی وہی عظیم الشان کوٹھی ہے۔ جہاں ان دونوں کا قیام تھا۔ جمشید مرزا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ بدن کی جو کیفیت تھی۔ اس پر تو ابھی غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ لاتوں، تھپڑوں اور گھونسوں نے جو حلیہ بنا دیا تھا۔ قابل دید تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس حالت میں وہ کوٹھی میں داخل ہوگا تو کیا ہوگا"

اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سیمل ساتھ نہیں تھی۔ جب کہ یہاں والوں کو معلوم تھا کہ وہ سیمل کے ساتھ ہی گیا ہے۔ کافی دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔ بدن کی کیفیت کہہ رہی تھی کہ جلد ہی کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے ورنہ وہیں زمین پر گر پڑے گا۔ بہر حال وہ لڑکھڑاتے قدموں سے گیٹ تک پہنچا۔ چوکیدار نے دروازہ کھول دیا اور پھر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

جمشید مرزا کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ لیکن جمشید مرزا رکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہیں اس جیپ پر پڑیں جو سامنے ہی کھڑی تھی۔ اسی جیپ میں وہ دونوں باہر گئے تھے۔ سیمل کے بارے میں ان لوگوں نے بتایا کہ وہ ان کے لیے بے کار شخصیت تھی اس لیے ان لوگوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ سیمل اندر موجود ہے۔ پتا نہیں اس کی کیا کیفیت ہے؟ لازمی بات ہے کہ یہاں آنے کے بعد اس نے جمشید مرزا کے بارے میں بتا دیا ہوگا کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔

جمشید مرزا اپنی شخصیت بڑی مخدوش سمجھ رہا تھا۔ بے شک اس کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا وہ یہ کہ صوفی کی ذہانت سے فائدہ اٹھائے۔ اس کی کارکردگی کو کیش کرے۔ اور اس طرح کے پرائیویٹ کیس لے کر صوفی کو ان کے لیے استعمال کرے اور دولت کمائے۔ لیکن یہاں تو الٹی آنت گلے پڑ گئی تھی۔ اس طرح کے واقعات میں ایسی مشکلات کا سامنا پڑ سکتا ہے۔ اس نے سوچا نہیں تھا لیکن اگر اس طرح زندگی خطرے میں پڑ جائے تو سب سے پہلے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرنا چاہیے۔

بہر حال مہمان خانے میں داخل ہو گیا۔ صوفی کو تلاش کیا مگر صوفی یہاں موجود نہیں تھا۔ سب سے پہلے اس نے لباس تبدیل کیا۔ بدن کی جو کیفیت تھی اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ کوئی ایسی دوا بھی نہیں تھی۔ جو فوری طور پر بدن کی اس دکھن کو دور کر دے۔ بس اس کا دل چاہ رہا تھا کہ لیٹ کر سو جائے۔ لیکن وہ لوگ کافی خطرناک معلوم ہوتے تھے اسے اور اس نے سوچا تھا کہ اگر اس طرح وہ لیٹ کر سو گیا تو ہو سکتا ہے کہ دوبارہ اٹھنا اسے نصیب نہ ہو۔

چنانچہ باہر نکلا کچھ ملازموں سے صوفی کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ کوٹھی سے باہر گیا ہوا ہے۔ یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ اب کیا کروں؟ یہ بھی دل چاہا کہ راشیل سے یا گھر کے کسی اور فرد سے اس بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ لیکن پھر عقل نے ساتھ دیا اور اس نے سوچا کہ سیمل جب ملے گی تو طرح طرح کے سوالات کیے جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور بھی کہا جائے۔ پولیس کو اس بارے میں اطلاع دینے کی کوشش کی جائے۔ جمشید مرزا کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اگر وہ ایسی کوششوں میں پڑا تو زندگی سے

ہاتھ دھونے پڑ جائیں گے۔

چنانچہ بہتر یہ ہے کہ یہیں سے کھسک لیا جائے۔ بعد میں صوفی کو اس بارے میں کوئی نہ کوئی اطلاع دے دی جائے گی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ سیمل نے واپس آنے کے بعد صوفی کو اس بارے میں بتایا ہو۔ تو صوفی اسے تلاش کرتے نکل پڑا ہو۔ ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس خیال کے تحت کہ ہوسکتا ہے کہ صوفی نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

''جمشید مرزا؟''

''کک..... کک..... کون؟''

''تم کوٹھی پہنچ چکے ہو۔ لیکن ابھی تک کوٹھی سے باہر نہیں نکلے سامان وغیرہ یہیں چھوڑ دو۔ ضروری چیزیں ساتھ لے لو اور خاموشی سے باہر نکل آؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ تمہیں گھاس کی طرح کاٹ دیا جائے گا۔'' لائن بے جان ہوگئی۔ جمشید مرزا کے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اس وقت یہ ہی ضروری تھا کہ ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ لباس وغیرہ جہنم میں جائیں۔ جو بہت ہی ضروری چیزیں تھیں وہ اس نے اپنے ساتھ رکھیں صوفی سے بعد میں رابطہ قائم کرلیا جائے گا۔ بلکہ کوشش کی جائے گی کہ جلد ہی صوفی سے رابطہ قائم ہو جائے یہی غنیمت تھا کہ ابھی تک سیمل راشیل یا خود رائے راحیل اس سے نہیں ٹکرائے تھے۔ جمشید مرزا کو ایک دم یہ احساس ہوا کہ یہ ہنگامہ اس وقت زندگی کو لاگو بن گیا ہے۔ نکل لو یہاں سے تو بہتر ہے اور اس کے بعد وہ مہمان خانے سے باہر نکل آیا اور ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ اس کی گاڑی بھی موجود نہیں تھی۔ ظاہری بات ہے کہ صوفی اسے لے کر گیا ہوگا۔

بہر حال صوفی گاڑی کہاں لے جائے گا۔ سب کچھ پہنچ ہی جائے گا۔ اس خطرے سے نکلا جائے اور اس کے بعد صوفی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ وہ گیٹ سے باہر نکل آیا اور پیدل چل پڑا۔ بدن کی کیفیت اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ چنانچہ ایک گزرتے ہوئے آٹو رکشہ کو روکا اور اس میں بیٹھ گیا۔ چند لمحے سوچتا رہا کہ کہاں جائے۔ آٹو رکشہ ڈرائیور نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ وہ بس رکشا ڈرائے جا رہا تھا۔ چند ہی لمحوں کے بعد جمشید مرزا کو خیال آیا کہ آٹو رکشا ڈرائیور نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا ہے۔ اس نے کہا۔

''کہاں لے جا رہے ہو بھائی؟''

''ریلوے اسٹیشن جناب! آپ کے حق میں یہی بہتر ہے کہ دارالحکومت جانے والی کسی بھی ٹرین میں بیٹھ جائیں اور یہاں سے رفو چکر ہو جائیں۔ زندگی اس طرح کھونے کی چیز تو نہیں ہے۔'' رکشہ ڈرائیور نے کہا اور جمشید مرزا کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ اس وقت اتنی سکت نہیں تھی کہ آٹو رکشا ڈرائیور سے الجھا جائے۔

ڈرائیور نے اسے ریلوے اسٹیشن پر اتارا اور کچھ لیے دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ جمشید مرزا نے دل ہی دل میں سوچا بڑے خطرناک لوگ ہیں۔ ایک ایک لمحہ اس کی نگرانی کر رہے ہیں واقعی ان حالات میں

یہاں رکنا زندگی کھونے کے مترادف تھا۔ چنانچہ وہ ٹکٹ گھر کی جانب بڑھ گیا۔

♥.....♥.....♥

صوفی اپنے مخصوص حلیے میں ایاز ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی ایک لمحے کے اندر اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ ہوٹل..... ہوٹل کم اور جرائم کا اڈہ زیادہ ہے باہر سے اس کی کنڈیشن کافی بہتر تھی لیکن اندر سے حال بری طرح خراب ہو رہا تھا۔ سگریٹوں کے خالی ڈبے مختلف کھانے پینے کی اشیاء کے ریپر جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ بعض ٹیبلوں پر باقاعدہ تاش کی بازی جمی ہوئی تھی۔ صوفی کی نگاہوں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ یہاں منشیات کا دھواں بھی چکرا رہا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ یہ باقاعدہ جرائم کا اڈہ ہے۔

صوفی نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک خالی میز کی جانب بڑھ گیا۔ میز پر بیٹھ کر اس نے ایک نگاہ پورے ہال پر ڈالی۔ لمبے چوڑے بدمعاش ٹائپ کے کچھ لوگ ہال میں چکراتے پھر رہے تھے دروازہ بے شک کھلا ہوا تھا لیکن وہاں بھی دو تین افراد چکر لگا رہے تھے۔ اس کا مقصد ہے کہ یہاں باقاعدہ منشیات کا استعمال ہوتا ہے خرید و فروخت بھی ہوتی ہوگی۔ باہر کا ماحول بھی سنبھال لیا گیا تھا۔ صوفی کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ جگہ اس قدر خطرناک ہوگی۔

بہر حال جب آ گیا تو درویشوں کا حکم۔ ایک ویٹر اس کے پاس آ گیا اور اس نے کہا۔

''ہاں..... کیا چاہیے؟''

''ایک چائے ملے گی درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کیا؟'' ویٹر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''جج..... چائے پیارے بھائی صاحب''

''یہاں چائے نہیں بکتی۔''

''تت..... تت..... تو پھر؟''

''بغیر پوچھے اندر گھس آئے ہو''

''نہیں وہ حمید بھائی نے بلایا تھا اور کہا تھا کہ میز پر بیٹھ کر ان کا انتظار کریں۔'' ویٹر ایک دم سنبھل گیا اور بولا۔

''حمید و نے بلایا ہے تمہیں۔''

''جج..... جی بھائی صاحب! یہ ایاز ہوٹل ہی ہے نا؟'' ویٹر اسے گھورتا رہا اور اس کے بعد خاموشی سے واپس چلا گیا۔ خاصی دیر تک وہ نہیں آیا تھا۔ صوفی بدستور بیٹا الوؤں کی طرح نظریں گھماتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہی ویٹر چائے کے برتن لیے ہوئے آ گیا اور اس نے برتن صوفی کے سامنے رکھ دیئے۔

''درویش تمہارا بھلا کریں۔ چائے کی بڑی طلب ہو رہی تھی۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔ حمید و بھائی سے ملاقات نہیں ہوگی۔''

''تمہارا پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔ آتے ہوں گے وہ تھوڑی دیر کے بعد۔ یہ چائے انہوں نے ہی تمہارے لیے بھجوائی ہے۔'' ویٹر نے جواب دیا۔

''درویش تم سب کا بھلا کریں۔'' صوفی نے کہا اور چائے کے برتن اپنی جانب سرکا لیے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہیں قرب وجوار کا جائزہ لینے لگیں۔ یہ چائے بے معنی نہیں ہوسکتی۔ اس ماحول میں واقعی ہر آنے جانے والے پر نگاہ تو رکھی جاتی ہی ہوگی۔ بہرحال وہ پیالی میں چائے بنانے لگا۔ یہ چائے لازمی طور پر عام چائے نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں کوئی کارروائی ہونا ضروری ہے۔ صوفی نے چائے بنا کر اسے ہونٹوں کے قریب کیا۔ لیکن اصل میں اس کی لمبی ناک چائے پر جھک گئی تھی اور ایک لمحے کے اندر اندر اس نے اندازہ لگا لیا کہ چائے میں ایک مختلف طرح کی بو موجود ہے اور یہ بو کسی نشہ آور دوا کی تھی۔ صوفی نے اس طرح چائے کی پیالی کو دو تین بار چہرے کے قریب کیا۔ جیسے وہ باقاعدہ چائے پی رہا ہو۔

قرب وجوار میں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی۔ جس میں چائے انڈیلی جاسکتی۔ چنانچہ چار پانچ سپ لینے کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے چائے دانی کا ڈھکن کھولا اور آدھی چائے اس میں انڈیل دی۔ یہ ہی ایک ذریعہ ہوسکتا تھا۔ پھر چائے کی پیالی پلیٹ میں رکھ کر وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا۔ جیسے آنکھوں میں نیند ٹھسی چلی آرہی ہو۔ دیر تک وہ اسی طرح آنکھیں پھاڑتا اور کھولتا رہا۔ اور پھر اس کے بعد اس نے اپنا سر میز پر ٹکا دیا۔ یہ ایک ضروری کوشش تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اسے نشہ آور دوا دے کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ چار آدمی اس کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا۔ یہاں نشہ آور ادویات استعمال کر کے کوئی بھی شخص اس طرح بے ہوش ہوسکتا تھا۔ چنانچہ یہاں والوں کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ صوفی کو اس طرح بغل میں لٹکائے باہر لے گئے۔ صوفی کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ دزدیدہ نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

ان لوگوں کو اسکی گاڑی کے بارے میں بھی پتہ چل گیا تھا۔ لازمی بات ہے کہ جب اس کے بارے میں تحقیقات ہوئی ہوگی تو یہ پتا چل گیا ہوگا کہ وہ کون سی گاڑی میں آیا ہے۔ وہ جمشید مرزا ہی کی گاڑی تھی اور اس گاڑی میں صوفی کو دوبارہ ڈال دیا گیا۔ ایک شخص نے ڈرائیونگ سنبھال لی۔ دو صوفی کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور ایک ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر اور اس کے بعد کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

بہرحال صوفی یہاں آیا ہی اس مقصد کے تحت تھا کہ کوئی کام شروع ہوسکے اور اب اس کی دانست میں اسے زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ گاڑی کوئی پینتیس منٹ سفر کرتی رہی اور اسکے بعد رک گئی۔

''اٹھو.....'' کسی نے کہا اور دروازہ کھول کر صوفی کو باہر نکال لیا گیا۔ صوفی نے اس طرح اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑے ہوئے تھا۔ جیسے بالکل ہوش وحواس میں نہ ہو۔ ابھی صورت حال ایسی ہی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ اسے لیے ہوئے اسی عمارت میں داخل ہوگئے۔ جس کے احاطے میں گاڑی کھڑی کی گئی تھی اور پھر اسے بڑی بے دردی سے ایک خالی کمرے کے فرش پر ڈال دیا گیا۔ صوفی بے حس وحرکت زمین پر لیٹا رہا تھا کسی نے کہا۔

''آدھے گھنٹے میں ہوش میں آجائے گا۔ آؤ.....'' اور اس کے بعد وہ لوگ کمرے سے باہر نکل گئے۔ صوفی کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

''حق اللہ..... درویش رحم کریں۔'' یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ اطمینان سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

جیب میں پانوں کی ڈبیا اور بٹوہ تلاش کیا۔ دونوں چیزیں نکال کر سامنے رکھیں پھر ایک گلوری منہ میں دبائی۔ قوام، چھالیہ، تمباکو وغیرہ تمام لوازمات منہ میں ڈالے اور جگالی کرنے لگا۔ آنکھیں بند تھیں۔ لیکن اسے یہ احساس نہیں ہوسکا کہ چند ہی لمحات کے بعد کسی نے دروازے سے اندر جھانکا تھا اور صوفی کو اس طرح بیٹھے دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ خاموشی سے واپس پلٹ گیا اور چند لمحوں کے بعد پانچ افراد بھرا مار کر اندر داخل ہوگئے۔ صوفی نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور پھر زور زور سے جگالی کرنے لگا۔ وہ سب حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے کسی نے پوچھا۔

''تمہیں ہوش آگیا؟''

''تھم..... تھما..... تھم..... تھم۔'' صوفی نے اپنی زبان سے کہا۔ وہ سب شدید حیرانی کا شکار تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''کوئی گڑبڑ لگتی ہے چلو اٹھاؤ اسے۔'' وہ صوفی کے قریب آئے اور اس کے بعد انہوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے کھڑا کر دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر صوفی کی جیبوں کی تلاشی لے ڈالی۔ اس میں ایک پرس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جس میں تھوڑی سی رقم کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ پانوں کی ڈبیہ اور بٹوہ باہر ہی رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے بھی کھول کر دیکھا اور کسی ہتھیار کو موجود نہ پا کر وہ صوفی کو اسی طرح سنبھالے ہوئے ایک بڑے کمرے میں لے آئے۔ یہاں ایک اور شخص موجود تھا اور وہ حمیدو تھا۔ جو اسے سخت نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اس نے بہ غور صوفی کو دیکھا اور بولا۔

''نہیں، میں نہیں جانتا۔ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ بٹھاؤ اسے۔'' صوفی کو ایک کرسی پر حمیدو کے سامنے بٹھا دیا گیا۔

''کون ہے تو؟ کیا نام ہے تیرا؟''

''غلغل..... بغل.....''

''اسے باتھ روم میں لے جاؤ اور اس کا یہ اگال دان صاف کرو۔ حمیدو نے بگڑی ہوئی آواز میں کہا۔ اور ان لوگوں نے پھر صوفی کو اٹھا لیا۔ باتھ اس بڑے کمرے سے ملحق ہی تھا۔

واش بیسن میں صوفی نے پان تھوکا کلیاں کیں اور پھر بولا۔

''خدا کی لعنت ہو تم پر۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔ ابھی تو قوام کا سرور چڑھا ہی تھا۔ مرو..... کیوں مر رہے ہو۔ کیا بھونکنا چاہتے ہو کتے کے پلو۔'' ان میں سے ایک نے پیچھے سے صوفی کی گردن پر ہاتھ مارا اور اسے کھینچتے ہوئے باہر لے آئے۔ حمیدو نے اسے دیکھا اور بولا۔

''ہاں..... کون ہے رے تو۔''

''کسی حجام کی اولاد معلوم ہوتے ہو۔ طریقہ گفتگو بالکل نہیں جانتے درویشوں کے کرم سے۔''

''بتاؤں میں تجھے طریقہ گفتگو اس کی یہ کھال اتار دو۔'' حمیدو نے صوفی کی شیروانی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اے..... اے..... اے دیکھو۔ عزت سے بات کرو۔ ورنہ بخدا ہم بھی جلال میں آجائیں گے۔

درویشوں کے فرستادے ہیں۔ بزرگوں سے یہ انداز گفتگو نہ اختیار کرو۔ ورنہ تباہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔"

"ابھی بتاتا ہوں..... ابھی بتاتا ہوں۔" حمیدو نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک الماری کی طرف بڑھ گیا۔ پھر الماری سے اس نے چمڑے کا ایک ہنٹر نکال لیا تھا۔ اس دوران ان لوگوں نے صوفی کی شیروانی اتار کر ایک طرف ڈال دی تھی۔

"پپ..... پپ..... پان چھالیہ۔ اسے احترام سے ایک طرف رکھ دو۔"

"قمیص بھی اتار دو اس کی۔" یہ بھی تعمیل کی گئی اور حمیدو نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ڈھانچے کو دیکھا پھر بولا۔

"اگل دے شرافت سے کون ہے کیوں میری تلاش میں آیا تھا ورنہ..... دو چمڑے کے ہنٹر ماروں گا اور یہ ساری پسلیاں ادھر ادھر بکھر جائیں گی۔"

"در..... در دیکھو..... ہم پھر کہہ رہے ہیں تم سے ہم تمہیں اپنے بارے میں بتا دیں گے۔"

"ہاں..... بول..... بول مجھے کیوں تلاش کرتا ہوا ہوٹل میں آیا تھا۔"

"اصل میں جمشید مرزا کو جانتے ہو؟"

"کون جمشید مرزا۔"

"بڑے پائے کے پولیس آفیسر ہیں۔ ایس پی جمشید مرزا۔ دارالحکومت میں بڑا نام کمایا ہے انہوں نے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"میں نہیں جانتا آگے بول۔"

"رائے راحیل کو جانتے ہو؟ وہی جن کی کوٹھی میں گھس کر تم نے گولیاں چلائی تھیں۔" صوفی نے کہا اس بار حمیدو کا منہ بھی حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کیا؟"

"ہاں..... ہم نے تمہیں دیکھا تھا۔ وہیں پہچان لیا تھا۔" حمیدو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تمام ساتھی حیران تھے۔ پھر حمیدو نے کہا۔

"تو وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"وہ ہی بتانے جا رہے ہیں۔ جمشید مرزا کو اسٹ کر رہے تھے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

"اسٹ؟"

"ہاں....."

"اس کی کوئی بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" حمیدو نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

"ہم سمجھا رہے ہیں۔ رائے راحیل نے جمشید مرزا کو اپنی بیوی کے خلاف تحقیقات کرنے کے لیے بلایا تھا۔ پچاس لاکھ کی پیشکش کی تھی۔ جمشید مرزا ہمیں ساتھ لے آئے اور ہم اس کوٹھی کے مہمان خانے میں مقیم ہو گئے اس کے بعد ہم نے آپ کو اس وقت دیکھا جب آپ کوٹھی میں گولیاں چلا کر بھاگ رہے تھے۔ ہم نے آپ کی شکل دیکھ لی اور اس کی تصویر بنا کر بیگم صاحبہ کو پیش کی۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ کا نام

حمیدو ہے اور آپ ایاز ہوٹل میں ہوتے ہیں۔ بس ہم آپ سے ملنے چلے آئے۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ نے وہاں گولیاں کیوں چلائی تھیں۔" حمیدو نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"الو کے پٹھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے تو یہاں چلا آیا۔"

"دیکھئے آخری بار کہہ رہے ہیں آپ سے کہ آپ زبان کو لگام دیجئے۔"

"ورنہ تو کیا کرے گا؟" حمیدو نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"آپ نے ہم سے کچھ سوالات کیے ہم نے آپ کو اس بارے میں تفصیل بتا دی کہ ہم کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟ اب ہم آپ سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے اور آپ ہمیں تفصیل بتائیں گے۔"

"اچھا..... اچھا تو کیسے پوچھے گا بھئی۔"

"یار! لگتا وہی نائی کی اولاد ہے۔" صوفی نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ لوگ ایک دم سے منتشر ہوئے تھے لیکن حمیدو نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔ صوفی نے دروازے کے قریب پہنچ کر دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر ان سب کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اب ہم فلم "ڈنڈاتے بھگوان" کے کچھ مناظر پیش کریں گے اس شکل میں کہ اگر حمیدو صاحب نے زبان نہ کھولی۔ وہ پانچوں صوفی کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ حمیدو کی آواز ابھری۔

"اب تم اسے بھگوان بنا دو۔ بغیر ڈنڈے کے۔" حمیدو نے مسکرا کر اپنے ساتھیوں سے کہا اور وہ سب تیار ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے صوفی کے پیچھے آ کر اس کے دونوں ہاتھ پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن صوفی کی ٹانگ چلی اور پیچھے کھڑا ہوا شخص پیٹ دبائے او..... او کرنے لگا۔ پاؤں آہستہ نہیں پڑا تھا اور بدن کے جس نازک مقام پر پڑا تھا۔ اس کے بعد وہ شخص تو چت ہی ہو گیا تھا۔ باقی چاروں نے بھرا مار کر صوفی پر حملہ کیا اور صوفی بیٹھ گیا۔ وہ چاروں ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کے سینوں پر ہاتھ رکھ کر دھکا دے کر اپنے آپ کو زور سے ٹکرانے سے تو بچایا تھا لیکن صوفی نے اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ ایک دم سے کھڑا ہوا اور اس کے بعد اس کے دونوں بازو پھیل گئے۔ صوفی کی جسمانی قوت کا صحیح اندازہ شاید ابھی تک کسی کو نہیں ہو سکا تھا۔ وہ چاروں صوفی کے بازوؤں کی زد میں آ کر سیدھے گر پڑے لیکن پھر اس کے بعد انہوں نے اپنی بے عزتی محسوس کر کے بڑی احتیاط کے ساتھ صوفی پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن صوفی نے انہیں گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ وہ ایک ماہر باکسر کی طرح ان پر گھونسے برسا رہا تھا اور ہاتھ ڈھیلے کر کر کے اس طرح مار رہا تھا کہ جس کے بھی اس کا ہاتھ پڑتا۔ وہ کم از کم یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکتا کہ کوئی فولادی چیز اس سے ٹکرائی ہے۔ انسانی ہڈیوں میں اتنی جان نہیں ہو سکتی۔ صوفی بھی اس وقت عجیب کھلنڈرے موڈ میں آ گیا تھا اور ایسے جما جما کر ہاتھ رسید کر رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان لوگوں کے حواس درست ہو گئے۔

ان میں سے تقریباً سب ہی کی ناک اور ہونٹ زخمی ہو گئے تھے اور ان سے خون ابل پڑا تھا۔ حمیدو یہ منظر دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا اور اس نے ایک طرف چھلانگ لگائی۔ غالباً ان لوگوں کو اس بات کا

اندازہ نہیں تھا کہ صرف ایک آدمی ان کے لیے اتنا بڑا عذاب بن سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ہتھیار وغیرہ ساتھ نہیں رکھے تھے۔ لیکن حمیدو نے جس الماری کی طرف چھلانگ لگائی تھی اس میں یقیناً پستول ہوگا اور صوفی نے ایک لمحے میں اس کا اندازہ لگا لیا تھا۔

چنانچہ اس نے حمیدو پر چھلانگ لگائی اور پھر اسے پوری قوت سے الماری کی جانب دھکیل دیا۔ حمیدو بری طرح اس الماری سے ٹکرایا تھا۔ وہ چاروں آدمی پھر صوفی کی طرف بھاگے اور صوفی نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑ کر اسے حمیدو کی طرف اچھال دیا۔ حمیدو اس شخص کی ٹکر سے بری طرح دوبارہ الماری سے ٹکرایا تھا۔ پہلے تو بچت ہوگئی تھی لیکن اس بار الماری اس کے سر میں لگی اور اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی اور اس نے اپنے ساتھی کو گریبان سے پکڑ کر گھمایا اور دیوار میں دے مارا۔

ادھر صوفی نے پھر ان تینوں کو سنبھال لیا تھا اور اس کے زبردست گھونسے چل رہے تھے اس وقت وہ شان دار باکسنگ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ یہ ہی نہیں بلکہ جیسے ہی حمیدو اپنے اس ساتھی کو دیوار پر مارنے سے فارغ ہوا۔ صوفی نے ایک دوسرے آدمی کی گردن پکڑ کر حمیدو کی طرف اچھال دیا۔ انداز پہلے سے مختلف نہیں تھا۔ وہ شخص بھی حمیدو سے ٹکرایا۔ اور حمیدو نے غراتے ہوئے گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''میرے ہی اوپر آ کر گر رہے ہو؟'' اس دوسرے آدمی کو بھی اس نے بری طرح مارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ دوسرا آدمی چکلائے ہوئے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر تیسرا آدمی بھی حمیدو پر جا کر لگا۔ تو حمیدو آپے سے باہر ہو گیا صوفی ہاتھ جھاڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ حمیدو اب اپنے ہی ساتھیوں کو مار رہا تھا۔ صوفی کے گھونسوں نے انہیں ویسے ہی ادھ مرا کر دیا تھا۔ اب پتا نہیں وہ سچ مچ بے ہوش ہو گئے تھے یا پھر اس وقت انہوں نے آنکھیں بند کر کے پڑ جانے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ چاروں لمبے ہو گئے۔ ادھر وہ شخص اکڑوں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی چھائی جا رہی تھی۔

''تجھے کیا ہو گیا کتیا زادے۔'' لیکن کتیا زادے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تب صوفی حمیدو کی جانب متوجہ ہوا۔

''ہاں..... ہمارا ادھار تم پر باقی ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''یار تو ہے کیا چیز۔''

''اب مزید کچھ نہیں بتائیں گے اپنے بارے میں اب صرف آپ کو بھونکنا ہوگا۔ ورنہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ شاید آپ کی موت کی گھڑی آ پہنچی ہے۔'' صوفی حمیدو کی طرف بڑھا تو حمیدو نے سر جھکا کر اس کے سینے پر ٹکر مارنا چاہی لیکن صوفی نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اسے اپنی بغل میں دبا لیا اور اس کے بعد دباؤ ڈالنے لگا۔ حمیدو کے حلق سے بھیانک چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے صوفی کے پیٹ اور کمر پر کے مار رہا تھا۔

لیکن سر پر جو دباؤ تھا وہ اس کے ہوش حواس چھینے لے جا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

''رک جاؤ..... رک جاؤ۔ چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... میں نے ہار مان لی ہے۔''

''ویری گڈ..... ویڈ گڈ..... اچھے بچے ہمیشہ ہار مان لیا کرتے ہیں کیونکہ ہار ماننے میں ہی عافیت چھپی ہوتی ہے درویشوں کے کرم سے۔''

''یہ درویش کیا ہیں یار۔''

''خبردار..... خبردار..... درویشوں کی شان میں ایک لفظ غلط کہا تو سمجھ لو سارے کام غلط ہو جائیں گے۔'' صوفی نے کہا۔ اور پھر اس نے دو چار گھونسے حمیدو کے لگائے اور حمیدو کو کرسی پر دھکیل دیا۔

''شروع ہو جاؤ۔'' اور حمیدو شروع ہو گیا۔ صوفی دیر تک اس کی بکواس سنتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

''اور اگر جو کچھ تم نے بتایا وہ غلط ہوا تو؟''

''تو تم مجھے توپ کے دھانے سے باندھ کر اڑا دینا سمجھے۔ غلط نہیں بتایا میں نے بالکل سچ کہا ہے۔ مگر اب یہ بتاؤ میرا کیا ہوگا۔ میری تو اچھی خاصی آمدنی ماری گئی۔''

''اپنا حلیہ درست کر لو اور اس بات کا بالکل اظہار نہ کرو کہ میری اور تمہاری یہ دلچسپ اور دل کش ملاقات ہوئی ہے۔ اپنا تھوبڑا بھی صحیح کر لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا اور نہ ہی تمہارا نام ان سارے معاملات میں کہیں شریک ہوگا۔ ایک بار پھر مجھے ذرا پتا دہراؤ۔'' صوفی نے کہا اور حمیدو اسے ایک پتا دہرانے لگا۔

♥..... ♥..... ♥

جمشید مرزا بری طرح نروس ہو چکا تھا۔ وہ صرف صوفی کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر کار صوفی واپس آ گیا۔ جب وہ مہمان خانے میں داخل ہوا۔ تو جمشید مرزا عجیب سی شکل لیے ہوئے بیٹھا تھا۔ صوفی نے اسے دیکھا۔ جمشید مرزا جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''کہاں گئے تھے تم۔'' اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

''وہ..... وہ..... سر..... بس! آوارہ گردی کرنے نکل گیا تھا۔''

''کار بھی لے گئے تھے؟''

''جی ہاں..... کار میں ہی گیا تھا۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

''مجھے علم نہیں تھا حضور والا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ رنگ رلیاں منانے کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔''

''چل رہے ہو۔''

''کک..... کہاں۔'' صوفی نے گھوم گھوم کر اپنی شیروانی کو چاروں طرف سے ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''مذاق فرما رہے ہیں آپ۔ خیر فرماتے رہیں۔ میں نے اسٹیج پر کام کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ میرا خیال تھا صوفی صاحب! کہ آپ چٹکیاں بجاتے ہوئے یہ کام سرانجام دے لیں گے۔ لیکن آپ بھی۔''

''ہمیں چٹکیاں بجانا نہیں آتیں..... بدقسمتی سے ورنہ ضرور ایسا ہی کرتے ویسے چٹکیاں بجانا ہمیں اچھا لگتا ہے۔''

''مذاق فرما رہے ہیں آپ؟''

''آج تک مذاق فرمانا نہیں آیا۔ مگر آپ نے اس کیس کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔''

''اس لیے کہ اس سے کچھ بات نہیں بن رہی۔ میں آج ہی واپس جانا چاہتا ہوں۔ چلیں گے آپ میرے ساتھ۔''

''نہیں۔'' صوفی نے جواب دیا اور جمشید مرزا چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''کیوں؟''

''بس جناب! اب ہمیں احساس ہو چلا ہے کہ ہم بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ ہمیں کسی سے عشق کرنا چاہیے۔''

''کیا؟'' جمشید مرزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''جج..... جج..... جی ہاں۔ خواب میں دیکھا تھا۔ والدہ صاحبہ سخت ناراض تھیں کہہ رہی تھیں کہ صوفی اونٹ کا اونٹ ہو گیا۔ آج تک شادی نہیں کی۔ اب تک تو تیرے کم از کم چھ بچے ہونے چاہیے تھے۔ وہ جج..... جج..... جناب والا۔ ہم ہمیشہ والدہ صاحبہ! سے ڈرتے رہے۔ ہم نے بدقسمتی سے ان سے ترکیب پوچھ ڈالی۔ آپ یہ سوال نہیں پوچھیں گے کہ کیسی ترکیب؟'' جمشید مرزا اسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ صوفی نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کہا۔

''خیر ہم خود بتائے دیتے ہیں کہ ہم نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ محترمہ والدہ حضور کوئی ایسی ترکیب بتایئے کہ چھ بچے ہو جائیں اور شادی بھی نہ کرنی پڑے۔ بس جناب چمٹا لے کر پیچھے دوڑیں۔ بڑی مشکل سے بچے۔ ورنہ دو چار رسید کر ہی دیتیں۔ کہنے لگیں اردگرد لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں اور تو اونٹ کی طرح منہ اٹھائے پھر رہا ہے۔ خیر تو مطلب یہ ہے کہ ہم محترمہ سہیل صاحبہ! سے اظہار عشق کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کیا آپ ہماری کچھ مدد فرمائیں گے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''جہنم میں جاؤ..... اس کا مطلب ہے کہ تم ساتھ نہیں چلو گے۔''

''نہیں والدہ صاحبہ! کے حکم کی تعمیل تو کرنی ہی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔''

''مم مگر بات تو سنیے۔ اکیلے ہم کیا کر سکیں گے۔ آپ سے ذرا خاصی بے تکلفی ہو چکی ہے۔ آپ ہماری سفارش فرما دیجیے گا۔''

''صوفی صاحب ہوش و حواس رخصت ہو چکے ہیں آپ کے۔ پڑے رہیے یہاں اور جوتے کھایئے۔''

''مم..... مگر جناب میں پچاس لاکھ..... مم..... مم میرا مطلب ہے۔ آپ نے دس لاکھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں..... تم نے سارا کیس حل کر کے رکھ دیا نا۔ بس میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ چابی لاؤ۔'' جمشید مرزا نے کہا۔

''وہ محترمہ بیگم صاحبہ سے آپ کہہ چکے ہیں ناں۔ میرا مطلب ہے بتا دیا ہے انہیں۔''

''بیگم صاحبہ کو نہیں میں نے رائے راحیل کو بتا دیا ہے کہ میں اس کیس پر کام نہیں کر سکوں گا۔ اس

نے مجھے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ تم بھی چلو صوفی صاحب! کیوں اپنی بے عزتی کرانے کے لیے یہاں رک رہے ہو۔''

''اصل میں ہماری عزت ہے ہی کہاں جس کا دل چاہا بے عزتی کر دی۔ چنانچہ ہماری بے عزتی نہیں ہوتی۔'' جمشید مرزا نے لاپرواہی سے شانے ہلائے اور اپنا بیگ اٹھا کر چابی لے کر باہر نکل گیا۔ صوفی اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ جمشید مرزا واقعی اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی سے باہر نکل گیا تھا۔ صوفی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر گردن جھٹکنے لگا۔ کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر اس کے بعد مہمان خانے سے نکل کر اندرونی حصے کی جانب چل پڑا۔

♥.....♥.....♥

سہیل عالم راحیل کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور راشیل اسے کچھ بتا رہی تھی۔ سہیل خاموشی سے سنتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں میڈم اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' کہ آپ کا مسئلہ واقعی مشکل ہے۔ لیکن دوسرے صورت حال یہ ہے کہ میں ایک خالص پروفیشنل ہوں بے شک آپ نے اب تک میرے معاملے میں جو اخراجات اٹھائے ہیں۔ ان کے بارے میں اتنا اندازہ تو آپ کو ضرور ہو گا کہ وہ بالکل.....

''ہاں..... ہاں..... ہاں میں نے تمہیں بتایا نا۔'' ایک کروڑ ڈالر میں نے جمع کیے ہوئے ہیں اور وہ یہیں ٹرانسفر کرا لیے ہیں۔ یہ ان کے کاغذات ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ یہ رقم تمہاری ہے لیکن شرط وہی ہو گی۔ میرا مسئلہ حل کر دو۔''

''میڈم۔ اصل میں ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میں پوری کوشش کروں گا اور آپ جانتی ہیں کہ نک کارسن جس مسئلے میں ہاتھ ڈالتا ہے پھر وہ مسئلہ نہیں رہتا بلکہ اسکی عزت کا سوال بن جاتا ہے۔ اگر وہ اسے حل نہ کر پائے تو منہ چھپا کر بھاگتا نہیں ہے۔ بلکہ آخر تک کوشش کرتا رہتا ہے۔ آپ نے جس تفصیل کے ساتھ مجھے اپنے راز میں شریک کیا ہے۔ آپ اطمینان رکھیے گا۔ میں اس پر کام کروں گا لیکن اس وقت جب پچاس لاکھ ڈالر میرے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیں گے۔

''میں تمہیں پچاس لاکھ ڈالر کا چیک دیتی ہوں تم کام شروع کرو۔'' اصل میں میں خود اب اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں اور تم جانتے ہو کہ سہیل بے شک میری بھتیجی ہے لیکن میں اسے بیٹیوں سے زیادہ چاہتی ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ سیمل کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے۔ وہ ہر طرح سے میری مدد کر رہی ہے۔ میرا ساتھ دے رہی ہے۔ لیکن سب یہ جان کر کہ میں ایک مظلوم عورت ہوں۔ آہ..... میں اتنی بری نہیں ہوں جتنا برا مجھے وقت نے بنا دیا ہے۔ کاش مجھے بھی دوسری شریف عورتوں کی طرح شریف زندگی گزارنے کا موقع ملتا۔ مگر کیا ہوں میں؟ تم دیکھ لو کس قسم کی عورت رہی ہوں۔ میں قسم کھاتی ہوں نک کارسن کہ میں ایسی عورت نہیں بننا چاہتی تھی۔

''میڈم آپ پچاس لاکھ ڈالر کا چیک مجھے لکھ کر دیجیے۔ ابھی دے دیتی ہوں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ تم چاہو تو اسے اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرا سکتے ہو۔

"ہاں آپ اوپن چیک دیں گی۔" "لیکن آپ کو ایک بہت بڑا رسک لینا ہوگا۔ ہاں میں جانتی ہوں۔"

"بھاڑ میں جائیں پچاس لاکھ ڈالر اور ایک کروڑ ڈالر۔" "میری زندگی تو اس عذاب سے بچے تم یقین کرو اگر میں کسی بھی طرح کلیئر ہوگئی۔ تو رائے راحیل کو سب کچھ بتا دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ اگر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے تو میں ایک معمولی سی زندگی گزارنے کو تیار ہوں۔ صرف مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دینا۔ ارے ہاں میں بھی تو انسان ہوں۔ انسانوں کی طرح جینا چاہتی ہوں۔

"پچاس لاکھ ڈالر کا چیک۔" نک کارسن نے کہا اور راشیل چیک بک اٹھا لائی۔ تو اس نے چیک لکھ کر نک کارسن کے حوالے کر دیا۔

"اس کے ساتھ ہی میڈم ایک چھوٹی سی تحریر بھی لکھ دیجیے گا۔ کہ آپ کسی بھی قیمت پر اسٹاک پیمنٹ نہیں کرائیں گی۔ اسٹاک پیمنٹ کرانے کی کوشش ایک مجرمانہ عمل ہوگا۔ آپ براہ کرم یہ تحریر لکھ دیجیے۔ جواب میں راشیل مسکرا دی۔ پھر اس نے کہا۔

"حالانکہ یہ میری بے عزتی کے مترادف ہے۔" "لیکن تمہاری ذہانت پر مجھے خوشی ہوئی کیونکہ ذہین آدمی ہی میری مشکل حل کر سکتا ہے اس نے نک کارسن کو وہ تحریر بھی لکھ کر دے دی اور نک کارسن نے دونوں چیزیں اپنی جیب میں رکھ لیں اور پھر بولا۔

"آپ بالکل اطمینان رکھیں۔" "میں زندگی کی بازی لگا کر آپ کا یہ کام کروں گا۔ اب میں آپ سے بالکل مخلص ہوں اور میرے خلوص پر یقین کیجیے گا۔" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں ایک دم سنبھل گئے۔

"کون ہے آ جاؤ" راشیل نے کہا۔ اور صوفی اندر داخل ہوگیا۔

"سر اسلام علیکم! اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ نک کارسن اسے دیکھ کر چونکا تھا لیکن صرف ایک لمحے کے لیے پھر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"کہو کیسے آنا ہوا؟"

"وہ! بیگم صاحب جمشید مرزا چلے گئے۔"

"بھاڑ میں جائیں وہ میں کیا کروں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ میں...... میں۔"

"تم کیوں نہیں گئے ان کے ساتھ۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ جا رہا ہے اور یہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ تم بے وقوف لوگ بھلا یہاں رہ کر کیا کر سکتے ہو۔ سوائے حماقتوں کے جیمس! یہ ان دونوں میں سے ایک ہیں جن کا سرسری سا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔ رائے راحیل نے انہیں میرے خلاف تحقیقات کے لیے بلوایا ہے اور یہ تحقیقات کر رہے ہیں ذرا حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔ نک کارسن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ خاموش بیٹھا رہا تھا۔

"تت...... تم...... مم...... میرا کیا ہوگا اب۔"

"تم اس کوٹھی سے نکل کر باہر سیدھے میں چلے جانا آگے جا کر دو راستے آئیں گے ایک دائیں

طرف جاتا ہے اور ایک بائیں طرف۔ بائیں راستے پر مڑ جانا ایک فرلانگ چلنے کے بعد تمہیں کھیتوں کا سلسلہ ملے گا۔ اس سلسلے کے آغاز پر ایک اندھا کنواں ہے۔ کسی سے بھی اس کے بارے میں پوچھ سکتے ہو لوگ بھی عام طور سے اسی کنوئیں میں کود کر خودکشی کرتے ہیں۔ بس تم بھی یہی کرو میرا ایک مشورہ ہے۔ بہت بہت شکریہ درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ پڑا نک کارسن نے حیرت سے دروازے کو دیکھا اور پھر راشیل کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کہیں یہ سچ مچ ہی اس کنوئیں میں کود کر جان نہ دے دے۔"

"بڑی خوش ہوگی مجھے۔"

"وہ احمق گیا تو اسی انداز میں ہے۔ یہ دوسرا آدمی۔"

"ہاں...... کوئی پولیس کا آدمی تھا۔" رائے راحیل بری طرح کھسک گیا ہے میرے خلاف تحقیقات کرا کے وہ نہ جانے کیا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کا اپنا وطن ہے۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے اس لیے طلاق نہ دے پا رہا ہو کہ میں نے اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کر کے ایک درخواست دے رکھی ہے۔ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچے گا تو رائے راحیل اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔

"میں اس احمق کے لیے فکرمند ہوں۔"

"تم نک کارسن...... تم ایک شخص کے لیے اس لیے فکرمند ہو کہ وہ جان دینے جا رہا ہے۔ جب کہ تم نے ساری زندگی جان لینے کا کام ہی کیا ہے۔"

"میڈم! میں نے آج تک ایک ایسے شخص کو نہیں مارا۔ جو بے گناہ ہو۔ میں بے مقصد کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ آپ کا دل چاہے تو آپ یقین کر لیجیے نک کارسن اپنی جگہ سے اٹھ گیا پھر اس نے کہا۔

"آپ یہ سمجھ لیجیے کہ بس یہ کام اب منٹوں میں ختم ہونے والا ہے۔ میں آپ کو بالکل بھروسے کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں۔ ذرا چلوں دیکھوں اسے۔"

"عجیب آدمی ہو۔ جاؤ چلو دیکھ لو۔" نک کارسن اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ باہر نکلنے کے بعد وہ گردن اٹھا اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور پھر مہمان خانے کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مہمان خانے کے ایک کمرے کے سامنے کھڑا ہوا تھا جس کے بارے میں اس نے ایک ملازم سے پوچھا تھا اور اسے پتا چلا تھا کہ صوفی اندر ہی ہے۔ اس نے دستک دی۔

"آ جایئے تشریف لایئے۔ درویشوں کے کرم سے۔" نک کارسن اندر داخل ہوگیا۔ پھر اس نے زبان ٹیڑھی کر کے کہا۔

"ہیلو...... مائی نیم از جیمس۔"

"ہو ہی نہیں سکتا۔" صوفی کی آواز ابھری اور نک کارسن حیرانی سے اسے تکنے لگا۔

"آپ نے کچھ کہا میں سمجھا نہیں اس بار نک کارسن نے خالص انگلش لہجے میں کہا۔

"عزیزم! انگریزی بہت اچھی بول لیتے ہو۔ مگر چہرے پر جو یہ میک اپ ہے نا اس میں تھوڑی سی خامی ہے وہ دیکھو بھنوؤں کا رنگ چہرے کے رنگ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ تمہیں ان سیاہ بھنوؤں کو بھی رنگنا

چاہیے تھا۔ تاکہ یہ تمہاری گوری چمڑی سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ انگریزوں کی بھنوئیں ایسی نہیں ہوتیں"

"میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب!"

"چلو ٹھیک ہے۔ نہیں جانتے ہو تو نہ جانو آؤ بیٹھو" نک کارسن بیٹھ گیا۔ پھر اس نے انگریزی میں کہا۔

"آپ مسٹر صوفی ہیں۔"

"ہاں۔ ہیں..... اب تم ایک بے وقوفی کے بارے میں کیا کہو گے۔"

"کیسی بے وقوفی؟ نک کارسن نے انگریزی میں پوچھا۔

"میں اردو بول رہا ہوں اور تم انگلش بول رہے ہو۔ لیکن ایک ایک بات سمجھ رہے ہو۔"

"میرے خدا..... میرے خدا..... آدمی کتنا ہی تیز طرار کیوں نہ ہو جائے۔ کوئی نہ کوئی حماقت ایسی کر ڈالتا ہے کہ اب دیکھئے کتنی واضح بات ہے۔" اسی طرح صوفی بھی دل ہی دل میں چونکا تھا۔ کیونکہ نک کارسن اردو میں بولا تھا اور اس لہجے کو صوفی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ سہیل عالم کے سوا اور کسی کی آواز نہیں تھی۔ لیکن اس نے ذرا بھی اظہار نہیں کیا کہ پہلے وہ اسے نہیں پہچان سکا تھا۔"

"صوفی صاحب! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے ہمیشہ آپ کی عظیم صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن کیا واقعی میرے میک اپ میں خامی تھی۔"

"بھنوؤں کی بات کہی نہ میں نے ایک موٹی سی بات تھی بہت ہی موٹی سی بات۔ باقی مجموعی طور پر بڑا اچھا میک اپ ہے۔ مگر تمہاری یہاں آمد میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تم ہماری تلاش میں آئے ہو۔"

"نہیں صوفی صاحب! بالکل ہی الگ معاملہ ہے۔ ایک منٹ۔" سہیل عالم نے کہا اور باہر نکل آیا۔ دور دور تک کا جائزہ لیا اور اس کے بعد واپس آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ میک اپ میرے ایک دوست کا ہے۔ جو اس وقت میری رہائش گاہ میں مقیم ہے اور اس کے بعد سہیل عالم نے نک کارسن کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ صوفی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ نک کارسن کی کہانی ختم ہونے کے بعد اور سہیل عالم کا یہاں آ کر راشیل سے ملنے کی تفصیل اور پھر راشیل کی بتائی ہوئی کہانی۔ صوفی بہت دیر تک سوچتا رہا تھا اور پھر اس نے کہا۔

"کیا نام بتایا تم نے اس کا؟"

"زیک لن۔"

"اس شخص کی رہائش گاہ میرے علم میں ہے۔"

"کیا؟" سہیل عالم اچھل پڑا۔

"ہاں۔ جمشید مرزا میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔ میں چونکہ کافی معلومات حاصل کر چکا ہوں اس لیے ظاہر ہے میں نہیں بھاگ سکتا تھا۔"

"آپ کہاں بھاگتے ہیں صوفی صاحب! پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

"بتاؤ کیا مشورہ ہے تمہارا۔"

"استاد کے سامنے میں زبان کھولوں گا" سہیل عالم نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں زیک لن پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے پھر تیاریاں کریں۔"

"ہاں۔" صوفی نے جواب دیا۔

♥.....♥.....♥

تاحد نظر تاریکی کا راج تھا۔ یہ عمارت میں ذرا الگ تھلگ مقام پر واقع تھی ویسے بھی عادل پور کی آبادی میں ترتیب نہیں تھی۔ جس نے جہاں مناسب سمجھا تھا گھر بنا لیا تھا۔ اس عمارت کے آس پاس کی زمینیں بھی بالکل خالی پڑی تھیں۔ بجلی کے تار بھی بہت دور سے لائے گئے تھے۔ مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ احاطے کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر صوفی نے کہا۔

"کتے بھی ہو سکتے ہیں اندر جاؤ وہاں رہائش رکھنے والے مخدوش زندگی نہیں گزاریں گے۔"

"اس نے یہ گھر کرائے پر ہی لیا ہوگا۔ ظاہر ہے وہ مقامی باشندہ نہیں ہے۔ اس لیے کتوں کا انتظام مشکل ہی ہوگا۔"

"نہیں کوئی مشکل نہیں ہے کسی ٹریننگ کے ذریعے کتے یہاں رکھے جا سکتے ہیں۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"میں اوپر چڑھتا ہوں۔"

"آؤ میرے کندھوں پر۔"

"نہیں صوفی صاحب! اگر آپ اوپر چڑھنا چاہتے تو میں اپنا سر آپ کو پیش کرتا۔ میں بھلا استاد کے کندھوں پر چڑھوں گا۔" سہیل نے کہا اور پھر وہ تھوڑا سا نیچے جھکا اور اس کے بعد جو چھلانگ لگائی۔ تو دیوار کے اوپر تھا۔ حالانکہ یہ دیوار تقریباً چودہ فٹ اونچی تھی۔ صوفی نے ایک گہری سانس لی۔ سہیل نے جلدی سے دیوار پر بیٹھ کر اپنا ہاتھ نیچے لٹکایا اور بولا۔

"آپ کو اتنی اونچی چھلانگ تو لگانی ہی پڑے گی۔ صوفی نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ سہیل عالم ایک باکمال شخصیت تھی۔ اس کا علم تو صوفی کو بھی ہو چکا تھا۔ بہرحال چند لمحوں کے بعد وہ بھی اوپر اٹھا دونوں عمارت میں بیٹھے کتوں کی موجودگی کا جائزہ لیتے رہے۔ لیکن حیرت کی بات تھی۔ تحفظ کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ نہ کتے تھے نہ کوئی چوکیدار پتا نہیں زیک لن عمارت میں اس وقت موجود ہے یا نہیں۔ لیکن بہرحال اگر وہ نہ بھی موجود ہوا تو دیکھنا تو ہوگا اس عمارت کو اندر سے، کچھ لمحوں کے بعد دونوں نیچے کود گئے۔ سہیل عالم ایک چیتے کی طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر دونوں آگے بڑھ کر اس عمارت کی طرف چل پڑے جس میں کہیں کہیں روشنی جھلک رہی تھی۔ ایک پچھلے دروازے کی راہ داری سے وہ اندر داخل ہوئے اور راہ داری میں سیدھے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ صرف ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا تو انہیں سامنے ایک شخص نظر آیا۔ دبلے پتلے بدن کا مالک یہ شخص انتہائی خوب صورت گاؤن پہنے ہوئے۔ آنکھوں پر ایک حسین عینک لگائے کسی کتاب کی ورق

گردانی میں مصروف تھا۔ صوفی ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اس کی آنکھ بہ دستور کی ہول سے لگی ہوئی تھی۔ اندر بیٹھے ہوئے شخص نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور بولا۔

''ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو میں صرف ایک دو صفحے پڑھنے کے بعد کتاب رکھ رہا ہوں صوفی نے کی ہول سے آنکھ ہٹا کر سہیل کی طرف دیکھا اور سہیل نے کہا۔

''اس کا مقصد ہے کہ عمارت میں ایک سے زیادہ افراد موجود ہیں۔''

''کیا یہ شخص زیک لن ہو سکتا ہے۔''

''اگر نہیں بھی ہے تو کچھ بتا سکتا ہے اس کے بارے میں پتا نہیں یہ آہٹیں سن لی گئی تھیں۔ یہ سرگوشی کسی طرح اندر بیٹھے ہوئے شخص کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ یا پھر اسے شبہ ہو گیا تھا اس نے نگاہیں اٹھا کر کی ہول کو دیکھا۔ راہ داری میں چونکہ اندھیرا تھا۔ اس لیے کی ہول کی دوسری طرف کا منظر نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا دروازے تک آیا۔ صوفی اور سہیل سنبھل گئے تھے۔ بڑے اطمینان سے دروازہ کھولا گیا اور دوسرے لمحے صوفی نے دروازہ کھولنے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر دھکیل دیا اور خود سہیل کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہ شخص گرتے گرتے بچا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور حیران نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا پھر تعجب سے بولا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' صوفی اور سہیل غور سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ بڑی نفیس شخصیت تھی۔ بدن سے بھینی بھینی پرفیوم کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ دبلا پتلا جسم تھا عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان ہو گی۔ لیکن چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ اور زندگی سے بھرپور اس کی آنکھیں بہت ہی خوب صورت تھیں۔ اسی لحاظ سے چہرے کے نقوش بھی تھے۔

''کیسے ہیں آپ زیک لن۔'' صوفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اس شخص کے چہرے پر حیرت کے سخت آثار آنے لگے۔

''زیک لن...... کون زیک لن...... میرا نام اسٹیورڈ ہے۔''

''نہیں مائی ڈیئر تم ہمارے لیے جانے پہچانے ہو۔ کم از کم مجھے تم ضرور جانتے ہو۔'' سہیل نے آگے بڑھ کر کہا۔ اس شخص نے سہیل کا چہرہ غور سے دیکھا اور پھر اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

''نک کارسن۔''

''گڈ...... ہم پیشہ افراد کو ایک دوسرے سے واقفیت ہونی ہی چاہیے۔''

''نن...... نہیں میرا مطلب ہے تم مجھے کیسے جانتے ہو۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو ڈیئر زیک لن میں نے کہا نا کہ ہم لوگ، ہم پیشہ ہیں۔''

''یہ کون ہے؟''

''ایک مقامی آفیسر۔''

''آفیسر۔''

''ہاں پولیس آفیسر۔''

''زیک لن اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں یہاں موجود ہوں اور اگر پہچانتے بھی ہو تو تمہیں اس بات کا تو علم ہو گا ہی کہ ظاہر ہے میں بے مقصد یہاں نہیں آیا ہوں گا۔ کوئی کام ہو گا مجھے اور پھر ہم پیشہ افراد کے ساتھ ڈیل تو کی جا سکتی ہے۔ یہ تم پولیس آفیسر کو کیوں لے آئے کیا اس کے ساتھ پولیس کے اور افراد بھی موجود ہیں۔''

''یہ ایک بے مقصد سوال ہے یہ کون ہے کون نہیں ہے۔ میں تمہیں اس بارے میں ظاہر ہے نہیں بتا سکتا۔''

''چلو ٹھیک ہے نا بتاؤ۔ یہ بتاؤ مجھ تک کیسے پہنچے۔''

''مائی ڈیئر زیک لن اپنا بھی یہی کاروبار ہے۔ بس سونگھتے ہوئے آ گئے۔ اب یہ بتاؤ تم یہاں جو کچھ کر رہے ہو۔ اس کی کیا حیثیت ہے ہمیں کتنا مل سکے گا۔''

''اوہو۔ اگر یہ پولیس آفیسر بھی سودا کرنے کو تیار ہے اور تم اس طرح مجھے ادائیگی کے لیے مجبور کرنا چاہتے ہو تو آؤ بیٹھو۔ میں ہر حالت میں تعاون کا قائل ہوں۔ لڑائی جھگڑا مجھے پسند نہیں ہے۔ اور نہ ہی میری جسمانی ساخت ایسی ہے کہ میں کسی قسم کا جھگڑا کر سکوں۔ میں تو صرف دماغ کا سوداگر ہوں۔ دماغ سے سارے سودے کرتا ہوں۔''

''تنہا ہو یہاں۔'' سہیل نے سوال کیا اور زیک لن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ابھی میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ کیا تم پولیس کے ساتھ یہاں آئے ہو کیونکہ تم نے بتایا ہے کہ یہ شخص پولیس آفیسر ہے تم نے جواب نہیں دیا۔ میرے خیال میں، میں بھی اس سوال کا جواب دینے کے لیے مجبور نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں ہے۔''

''دیکھو نک کارسن تم بار بار ایک لفظ دہرا چکے ہو۔ ہم پیشہ ٹھیک ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ میں دماغ کا سوداگر ہوں دماغ سے کھاتا ہوں۔ ہم لوگ اسی کی روشنی میں بات کریں گے۔ تمہیں اگر یہاں میری موجودگی کا پتا چل ہی گیا ہے۔ تو پھر اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ سودے کی بات تو اسی وقت ہو سکے گی۔ ممکن ہے تمہیں کسی طرح یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہو اور تم صرف ہوا میں تیر چلانے آ گئے ہو۔ تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں۔ باقی جہاں تک میرا معاملہ ہے۔ پولیس آفیسر میں تمہیں بتاؤں۔ میرے ملک کا سفارت خانہ تمہارے ملک کے متعلقہ ادارے اس بات کی تصدیق کریں گے کہ میں یہاں بالکل قانونی طور پر داخل ہوا ہوں جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں صرف دماغ کا کھیل کھیلتا ہوں۔ چنانچہ اس طرح کے خطرے، میں مول نہیں لیتا۔ تم چاہو تو مجھے گرفتار کر لو لیکن گردن پھنس جائے گی تمہاری ایک ایسے شہری کو یا یہ کہا جائے کہ مہمان کو جو غیر ملک سے باقاعدگی کے ساتھ یہاں آیا ہے کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانا میرے خیال میں دنیا کے ہر ملک میں جرم تصور کیا جاتا ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں اپنے کاغذات دکھا سکتا ہوں۔''

''نہیں مائی ڈیئر زیک لن بات صرف اتنی سی ہے کہ ہم لوگ ہر طرح سے اپنے معاملات خود ہی نمٹایا کرتے ہیں۔ اس پولیس آفیسر کے بارے میں تمہیں بتا دوں کہ یہ میرے معاملات میں بلکہ یہ کہا جائے

کہ تمہارے معاملات میں بخل ہو گیا ہے اور میں اس کے لیے مجبور ہو گیا ہوں تو اسے اپنے ساتھ شریک کر لوں۔ تو یہ سمجھ لو کہ بات یہی ہے۔"

"ہوں۔ مگر وہ سوال تشنہ رہ گیا۔"

"ہاں..... اس سوال کے لیے میں تمہیں راشیل رائے کا حوالہ دوں گا۔" زیک لن کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے کچھ تبدیلی رونما ہوئی پھر اس نے کہا۔

"مزید کچھ آگے۔"

"رائے راحیل کی دولت جس پر تمہاری نگاہ ہے اور تم راشیل کے ذریعے۔"

"بس..... بس..... بس کافی ہے میرے خیال میں کافی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اس بارے میں یہاں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔ ویسے تمہاری ذہانت کا تو میں دل سے قائل ہوں ہی۔ چھوٹے موٹے کام بڑی خوش اسلوبی سے کر لیا کرتے ہو۔ خاص طور سے اس پولیس آفیسر کی تمہارے ساتھ شمولیت دیکھو! میں نے اس بات کو خوش دلی سے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ یہ شخص واقعی پولیس آفیسر ہے۔ اب تم کہہ رہے ہو تو غلط تو نہیں ہو گا۔ اگر ہمیں یہاں پولیس کا تحفظ بھی حاصل ہو جائے تو ہم اپنا کام خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ ڈیئر زیک لن میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"ہوں..... کہاں قیام ہے تمہارا۔"

"وہ بھی بعد میں بتا دیا جائے گا۔ یہاں تمہارے ساتھ بھی رہ سکتا ہوں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ تم اکیلے ہی یہاں آ گئے ہو۔ کس طرح اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہو۔"

"بہت سی تفصیلی بات چیت ہو گی تم سے میں تمہیں اتنا تو بتا ہی چکا ہوں کہ بالکل قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہوں اور یہ بات غلط نہیں ہے۔ باقی جہاں تک کام کا تعلق ہے تو مقامی لوگ بھی بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ آپ دولت خرچ کیجیے۔ دولت کمانے کے لیے سارے مسائل خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں۔" زیک لن نے کہا اور اسی وقت اچانک صوفی چونک کر پلٹا اور حیرت زدہ رہ گیا۔

درحقیقت، زمانہ قدیم کا کوئی دیوزاد ان کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ وہ اتنی آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا کہ ان دونوں کو ذرا سا بھی احساس نہیں ہو سکا تھا۔ لمبے چوڑے قد و قامت کا مالک یہ سات فٹ شخص سر سے گنجا تھا۔ اس کی قومیت کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ سہیل نے بھی پلٹ کر دیکھا اور اس کی کیفیت بھی صوفی سے مختلف نہ ہوئی۔ سہیل سے غلطی ہوئی تھی۔ اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا۔

دیو قامت۔ اپنی گول گول آنکھوں سے انہیں گھور رہا تھا۔ زیک لن نے ہنس کر کہا۔

"بس! یہی میرے ساتھ ہے بلکہ تم یہ سمجھ لو کہ یہ میری فورس ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں تو ایک کمزور آدمی ہوں۔ مگر یہ..... اس کی طاقت کا تم تصور بھی کر سکتے۔ اس کا نام زوس ہے۔ میں نے اس طرح کے بہت سے مہرے پال رکھے ہیں۔ یہ بھی میرا ساتھ دیتے ہیں کیا سمجھے؟ ٹھیک ہے؟" اب میں تم سے چند سوال کر رہا ہوں۔ مائی ڈیئر۔ یہ تو حقیقت ہے کہ تم نے راشیل رائے کا حوالہ بالکل درست دیا۔ لیکن تمہیں یہ بات

کیسے معلوم ہوئی۔ کیا خود راشیل رائے نے تمہیں دعوت دی کہ نک کارسن کو راشیل رائے ہی جان سکتی ہے۔"

"اسے باہر بھیج دو۔ ہم لوگ ظاہر ہے کاروباری باتیں کر رہے ہیں۔" جواب میں نک کارسن ہنس پڑا پھر بولا۔

"خیر تفصیلی گفتگو تم سے ذرا بعد میں ہو گی۔ زوس انہیں لے جاؤ اور بند کر دو!" زوس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور آگے بڑھ کر ان کی گردنیں دبوچنا چاہیں۔ لیکن سہیل نے پلٹ کر سوئپ لگائی اور زوس کے پاؤں اپنے پیروں میں الجھانے کی کوشش کی لیکن ستونوں کو پاؤں سے نہیں گرایا جا سکتا۔ وہ کوشش کر کے رہ گیا۔ زوس نے صوفی پر ہاتھ ڈالا لیکن صوفی نے پلٹ کر ایک زوردار گھونسا اس کی گردن پر رسید کیا اور اس کے بعد اپنا ہی ہاتھ پکڑ کر رہ گیا۔

"درویش رحم کریں حق اللہ..... قوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہوتی ہے۔" وہ لوگ زوس پر مختلف طریقوں سے قوت آزمائی کرتے رہے اور انہیں احساس ہو گیا کہ واقعی انسانی شکل میں یہ سنگی ستون بلا ناممکن نہیں ہے۔

وہ دروازے پر اس طرح جما ہوا تھا کہ وہ لوگ دروازے کی طرف بھی نہیں جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کمرے سے باہر نکلنے کے لیے اور کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔ دفعتہً ہی سہیل عالم نے زیک لن پر چھلانگ لگائی۔ لیکن زیک لن بھی ناقابل یقین شخصیت نکلی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس بات سے بھی ہوشیار ہو گا۔ اس نے زمین پر لوٹ لگائی اور سہیل عالم کی زد سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد اس نے ہنس کر کہا۔

"یہی ایک کوشش ہو سکتی ہے۔ اس کے معاملے میں ناکام رہ کر تم میری طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ میں اس کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک میز پر جھپٹا مارا میز کی دراز کھول کر اس نے ریوالور نکال لیا اور اس کا رخ سہیل کی طرف کر کے بولا۔

"میں نے کہا ناں..... کہ میں جسمانی کھیل کا عادی نہیں ہوں۔ اس وقت آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس لیے ریوالور میرے پاس نہیں تھا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔ چلو! زوس پکڑ لو ان دونوں کو۔" صوفی نے نامحسوس انداز میں سہیل کو اشارہ کیا۔ اور اس کے بعد ان دونوں نے اپنے آپ کو زوس کے حوالے کر دیا۔ زوس نے انہیں گردنوں سے دبوچا اور دروازے کی جانب رخ کر لیا۔ پھر پیچھے سے زیک لن کی آواز سنائی دی۔

"نہیں رسک مت لو زوس میں انہیں ریوالور پر رکھے ہوئے ہوں تم رسی لے آؤ۔"

"دیکھو نک کارسن ایک بات میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ یہ آتشی کھیل جو ہے ناں..... اس نے انسان کو چوہا بنا دیا ہے۔ یہ چھوٹا سا ایک چوہا جو میرے ہاتھ میں دبا ہوا ہے۔ میں نے اس پر بڑی مشق کی ہے۔ میرا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا۔ کیا سمجھے؟" کوئی جنبش مت کرنا۔ اس کے باوجود کہ میں نے تمہیں اس طرح پکڑا ہے تم یقین کرو۔ میں تم سے بات چیت کروں گا اور کوشش کروں گا کہ ہمارے درمیان کوئی بات طے ہو جائے اس مقامی پولیس آفیسر کو اگر کچھ دینا چاہو تو بے شک دے دینا۔ اگر یہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو۔ باقی تم میرے ہم وطن ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں وطن سے دور یہاں اس جگہ کوئی نقصان پہنچے اور وہ بھی میرے ہاتھوں..... او کے۔" اتنی دیر میں زوس رسی لے آیا پھر اس نے پہلے صوفی کے ہاتھ کس کر پشت

پر باندھے اور اس کے بعد سہیل عالم کے پھر وہ ان دونوں کو دھکے دیتا ہوا باہر نکال لایا اور ایک اور کمرے میں پہنچ کر اس نے انہیں دروازے سے اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ صوفی نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور مدھم لہجے میں بولا۔

"حق اللہ"

"کمال ہے، صوفی صاحب! ساری باتوں کے ساتھ ساتھ ایک بات طے ہے کہ طاقت اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے۔"

"حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ۔" صوفی نے کہا اور ایک طرف چل کر جا بیٹھا۔ سہیل عالم نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازے میں کوئی جھری کوئی رخنہ نہیں تھا۔ اس نے اچانک ہی صوفی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"لائیے آپ کے ہاتھ بھی کھول دوں۔" صوفی نے چونک کر سہیل کو دیکھا۔ سہیل کے دونوں ہاتھ آزاد تھے اور رسی برابر میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے صوفی ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ ہاتھ۔"

"نہیں صوفی صاحب بس یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے کسی درویش کی دعا ہے۔ کہیں کسی بھی جگہ نہ تو مجھے بند رکھا جا سکتا ہے اور نہ اس طرح قید کیا جا سکتا ہے۔ میرا مطلب ہے ہاتھ پیر باندھے جا سکتے ہیں۔ یہ دروازہ بھی دو منٹ کے اندر کھل جائے گا۔" صوفی خاموش نگاہوں سے سہیل کو دیکھتا رہا تھا۔

بہر حال یہ بات تو وہ دل سے مانتا تھا کہ سہیل میں کوئی بات ہے۔

"کیا خیال ہے چلیں باہر یا پھر تھوڑا سا انتظار کر لیں۔"

"بیٹھو..... اب یہ بتاؤ ہمیں کرنا کیا چاہیے؟" زیک لن ہمارے ہاتھ تو لگ گیا ہے۔ لیکن یہ زوس۔"

"ہاں..... یہ ذرا ٹیڑھی چیز ہے۔ سوچتے ہیں اس کے بارے میں بھی۔"

"میں نے سوچ لیا ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"اگر آپ نے درویشوں کی دعاؤں سے سوچا ہے تو یقیناً کوئی ایسی ہی زبردست بات سوچی ہو گی۔ جس سے کام بن سکتا ہے۔"

"وہ بہت طاقتور ہے۔ لیکن جیسا کہ زیک لن نے کہا کہ وہ دماغ کا سوداگر ہے میں اس بات کو دل سے تسلیم کرتا ہوں کہ دماغ جسم سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔ ایک معمولی سی چیز ایسا ہتھیار بن سکتی ہے جو کارآمد رہے۔"

"میں ابھی آیا۔" سہیل عالم نے کہا اور ملحقہ باتھ روم میں داخل ہو گیا اسی وقت باہر آہٹ سنائی دی تھی اور زوس نے دروازہ کھولا تھا۔ لیکن اندر کا منظر دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا دونوں رسیاں اسے سامنے ہی نظر آ گئی تھیں۔ اس کے حلق سے ایک غراہٹ سی نکلی اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر صوفی کی طرف جھپٹا۔ اس نے جھک کر صوفی کو پکڑنا چاہا لیکن اسی وقت صوفی کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کی آنکھوں میں لگیں۔ زوس کے حلق سے ایک دھاڑ نکل گئی۔

اس کی دونوں آنکھیں تھوڑی دیر کے لیے اندھی ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیوار سے جا لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ صوفی اگر چاہتا تو باہر نکل سکتا تھا۔ لیکن اسی لمحے سہیل عالم اندر سے نمودار ہوا اس کے ہاتھ میں ایک لوہے کا ایک پائپ دبا ہوا تھا۔ اس نے باہر آتے ہی یہ پائپ زوس کی ایک پنڈلی پر مارا اور زوس کے حلق سے پھر ایک خوفناک دھاڑ نکل گئی۔ اس کے بعد سہیل عالم پے در پے اس پر وار کرنے لگا۔ اس نے زوس کی دونوں پنڈلیاں توڑ دی تھیں۔

اس کے بعد اس نے زوس کے سر پر ایک زوردار ضرب رسید کی اور زوس دونوں ہاتھ سامنے کیے اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ اسی لمحے باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اب یہ اندازہ تو نہیں تھا کہ وہ زیک لن ہی ہو گا۔ لیکن پھر بھی دونوں دروازے پر جا لگے۔ زیک لن ہاتھ میں ریوالور لیے اندر داخل ہوا تھا اور سہیل عالم کا وہ ڈنڈا اس کے ہاتھ پر پڑا تھا۔

ریوالور تو نکل کر دور جا گرا زیک لن کی چیخیں اور کراہیں سنائی دینے لگیں۔ چند ہی لمحوں میں انہوں نے رسیوں سے زیک لن کو بھی باندھ لیا تھا۔ زوس زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"اس کا کیا کیا جائے۔ مرشد؟" سہیل عالم نے صوفی سے سوال کیا۔ اردو میں سوال کیا گیا تھا۔ زیک لن جو شدید تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک دم کراہیں روک کر سہیل عالم کو گھورنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"تک کارسن..... کیا تم تک کارسن ہی ہو۔"

"نہیں مائی ڈیئر میں کون ہوں؟ کیا ہوں۔ فی الحال اس بات کو جانے دو۔" سہیل بولا اور پھر صوفی کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔

"جی..... مرشد بتایا نہیں..... آپ نے۔" لیکن صوفی بہ غور زوس کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور زوس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"کیا؟" زیک لن کے منہ سے ایک آواز نکلی اور پھر اس نے ہونٹ بند کر لیے۔

"یہ باتھ روم کی فٹنگ کا ڈنڈا ہے۔ بڑے کام آیا یہ لیکن ہمیں زوس کی موت منظور نہیں تھی۔ سوری ڈیئر..... زیک لن..... سوری۔" زیک لن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا خاموشی سے زوس کی لاش کو گھورتا رہا۔

♥.....♥.....♥

وہ دونوں زیک لن کو ساتھ لے کر آئے تھے اور مہمان خانے میں اسے کس کر ڈال دیا تھا۔ اندر لانے کے لیے گیٹ کے بجائے بغلی سمت کی دیوار استعمال کی گئی تھی صوفی کے ساتھ سہیل عالم بھی ناقابل یقین کارنامے سرانجام دیتا تھا۔

بہر حال اس کے بعد انہوں نے بیٹھ کر آپس میں مشورہ کیا اور منصوبے تیار کرتے رہے۔ دوسری صبح ملازم ناشتا لے کر آئے۔ تو صوفی نے ایک ملازم سے پوچھا۔

"رائے صاحب گھر پر موجود ہیں۔ یا کہیں باہر گئے ہیں؟"

"ہیں صاحب جی اندر ہیں ناشتا کر رہے ہیں۔"

"ہوں..... آؤ....." صوفی نے کہا اور اس کے بعد وہ سہیل کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ناشتا اندر ہی رہنے دیا گیا تھا۔ دونوں اندر عمارت میں داخل ہو گئے۔ ملازموں نے ہچکچائی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ لیکن کسی نے انہیں روکا نہیں تھا۔ وہ اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں رائے راحیل، سیمل اور راشیل ناشتا کر رہے تھے۔ رائے راحیل نے کسی قدر ناگوار نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن راشیل جلدی سے بولی۔

"آیئے..... آیئے۔ آئیں ناشتا کریں ہمارے ساتھ۔"

"ہمارا ناشتا مہمان خانے میں پہنچ چکا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا خدشہ تھا کہ آپ لوگ کہیں نکل نہ جائیں۔ رائے صاحب کچھ بہت ہی اہم انکشافات کرنے ہیں آپ سے بات کر لی جائے تو اچھا ہوگا۔"

"آپ بیٹھے ناشتے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں ناشتا کر لیں ہمارے ساتھ۔" راحیل نے کہا۔

"تم کیسی باتیں کرتی ہو ڈیئر! انسان کا ایک اپنا اسٹیٹس بھی ہوتا ہے۔"

"ہاں ہوتا ہے واقعی..... ویسے رائے راحیل صاحب اسٹیٹس کچھ بھی ہو انسان انسان ہی کہلاتا ہے۔ ٹھیک ہے ہم ناشتا نہیں کر رہے۔ مہمانوں کے ساتھ اس شاندار عمارت میں یہی سلوک ہونا چاہیے۔" راشیل کسی قدر ناگواری سے بولی۔

"آپ بیٹھے..... میں جو کہہ رہی ہوں۔ میرا بھی تو کوئی تعلق ہے اس گھر سے۔" رائے راحیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ راشیل نے خود اپنے ہاتھوں سے انہیں چائے بنا کر پیش کی۔

صوفی نے بسم اللہ کہہ کر چائے قبول کر لی۔ سہیل عالم کو البتہ ان لوگوں کی باتیں کچھ ناگوار گزری تھیں۔ راشیل نے کہا۔

"سوری جیمس"

"نہیں..... نہیں کوئی بات نہیں ہے۔"

"لو ناشتا کرو پلیز۔" سیمل خاموش بیٹھی رہی تھی سہیل نے اپنی چائے کی پیالی اٹھا کر اس کے دو تین سپ لیے اور پھر بولا۔

"میڈم آپ نے مجھے اس لیے بلوایا تھا کہ میں آپ کی مشکل کا حل دریافت کروں اور اس کے عوض آپ نے مجھے ایک کروڑ ڈالر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ راشیل کے ہاتھوں سے چائے کی پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی اس نے اسے پلیٹ میں رکھ کر کہا۔

"جیمس۔"

"جیمس..... نہیں نک کارسن..... مسٹر راحیل یا رائے راحیل میں جیمس نہیں ہوں نا ہی میں سیمل کا منگیتر ہوں۔ بلکہ میں ایک کریمنل ہوں۔ جو مختلف قسم کے معاملات سرانجام دے لیتا ہے۔ میڈم نے مجھے میرے وطن سے بلوایا تھا۔ کیونکہ میں وہاں ایک نامی گرامی کریمنل تھا۔ میڈم کی مشکل یہ تھی کہ وہ آپ کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتی تھیں میرے ذریعے اور اسی کے لیے انہوں نے مجھے ایک بہترین معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

اصل میں میڈم کے بارے میں یہ بات خفیہ حلقوں میں سنی جاتی رہی ہے کہ وہ دولت مند لوگوں

سے شادی کرتی ہیں۔ پھر انہیں قلاش کر کے انہیں چھوڑ دیا کرتی ہیں۔ آپ کے علم میں بھی یہ بات آ چکی ہے۔

"تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں یہ پیالی تمہارے منہ پر کھینچ کر ماروں گی۔"

"پلیز ایک منٹ خاموش رہیں۔ میری پوری بات سن لیں۔ اس کے بعد جو آپ دل چاہے کریں۔ تو مسٹر رائے راحیل۔ میڈم نے آپ سے بھی اسی لیے شادی کی تھی اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ آپ نے بھی میڈم کی دولت کے قصے سن رکھے تھے چنانچہ آپ بھی اسی دولت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

میڈم نے اب تک کئی شادیاں کیں اور ان کی دولت ہڑپ کر لی اور انہیں چھوڑ دیا۔ یہ بات آپ کے علم میں بھی تھی۔ آپ نے ان معاملات کو نظر انداز کر کے میڈم سے شادی کر لی۔ لیکن بعد میں کچھ اس طرح کے معاملات پیش آئے کہ آپ کو یہ علم ہوا کہ میڈم قلاش ہیں اور آپ اپنے وطن واپس آ گئے۔ البتہ یہ بات طے ہے آپ قلاش نہیں تھے۔

یہاں بھی آپ کے پاس بہت کچھ ہے اور وہاں بھی بہت کچھ تھا۔ اب میں اصل بات بتا رہا ہوں۔ زیک لن ایک خوف ناک کردار جس کے بارے میں یورپ کے کئی ملکوں میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ ماسٹر مائنڈ ہے اور بڑے بڑے جرائم کرتا ہے۔ لیکن یہ جرائم قتل و غارت گری پر مبنی نہیں ہوتے۔ وہ صرف برین ماسٹر ہے اور خود کو دماغ کا سوداگر کہتا ہے۔ اس نے نہ جانے کیا کیا چکر چلا رکھے ہیں لیکن تمام چکروں میں ایک چکر یہ بھی ہے کہ اس نے بے چاری راشیل کو اپنے چنگل میں جکڑ رکھا ہے اور اسے بلیک میل کر کے اپنے کاموں کے لیے مجبور کرتا رہا ہے۔

جو دولت راشیل نے اس کے پلان پر حاصل کی تھی۔ وہ راشیل کے قبضے میں نہیں جاتی تھی بلکہ اسے معمولی سا معاوضہ مل جاتا تھا اس کا۔ اس کی ساری محنت زیک لن ہڑپ کر لیتا تھا۔ یہاں بھی زیک لن اسی چکر میں آیا تھا اور اس نے یہاں آ کر آپ کے خلاف کام شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر طرف سے جائزہ لے رہا تھا کہ کس طرح آپ کی دولت کو اپنے قبضے میں کیا جا سکے۔

مگر راشیل کے بارے میں میں آپ کو یہ بتا دوں کہ وہ بس اپنی ایک لغزش کا شکار ہو گئی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ زیک لن کے شکنجے میں کس گئی۔ بہرحال اپنے طور پر وہ ہر طرح سے کوشش کرتی رہیں۔ پھر کسی طرح میں انہیں یاد آ گیا اور انہوں نے مجھے بلا لیا۔ میں یہاں پر اسی لیے آیا تھا کہ زیک لن کو تلاش کر کے میڈم کو اس سے نجات دلا دوں اور اس کے عوض ان کے جمع کیے ہوئے ایک کروڑ ڈالر میرے حوالے کر دیئے جائیں۔ تو میڈم راحیل میں یہ کام سرانجام دے چکا ہوں۔" راشیل کے ساتھ ساتھ راحیل رائے بھی اچھل پڑا تھا۔

"کک..... کک کیا مطلب؟"

"زیک لن کو میں نے گرفتار کر لیا ہے۔ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"حق اللہ..... حق اللہ اور جناب عالی! ہم بھی اپنا کام سرانجام دے چکے ہیں کیا سمجھے آپ۔ ہم

دونوں مل کر زیک لن کو یہاں پکڑ کر لائے ہیں۔"

"یہاں۔"

"ہاں..... اس وقت وہ مہمان خانے میں بندھا ہوا پڑا ہے اور اگر آپ حمید وغیرہ کی تفصیل سننا چاہتے ہیں تو وہ بھی ہم آپ کو بتا دیں لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے راشیل اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پھر اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ سیمل اسے آواز دیتی رہ گئی۔

"ممی..... ممی..... سنیے تو سہی..... میری بات تو سنیں ممی..... میری بات تو سنیں۔" لیکن راشیل بے قابو ہو چکی تھی۔ رائے راحیل بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے بعد صوفی اور سہیل بھی مہمان خانے کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے دور سے راحیل اور راشیل کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ جو مہمان خانے میں داخل ہو گئے تھے۔

"یہ بات کھلنی نہیں چاہیے کہ تم نک کارسن نہیں ہو۔" صوفی نے کہا۔

"ٹھیک ہے مرشد۔" سہیل عالم مدھم لہجے میں بولا۔ اور پھر وہ دونوں ہی مہمان خانے میں داخل ہو گئے۔ راشیل بندھے ہوئے زیک لن کو دیکھ رہی تھی اور زیک لن کے چہرے پر بے بسی کے آثار تھے پھر راشیل نے راحیل کی طرف مڑ کر کہا۔

"دیکھ لو راحیل..... اب دیکھ لو۔ اچھی طرح دیکھ لو یہ خبیث سامنے موجود ہے۔ آہ..... اسی نے میری پوری زندگی کو ایک زخم بنا دیا ہے رائے راحیل تم میرے پانچویں شوہر ہو۔ مجھے صرف اپنے پہلے شوہر سے محبت ہوئی تھی۔ باقی تم سب میرے لیے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ سمجھے..... جو کچھ ہوا تھا اس میں میری غلطی نہیں تھی۔ اوروں کی وجہ سے میں مشکل میں پھنس گئی۔ ایک بلیک میلر نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا اور اس کے بعد یہ مجھے اپنے اشاروں پر چلاتا رہا۔

رائے راحیل اسی نے تمہاری نشاندہی کی اور ساری صورت حال مجھے بتائی چنانچہ میں تمہاری تحویل میں آ گئی۔ بہت بار تم نے مجھ سے پوچھا تھا ناں کہ میں اس قدر سرد عورت کیوں ہوں۔ میں سرد اسی لیے تھی کہ تم تک میری رسائی میری اپنی مرضی سے نہیں ہوئی تھی سمجھے۔ یہ شخص مجھے مجبور کرتا رہتا تھا اور میں سارے کام کرتی تھی اور اس کے بعد مجھے یہاں تک آنا پڑا۔

رائے راحیل مجرم میں ہوں۔ کیونکہ وہ سب کچھ میں نے کیا۔ لیکن اصل مجرم یہ موجود ہے۔"

"درویش اس پر رحم کریں۔"

"نہیں درویش اس پر رحم نہیں کریں گے۔ میں..... میں پہلی بار آزاد ہوئی ہوں کہ..... یہ بندھا ہوا پڑا ہے میں اسے اپنے دانتوں سے چبا ڈالوں گی۔" راشیل ایک بھوکی بلی کی طرح زیک لن پر دوڑ پڑی اور اس کے بعد جو منظر دیکھنے میں آیا وہ بہت ہی ہول ناک تھا۔ درحقیقت راشیل نے اپنے دانتوں سے زیک لن کا نرخرہ پکڑ لیا تھا اور اس پر پوری قوت صرف کر رہی تھی۔ رائے راحیل سہیل اور خود صوفی بھی دوڑ پڑے پیچھے سے سیمل بھی آ گئی تھی۔ جو یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ لیکن وہ سب کے سب مل کر بھی راشیل کو زیک لن سے نہ ہٹا سکے۔

وہ درحقیقت ایک خونخوار شیرنی کی طرح جھپٹی زیک لن بری طرح تڑپ رہا تھا۔ صوفی اور سہیل کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ راشیل اس قدر بے اختیار ہو جائے گی۔ زیک لن کی آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں کی باوجود اچھل کود مچا کر خود کو راشیل کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن تین تین افراد راشیل کو ہٹا رہے تھے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکے تھے تو زیک لن کیا کامیاب ہوتا۔ راشیل نے اپنے ناخنوں سے اس کی آنکھیں نوچ ڈالی تھیں۔

ایسا خوف ناک چہرہ بنا دیا تھا اس کا کہ دیکھنے والا اسے ایک نگاہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد زیک لن سرد پڑ گیا۔ راشیل بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"میں نے..... میں نے تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے..... میں نے جو زندگی گزاری ہے۔ وہ موت سے بھی بدتر تھی۔ آہ..... کاش..... میں تمہیں اپنا دل دکھا سکتی۔ بتا سکتی کہ کیا زندگی گزاری ہے میں نے۔ کس طرح تڑپ تڑپ کر زندہ رہی ہوں میں۔ آج میرا دل سرد ہو گیا ہے۔ اے شخص..... نک کارسن میں نے تجھ سے ایک کروڑ کا وعدہ کیا تھا کاش میرے پاس دنیا کی ساری دولت ہوتی۔ وہ میں تیرے حوالے کر دیتی۔ تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا ہے آج۔ دل ٹھنڈا کر دیا ہے تو نے۔ رائے راحیل آگے بڑھا اور اس نے رومال سے راشیل کے ہونٹ خشک کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ راشیل..... آؤ..... باتھ روم میں آؤ۔ منہ ہاتھ دھوؤ..... منہ ہاتھ دھوؤ۔"

"مجھے پولیس کے حوالے کر دو راحیل..... مجھے پولیس کے حوالے کر دو میں اب موت کی سزا چاہتی ہوں۔ قتل کیا ہے میں نے سمجھے تم سب اس کے گواہ ہو۔ میں نے۔ قاتل ہوں میں۔ سزائے موت چاہتی ہوں۔ تنگ آ گئی تھی اس زندگی سے میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ بس اس بلیک میلر کے جال میں پھنس گئی تھی۔ میں نے زندگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔

"اب تو تم انسان بنی ہوں۔ راشیل اور انسان کی موت کون چاہے گا۔ آؤ پہلے منہ صاف کر لو۔ تم حد سے زیادہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ رائے راحیل اسے باتھ روم میں لے گیا۔ سہیل عالم نے صوفی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"جی..... صوفی صاحب۔"

"نہیں۔ بے شک اس نے ایک شخص کو قتل کیا ہے لیکن ہم اس کے پیش نظر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ایک برا آدمی موت کے گھاٹ اترا ہے۔ کم از کم میں اس عورت کو کوئی سزا دلوانے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"زندہ باد صوفی صاحب! میں بھی انتہا پسندی کا قائل نہیں ہوں۔" آپ کا فیصلہ درست ہے۔ یہ باتیں سرگوشی کے انداز میں ہو رہی تھیں۔ رائے راحیل باہر آیا اس کے چہرے پر بے کسی کے نقوش تھے۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ارشاد..... ارشاد..... درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"آپ لوگ اگر میرے ساتھ تعاون کریں تو دو زندگیاں بلکہ تین زندگیاں کیونکہ ہمارے ساتھ سیمل بھی شامل ہے۔ زندگی پا سکتی ہیں یہ شخص جو تمام فسادات کی جڑ تھا۔ مر چکا ہے۔ کس طرح مرا یہ بات

آپ لوگ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ راشیل جیسی کسی بھی عورت کا تصور کر لیجئے گا۔ ان حالات میں اس کی دیوانگی اسی حد تک پہنچ جانی چاہیے تھی۔ محترم صوفی صاحب!..... میں نے جمشید مرزا کو پچاس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنے وعدے کا پابند ہوں۔ راشیل نے مسٹر نک کارسن کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ انہیں ایک بڑی رقم کا وعدہ کر کے یہاں بلانے کی ذمہ دار ہے۔ اس رقم کا آدھا حصہ انہیں ادا کر دیا ہے۔ مسٹر نک کارسن! میں باقی آدھی رقم ادا کرنے کو تیار ہوں۔ میرا مطلب ہے راشیل کے اس اکاؤنٹ سے۔ آپ براہ کرم اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھیے گا یہ ایک درخواست ہے۔ میں اسے پیش کش بھی نہیں کہہ سکتا۔ ایک لمحہ کے اندر اندر صوفی نے فیصلہ کیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے۔" واپسی کے راستے میں سہیل نے صوفی کو نک کارسن کے بارے میں پوری تفصیل بتائی اور صوفی نے حیرانی سے اسے دیکھا اور بولا۔

"تم نے پہلے مجھے یہ نہیں بتایا۔"

"میں نے سوچا تھا صوفی صاحب کہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھ جائے اور پھر مجھے معاف کر دیجئے گا کہ وہ میرا دوست ہے۔ میں نے اس سے اس راز کو راز رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر آپ کو مرشد نہ مانتا تو آپ یقین کیجئے کہ آپ کو کبھی نہ بتاتا اس کے بارے میں۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"میں اسے اپنے فلیٹ میں چھوڑ کر آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے اس دوست ڈاکٹر کو اس کی بیماری کی تفصیل بتا دی تھی۔ وہ واقعی خاصا سنگین بیمار ہے اور یہ ہماری رقم اس کی بیماری پر خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بیماری کے علاج کے لیے جاپان جائے۔ جہاں سے اسے کچھ اس قسم کی اطلاعات ملی ہیں کہ اس کی بیماری کا علاج جاپان میں موجود ہے۔"

"بسر چشم..... ویسے یہ پچاس لاکھ روپے ہم گرین فورس فنڈ میں ڈال دیتے ہیں۔ اب ہمیں یہ سب کچھ کرنا پڑے گا درویشوں کے کرم سے۔ ظاہر ہے گرین فورس کو زندہ رکھنا ہے۔ پہلے تو کرنل رحیم شاہ سارے اخراجات چلاتے تھے۔ لیکن اب طریقہ کار تبدیل کرنا پڑ رہا ہے۔"

"خوشی کے ساتھ..... خوشی کے ساتھ۔ میں نے تو آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔" سہیل عالم نے کہا۔ بہر حال دونوں..... سب سے پہلے فلیٹ پر پہنچے۔ جہاں ٹارزن غم زدہ شکل بنائے سہیل عالم کا منتظر تھا۔

"خیریت..... کارسن کہاں ہے؟"

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"کیا؟" سہیل عالم اچھل پڑا۔

"ہاں آپ کے جانے کے بعد بڑا خوش و خرم تھا۔ کل رات کو اچانک حالت بگڑ گئی تھی اور ڈاکٹر تاشیرا سے اپنے ساتھ ہسپتال میں لے گئے۔ میں نے انہیں اطلاع دی تھی۔ آج صبح ساڑھے سات بجے اس کا انتقال ہو گیا۔ اب بھی اس کی لاش سرد خانے میں موجود ہے۔ آپ کو اس کے لیے اطلاع نہیں دی کہ پتا نہیں آپ کی مصروفیت کیا ہوں۔ کیونکہ آپ میک اپ کر کے گئے ہوئے تھے۔"

"اوہ مائی گاڈ....." بہر حال اس کے بعد صرف رسمی کارروائیاں رہ گئی تھیں۔ سہیل عالم نے ساری رقم صوفی کو دیتے ہوئے کہا۔

"اسے بینک میں جمع کروا دیجئے صوفی صاحب! گرین فورس فنڈ اکاؤنٹ میں۔"

"مگر یہ....."

"نہیں..... آپ جانتے ہیں۔ میرے سامنے دولت کے انبار ہیں میں اس بدبخت چیز سے بچتا ہوں۔ اس طرح میں باعمل رہوں گا۔ ورنہ یہ بدن کو ناکارہ کر دیتی ہے اور انسان کسی قابل نہیں رہتا۔ سہیل عالم نے افسردگی سے کہا۔

♥.....♥.....♥

کرنل رحیم شاہ ملک بدر ہو گیا تھا۔ سارا خاندان ایک یورپی ملک میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ عادل، فیضان اور کرنل کے اہل خاندان خاص طور سے اس کی سب سے چہیتی بیٹی رائنہ بہت افسردہ تھی اور اس کا خیال تھا کہ خوش و خرم رہنے والے کرنل رحیم شاہ کی صحت پر اس ملک بدری کا بڑا برا اثر پڑے گا۔ کیونکہ ایک مخلص اور محب وطن انسان کو اگر اس طرح راندۂ درگار کر دیا جائے تو اس کی ذہنی کیفیت کسی طور بحال نہیں رہ سکتی۔ کرنل رحیم شاہ کے اندر کچھ بھی ہو۔ لیکن اوپر سے وہ ہشاش بشاش تھا۔

"میں ایک فوجی ہوں اور فوجی کے اعصاب اگر فولادی نہ ہوں۔ تو وہ ایک کامیاب فوجی نہیں رہ سکتا۔ بلکہ میں حیران اور خوش ہوں کہ مجھے اس طرح کی تبدیلی کا سامنا کرنا پڑا ہے ورنہ لوگوں کی زندگی سپاٹ گزر جاتی ہے تم لوگ یہ مت سمجھنا کہ بات ختم ہو گئی۔ کہانی نے ایک ٹرن لیا ہے اور اب اس کے بعد آگے بڑھنے کی منتظر ہے۔ تم صوفی کو کیا سمجھتے ہو۔ وہ ایک مملکت ہے۔ لیجنڈ ہے۔ وہ کھیل دکھائے گا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں گے۔ ایسا اعتماد زندگی میں کبھی کبھی کسی میں پیدا ہوتا ہے اور کم از کم تم لوگوں کو یہ اندازہ ضرور ہو گا کہ میں کسی پر احمقانہ اعتماد نہیں کرتا۔"

"بہت بڑی بات ہے۔ انکل بہت بڑی بات ہے۔"

"میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ اپنے آپ کو جلا وطن مت سمجھو! بلکہ یہ سمجھو کہ کچھ عرصے کے لیے، تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہاں آئے ہو۔ ہمیں واپس اپنے وطن جانا ہے۔ میں تم لوگوں کو مکمل اعتماد دلاتا ہوں اور اس کے بعد ان لوگوں میں واقعی اعتماد پیدا ہو گیا کہ یہ سب کے سب تفریحات میں حصہ لینے لگے۔ جس شہر میں انہوں نے رہائش اختیار کی تھی وہ حسن و جمال کا نمونہ تھا۔ شہری زندگی کہر میں ڈھکی ہوئی۔ ایک حسین ماحول پیش کرتی تھی۔ کہر یلی اور بارش میں بھیگی ہوئی سڑکوں پر۔ روشنیوں کی لکیریں۔ زندگی کی لکیریں محسوس ہوتی تھیں اور پھر اس کے اطراف سرسبز و شاداب۔

ہل وادی بہت ہی حسین تفریحی علاقہ تھا۔ یہاں کی تفریحات منفرد تھیں۔ بڑے بڑے ٹرالر گردش کرتے رہتے تھے اور جہاں قیام کی ضرورت پیش آتی۔ وہاں قیام کر لیا کرتے تھے۔ رات کی تاریکیوں میں کسی بھی جگہ کیمپنگ ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی کرنل رحیم شاہ جس نے اپنے آپ کو کرنل ہی کہلوانا پسند کیا تھا۔ کیونکہ بہ قول اس کے جرنل کا عہدہ اسے راس نہیں آیا تھا۔ کرنل رحیم شاہ ایک ٹرالر میں مقیم تھا۔ بہت بڑی

جھیل کے کنارے یہ ٹرالر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے خاندان کے اور افراد بھی دوسرے ٹرالوں میں تھے۔ رحیم شاہ اپنی ایک بیٹی کے ساتھ اس بڑے ٹرالر میں موجود تھا۔ جسے اگر اندر سے دیکھا جاتا تو ایک کمال کی چیز سامنے آتی تھی۔ ایک خوبصورت کمرہ۔ جس میں دو بیڈ سٹنگ ارینجمنٹ اور اس کے بعد ایک کلرز یورشن کچن کے لیے تھا۔ حسین ترین جگہ تھی اس دن اچانک ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا اور پھر ایسی چھما چھم بارش شروع ہوئی تھی کہ اس وقت مسلسل چھ گھنٹے گزر چکے تھے اور بارش تھی کہ اس کا زور ٹوٹنے کو نہیں آتا تھا۔

قرب و جوار جل تھل ہو گئے تھے۔ اندر رائنہ اور کرنل رحیم شاہ بیٹھے ہوئے کافی سے شغل کر رہے تھے اور انہوں نے ٹرالر کے شیشے کھولے ہوئے تھے۔ جو باہر کا منظر پیش کر رہے تھے۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے ٹرالروں سے روشنیاں جھلک رہی تھیں۔ باقی ہر طرف ہو کا عالم تھا اس تیز بارش میں کوئی زمین پر قدم رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ دستک ان کے لیے حیرانی کا باعث تھی۔ جو ٹرالر کے دروازے پر ہوئی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے چونک کر اس طرف دیکھا اور بولا۔

''یہ کون ہو سکتا ہے۔''

''دیکھوں۔؟''

''ہاں..... دیکھو!'' کرنل رحیم شاہ نے اپنی بیٹی سے کہا اور رائنہ جو ایک نڈر اور دلیر لڑکی تھی۔ دروازے کے شیشے کی جانب بڑھ گئی۔ شیشے سے اس نے دیکھا کہ ایک سایہ سا باہر موجود ہے۔ کرنل رحیم شاہ بھی بے ساختگی ٹیکتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔ رائنہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کرنل رحیم شاہ شیشے سے باہر دیکھنے لگا۔ ایک لمحے تک جائزہ لیا رہا اور پھر اس نے رائنہ کو پیچھے ہٹنے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی اس نے اشارہ کیا کہ پستول نکال لے۔ رائنہ نے ایک سائیڈ میں ہو کر ریوالور نکال لیا اور کرنل رحیم شاہ نے دروازہ کھول دیا۔ آنے والے نے اپنا ہاتھ اوپر کر دیا تھا تاکہ رحیم شاہ اسے ٹرالر کی سیڑھی سے اوپر بلا لے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی یہ سیڑھی بھی کھل جاتی تھی۔ جو کمانیوں سے بنائی گئی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے کچھ سوچ کر ہاتھ آگے کیا اور اس شخص نے اپنا ہاتھ رحیم شاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ رحیم شاہ بڑی دقت کے ساتھ اسے اوپر کھینچنے میں کامیاب ہوا۔ چونکہ اس نے محسوس کیا تھا کہ ہاتھ میں ایک عجیب سی چپچپاہٹ ہے۔ جو لازمی طور پر خون کی ہی ہو سکتی ہے۔ وہ شخص اوپر آ گیا تو کمانی اوپر اٹھ گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ رائنہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنے والے کا لباس خون سے تر بتر تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کوئی ایشیائی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید نقاہت تھی۔ اس نے کھڑے رہنے کی کوشش کی لیکن وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

کرنل رحیم شاہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟''

''سر..... میں..... ایشیائی ہوں۔ میرا نام سلیم شاہ ہے۔ میں مائیکرو سوفٹ انجینئر ہوں۔ ایک واقعہ پیش آ گیا ہے میرے ساتھ۔ میں نے جان بوجھ کر آپ کے ٹرالر کا رخ کیا ہے آج صبح ساڑھے چھ بجے بھی۔ میں یہاں پہنچا تھا میری کار برسٹ مار کر تباہ کر دی گئی ہے۔ وہ یہاں سے کوئی تین فرلانگ پیچھے ایک سڑک کے نشیب میں پڑی ہوئی ہے۔ اس شخص نے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم زخمی ہو؟''

''جی سر! میری بغل کے پاس تین گولیاں لگی ہیں۔ میں صبح ساڑھے چھ بجے سے ٹرالر کے نچلے حصے میں چھپا پڑا ہوا ہوں اور وہ لوگ مسلسل میری تلاش میں سرگرداں ہیں۔''

''کون؟''

''انتہائی خطرناک دشمن! سر میں نے ٹرالر کے نیچے پڑے پڑے آپ کے ٹرالر کو دیکھا ہے مجھے یہ اندازہ ہوا ہے کہ آپ لوگ بھی ایشیائی ہی ہیں۔ آپ کے وطن کا میں اندازہ نہیں لگا سکا۔ لیکن میں۔'' اس شخص نے اپنے وطن کا نام لیتے ہوئے کہا۔ یہ کرنل رحیم شاہ ہی کا وطن تھا۔

''بات کیا ہوئی ہے؟''

''سر یہاں میں تقریباً بارہ سال سے مقیم ہوں۔ مائیکرو سوفٹ وغیرہ کا کاروبار کرتا ہوں۔ بالکل اتفاقیہ طور پر میرے پاس ایک ایسا مائیکرو سوفٹ آ گیا۔ جس میں ایک انتہائی اہم راز پوشیدہ تھا۔ یہ مائیکرو سوفٹ بھی ایک ہم وطن نے ہی مجھ تک پہنچایا تھا۔ جو میری ہی طرح زخمی تھا اور اس نے مجھے ساری حقیقت حال بتائی تھی۔ سر! خدا آپ کو محفوظ رکھے میں نہیں جانتا کہ آپ کے ساتھ کیا ہو گا لیکن صرف میری ایک بات سن لیجیے۔ اس مائیکرو سوفٹ ڈسک میں میں نے ایک مائیکرو فلم بنائی ہے۔ یہ میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں۔ اس شخص نے ایک چھوٹا سا چوکور پیکٹ نکال کر کرنل رحیم شاہ کو دیتے ہوئے کہا۔

''اس میں وہ مائیکرو فلم محفوظ ہے۔ آپ براہ کرم اسے کسی بھی طرح دیکھ لیجیے۔ آج کل یہ ٹیکنالوجی کوئی مشکل کام نہیں رہی ہے۔ سر! اسے اپنے وطن پہنچانا ہے کیونکہ اس میں وطن عزیز کے خلاف ایک عظیم الشان سازش کی تفصیلات ہیں۔ سر! بہت سے چہرے بے نقاب ہوئے ہیں۔ جو وطن میں بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔ لیکن اصل میں وطن دشمن ہیں۔ سر! کسی بھی طرح ذمہ دار افراد کو یہ مائیکرو فلم منتقل کر دی جائے۔

سر! یہ اتنی ضروری ہے کہ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اس میں وطن کی بقاء چھپی ہوئی ہے۔ آپ پلیز! یہ کام کر ڈالیے میں اگر چاہتا تو یہ مائیکرو فلم متعلقہ لوگوں کے حوالے کر کے اپنی زندگی بچا سکتا تھا۔ لیکن میں نے پوری زندگی کی بازی لگا دی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ مگر شاید میں ابھی اسی لیے زندہ ہوں کہ اپنے پیارے وطن کے لیے کچھ کر کے مروں سر! وطن سے دور رہ کر تو وطن کا پیار بے پناہ بڑھ جاتا ہے۔ میں اسی پیار سے سرشار ہوں۔'' کرنل رحیم شاہ اس کے چہرے پر مسلسل نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ زخمی کے انداز سے الگ رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل سچ کہہ رہا ہے۔

''میں تمہارے زخم دیکھ لوں۔''

''نہیں سر! آپ صرف اپنے تحفظ کا بندوبست کیجیے میں نہیں جانتا کہ آگے کیا ہو گا۔ اگر آپ اس مائیکرو فلم کو وطن تک پہنچانے کا وعدہ کر لیں تو میں ایک منٹ یہاں نہیں رکوں گا۔ میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے۔''

''نہیں دوست! یہ مائیکرو فلم تو خیر وطن پہنچ ہی جائے گی۔ لیکن میں تمہیں اس طرح۔''

''سر! جذباتی نہ ہوں پلیز..... میری بات مان لیں۔''

''مگر میں تمہیں اس زخمی حالت میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''

''چھوڑ دیجئے سر! بڑے مفاد کے لیے چھوٹا مفاد قربان کرنا پڑتا ہے۔''

''خیر پہلے میں تمہاری بینڈ یج کروں گا۔ رائنہ چلو۔'' کرنل رحیم شاہ نے کہا۔ وہ شخص منع کرتا رہا لیکن رائنہ نے کرنل رحیم شاہ کے ساتھ مل کر اس شخص کے زخموں کی ڈریسنگ کی۔ گولیاں آر پار ہوگئی تھیں۔ بدن پر زخم تھے۔ جن سے بے پناہ خون بہہ گیا تھا۔ اس شخص کے چہرے کی نقاہت یہ بتاتی تھی کہ اس کی زندگی یہاں رکنے کے لیے تیار نہیں ہوا اور ڈریسنگ کرانے کے بعد اس نے دو پیالے دودھ پیا پھر بولا۔

''آپ کا بے حد شکریہ۔ تو میں چلتا ہوں۔ لیکن اس امید کے ساتھ کہ میرا مشن آپ پورا کریں گے۔''

''ہاں سلیم شاہ۔ تمہارا مشن پورا ہو جائے گا لیکن تم مجھے ایک بہت بڑا دکھ دے رہے ہو۔''

''نہیں سر خدا آپ کو سلامت رکھے۔''

''اپنا پتا دے رہے ہو۔''

''بالکل نہیں۔ بس اتنا کافی ہے۔'' سلیم شاہ نے کہا اور رائنہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

''بیٹی! پلیز دروازہ کھول دو بہت ضروری ہے۔ باہر بارش اسی برق رفتاری سے ہو رہی تھی۔ سلیم شاہ نیچے اتر گیا۔ کرنل رحیم شاہ دروازہ کھولے اسے رات کی تاریکی میں گم ہوتے دیکھ رہا تھا۔ رائنہ نے کہا۔

''کچھ بھی تھا۔ ایک بار میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اسے کوئی انجکشن دے کر بے ہوش کر دوں۔ تاکہ اس کی ضد ختم ہو جائے۔ لیکن کرنل رحیم شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک وہ خاموشی سے دروازے میں کھڑا ماحول کو گھورتا رہا۔ اور پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''خدا اس کی حفاظت کرے دروازہ بند کر دو۔'' رائنہ نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن شیشے سے وہ بہت دیر تک باہر دیکھتے رہے تھے۔

پھر بھلا نیند کسے آ سکتی تھی۔ مائیکرو فلم کا وہ پیکٹ ایک انتہائی محفوظ جگہ پر چھپا دیا گیا تھا۔ رائنہ نے کہا۔

''کیا پروگرام ہے پپا۔''

''دیکھنا پڑے گا پہلے یہ مائیکرو فلم دیکھنی پڑے گی۔ ہم کل صبح یہاں سے چل پڑیں گے۔ کرنل رحیم شاہ نے کہا۔ اچانک ہی رائنہ چونک پڑی۔ پھر بولی۔

''پپا..... وہ زخمی تھا اور اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ سامنے والے ٹرالر میں یہاں تک آیا تھا۔''

''اگر تم سوچ رہی ہو کہ اس کے جسم سے ٹپکتے ہوئے خون کے نشانات باقی رہ جائیں گے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس قدر تیز بارش میں وہ نشانات چند لمحوں کے اندر دھل گئے ہوں گے۔''

''پھر بھی پپا صبح کا پہلا نور پھیلتے ہی ہمیں سیڑھیوں وغیرہ کا جائزہ لے لینا چاہیے۔''

''تمہاری ذہانت پر مجھے خوشی ہوئی رائنہ۔''

''آخر بیٹی کس کی ہوں۔'' رائنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ دوسری صبح کرنل رحیم شاہ کے بیان کی تصدیق ہوگئی خون کے کوئی نشانات باقی نہیں رہے تھے۔ لیکن کرنل رحیم شاہ وہاں نہیں رکا تھا۔ مائیکرو فلم

کو دیکھنے کے لیے پروجیکٹر کا انتظام فیضان نے کیا تھا۔ عادل اور فیضان بہر حال صوفی کی صحبت میں رہ چکے تھے اور خاصے ٹرینڈ ہو چکے تھے انہیں ساری صورت حال بتا دی گئی تھی۔ چنانچہ پروجیکٹر کا بندوبست کر لیا گیا اور اس کے بعد رائنہ، عادل، فیضان اور کرنل رحیم شاہ نے وہ فلم دیکھی فلم دیکھ کر کرنل رحیم شاہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جو انکشافات اس فلم میں کیے گئے تھے۔ وہ اس قدر سنسنی خیز تھے کہ کرنل رحیم شاہ ان میں کھو کر رہ گیا تھا۔

اور پھر اس نے جوش جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''خدا کی قسم ان تمام لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹنا ہوگا۔ ہم میں سے کسی ایک شخص کو صوفی کے پاس جانا ہوگا اور یہ مائیکرو فلم احتیاط کے ساتھ اس تک پہنچانی ہوگی۔''

''میں جاؤں گا انکل۔'' فیضان نے مردانہ وار کہا۔

''نہیں تم دونوں جاتے پہچانے ہو۔''

''مگر میں نہیں ہوں۔'' رائنہ کی آواز ابھری۔ اور کرنل رحیم شاہ فخریہ انداز میں اپنی اس بہادر بیٹی کو دیکھنے لگا۔

♥.....♥.....♥

عادل اور فیضان چونک کر رائنہ کو دیکھنے لگے۔ پھر فیضان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

''نہیں رائنہ بھلا تم کیسے واپس جاؤ گی اور ویسے بھی جس انداز میں ہم لوگ وطن سے یہاں آئے ہیں اس میں تمہاری واپسی..... چلو ہم لوگ تو اپنا کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیں گے لیکن تمہارے لیے.....'' فیضان نے کہا اور جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ رائنہ نے تیکھی نگاہوں سے فیضان کو دیکھا اور پھر کرنل رحیم شاہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ڈیڈی! آپ براہِ کرم ان لوگوں کو بتائیے کہ میں کون ہوں، حالاں کہ ان کے یہ الفاظ میری بے عزتی کے مترادف ہیں، لیکن خیر نیک جذبے سے کہے گئے ہیں اور پھر اس وقت کسی بھی بات کا برا ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اچانک ایک مشن آ گیا ہے۔ فیضان صاحب میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں کرنل رحیم شاہ کی بیٹی ہوں جنہوں نے اپنی فوجی زندگی میں ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے ہیں جو سونے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے علاوہ جسمانی طور پر معذور ہونے کے باوجود انہوں نے.....''

''ارے نہیں نہیں بیٹا! بہت برا مان گئیں تم، فیضان کی بات کا، وہ اصل میں جس جذبے کے تحت یہ بات کہہ رہا ہے وہ جذبہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔''

''ڈیڈی! یہ مائیکرو فلم میں وطن لے کر جاؤں گی اگر آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی منصوبہ ہے تو میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گی ورنہ دوسری شکل میں مجھے خود اس کے لیے عمل کرنا ہوگا۔''

''تھوڑا سا سوچنے کا وقت تو مجھے دو گی نا رائنہ!''

''آپ بے شک سوچ لیجیے لیکن براہِ کرم آپ بھی مجھے صرف ایک لڑکی سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیجیے گا۔ بدلے ہوئے وقت کے ساتھ ہم لوگوں میں بھی کافی تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔ میں خود یہ مائیکرو فلم لے کر

جاؤں گی۔'' کرنل رحیم شاہ ایک گہری مانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ بہر حال اس بارے میں ساری باتیں ایک طرف کی نشان دہی کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ اس فلم کو صوفی تک ضرور پہنچنا ہے باقی کرنل رحیم شاہ کو اس بات کا اطمینان تھا کہ بعد کے معاملات صوفی اپنے طور پر کنٹرول کر لے گا۔

دو دن گزر گئے رائنا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اپنی کچھ مصروفیات بھی بنالی تھیں اور وہ نہ جانے کیا کیا کرتی پھر رہی تھی۔ کرنل رحیم شاہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ کئی سوچیں اس کے ذہن میں تھیں، اس نے یوں غور کیا تھا کہ جن حالات میں وہ ملک سے باہر نکلا ہے اس کے بعد اسی خاندان کے کسی فرد کو خفیہ طور پر وطن واپسی کے سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اچانک ہی کچھ اس طرح کی مخالفتیں ہو گئی تھیں جنہیں وہ خود بھی صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا تھا۔

اصل میں اگر سارے اہل خاندان کا معاملہ نہ ہوتا تو یقینی طور پر وہاں فوراً ہی کوئی نہ کوئی کارروائی کی جا سکتی تھی لیکن کرنل رحیم شاہ کوئی سنگین رسک لینے پر تیار نہیں تھا بہ ظاہر اب کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ مائیکرو فلم کو وہ کسی بھی طرح ایسے ذرائع سے وطن نہیں بھیجنا چاہتا تھا جو خطرناک ہوں، کیوں کہ یہ مائیکرو فلم جن رازوں کی امین تھی وہ بڑے سنگین تھے اور انہیں صوفی تک پہنچنا انتہائی ضروری تھا پھر تقریباً پانچویں یا چھٹے دن کی بات ہے کہ رائنا خود ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔

''ڈیڈی کیا بات ہے آپ نے مکمل طور پر خاموشی اختیار کر لی ہے۔''

''رائنا میں فیصلہ نہیں کر پا رہا! حالاں کہ میرے ساتھ خاندان کے بہت سے افراد موجود ہیں اور اصولی طور پر مجھے انہی میں سے کسی کو اس کام کے لیے تیار کرنا چاہیے لیکن بات وہی ہے اس دوران میں نے صوفی سے رابطہ تک قائم نہیں کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں صوفی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اصل میں جب تک وہ لوگ سامنے نہ آئیں جنہوں نے مجھے یہاں تک پہنچانے میں شدید ترین محنت کی ہے اور اپنا کردار سرانجام دیا ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی گڑبڑ ہو۔''

''جی ڈیڈی! میں آپ سے سوال کر رہی ہوں کہ آپ نے اس دوران کیا سوچا جس اہم اور قیمتی راز کو آپ وطن پہنچانا اس قدر ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس میں دیر بھی تو نہیں کرنی چاہیے۔''

''میں اس اعتراف میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا رائنا کہ میں اسے اتنی ہی ذمے داری اور راز داری کے ساتھ وطن بھیجنا چاہتا ہوں کہ کوئی خطرہ باقی نہ رہے ورنہ صورتِ حال اس سے زیادہ سنگین ہو جائے گی کہ یہ راز وطن کو نہ پہنچے۔

''مگر گویا ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا لیکن ڈیڈی میں یہ کام کرنا چاہتی ہوں۔ فیضان اور عادل کو آپ نے صوفی صاحب کے ساتھ مصروف کر کے انہیں باقاعدہ تربیت دلوائی اور اس دوران میں یہ سوچتی رہی کہ کاش میں آپ کا بیٹا ہوتی اور آپ مجھ پر بھی اتنا ہی اعتماد کرتے۔ ڈیڈی! افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ زمانہ جدید سے پوری طرح تعاون کرتے ہیں لیکن ہم لوگوں کا معاملہ ہنوز وہیں کا وہیں ہے۔'' کرنل نے چونک کر رائنا کو دیکھا اور بولا۔

''رائنا! تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''ڈیڈی! میں انتظامات کر چکی ہوں اور میں نے ایک لائحہ عمل ترتیب دے لیا ہے۔''

''کیا.....؟'' کرنل نے سوال کیا۔

''آپ کو پتا ہے کہ یہاں ہمارے بے شمار ہم وطن موجود ہیں۔ میری ایک دوست سمعیہ وزیر علی ہے۔ سمعیہ وزیر علی ایک ریسرچ اسکالر ہے اور کچھ کتابیں ترتیب دے رہی ہے۔ اس کی دو کتابیں پہلے بھی مارکیٹ میں آ چکی ہیں جس میں اس نے ہندوستان کے علاقے آسام کے بارے میں مکمل ریسرچ کی ہے۔ خاص طور سے اس نے عجائبات عالم میں سے ایجنفا ایلورا کے بارے میں بڑی تفصیلی ریسرچ کی ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڈی! اس نے ایم اے زون کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اور اب وہ فراعنہ کے بارے میں لکھ رہی ہے اور اس کا خاص موضوع یہ ہے کہ مصر کے احرامین میں جتنی ممیاں پائی گئی ہیں وہ مردوں ہی کی کیوں ہیں۔ عورتوں کی ممیاں ان میں کیوں نہیں ہوتیں۔ وہ اس پر خاص طور سے ریسرچ کر رہی ہے اور دو دن کے بعد وہ مصر روانہ ہونے والی ہے۔

ڈیڈی! میں نے انتظام کر لیا ہے میں سمعیہ وزیر علی کے ساتھ یہاں سے مصر جاؤں گی اور مصر سے خفیہ طور پر اپنے وطن نکل جاؤں گی۔ یہ میرا منصوبہ ہے اور میں اس کے بارے میں آج آپ سے فائنل ڈسکس کرنے آئی ہوں۔'' کرنل رحیم شاہ حیران نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

''مگر رائنا تم اپنی اصل حیثیت سے وہاں جاؤ گی؟''

''ہاں۔ بالکل! اصل حیثیت سے، لیکن مصر پہنچنے کے بعد میری یہ اصل حیثیت بدل جائے گی۔ میں نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''سمعیہ وزیر علی اپنے اسسٹنٹ کے طور پر مجھے وہاں سے روانہ کرے گی۔ اصل میں مصر میں اس کے بہت ہی قریبی عزیز موجود ہیں۔ وہ انہیں میرے بارے میں بتائے گی، لیکن اس انداز میں کہ میں اپنی اصل حیثیت سے وہاں نہیں جاؤں گی بلکہ وہ مجھے نیا نام دے کر وہاں میرے کاغذات بنوا دے گی۔''

''ترکیب بہت اچھی ہے لیکن.....''

''ڈیڈی! آپ بھروسہ تو کریں۔ میں یقیناً آپ کے معیار پر پوری اتروں گی۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔''

''مجھے سوچنے کا موقع دو۔'' کرنل رحیم شاہ نے کہا۔

''ضرور۔ میں آپ کو وقت بھی بتا چکی ہوں اپنی روانگی کا اور اپنے منصوبے کو بھی بتا چکی ہوں۔ آپ ضرور سوچیے، لیکن اس وقت کے درمیان، لیکن مجھے یقین ہے کہ مادرِ وطن کا ایک بہادر سپاہی اپنی محبت کو فرض پر ترجیح نہیں دے گا۔'' رائنا نے کہا اور کرنل رحیم شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

♡.....♡.....♡

معشوق نشیلے نے دکانِ حکمت کا تو بیڑا ہی غرق کر دیا تھا۔ صوفی نے وہاں جا کر جائزہ لیا اور اس کے بعد دکان حکمت بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اس جگہ کو اپنا ایک اسٹیشن بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ

جگہ کارآمد نہیں ثابت ہوسکتی تھی۔ بہرحال باقی سارے معاملات بہ خیروخوبی چل رہے تھے۔ گرین فورس کا ہر ممبر اپنے طور پر کمانے اور کھانے کے لیے تیار تھا، لیکن صوفی نے ایک بار کہہ دیا تھا کہ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی تو وہ ان لوگوں کو اجازت دے دے گا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں چلائیں۔

چناں چہ سب خاموش تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی صوفی نے انہیں نئے فنڈ فراہم کر دیے تھے۔ ویسے بھی سہیل عالم نے وہ ساری رقم بھی گرین فورس کے فنڈ میں جمع کرادی تھی جو درحقیقت کسی اور مقصد کے لیے تھی اور نک کارسن کی موت کے بعد پورا نہیں ہوسکا تھا۔

بہرحال صوفی کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں ان میں کچھ اور زیادہ ہی اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ شیروانی، ڈھیلے پائنچے کا پاجامہ، پان قوام چھالیا، تمباکو تو صوفی کو زندگی کا حصہ تھا لیکن اس میں بے پناہ کمی واقع ہوگئی تھی اور صوفی اب ڈھنگ کے لباس میں بھی نظر آنے لگا تھا پھر اس دن حسینہ نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی۔ اس وقت اور کوئی تو تھا نہیں لیکن معشوق نشیلے باہر باغ میں مٹرگشت کررہے تھے۔ بھلا وہ یہاں سے کہاں جاتے، ہر آسائش ان کے لیے موجود تھی۔ حسینہ سے بڑے زوروشور سے عشق کا آغاز کیا تھا۔

لیکن اس کالے تل میں کسی بھی طرح کا تیل نہیں تھا چناں چہ آج کل ان کا عشق مدھم پڑ گیا تھا باقی تمام لوازمات جاری تھے۔ حسینہ کو صبر نہ ہوسکا تو وہ انہی کے پاس پہنچی۔

''مر رہے ہو؟''

''چھوڑ دیا ہے۔'' معشوق نشیلے نے جواب دیا۔

''کیا چھوڑ دیا ہے؟''

''تم پر مرنا۔''

''بیڑا غرق ہو تمہارا۔'' حسینہ جل بلا کر بولی۔

''نہیں نہیں، اگر تمہیں یہ بات ناگوار گزری ہے تو پھر سے مرنا شروع کردوں؟''

''جوتی نکالوں گی پاؤں سے اور دس لگاؤں گی سر پر۔''

''اتنا آسان نہیں ہے۔ کیا تم اسی لیے یہاں آئی تھیں؟''

''آئی تو کسی اور مقصد کے لیے تھی۔''

''کیا مقصد..... وہ بتاؤ؟''

''پیچھے جا کر دیکھا ہے ذرا۔''

''کیوں خیریت؟ کیا گائے گوبر کر گئی ہے؟''

''توبہ توبہ، ذرا چلو تو سہی، مگر اندر آجاؤ۔ جھانک کر دیکھنا ہماری آہٹ سن لی تو پتا نہیں کیا ہو؟''

''ہوا کیا.....؟''

''صوفی مٹامارا گیا۔''

''کیا.....؟'' معشوق نشیلے اچھل پڑا۔

''ذرا دیکھو تو سہی، دماغی توازن ختم ہوگیا بے چارے کا۔ آؤ ذرا میرے ساتھ۔'' معشوق نشیلے سنجیدہ

ہوگیا اور تیزی سے حسینہ کے ساتھ دوڑتا ہوا گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوگیا۔ پچھلا دروازہ پچھلے لان پر کھلتا تھا۔ یہاں پر ایسے روزن بھی بنے ہوئے تھے جن سے باہر جھانکا جاسکتا تھا اور انہی روزنوں میں سے معشوق نشیلے نے بھی ادھر دیکھا۔ صوفی کے جسم پر صرف ایک سرخ جانگیا تھا اور وہ ایک عجیب وغریب قسم کی ورزش کررہا تھا۔ کبھی وہ دونوں گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل جھک جاتا اور اس وقت وہ بن مانس کی سوکھی ہوئی نسل کا کوئی فرد معلوم ہوتا تھا۔ کبھی دونوں پاؤں کھول کر فضا میں چھلانگ لگاتا۔ یہ ایک عجیب وغریب قسم کی ورزش تھی لیکن معشوق نشیلے کو کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ بڑی حیرت اور دلچسپی سے صوفی کو دیکھ رہا تھا۔ حسینہ کہنے لگی۔

''مجھے پہلے ہی خطرہ تھا۔ اے اللہ مجھے پہلے ہی خطرہ تھا اب میں کیا کروں گی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ کرنل صاحب بھی ملک سے باہر چلے گئے۔ میری دیکھ بھال اب کون کرے گا۔''

''کیا تو بیوہ ہوگئی؟'' معشوق نشیلے نے جل کر کہا۔

''خدا نہ کرے، خدا نہ کرے تو خود نہ رنڈوا ہوجائے۔''

''نہیں، میں تمہاری موت نہیں چاہتا حسینہ بیگم!''

''ارے میں اس صوفی کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔ کم بخت آدھے دماغ کا مالک تو پہلے ہی تھا اب پورا دماغ چل گیا۔''

''دماغ تیرا چل گیا ہے حسینہ!''

''میرا چل گیا ہے دماغ.....؟ ارے تو ادھر نہیں دیکھ رہا.....؟''

''تو نہیں جانتی وہ اس وقت دنیا کی بہترین مشقیں کررہے ہیں۔''

''ہاں۔ تو بھی دنیا کی بہترین مشقیں کرچکا ہوگا، موئے جل کوئے!''

''کم بخت تو کسی کیاری میں اگی ہوگی۔ ہری مرچ کے پودے میں، زبان کو تو لگام ہے ہی نہیں۔ بے وقوف عورت! یہ میری کیوری ہے۔''

''اچھا۔ اب تو اس کے بارے میں بھی دعوے کرے گا فارسہ میں۔''

''فارسہ تجھے خوب یاد رہا۔ میں سچ بتا رہا ہوں۔ ایک فلم دیکھی تھی میں نے، اینگل شیڈو، اس میں جیکی چن یہی مشق کرتا ہے۔''

''بکے جارہا ہے، بکے جارہا ہے، کیا اینگل شیڈو اور کیا جیکی چن!''

''سچ بتا رہا ہوں یہ مارشل آرٹ کی مشق ہورہی ہے۔'' اور صوفی کے بارے میں تیرے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ وہ درجنوں ایسے فنون کا ماہر ہے، کوئی کیا جان سکتا ہے اس کے بارے میں۔ یہ ایک طرح کی ورزش ہے۔ کبھی یہ دیکھا ہے کہ باز جب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے تو کس طرح وہ اپنے سے زیادہ وزنی شکار کو پنجوں میں دبوچ کر فضا میں پرواز کر جاتا ہے اور شکار اس طرح بے بس ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اور یہ دیکھ یہ بلی کی مشق ہے۔ یہ بلی جب بلندیوں سے گرتی ہے تو ہمیشہ پنجوں کے بل گرتی ہے۔ ذرا دیکھ وہ درخت کے تنے پر کس طرح بغیر ہاتھ لگائے چڑھ گئے۔ دیکھ، دیکھ.....'' حسینہ نے آنکھیں اور منہ پھاڑ کر دیکھا۔ صوفی دوڑتا ہوا درخت کے تنے پر پاؤں جما کر درخت کے اوپر پہنچ گیا اور کسی شاخ یار

سے وغیرہ کا اس نے سہارا نہیں لیا تھا۔

''دیکھا تو نے بلی بھی اسی طرح درخت پر چڑھ جاتی ہے اور اوپر سے جب گرتی ہے تو پنجوں کے بل ہی گرتی ہے۔ معشوق نشیلے حسینہ کو سمجھا تا رہا اور اب بات حسینہ کو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی پھر بولی۔

''ارے بھئی میرا تو دماغ ہی خراب ہو جائے گا۔ پتا نہیں یہ انسانوں کی کون سی نسل سے ہے؟''

''اب ذرا ناشتا تو کھلا دو، بہت دن ہو گئے۔'' معشوق نشیلے نے نشیلی آنکھوں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پتا نہیں حسینہ کے دل میں کیا خوفِ خدا آیا کہ اس نے کہا۔

''کیا کھائے گا؟ انڈا پراٹھا یا کچھ اور.....''

''برسوں ہو گئے حسینہ.....''

''میں بناتی ہوں۔'' حسینہ نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ پڑی۔ معشوق نشیلے اسی روزن سے صوفی کی مشقیں دیکھنے لگا تھا۔ صوفی اس وقت چھلا وا بنا ہوا تھا۔ معشوق نشیلے طویل عرصے سے اس سے واقفیت رکھتا تھا۔ ممن خان کے ہوٹل والی گلی میں صوفی کی زندگی کا بہت بڑا حصہ گزرا تھا اور وہ وہاں اس کی پسندیدہ شخصیتوں میں سے رہا تھا۔ محکمۂ پولیس میں اچھا خاصا عہدے دار رہا تھا لیکن طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے ہمیشہ مرن جان مرنج ہی رہا تھا اور کبھی اس کے اندر غرور کا شائبہ تک نظر نہیں آیا تھا بہر حال وہ مشقوں سے فارغ ہو گیا۔ اسی دروازے سے اسے اندر آنا تھا۔

چناں چہ معشوق نشیلے اس کا انتظار کرنے لگا پھر صوفی اسی دروازے سے اندر آیا تو اس نے گہری نگاہوں سے معشوق نشیلے کو دیکھا۔

''کمال کر دیا صوفی صاحب! یہ ورزش مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہے مگر آپ جیسا بدن میں کہاں سے لا سکتا ہوں۔ صوفی نے ایک گہری نگاہ معشوق نشیلے پر ڈالی اور معشوق نشیلے کو محسوس ہوا کہ یہ وہ آنکھیں ہی نہیں ہیں جس میں عجز و انکسار ہوتا ہے۔ یہ آنکھیں کسی درندے کی آنکھیں تھیں۔ صوفی خاموشی سے اندر چلا گیا اور معشوق نشیلے وہیں کھڑا سر کھجاتا رہا۔

ایک بار پھر صوفی کے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں، جن کے بارے میں شازیہ، دلاور اور غلام قادر وغیرہ کے درمیان خاصی گفتگو ہوئی تھی۔

''تم لوگوں کو میں کیا بتاؤں، چھوٹے بابا کے اندر کئی انسان رہتے ہیں۔ میں بہت زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی ان کے بارے میں لیکن اتنا کہتی ہوں کہ بعض اوقات تم لوگ یقین کرو مجھے اس طرح لگتا ہے جیسے چھوٹے بابا اس دنیا کے انسان ہی نہیں ہیں۔''

''اڑے ماں قسم! وہ اپن ایک فلم دیکھا نام میرے کو یاد نہیں آ رہا۔ ہاں یاد آ گیا شانی..... شانی، وڑی۔ یار اور آسمان سے ایک ماڑو اترا اور ادھر.....'' غلام قادر اپنے طور پر تفصیلات بتانے لگا۔

دلاور نے کہا۔ ''ظاہر ہے صوفی صاحب جو کچھ کر رہے ہیں وہ معمولی عمل نہیں ہے۔''

''پہلے دن کے اندر یہ تبدیلی اس وقت رونما ہوئی تھی۔ جب اس صحافی لڑکی کو قتل کر دیا گیا تھا۔ چھوٹے بابا کے اندر خاصے دنوں وحشت رہی تھی اور اب پھر ان کے اندر وہی وحشت جاگ رہی ہے۔ حقیقت

یہ ہے کہ بڑے بابا کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔''

''ابھی ان کا کوئی خبر شبر ملا یا نہیں؟''

''نہیں، پابندی ہے۔'' صوفی صاحب نے بھی سب کو ہدایت کی ہے کہ ہم لوگ کسی بھی طرح کرنل صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

''بہر حال بڑے بابا کے ساتھ واقعی بڑی ناانصافی ہوئی ہے اور شاید اسی وجہ سے صوفی صاحب کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ احساس ان پر وحشت طاری کیے ہوئے ہے اور یہ سچ بھی تھا۔ بے شک رائے راحیل کے کیس میں صوفی نے اپنے طور پر اپنے مخصوص انداز میں کام کیا تھا مگر وہ بات بالکل مختلف طور پر تھی۔ دکانِ حکمت کا وجود بھی اس کی تخلیقی مزاجی کی ایک کڑی تھی لیکن اس کے در پردہ جو عوامل جنم لے رہے تھے وہ کچھ مختلف ہی محسوس ہو رہے تھے جس کا مظاہرہ مارشل آرٹ کے جدید ترین اصولوں کی مشق ہو سکتی تھی۔ جمشید مرزا کو بھی کچھ ایسا ہی احساس ہوا تھا اس وقت جب اسے صوفی کی واپسی کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ صوفی سے ملنے جا پہنچا تھا اس نے اپنے طور پر معلومات بھی حاصل کی تھیں۔ جمشید مرزا کی صوفی سے ملاقات ہوئی تو اس نے کڑی نگاہوں سے صوفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس بات کا تو مجھے یقین تھا صوفی صاحب کہ آپ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیں گے، لیکن مجھے یہ بتایئے کہ کیا وصول کیا آپ نے رائے راحیل سے۔''

''محکمۂ پولیس میں مرزا صاحب آپ جیسے لوگوں کی موجودگی بڑے کرب کا باعث ہے آپ یہ بتایئے آپ وہاں سے بھاگ کیوں آئے؟''

''کک..... کک..... کون بھاگ آیا؟'' اصل میں مجھے اطلاع ملی تھی کہ یہاں کچھ ایسے ضروری کام ہیں میرے لیے۔''

''جایئے نوکری کیجیے فضول باتوں میں نہیں پڑا کرتے۔ ایسے کام آپ کے بس کے نہیں ہوتے اگر کبھی کوئی مشکل آئے تو مجھ سے پوچھ لیجیے گا درویشوں کی دعاؤں سے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر آپ کی مدد کر دوں گا تاکہ آپ کی نوکری قائم رہے اس سے آگے آپ سے بالکل کوئی فضول بات نہیں کریں گے۔''

''یہ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔'' جمشید مرزا آنکھیں نکال کر بولا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ..... کہ آپ مجھے یہ بتایئے کہ جو معاوضہ آپ نے رائے راحیل سے وصول کیا ہے وہ کہاں ہے۔ جمشید مرزا نے خوں خوار نگاہوں سے صوفی کو گھورنے کی کوشش کی لیکن اس وقت اس نے صوفی کی آنکھوں میں جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر وہ ایک دم کپکپا سا گیا۔ صوفی نے سرد لہجے میں کہا۔

''جایئے نوکری کیجیے۔'' اور جمشید مرزا اس طرح نکل گیا جیسے صوفی نے اسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ صوفی کے اندر ان تبدیلیوں کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا تھا اور یقینی طور سے اس کا سبب بھی خاص ہی تھا۔

♥.....♥.....♥

وسیع و عریض ہال میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ ایک بڑی سی میز کے گرد چودہ نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں پر اعلیٰ درجے کے سوٹ تھے۔ ہاتھوں پر دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ اور

چہروں پر نقابیں۔ گویا انہوں نے خود کو چھپانے کے لیے نقابوں اور دستانوں کا سہارا لیا تھا۔ ایک طرف پانچ افراد سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے ان کے چہروں پر نقاب نہیں تھے۔ وہ خاصے دہشت زدہ نظر آ رہے تھے۔ پھر مزید تین افراد اندر داخل ہوئے۔ یہ بھی بے نقاب تھے اور ان کے آنے کے بعد وسیع و عریض ہال کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

چودہ نقاب پوشوں میں آپس میں سرگوشیاں ہونے لگیں اور پھر متفقہ طور پر اس میٹنگ کی کاروائی کی صدارت ایک شخص کے سپرد کر دی گئی یا پھر وہ ان سب کا ترجمان ٹھہرایا گیا۔ یہ ایک دراز قامت اور کسرتی بدن کا نقاب پوش تھا۔ تبھی ایک غراتی ہوئی سی آواز فضا میں ابھری۔

''سب لوگ موجود ہیں؟''

''جی مسٹر نیورن!'' نیورن کی عدالت میں کورم پورا ہو چکا ہے۔''

''کام شروع کرو۔'' اور وہ شخص جسے صدر یا کنڈیکٹر بنایا گیا تھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''نمبر 3'' منہ لٹکا کر بیٹھے ہوئے پانچوں افراد میں سے ایک اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور وہاں سے ہٹ کر میز سے تھوڑے فاصلے پر ایک دیوار کے ساتھ جا لگا۔

''ہاں۔''

''ڈسک نمبر 620 غلط طریقے سے ایک ایسی جگہ چلی گئی جہاں اسے نہیں جانا چاہیے تھا جس شخص کے ہاتھ وہ ڈسک لگی اس کا نام سلیم شاہ تھا اور یہ اسی ملک سے متعلق تھا جس کے سلسلے میں یہ پروگرام ترتیب دیے گئے تھے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق بھی کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے تھا۔ اسے علم ہو گیا اور وہ اس کے سلسلے میں خفیہ طور پر کاروائی کرنے لگا جس کا فوراً ہی ہمیں اندازہ ہو گیا۔

چنانچہ میں نے اپنے دو ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور اس کے بعد سلیم شاہ کو ٹریس کر لیا لیکن وہ ہمارے ہاتھ سے نکل بھاگا اور اس کے بعد ہم اسے نہیں پا سکے، جب ہم اپنی کوششوں میں ناکام رہے تو ہم نے دیانت داری کے ساتھ یوڈیپارٹمنٹ کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی۔''

''ڈسک اتفاقیہ طور پر اس شخص تک پہنچی یا پھر سازشی طور پر اس کے لیے کاروائی کی گئی۔ مقصد صرف دولت اور دولت۔''

''نہیں جناب! ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔''

''وہ دونوں افراد کون تھے جنہیں ساتھ لے کر تم نے سلیم شاہ کو تلاش کیا۔'' بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے دو افراد اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی جگہ آ کھڑے ہوئے جہاں پہلا آدمی کھڑا ہوا تھا۔''

''ہوں، چودہ اور اکیس!..... کیا کہا گیا تھا تم لوگوں سے؟''

''سر! ہمیں سلیم شاہ کو تلاش کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ ہم نے اسے تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھا۔''

''اور تم بے وقوف!..... ایسا ہی ہے نا؟'' وہ بھاری بھرکم آواز سنائی دی جسے نیورن کی آواز کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کلک کلک کی بہت سی ہلکی دو آوازیں سنائی دیں اور ان تینوں افراد کی

پیشانی کے عین درمیان تین سوراخ ہو گئے۔ جگہ بالکل ایک ہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی آٹومیٹک رائفل سے یہ کام کیا گیا ہو اور نشانے سیٹ ہوں۔ تینوں ایک لمحے تک فضا میں گھورتے رہے اور پھر منہ کے بل نیچے آ رہے۔ یہ سزا انہیں نیورن نے دی تھی، پھر اس کے بعد اسی دراز قامت شخص کی آواز ابھری۔

''ہاں..... یوڈیپارٹمنٹ!'' اور وہ دونوں افراد بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو ان پانچوں لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''ہاں۔ تم لوگوں نے کیا کیا؟''

''ہم نے سلیم شاہ کو ٹریس کر لیا۔ وہ کیپ سٹی کی طرف نکل گیا تھا جہاں ٹرالروں کی دنیا آباد ہے اور ہم وہاں اپنے گروپ کے ساتھ اس کا تعاقب کرنے لگے۔ وہ واقعی چالاک شخص تھا۔ اس نے ٹرالروں میں چھپ کر کافی وقت گزارا اور اس کے بعد غائب ہو گیا۔ ہم اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے، حالانکہ ہم نے اسے زخمی کر دیا تھا۔''

''بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک بہت ہی قیمتی راز ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اس راز سے پردہ نہیں اٹھنا چاہیے، کیوں کہ اس کی دستیں بے پناہ ہیں اور ہمیں آگے بہت سے کام انجام دینے ہیں اور اس کے لیے جو ناکام رہا ہے اسے اپنی زندگی میں بھی ناکام ہو جانا چاہیے۔ نیورن کی خفیہ آواز ابھری اور اس کے ساتھ ہی کلک کی دو آوازیں ابھریں۔ نشانہ پیشانیاں ہی بنائی جاتی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد ان دو افراد کی لاشیں بھی ان لاشوں میں شامل ہو گئیں۔

''ایکس!'' بھاری آواز نے پھر کسی کو پکارا اور ان میں سے ایک شخص آگے آ گیا جو بعد میں داخل ہوئے تھے اور جن کے چہروں پر نقابیں نہیں تھیں۔ اس نے گردن خم کی اور پھر بولا۔

''مسٹر نیورن! سلیم شاہ ٹرالروں کی دنیا میں بھٹکتا رہا اور اس کے بعد وہ ایک ٹرالر کے پاس پہنچا اور اس میں کچھ دیر موجود رہا اس وقت شدید بارش ہو رہی تھی اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ نکل کر کس طرف گیا اس کا اندازہ یہی ہوتا ہے کہ کرنل رحیم شاہ تک وہ مائیکرو ڈسک پہنچ گئی۔ میری رپورٹ یہیں تک ہے۔''

''ایل!'' آواز دوبارہ ابھری اور دوسرا آدمی سامنے آ کھڑا ہوا۔''

''کرنل رحیم شاہ کا تعلق اسی ملک سے ہے جہاں کے متعلق مائیکرو سوفٹ میں ہدایات دی گئی تھیں، اس کے علاوہ کرنل رحیم اپنی فوجی زندگی کے دوران بڑا ہی خطرناک شخص رہا ہے۔ اس نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے اور اس کے بعد ایک ٹانگ ضائع ہونے کی وجہ سے اسے فوجی زندگی سے دور کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے وہ اپنے آبائی وطن میں زندگی گزار رہا تھا۔

کچھ پراسرار سرگرمیوں کے نتیجے میں ملک بدر کر دیا گیا اور وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ یہاں مقیم ہو گیا۔ یہاں اس کی سرگرمیوں کی کوئی رپورٹ نہیں ہے، جن افراد کے ساتھ وہ یہاں تک آیا تھا ان کی تعداد اٹھارہ ہے۔ یہ سب اس کے رشتے ناتے دار ہیں۔ میری رپورٹ یہاں تک ہے۔''

''اوہ۔'' آواز ابھری اور تیسرا آدمی بھی سامنے آ گیا۔ اس نے کہا۔

''کرنل رحیم شاہ! ابھی تک پر سکون زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا اپنے اہل وطن سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ مائیکروسوفٹ گم ہونے والی رات کے بعد سے بھی اس کی سرگرمیوں کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا، لیکن اس کی ایک بیٹی غائب ہے۔ اٹھارہ افراد میں سے ایک فرد کم ہو چکا ہے۔ اس بیٹی کا نام رانیا ہے اور رانیا یہاں ایک دولت مند شخص کی بیٹی سمعیہ وزیر علی کے ساتھ مصر گئی ہے۔ وہ سمعیہ وزیر علی جو مختلف ریسرچ کے بعد کتابیں شائع کرتی ہے۔ مصر کی تاریخ پر کوئی کتاب لکھنے وہاں گئی ہے، لیکن ہم اس بات پر بھرپور زور دے سکتے ہیں کہ اچانک ہی کرنل رحیم شاہ کی بیٹی اس کے ساتھ منسلک ہو گئی؟ یہ چیز قابل غور تصور کی جا سکتی ہے۔''

''ٹھیک، لیکن اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا جس کا نام سلیم شاہ ہے۔''

''جی مسٹر نیورن اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا۔''

''ساری رپورٹیں سامنے آنے کے بعد صرف ایک ہی بات قابل غور رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ سلیم شاہ کو حاصل ہونے والی تفصیلات غیر محفوظ ہاتھوں تک پہنچ چکی ہیں اور کسی بھی وقت وہ وہاں تک جا سکتی ہیں۔ یہ امر شدید تشویش کا باعث ہے۔ ہمیں دو پورشن تشکیل دینے ہیں۔ میں ہمیشہ وقت ضائع کیے بغیر فیصلے صادر کر دیتا ہوں ہمیں روز میلسی کو ایک ملک روانہ کر دینا چاہیے اور اس کے ساتھ ایک گروپ فوراً مصر روانہ کر دینا چاہیے۔ رانیا اس معاملے میں ملوث ہو یا نہ ہو، لیکن اسے ٹریس کرنا بہت ضروری ہے۔ میری اس ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔''

''یس سر!'' چودہ کے چودہ افراد کی آواز بیک وقت ابھری اور اس کے بعد دیوار میں روشن ایک سرخ بلب اچانک بجھ گیا جس کا مطلب تھا کہ نیورن کی عدالت ختم ہو چکی ہے۔

♡......♡......♡

ٹارزن ایک شاندار جنرل اسٹور میں شاپنگ کر رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ابھی تک اسے کسی نمایاں کارکردگی کا موقع نہیں ملا تھا۔ سہیل عالم اور وہ برسوں سے گہرے دوست تھے۔ اور صحیح معنوں میں ٹارزن سہیل عالم کی مجرمانہ زندگی کا ساتھی تھا لیکن پھر دونوں کے درمیان کچھ اس طرح کی مناہمت ہو گئی تھی کہ وہ گہرے دوست اور گہرے ساتھی بن گئے تھے۔ سہیل عالم کے بارے میں تمام تر تفصیلات ٹارزن کو معلوم تھیں۔

یہاں آ کر سہیل عالم کی اپنے باپ کے ساتھ جو ٹسل چلی تھی اس سے بھی ٹارزن بہ خوبی واقف تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ سہیل عالم کے بہن بھائی اور باپ اسے ہر طرح کی سہولت دینے کے لیے آمادہ ہیں لیکن وہ اس کی فطرت کو بھی جانتا تھا اور وہی ہوا تھا جس کی اسے امید تھی۔ سہیل عالم نے اپنے باپ کی کوئی مدد قبول نہیں کی تھی۔ ویسے بھی ٹارزن جانتا تھا کہ سہیل عالم کے لیے ضرورت کی کسی بھی چیز کا حصول ذرہ برابر مشکل کام نہیں ہے۔ وہ اتنی ہی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا، بہرحال ٹارزن کو اس سے غرض نہیں تھی کہ سہیل عالم کیا کر رہا ہے؟ وہ بس اس کی قربت سے خوش تھا۔

اس کے اپنے بھی معمولات کچھ نہیں تھے۔ خاموشی سے زندگی گزارنے کا عادی تھا۔ اپنے چھوٹے سے قد و قامت کے باوجود وہ کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہیں تھا جہاں بھی جاتا پورے اعتماد کے ساتھ جاتا اور اس وقت بھی وہ اس جنرل اسٹور میں شاپنگ کر رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں

اور ان کی دبی دبی مسکراہٹوں کا مفہوم کیا ہے؟

پھر اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک چہرہ دیکھا اور ایک دم ٹھٹک گیا۔ سامنے والی شخصیت نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر نگاہیں ڈالی اور دونوں کے چہرے شناسائی کا مظہر بن گئے۔ سامنے نظر آنے والی عورت دراز قامت تھی اور اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش تھے۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ آئی اور اس نے حیران لہجے میں کہا۔

''ٹارزن......!''

''حالانکہ ہم ایک دوسرے کو بہت دیر کے بعد دیکھ رہے ہیں۔ میڈم روز میلسی آپ کو میڈم کہنا بالکل ٹھیک ہے نا؟''

''اوہ میرے خدا! مگر تم یہاں کہاں؟''

''یہ سوال تو میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں میڈم!''

''اور کون ہے تمہارے ساتھ؟''

''نہیں کوئی نہیں۔ اکیلا ہوں۔''

''آؤ کسی اجنبی جگہ اگر پرانے دوست مل جاتے ہیں تو اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔''

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ آپ کو دیکھ کر مجھے بھی خوشی ہوئی ہے میڈم روز میلسی!''

''کیا تم نے اپنی شاپنگ مکمل کر لی؟''

''ابھی میں نے کچھ خریدا ہی نہیں ہے۔''

''آؤ پھر کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''چلیے۔''

''میری رہائش گاہ کیسی رہے گی؟''

''گڈ! کیا آپ نے یہاں مستقل قیام کیا ہوا ہے؟'' ٹارزن نے پوچھا۔

''آؤ آ جاؤ۔'' روز میلسی واپسی کے لیے مڑ گئی۔ ٹارزن کے اس کے ساتھ چل رہا تھا اور لوگوں کی نگاہوں میں دلچسپی اور مسکراہٹیں تھیں۔ ایک دراز قامت عورت اور ایک انتہائی پستہ قامت شخص کی جوڑی دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی تھی۔ باہر ایک قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی۔ روز میلسی نے کار کے قریب پہنچ کر ڈرائیور کی طرف دیکھا جو مستعد کھڑا تھا اور مقامی ہی آدمی تھا۔ ڈرائیور نے جلدی سے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

''بیٹھو۔'' روز نے کہا اور خود گھوم کر دوسری طرف آ گئی۔ کچھ دیر کے بعد کار وہاں سے چل پڑی۔

''کتنے عرصے کے بعد ہمارا تمہارا سامنا ہوا ہے؟''

''تقریباً سات سال کے بعد۔''

''مگر تم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے ٹارزن!'' جواب میں ٹارزن ہنس پڑا۔

''تبدیلی کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ جو تبدیلی قدرت نے مجھ میں میری پیدائش کے بعد سے ہی پیدا کر دی ہے وہ میرے خیال میں بہت کافی ہے۔''

''بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود اپنا مذاق اڑاتے ہیں۔ تم انہی میں سے ایک ہو۔''

''ہاں۔ میں دوسروں کے لیے کوئی کام باقی نہیں چھوڑتا ہوں۔'' ٹارزن نے کہا۔ کار ایک خوب صورت عمارت میں داخل ہوگئی تھی جو ایک پوش علاقے میں تھی۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا اور اس نے بڑے ادب سے دروازہ کھولا۔ کار پورچ میں جا رکی۔''

''آؤ۔'' روز میلسی نے کہا۔ ٹارزن اس دوران بہت سی کیفیتوں سے گزرتا رہا تھا۔ روز میلسی اسے لیے ہوئے ایک شان دار ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی اور ٹارزن نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سیٹی بجائی پھر بولا۔

''یوں لگتا ہے میڈم! جیسے آپ عرصے سے یہاں مقیم ہیں۔''

''نہیں، مجھے یہاں آئے ہوئے چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں گزرے لیکن یہاں میرے آدمی موجود تھے جنہوں نے مجھے یہاں ٹھہرانے کا معقول بندوبست کرلیا ہے۔''

''چلیے بڑی خوشی ہوئی۔ ابھی آپ یہاں خاصے عرصے قیام کریں گی؟''

''نہیں، بہت زیادہ وقت نہیں۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''بس کسی کام کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا۔ میرے کام مکمل ہونے میں ابھی زیادہ وقت لگے گا۔''

''کہاں مقیم ہو؟'' روز میلسی نے ایک ہاتھ نیچے گرا کر پاؤں کھجاتے ہوئے کہا۔

''ایک ہوٹل ہے۔ اسٹار ونگ اس کے کمرہ نمبر 8 میں رہتا ہوں۔''

''ہوں۔ کیا قصہ تھا کس کا پیچھا کرتے ہوئے آئے ہو؟''

''یہ سوال تو میں نے آپ سے بھی نہیں کیا میڈم میلسی! بس سمجھ لیجیے، ضرورت پتا نہیں کہاں کہاں لیے لیے پھرتی ہے۔ آپ بتائیے کوئی کام میرے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔'' روز میلسی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ٹارزن نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا۔

''بس آپ کا اس طرح دیکھنا مجھے ہمیشہ محرومیوں کا شکار کر دیتا ہے میڈم!''

''کمینے ہو ہمیشہ کے، نیت خراب۔'' میلسی نے کہا پھر بولی۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے؟''

''کوئی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی ہے۔''

''نہیں کچھ نہ کچھ تو ضرور۔'' اس نے کہا اور پھر دوبارہ اس طرح جھکی جیسے پاؤں کھجا رہی ہو، لیکن درحقیقت جس کرسی پر وہ بیٹھی ہوئی تھی اس کے نچلے حصے میں کچھ بٹن لگے ہوئے تھے اور اس نے انہی میں سے ایک بٹن دبایا تھا۔ ایک لمبے قد و قامت کا شخص اندر داخل ہوگیا۔

''ڈرنک۔'' میلسی بولی اور وہ گردن خم کر کے وہاں سے چلا گیا۔ میلسی نے مسکرا کر ٹارزن کو دیکھا اور بولی۔

''میرے ساتھ کچھ وقت گزارو۔''

''جی میڈم! مجھے بھی آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی ہے، لیکن جو کام میں کر رہا ہوں وہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ بس ایک شخص کو ٹریس کرتا ہوں یہاں تک پہنچا ہوں اور اس کے لیے کام کر رہا ہوں۔ خاصی

اچھی رقم ہاتھ لگ جانے کی امید ہے۔''

''میری نیک دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' میلسی نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص دو گلاس لے کر آ گیا جس میں ایک مشروب نظر آ رہا تھا۔ میلسی نے اپنے ہاتھ سے گلاس ٹارزن کو دیا اور ٹارزن نے شکریے کے ساتھ گلاس ہاتھ میں لے لیا۔

میلسی اپنا گلاس لے کر بیٹھ گئی تھی۔ ٹارزن کی تیز نگاہوں نے ایک ایسی جگہ کا جائزہ لیا جہاں وہ گلاس کا مشروب ضائع کر سکتا تھا۔ وہ گلاس ہاتھ میں لیتی ہے باتیں کرتا رہا۔ دو تین بار اس نے گلاس ہونٹوں سے بھی لگایا تھا۔ میلسی اپنا گلاس ہاتھ میں لیے بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی ملاقاتوں کی باتیں کر رہی تھی۔ ٹارزن ایک باکمال شخصیت تھی۔ میلسی کو یہ اندازہ بھی نہیں ہوا کہ گلاس میں جو مشروب کم ہو رہا ہے وہ ٹارزن کے معدے میں نہیں بلکہ اس گملے میں جا رہا ہے جو کرسی کے قریب ہی موجود ہے۔ اس نے ابھی تک اپنے گلاس سے ایک سپ بھی نہیں لیا تھا۔

ٹارزن نے اپنے گلاس کا آخری حصہ ضائع کیا اور اسے میز پر رکھ کر ہونٹ خشک کرنے لگا۔ اچانک ہی اس نے اس طرح جھٹکے کھائے جیسے اسے کوئی تکلیف پہنچی ہو پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑانے لگا۔ میلسی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

''کیا بات ہے؟'' لیکن جواب میں ٹارزن کے چہرے پر جاں کنی کے سے آثار نظر آئے۔ پھر وہ صوفے پر گر کر بے سدھ ہوگیا۔ میلسی نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس میز پر رکھ دیا اور مدھم لہجے میں بولی۔

''ننھے سے آدمی میں جانتی ہوں تم بڑی کام کی شخصیت ہو لیکن.....'' اس نے پھر جھک کر ایک بٹن دبایا اور بولی۔

''ہاں رپورٹ.....''

''نہیں میڈم! اس نام کا کوئی ہوٹل یہاں پورے شہر میں نہیں ہے۔''

''پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات تم نے معلوم کی ہے۔''

''ہاں میڈم!'' اس نے ایک اور بٹن دبایا اور اس بار دو افراد اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے حیرت سے ٹارزن کو دیکھا تھا پھر وہ بولے۔

''میڈم! یہ..... یہ.....''

''ہاں۔ اب یہ ایک لاش ہے۔''

''لاش..... مگر کیوں؟''

''اوہ مائی ڈیئر تم نہیں جانتے یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ اس کے چھوٹے سے قد و قامت پر نہ جاؤ۔ یہ اپنے قد سے بیس گنا بڑا ہے۔ اسی طرح اس کی کارکردگی اور اس کی عقل بھی بے مثال تھی۔ میرے لیے کئی کام کیے ہیں اس نے، لیکن یہ بھی مجھے یہاں نظر آیا اور اس نے فوراً مجھے پہچان لیا۔ ابھی مجھے یہاں بہت کچھ کرنا ہے۔ بڑی ذمے داریوں کے ساتھ مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی خطرہ مول لینا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

ہم جرم کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور میں یہ بات جانتی ہوں کہ ہر شخص اپنے مفاد کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اگر میں اس سے یہ بات معلوم کرتی کہ یہ یہاں کیا کر رہا ہے اور پرانی شناسائی کی بنیاد پر میں اس کو کسی طرح اپنے ساتھ شامل کر بھی لیتی تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے کیا نقصانات ہوتے؟ یہ کس سے وفادار ہوتا اور کس سے نہ ہوتا، حالانکہ مجھے اس کی موت کا افسوس ہے لیکن مجبوری سخت مجبوری۔ میں ان احمقوں میں شامل نہیں ہونا چاہتی، جو صرف اپنے طور پر اس قسم کے رسک لے لیتے ہیں اور یہی رسک ان کی موت کے سبب بن جاتے ہیں سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"یس میڈم لیکن یہ ہلاک کیسے ہو گیا؟"

"ایریذن ایک خطرناک زہر ہوتا ہے۔ مشروب کے ان گلاسوں میں میں نے اس کی ہلکی سی مقدار شامل کر دی تھی۔ تم اسے سائنائیڈ کا بدل کہہ سکتے ہو۔ بس یہ ذرا سائنائیڈ سے تھوڑی دیر میں اثر کرتا ہے۔ اچھا ٹھیک ہے اب تم ایسا کرو اس کی لاش ٹھکانے لگا دو۔ اس کے بعد اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔"

"ٹھیک ہے میڈم!" روز میلسی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر نارزن کی جیبوں کی تلاشی لینے لگی۔ تھوڑی کرنسی وغیرہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی تھی جو کسی بھی طرح ان لوگوں کے لیے باعث دلچسپی ہوتی۔

"میں نے کچھ فاصلے پر نہر دیکھی ہے جو شہر کے بیچ و بیچ سے گزرتی ہوئی نہ جانے کہاں جاتی ہے۔ میرا خیال ہے اس لاش کو اس نہر میں پھینک دیتے ہیں۔ فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے چلو اٹھو۔" وہ لوگ نارزن کو کندھے پر ڈال کر باہر نکل آئے۔ اس بے چارے کا وزن ہی کتنا تھا۔ باہر آ کر انہوں نے اسے ایک کار کی ڈگی میں ڈالا اور اس کے بعد دونوں کار میں جا بیٹھے۔ بہت دیر سے نارزن نے حبس دم کیا ہوا تھا جس کی اسے اچھی خاصی مشق حاصل تھی۔ وہ گہری گہری سانسیں لے کر پھیپھڑوں کی قوت بحال کرنے لگا جو فیصلہ ان لوگوں نے اسے ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں کیا تھا، وہ نارزن کے لیے مسرور کن تھا، اگر کہیں بلندی سے اسے پھینکنے کا منصوبہ بناتے تو پھر نارزن کو کچھ اور کرنا پڑتا۔

لیکن نہر کی سیر ہی سہی، تاکہ ان لوگوں کو کوئی شبہ نہ رہے اور وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی کار رکی انہوں نے نارزن کو کار کی ڈگی سے نکالا اور اس کے بعد اس کے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اسے نہر میں اچھال دیا۔ چھپاکے کی آواز ہوئی۔ نارزن گرا تو ان کی مرضی کے مطابق تھا لیکن پانی میں جاتے ہی وہ سنبھل گیا اور اس نے نہر کی گہرائی میں غوطہ لگا دیا۔ نہر بہت کم گہری تھی۔ وہ نیچے ہی نیچے بہت دور تک نکلا ہی چلا گیا اور پھر کافی فاصلے پر جا کر اس نے سر اٹھایا۔ کار کا دور دور تک پتا نہیں تھا چنانچہ وہ کنارے کی جانب تیرنے لگا۔

♥.....♥.....♥

سمعیہ وزیر علی سے اچھی خاصی شناسائی تھی۔ وہ درحقیقت ایک عورت تھی بس چونکہ تعلق اسی جگہ سے تھا جہاں کرنل رحیم شاہ رہتا تھا۔ بس یہی رشتہ درمیان میں تھا۔ جس کی وجہ سے رائنا نے سمعیہ کو اپنے دوستوں میں شامل کر رکھا تھا۔ اس پورے سفر کے دوران سمعیہ ایک بور شخصیت ہی ثابت ہوئی۔ اس میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ صرف اپنی پسند کی باتیں کرتی تھی اور کرتے رہنا چاہتی تھی۔

کسی اور کی بات سننے کی اسے فرصت نہیں ہوتی تھی۔ سامنے والے کو اگر اس کی قربت برداشت نہ کرنا ہوتی تھی تو وہ اس کی باتیں سن لیتا تھا ورنہ کسی بھی طرح اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا تھا، لیکن اس سفر کے دوران اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ رائنا ذرا اونچی اڑان اڑنا چاہتی تھی۔ کرنل رحیم شاہ نے گرین فورس تشکیل دیتے ہوئے جن دو افراد کا انتخاب کیا تھا وہ مرد تھے، یعنی فیضان اور عادل، جنہوں نے حقیقی معنوں میں گرین فورس میں کوئی نمایاں کارکردگی نہیں دکھائی تھی۔ ان سے بدرجہ بلکہ ہزار درجے بہتر شازیہ رہی تھی اور صوفی نے بھی اہم ترین معاملات میں شازیہ ہی کا انتخاب کیا تھا۔ رائنا کی اس وقت بھی یہ خواہش تھی کہ کرنل رحیم شاہ اسے بھی اپنے ساتھ مصروف کرے، لیکن رحیم شاہ نے اسے بیٹی ہی سمجھا تھا اور اس وقت بھی اگر مجبوری نہ ہوتی تو رحیم شاہ کسی بھی قیمت پر اسے اس مشن کے لیے روانہ نہ کرتا۔

لیکن یہی موقع تھا کہ رائنا اپنے آپ کو منوانا چاہتی تھی۔ بے شک حالات وہ نہیں رہے تھے لیکن اس بات کا اسے بھی یقین تھا کہ بہت جلد کرنل رحیم شاہ اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا۔ اس کا اپنا ایک مقام تھا۔ کچھ لوگوں کی سازشوں نے اسے بے شک اس کے اہم منصب سے دور کر دیا تھا، لیکن کرنل رحیم شاہ ہر قسم کے حالات پر قابو پانا جانتا تھا۔

رائنا مصر پہنچ گئی۔ سمعیہ نے ایک شاندار ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن موقعے موقعے سے رائنا اپنے لیے وہ انتظامات کرنے لگی جس کے ذریعے اسے وطن واپس پہنچنا تھا۔

وہ سمعیہ کے ساتھ یہاں تک تو آ گئی تھی لیکن اس سے آگے وہ احتیاط کرنا چاہتی تھی اور یہاں سے آگے نکلنے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ ادھر سمعیہ تھی کہ اس کے کان کھائے جا رہی تھی اور اس وقت بھی وہ ویلی آف کنگز کی طرف جا رہی تھی۔ ویلی آف کنگز قاہرہ سے تھوڑے فاصلے پر فراعین کا عظیم الشان قبرستان تھا۔ مصر کی قدامتیں دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ کرناک کے اطراف میں فرعون کے مقبرے پھیلے ہوئے تھے۔

بہرحال یہ فاصلے طے ہو گئے اور وہ معبدوں کے قریب پہنچ کر نیچے اتر گئے۔ تاحد نگاہ مصر کے قدیم پراسرار کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف ایک عجیب خاموشی طاری تھی۔ فرعون کی ہیبت صدیوں کے بعد بھی ماحول پر مسلط تھی۔ سیاح ہر طرف گھومتے پھر رہے تھے۔ رائنا بھی سمعیہ کے ساتھ ایک سمت چل پڑی۔ بغیر چھت کے ہال میں لاتعداد ستون نظر آ رہے تھے۔ ان کے درمیان فرعون اور ان کی ملکاؤں کے مجسمے سیاحوں کو گھورتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی غیر پراسرار غرمرئی قوت ذہن کو گرفت میں لے رہی ہو۔ یہاں بے شمار زیر زمین مقبرے بھی موجود تھے۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے۔ رائنا پر اس وقت خیالات کا طوفان مسلط تھا۔

چنانچہ وہ یہ نہ دیکھ سکی کہ سمعیہ کون سی سمت مڑی ہے۔ وہ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ پھر وہ ایک ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو ایک سرنگ سی نظر آئی۔ سرنگ نما راستہ مسلسل ڈھلان کی شکل میں اترتا چلا گیا تھا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد رائنا ایک وسیع و عریض ہال میں پہنچ گئی تھی جس میں چاروں طرف تابوت ہی تابوت رکھے ہوئے تھے۔ صدیوں پرانے بوسیدہ تابوت، ماحول پر ایک

عجیب سی بھنبھناہٹ سی طاری تھی۔ ان تابوتوں میں سینکڑوں سال قبل کے انسان سو رہے تھے۔ موت کی ابدی نیند یہ سونے والے نہ جانے کیسی کیسی پراسرار کہانیوں کے حامل ہوں گے۔ رائنا کو کچھ گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی۔ ماحول میں ٹھنڈک تھی۔ بدن پر کپکپی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

پھر اچانک اسے یوں لگا جیسے پلکوں پر بوجھ پڑ رہا ہو۔ نیند کے جھونکے سے آنے لگے تھے۔ قوت ارادی ساتھ چھوڑنے لگی تھی۔ وہ ایک دم سے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکنے لگی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے ہمت کر کے اٹھنا چاہا، لیکن جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ بدن بے جان ہونے لگا اور پھر ہوش و حواس رخصت سے ہو گئے۔ نہ جانے کتنی دیر کے بعد دوبارہ آنکھ کھلی تھی۔ فضا میں بے حد ٹھنڈک تھی لیکن آنکھ کیا کھلی تھی ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ ایسی بے پناہ تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ رائنا کے حلق سے ایک چیخ سی نکل گئی۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

ٹھنڈا مقبرہ جس میں چاروں طرف تابوت بکھرے ہوئے تھے۔ اوہو..... یہ کیا ہوا؟ کیا ہو گیا تھا مجھے، میں تو وہیں اسی بھیانک مقبرے میں موجود ہوں اور رات ہو چکی ہے۔ کالی اور گہری رات اور وہ صدیوں پرانی روحوں کے ساتھ ہے۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف کا رخ کیا۔ راستے کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چند ہی قدم چلی تھی کہ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور اس بری طرح گری کہ آنکھوں میں تارے ناچ گئے، جس چیز سے ٹھوکر لگی تھی وہ بھی تابوت تھا اور جس چیز پر گری تھی وہ بھی تابوت ہی تھا۔

رائنا اس زور سے اس تابوت پر گری تھی کہ اس کا ڈھکن ٹوٹ گیا تھا فضا میں ایک پراسرار ارتعاش ہو گیا تھا اور رائنا کو جیسے اپنے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے۔ فضا میں اس کے گرنے سے جو ارتعاش پیدا ہوا تھا وہ ختم ہوتا جا رہا تھا لیکن اب کچھ انسانی قدموں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ رائنا ایک دم سے سہم سی گئی۔

رات کی اس تاریکی میں کون ہو سکتا ہے۔ وہ سوچنے لگی پھر اچانک ہی ٹارچوں کی روشنیاں لہرائیں اور ان روشنیوں نے اسے اپنے دائرے میں لے لیا۔

''وہ ہے؟'' تھوڑی دیر کے بعد کچھ انسانی سائے اس کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ رائنا نے اپنے بدن کی جنبش ختم کر لی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ لوگ کون ہیں اور کسے تلاش کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو اس طرح بے سدھ کر لیا جیسے وہ بے ہوش ہو۔ ٹارچوں کی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑیں اور پھر ایک آواز ابھری۔

''یہی ہے۔''

''سوفیصدی۔'' یہ کرنل رحیم شاہ کی بیٹی ہے اور اس کا نام رائنا ہے۔''

''بے ہوش ہو گئی ہے شاید۔''

''ہاں۔''

''اٹھاؤ۔'' پھر کچھ ہاتھوں نے رائنا کو اٹھا لیا۔ رائنا بری طرح سناٹے میں ڈوب گئی تھی۔ یہ کیا قصہ ہے، کون لوگ ہیں یہ جو اسے تلاش کر رہے ہیں اور اس کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں۔ اب اس

کے علاوہ کچھ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو مائیکرو فلم کے مالک تھے اور جو اس کے وطن کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ بہرحال رائنا مکمل طور پر خاموشی اختیار کر رہی تھی۔ اس خاموشی میں اس نے صرف ان لوگوں کے قدموں کی آوازیں سنیں۔

وہ اسے لے کر مقبرے سے باہر نکل آئے تھے۔ پھر غالباً اسے کسی بڑی گاڑی میں لٹا دیا گیا اور اس کے بعد گاڑی چل پڑی۔ رائنا ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لے رہی تھی۔ یہ سمعیہ کو ویسے بھی چھوڑنا ہی تھا۔ لیکن یہ بڑے افسوس کی بات تھی کہ اس قدر راز داری کے باوجود کچھ لوگ اس تک آ پہنچے۔ ذرا سی ان کے بارے میں معلومات تو حاصل ہونی چاہئیں کہ یہ قصہ کیا ہے؟ رائنا کا سفر جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد گاڑی رک گئی۔ وہ لوگ اسے اٹھائے ہوئے اس عمارت میں داخل ہو گئے جس میں یہ گاڑی رکی تھی۔ رائنا کو واقعی کرنل رحیم شاہ نے کبھی اس سلسلے میں استعمال نہیں کیا تھا لیکن ایک مہم جو کی بیٹی اپنے باپ کی مکمل تقلید کر رہی تھی۔ اس کامیابی کے ساتھ وہ اپنے فرائض انجام دے رہی تھی کہ اگر کرنل رحیم شاہ کو یہ بات معلوم ہو جاتی تو وہ اس پر فخر کر سکتا تھا اور اس بات پر افسوس کرتا کہ اس نے رائنا کو گرین فورس میں شامل کیوں نہیں کیا۔

فیضان اور عادل سے تو کہیں بہتر ثابت ہوتی وہ۔ غرض یہ کہ رائنا کو ایک کمرے میں لے جایا گیا اور ایک بستر پر لٹا دیا گیا۔ رائنا جانتی تھی کہ ایک معمولی سی چوٹ لگنے کے بعد انسان کتنی دیر تک بے ہوش رہ سکتا ہے چنانچہ اب اسے ہوش میں آ جانا چاہیے تھا وہ لوگ اس کے آس پاس ہی موجود تھے اس دوران رائنا یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک کراہ کے بعد آنکھیں کھول دیں اور خوف زدہ نگاہوں سے اپنے قرب و جوار میں موجود لوگوں کو دیکھنے لگی۔ وہ چاروں شکل ہی سے خطرناک نظر آ رہے تھے ان کے چہروں سے ان کی قومیت کا اندازہ ہوتا تھا پھر ان میں سے ایک نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''تم ٹھیک ہو بے بی!'' رائنا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر دنیا جہان کی معصومیت نظر آ رہی تھی۔ ایک معمولی سی معصوم سی بچی جو سخت خوف زدہ ہو۔ وہ لوگ اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے اس شخص نے پھر وہی سوال کیا۔

''تم ٹھیک ہو بے بی!''

''ہاں مم..... مم..... مگر..... کہاں ہوں؟''

''محفوظ جگہ ہو۔ اپنے لیے فکرمند نہ ہو۔ تمہیں کسی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''لیکن سر..... سر..... میں کہاں ہوں؟''

''میں نے کہا نا ہم تم سے کچھ پوچھنے کے لیے یہاں تک لائے ہیں۔ ویسے بھی ویلی آف کنگز میں رات بھر پڑے رہنے سے تمہاری حالت اور خراب ہو سکتی تھی ہم تمہیں وہاں سے اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں۔ تم سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں ہم۔'' رائنا سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس شخص نے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''رائنا رحیم شاہ۔'' رائنا نے یہ دستور سہمی ہوئی مدھم آواز میں کہا۔

''کہاں رہتی ہو۔'' جواب میں رائنا نے اس جگہ کا نام بتا دیا جہاں سے وہ یہاں تک آئی تھی۔''

''یہاں کا سفر تم نے کیوں کیا ہے؟''

''میں اپنی دوست سمعیہ وزیر کے ساتھ یہاں تک آئی ہوں۔ مصر دیکھنے کا شوق مجھے بچپن ہی سے تھا۔ سمعیہ وزیر علی مصر کے بارے میں کوئی کتاب لکھ رہی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے اسسٹ کروں۔ سو میں یہاں چلی آئی۔ ویل آف کنگز کے مقبرے میں سمعیہ مجھ سے بچھڑ گئی اور میں بے خیالی کے عالم میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی پھر اس مقبرے کی پراسرایت نے مجھ پر بے ہوشی طاری کر دی اور میں بے ہوش ہوگئی۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو رات ہو چکی تھی اندھیرے میں بھٹکنے لگی۔ خوف سے میری جان نکل رہی تھی کہ میں نے کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور نیچے گر پڑی۔ بس اس کے بعد میری یہاں آنکھ کھلی ہے۔ رائنا کے لہجے کی معصومیت اور اس کے چہرے کے تاثرات نے ان لوگوں کو بری طرح چکرا دیا تھا۔ رائنا محسوس کر رہی تھی کہ وہ کش مکش کا شکار ہیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''تم آرام کرو بے بی!''

''سر آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔ سمعیہ وزیر علی پریشان ہو رہی ہوگی۔''

''ہاں ہاں۔ ہم تمہیں زیادہ وقت یہاں نہیں رکھیں گے۔ بس ایک کام سے یہاں لائے ہیں۔ کیا تم ہمیں اس بات کا موقع دو گی کہ ہم تمہارے سلسلے میں کچھ کریں۔''

''سر آپ جیسا مناسب سمجھیں لیکن آپ یقین کیجیے مم..... مم..... میں میں ایک بے ضرر لڑکی ہوں۔ مجھ سے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''

''تھوڑی دیر آرام کرو۔ تھوڑی دیر آرام کرو۔ او کے!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ رائنا سناٹے کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں بڑی الجھن تھی۔ یہ کون لوگ ہیں۔ کیا اس کی یہاں آمد خفیہ نہیں رہی لیکن اس بات کے عام ہونے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں۔ خدا خیر کرے۔ بے وقوف نہیں تھے وہ لوگ اور رائنا بھی بے وقوف نہیں تھی جو وہ یہ سمجھ لیتی کہ واپسی میں وہ یہ دروزہ کھلا ہوا چھوڑ گئے ہیں البتہ پھر بھی اس نے تھوڑا سا اندازہ لگانے کی کوشش کی اور اس دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ دروازہ بے شک باہر سے بند تھا لیکن دوسری طرف سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ یہ دروازہ کسی راہ داری وغیرہ میں نہیں کھلتا ہوگا بلکہ ایک دوسرے کمرے میں کھلتا ہوگا اور اسی کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے کی ہول سے کان لگا دیے پتوں کہ ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے دوسری طرف سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔

''یہ کیا قصہ ہے؟ مجھے تو یہ لڑکی بالکل ہی ایک بے وقوف سی لڑکی محسوس ہوتی ہے۔''

''بہر حال یہ نیورن کا معاملہ ہے، ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔''

''نیورن نے صرف ایک مفروضے کی بنا پر ہم لوگوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے اب اگر یہ لڑکی وہ نہ نکلی تو کیا ہم سے بڑا گدھا کوئی دوسرا اس روئے زمین پر ہوگا۔ ہم مشکل میں پڑے ہوئے ہیں۔''

''نیورن سے رابطہ قائم کر کے صورت حال بتائی جائے۔''

''میں کرتا ہوں۔'' رائنا بدستور کان لگائے ہوئے یہ سنسنی خیز الفاظ سن رہی تھی۔ وہ لوگ کسی خاص

ذرائع سے رابطہ قائم کر رہے تھے پھر ایک آواز ابھری۔

''ہاں، مسٹر نیورن سے بات کراؤ۔''

''ہاں بی آر فور!'' چند لمحات کے لیے خاموشی طاری ہوگئی پھر اس کے بعد آواز ابھری۔

''یس سر!..... یس سر! بی آر فور بول رہا ہے۔''

''ہاں۔ کہو کیا بات ہے؟'' دوسری طرف سے آنے والی آواز بھی نمایاں تھیں۔

''سر! یہاں ہم نے اسے ٹریس کر لیا اور اس تک پہنچ گئے۔ پھر ہم نے ویلی آف کنگ سے اسے اٹھایا اور اسے پاس لے آئے۔ سر! میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہو۔''

''سر! لڑکی اس سلسلے میں بالکل ناواقف معلوم ہوتی ہے۔ سمعیہ وزیر علی نامی عورت کے ساتھ جس کے بارے میں ہم نے وہیں مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں۔ صرف مصر دیکھنے کے شوق میں آ گئی ہے۔ مائیکرو فلم وغیرہ سے اسے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔''

''میں تمہیں الو کا پٹھا کہنا چاہتا ہوں۔ بی آر فور! سمجھ رہے ہو تم! گدھے کے بچے میں یہاں مکمل طور پر تصدیق کر چکا ہوں کہ سلیم شاہ نے وہ مائیکرو فلم کرنل رحیم شاہ ہی کو دی تھی اور کرنل رحیم شاہ نے اپنی بیٹی کو وہاں بھیجنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ تم نے اس لڑکی سے فلم کے بارے میں پوچھا۔

''نن..... نن نہیں سر! ابھی تک نہیں۔ وہ زخمی ہوگئی ہے اور اس پوزیشن میں نہیں ہے۔''

''بی آر فور! کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم پر اعتماد کر کے میں نے غلطی کی ہے اور تم دنیا سے اکتا گئے ہو۔ بی آر فور ایسی احمقانہ بات کر کے اپنی زندگی کے لمحات کو مختصر مت کرو۔ تم جانتے ہو کہ میں غلطی کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔''

''سر! معافی چاہتا ہوں میں۔ ہم اس کی کھال ادھیڑ دیں گے۔ اسے اپنی زبان کھولنا ہی ہوگی۔''

''زبان کھولنے سے پہلے اس کی کھال بھی مت ادھیڑنا، ورنہ تمہاری اپنی کھالوں کی بھی خیر نہیں ہوگی سمجھے! ہر قیمت پر مجھے مائیکرو فلم واپس چاہیے۔''

''یس سر! یس سر!'' اور اس کے بعد آواز بند ہوگئی۔ رائنا کے بدن پر ہلکی سی کپکپی طاری ہوگئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس قسم کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ صوفی کے بارے میں اس نے بہت سی کہانیاں سنی تھیں کہ صوفی صاحب نے یہ کیا ہے صوفی صاحب نے وہ کیا ہے۔ اسے ان کہانیوں سے بھرپور دلچسپی ہوتی تھی اور وہ یہ سمجھتی تھی کہ اس طرح کے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں اور کوئی دقت نہیں ہوتی لیکن اب اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کاموں میں زندگی کو کس طرح داؤ لگانا پڑتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا تھا کہ دروازے کی چٹخنی اندر سے لگا دی۔ باہر سے تو اسے کھولا جا سکتا تھا لیکن اب وہ اندر سے بند تھا پھر اس کے بعد اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور پھر کسی خیال کے تحت واش روم میں داخل ہوگئی۔ دوسرے لمحے اس کی باچھیں خوشی سے کھل گئی تھیں۔ باتھ روم میں ایک ایسی کھڑکی موجود تھی جس میں سلاخیں نہیں تھیں اور اس سے

باہر نکلا جاسکتا تھا۔ کموڈ پر کھڑے ہو کر اس نے باہر جھانکا۔ زمین زیادہ نیچی نہیں تھی۔

اب اس کے بعد بھلا رکنے کا کیا سوال تھا چنانچہ وہ برق رفتاری سے کھڑکی پر چڑھی اور کھڑکی سے نیچے کود گئی اور پھر اس نے یہ سوچے سمجھے بغیر دوڑ لگا دی جو پھر اسے راستہ نظر آیا کہ یہ راستہ اسے کہاں لے جائے گا۔ لیکن یہ راستہ اسے اس دیوار تک لے گیا جس پر چڑھ کر دوسری طرف کودنا کوئی مشکل کام نہیں تھا اور چند لمحوں کے بعد وہ ایک سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

♥.....♥.....♥

سہیل کے ہونٹوں پر تشویش کے آثار تھے۔ وہ ٹارزن کی داستان سن رہا تھا۔ ٹارزن نے کہا۔

''ویسے بھی تم جانتے ہو کہ میں غیر محتاط آدمی نہیں ہوں اگر وہ مکمل دوستانہ ماحول میں بھی مجھ سے بات کرتی یا مجھے اس بات کا پورا یقین ہوتا کہ وہ صرف پرانی شناسائی کی بنیاد پر مجھ سے مل رہی ہے تب بھی یقین کرو میں اس طرح کی کوئی مشکوک چیز نہیں پیتا۔ یہ میری فطرت کا ایک حصہ ہے۔ ہم لوگ میرا مطلب ہے اب ہم لوگ وہ نہیں رہے ورنہ جرم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کو اپنے باپ پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور میں ہمیشہ سے اسی مقولے کا قائل ہوں۔'' سہیل عالم کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''اور مجھے تم اپنا باپ سمجھتے ہو یا دادا!'' ٹارزن جذباتی ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''تمہیں میں اپنے وجود کی تکمیل سمجھتا ہوں۔ تمہارا قد میرے قد کو ملا کر مکمل ہوتا ہے اور اپنے آپ سے محتاط نہیں رہا جاتا۔''

''تھینک یو..... ٹارزن! مذاق میں یہ بات کہہ گیا تھا محسوس نہ کرنا۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں۔''

''سیدھی سیدھی بات ہے، وہ یہاں کسی نیک ارادے سے تو نہیں آئی اور اب جب ہم اس ملک میں رہتے ہیں اس کے باشندے ہیں، اس سے دلچسپی اور محبت رکھتے ہیں تو اس کے مفادات کی نگرانی بھی ہمارے فرائض میں داخل ہوتی ہے۔ اس کی آمد کی وجہ ضرور معلوم ہونی چاہیے اور پھر میں اس کی گفتگو تمہیں بتا چکا ہوں، یقیناً وہ یہاں کسی خاص مقصد کے تحت آئی ہے اور اسی لیے اس قدر محتاط ہے کہ اس نے مجھے ایک کار آمد انسان سمجھتے ہوئے میری زندگی کا رسک نہیں لیا۔

''دیکھو اس وقت تک جب ہم جرائم پیشہ تھے اپنے طور پر دنیا کا ہر فیصلہ کر سکتے تھے۔ نفع ہوتا یا نقصان لیکن زندگی میں کوئی راہنما بھی تقدیر ہی سے ملتا ہے اور یہ شخص جس کا نام صوفی ہے، بس میں تمہیں اس کے بارے میں کیا بتاؤں ٹارزن! یوں سمجھ لو میں ان معاملات میں اسے اپنا راہنما سمجھتا ہوں اور مرشد مانتا ہوں۔ میں یہ تمام تفصیل اس کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں سہیل کہ تم جو فیصلہ کرتے ہو اس میں کوئی بات ہوتی ہے۔ کوئی بڑی بات۔''

''ہم یہ تمام تفصیل صوفی صاحب کے پاس لے جائیں گے۔ میں انہیں فون کر لیتا ہوں۔ صوفی کو فون کیا گیا تو وہ وہیں اسی اپنی نئی رہائش گاہ میں ملا جو سہیل عالم کے علم میں آ چکی تھی۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''مل تو پیارے بھائی درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''ٹارزن کو بھی اپنے ساتھ لانا چاہتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے درختوں کے ذریعہ آؤ گے۔'' صوفی نے مذاق کیا اور سہیل عالم بھی ہنسنے لگا پھر بولا۔

''بس زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے تک پہنچ جاؤں گا۔''

''آ جاؤ۔'' صوفی نے جواب دیا اور سہیل عالم نے فون بند کر کے ٹارزن کو اشارہ کیا کہ لباس وغیرہ تبدیل کر لیا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ صوفی کی رہائش گاہ کی بیل بجا رہے تھے۔ دروازہ کھولنے والی حسینہ ہی ہو سکتی تھی۔ سہیل عالم کو دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش ہو جاتی تھی۔

''اے وہ کم بخت مجھے فارسہ نہیں آتا ورنہ فارسہ میں کوئی شعر پڑھتی۔''

''معشوق نشیلے کہاں ہیں؟''

''منہ کا مزہ خراب کر دیا۔ مر رہا ہوگا کسی کونے کھدرے میں۔ تم آ جاؤ ارے یہ کیا لائے ہو۔''

حسینہ نے ٹارزن کو دیکھ کر کہا جو پہلی مرتبہ اس عمارت میں آیا تھا اور پھر وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنسنے لگی اور ٹارزن سے بولی۔

''اے بھیا! تم سکڑ کیسے گئے؟'' ٹارزن کو اچھی خاصی اردو آتی تھی۔ اس نے حسینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بڑی بی! تمہیں دیکھ کر۔'' اور بس اس کے بعد مزید اور کیا کہنا تھا۔ بڑی بی! کے لفظ نے ہی حسینہ کو سر سے پاؤں تک سلگا دیا تھا۔

''اے یہ کہاں سے پکڑ لائے موا گنگا کہیں کا۔ یہ کاہے کا بچہ ہے آنکھیں وانکھیں اس کی ہیں یا نہیں ہیں۔''

''غلطی ہے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ اصل میں اس کا تعلق اس ملک سے نہیں ہے۔ باہر کا بندہ ہے۔ تھوڑی تھوڑی اردو سمجھا دی ہے میں نے اسے، غلطی میری ہے اصل میں ایک دفعہ کسی نے کسی کو بڑی بی کہا تھا تو یہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ بڑی بی کے معنی کیا ہوتے ہیں۔ میں نے کہا ایک خوب صورت اور حسین عورت! اب مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ تمہارے سامنے تمہیں بڑی بی کہہ دے گا۔ اس سے اس کا مقصد پوچھو۔''

''ہیں..... سچ کہہ رہے ہو؟'' حسینہ نے ایک دم موڈ بدل کر کہا۔

''تم پوچھ سکتی ہو اس سے۔''

''نہیں۔ اس سے کیا پوچھوں گی یہ مجھے کیا بتائے گا۔ اے چل آ جا اندر آ جاؤ۔ آؤ تم بھی آؤ۔ تمہیں دیکھ کر تو دل خوش ہو جاتا ہے۔''

''صوفی صاحب کہاں ہیں؟''

''اندر موجود ہیں۔'' حسینہ نے جواب دیا اور سہیل ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔ صوفی ڈرائنگ روم میں موجود تھا لیکن سہیل نے اس کے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کی تھی۔ عام طور سے صوفی قنوطیت میں مبتلا نظر آتا تھا۔ جھکی جھکی آنکھیں پان چباتا ہوا لیکن اس وقت حیرت انگیز طور پر طور وہ چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

''ہیلو صوفی صاحب!''

''ہاں آؤ۔ میں انتظار کر رہا تھا تمہارا۔''

''شکریہ۔ ایک بڑا دلچسپ انکشاف لے کر آیا ہوں۔''

''کہو۔'' صوفی نے کہا اور سہیل کچھ لمحے خاموش رہ کر اپنے ذہن میں وہ الفاظ ترتیب دینے لگا۔ جن کے ذریعہ وہ اصل حقیقت صوفی کو بتا سکے۔'' اس نے کہا۔

''صوفی صاحب ہم کچھ عرصے پہلے باقاعدہ جرائم کی دنیا میں متعارف تھے اور جرم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے بے شمار افراد ہمیں جانتے تھے۔ یہی کیفیت ٹارزن کی تھی۔ جیسا کہ ان کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اپنے ننھے قد و قامت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے لوگوں کو بڑی کامیاب شکستیں دی ہیں جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ ننھا سا آدمی کوئی خطرناک چیز نہیں ہو سکتا۔ کچھ ایسے جرائم پیشہ افراد بھی تھے جو ٹارزن کی حقیقت سے واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ ٹارزن کیا چیز ہے۔ ایسی ہی ایک شخصیت روز میلسی کی بھی تھی۔ روز میلسی کے بارے میں ہم لوگ اتنا جانتے ہیں کہ وہ ایک انتہائی خطرناک اور جنگ باز ملک کی سکرٹ ایجنٹ ہے۔ اس نے بہت سے زبردست کارنامے بھی سرانجام دیے ہیں۔

کچھ عرصے قبل روز میلسی نے ٹارزن سے بھی کچھ کام لیا تھا اور ٹارزن کی شاندار صلاحیتوں کی قائل ہو گئی تھی، بہرحال یہ مختصر سا تعارف تھا۔ روز میلسی ٹارزن کو یہاں نظر آئی۔ ایک اسٹور میں اس سے ملاقات ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور روز میلسی ٹارزن کو اپنے ساتھ ایک علاقے میں لے گئی۔ انداز دوستانہ تھا۔ وہاں بیٹھ کر ایک دوسرے سے تبادلہ خیال ہوا اور اسی دوران روز میلسی نے ٹارزن کے لیے ایک مشروب منگوایا۔ ٹارزن کو کوئی شبہ نہیں تھا کہ روز میلسی اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی۔

بس اس نے اپنے مزاج کے مطابق وہ مشروب ضائع کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ اس نے مشروب پی لیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس طرح کی اداکاری شروع کر دی جس سے روز میلسی کو یہ اندازہ ہو جائے کہ مشروب نے اسے کوئی نقصان پہنچایا ہے، کیوں کہ روز میلسی نے اس مشروب میں ایک انتہائی خطرناک زہر شامل کر دیا تھا۔''

''در..... در..... دریش رحم کریں۔'' صوفی نے عادت کے مطابق جیبیں ٹٹولیں لیکن پانوں کی ڈبیا اور بٹوہ وغیرہ بھی اس وقت پاس موجود نہیں تھا۔ وہ جیبیں ٹٹول کر رہ گیا۔ سہیل نے کہا۔

بعد میں اس نے اپنے آدمیوں کو بلا کر انہیں صورت حال بتائی اور کہا کہ وہ اس شناسائی کا رسک نہیں لے سکتی اور اس نے بہ حالت مجبوری ایک انتہائی کام آدمی ختم کر دیا ہے، کیوں کہ وہ نہیں جانتی کہ یہ شخص یہاں کیا کر رہا تھا۔ بس اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ٹارزن کو زندگی سے محروم کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کو بلا کر کہا کہ ٹارزن کو کہیں ٹھکانے لگا آئیں۔ انہوں نے اسے نہر میں پھینک دیا اور بہرحال اسے نکل کر آنا ہی تھا۔ ہم روز میلسی کے بارے میں یہ نہیں جانتے صوفی صاحب کہ وہ کس مقصد کے تحت یہاں آئی ہے لیکن جس ملک سے اس کا تعلق ہے وہ ہمارا دوست یا بہی خواہ نہیں ہے۔ ہم اس کی آمد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

صوفی نے ایک بار پھر جیبیں ٹٹولیں اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''درویش ہم سب پر رحم کریں۔ بات واقعی قابل غور ہے، کون سا علاقہ تھا جہاں وہ تمہیں لے گئی تھی ٹارزن!'' صوفی نے سوال کیا۔

''سر! وہ ٹارگون کہلاتا ہے۔ ٹارگون ایونیو، وہاں وہ عمارت ہے۔'' ٹارزن صوفی کو اس عمارت کی لوکیشن بتانے لگا۔

''سمجھ گیا، ویسے کیا کہتے ہو سہیل!''

''سر! معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے، کتنے افراد سے اس کا رابطہ ہے؟''

''ہوں۔ اس کے لیے اس عمارت ہی میں داخل ہونا پڑے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت حسینہ چائے کے برتن اور کھانے پینے کی کچھ اشیا لے کر اندر داخل ہوئی اور صوفی نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ حسینہ نے مسکراتے ہوئے چائے بنا کر پہلا کپ سہیل عالم کے سامنے رکھا اور باقی دو کپ وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

''حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ! یہ صرف تمہارا حسن و جمال ہے۔ سہیل کہ تمہاری یہ خاطر مدارات ہو رہی ہے ورنہ یہ محترمہ..... یار ہر انسان ٹھرکی ہوتا ہے اور ہر دور میں اس کی ٹھرک ایسے ہی کارنامے سرانجام دیتی ہے۔ حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ!''

سہیل مسکرانے لگا۔

♥.....♥.....♥

رائنا کے پیروں میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ وہ ان لوگوں کو ڈاج دینا چاہتی تھی اور اس کی انتہائی کوشش تھی کہ وہ اس تک نہ پہنچنے پائیں۔ ساری صورت حال اس کی سمجھ آ گئی تھی اور یہ بات اس کے لیے بڑی روح فرسا تھی کہ اس کا راز کھل گیا تھا اور وہ لوگ جن کا تعلق مائیکرو ڈسک سے تھا۔ کامیابی سے اسے ٹریس کر چکے تھے۔ نہ صرف ٹریس کر چکے تھے بلکہ سمعیہ سے پیچھا چھڑانے کے بعد وہ ان کے قبضے میں بہ آسانی آ گئی تھی۔

بہرحال یہ ایک سنگین بات تھی۔ اس بات سے اس کا ذہن خاصا الجھ گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ یہ ایک خطرناک عمل ہے۔ بہرحال کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں اچھا خاصا رش تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا، سامنے ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے ٹیکسی کی طرف چل پڑی اور پھر اس نے ڈرائیور سے جھک کر کہا۔

''ڈرائیور چلو گے؟''

''یس میڈم!'' ڈرائیور نے مہذب لہجے میں کہا اور جلدی سے نیچے اتر کر ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ رائنا اندر بیٹھ گئی تو اس نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

''میڈم کہاں جانا ہے؟''

''کسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں، جہاں کے اخراجات زیادہ نہ ہوں۔'' رائنا نے جواب دیا اور ٹیکسی ڈرائیور نے گردن موڑ کر اسے دیکھا وہ چھریرے بدن کا ایک عجیب سی شکل و صورت کا آدمی تھا۔

مقامی ہی تھا، لیکن انگریزی بہت اچھے انداز میں بولتا تھا۔

بہرحال اس نے ٹیکسی آگے بڑھادی۔ اسی وقت رائنا نے ایک لمبی ایمپالا دیکھی۔ یہ ایمپالا ٹیکسی سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی تھی اور ایمپالا کی ڈرائیونگ سیٹ پر اس نے اسی شخص کو دیکھ لیا جس کی اس سے بات چیت ہوئی تھی۔ رائنا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ انتہائی کامیابی سے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ آہ..... کچھ بھی ہو، کام کرنا ہے۔ کرنل رحیم شاہ نے اس سے پہلے کبھی ایسے کسی کام میں مصروف نہیں کیا تھا حالانکہ وہ شروع ہی سے اس بات کی خواہش مند تھی کہ گرین فورس میں اسے بھی کوئی مقام دیا جائے۔

لیکن کرنل نے بیٹی کو اس قابل سمجھا ہی نہیں تھا۔ بہرحال اب رائنا اس طرح پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے تین چار موڑ کاٹے لیکن کار سائے کی طرح پیچھے لگی رہی۔ رائنا کو یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی کہ دشمن اب پوری طرح مستعد ہیں اور کامیابی سے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر دل میں کچھ عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئیں۔ اگر اس سلسلے میں ناکام رہی تو زندگی موت کی تو اسے کوئی پروا نہیں تھی لیکن کرنل رحیم کے سامنے بڑی بے عزتی ہوگی۔ وہ یہی کہے گا کہ عورت آخر عورت ہی ہوتی ہے۔ کچھ بھی ہو جائے، میں ان لوگوں کے چنگل میں نہیں آؤں گی اور اگر مجھے سختی کا جواب سختی سے دینا پڑا تو پھر یہی سہی۔ گولی کا جواب میں گولی اور تھپڑ کے جواب میں تھپڑ۔ اچانک ہی اس نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سنو ڈرائیور!''

''یس میڈم!''

''یہ کچھ بدمعاش میرا پیچھا کر رہے ہیں، تم نے وہ ایمپالا دیکھی؟''

''جی میڈم!''

''میں تمہیں ایک بھاری رقم انعام دوں گی۔ اس کو ڈاج دینا ہے۔''

''او کے میڈم! فکر نہ کیجیے۔'' ڈرائیور نے اپنی گاڑی کی رفتار ایک دم بڑھا دی اور پھر اچانک اس نے ایک ٹرن لیا۔ اس کی اس حرکت سے ٹیکسی الٹتے الٹتے بچی تھی۔ پیچھے والی کار کے پہیوں کی تیز چرچراہٹ سنائی دی۔

آخر کار طاقت ور ایمپالا تھی۔ وہ یوٹرن لے کر اس طرف گھوم گئی اور پھر دونوں کاروں میں ریس ہونے لگی۔ رائنا کی نگاہیں بار بار پیچھے اٹھ جاتی تھیں۔ وہ ان لوگوں کو پورے اعتماد کے ساتھ تعاقب کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

کئی تنگ اور کشادہ سڑکوں پر مڑنے کے باوجود ایمپالا نے پیچھا نہیں چھوڑا جب کہ ٹیکسی ڈرائیور کی گردن پسینے سے تر ہو رہی تھی۔ ایک موڑ پر تیز رفتاری سے گھومتے ہوئے ٹیکسی بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی لیکن ڈرائیور نے اسے سنبھال لیا اور پھر اسے سیدھا کر کے آگے بڑھ آیا۔ اچانک ہی رائنا نے کہا۔

''سنو! ڈرائیور اگلے موڑ پر کار کی رفتار کم کر کے مجھے اتار دینا۔ یہ تمہارے بل اور انعام کی رقم۔''

ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن آگے اس کا موقع نہیں مل سکا کیوں کہ پیچھے آنے والی کار سر پر پہنچ چکی

تھی۔ دونوں کاریں مختلف سڑکوں پر تیز رفتاری سے دوڑتی رہی تھیں اور نہ جانے قاہرہ کا یہ کون سا علاقہ تھا جہاں وہ اس وقت نکل آئے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ فاصلے پر ایک تنگ سی سڑک نظر آئی۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے مکانات اور دکانیں بنی ہوئی تھیں۔ کار کا فاصلہ کچھ اور کم ہو گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور رفتار پر قابو نہیں رکھ سکا تھا کیوں کہ جگہ بہت تنگ تھی لیکن اچانک ہی اس نے ٹیکسی کو ایک چھوٹی سی نہر کے پل کی طرف گھما دی جو شاید پیدل آمد و رفت کے لیے تھا اور یہ ڈرائیور کی بہت بڑی غلطی تھی۔ کار پل کے درمیان پہنچ رہی تھی کہ ایمپالا بھی سر پر پہنچ گئی اور پہلو میں آ کر اس نے زور سے ٹیکسی کو ٹکر مار دی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا اور دوسرے ہی لمحے ٹیکسی ریلنگ کو توڑتی ہوئی نہر میں جا گری۔ چھپاک کی آواز بلند ہوئی لیکن خوش قسمتی سے کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ٹیکسی نہر میں بیٹھتی چلی گئی۔ اس میں فوراً ہی پانی بھرا تھا۔

رائنا نے جلدی سے باہر دیکھا اور پھر پوری قوت سے دروازہ کھول دیا۔ پانی کا ریلا اندر گھس آیا اور اس نے رائنا کو واپس سیٹ پر دھکیل دیا۔ دوسری طرف ڈرائیور بھی شاید دروازہ کھول چکا تھا۔ رائنا ہمت کر کے آگے بڑھی اور ٹیکسی کی اندرونی سیٹ سے باہر نکل آئی پھر اس نے اوپر کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ نہر گہری نہیں تھی۔ دوسرے لمحے وہ سطح پر پہنچ گئی۔

لباس وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ الگ بات تھی لیکن بہرطور وہ کنارے پر پہنچ گئی۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے تھے اور پل کے کنارے پر کھڑے ہو کر چیخ رہے تھے۔ کسی نے مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کنارے کی اینٹوں کا سہارا لے کر وہ اوپر چڑھی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی لیکن قرب و جوار میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت پولیس سائرن کی آواز سنائی دی اور وہ بے تحاشا دوڑنے لگی۔ پولیس کے ہاتھ میں نہیں لگنا چاہتی تھی۔

خوش قسمتی ہی تھی کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے پولیس والوں کو نہر میں گری ہوئی ٹیکسی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ اس صورت میں اسے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ سارا لباس پانی میں شرابور ہو رہا تھا اور اس تنگ اور سنسان گلی میں چلتے ہوئے رائنا کی نگاہیں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں لیکن ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی۔ مکانات کے دروازے موجود تھے لیکن وہ ان میں داخل ہو کر اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ پولیس بہرحال اسے تلاش کرے گی اور مکانوں کے مکین کو کیا پڑی ہے کہ اسے چھپائیں۔

وہ دوڑتی ہوئی گلی کے دوسرے سرے پر نکل آئی۔ ابھی وہ گلی کے اس سرے سے نکلی ہی تھی اور یہ اندازہ لگا نہیں پائی تھی کہ ادھر کیا ہے کہ دفعتہً اس کی نگاہ ان دو افراد کی جانب اٹھی جو انہی چاروں میں سے تھے۔ ایک بھاری چہرے والا شخص اپنے ہاتھ میں ریوالور لیے رائنا سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ رائنا نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس نے فوراً ہی گولی چلا دی۔ گولی رائنا کے سر سے صرف چند گز کے فاصلے پر سے گزر گئی، اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں لڑکھڑائے اور وہ ٹھوکر کھا کر نیچے جا گری۔ یہ کوشش اس کے حق میں بہتر ہی ہوئی کیوں کہ دوسری گولی اس نے صحیح نشانے پر چلائی تھی البتہ اس کے بعد وہ رائنا کے سر پر پہنچ

گیا۔اس نے ریوالور کی نال رائنا کے سر پر لگائی اور غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اٹھو!'' رائنا نے دونوں ہاتھ آہستگی سے زمین پر ٹکائے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ خوں خوار نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دوسرے لمحے کیا ہونے والا ہے۔اس کے اٹھنے سے ریوالور کی نال سر کے پچھلے حصے سے ہٹ گئی تھی اور وہ رائنا کے بالکل قریب آ گیا تھا۔اچانک ہی رائنا نے دونوں ہاتھ بلند کیے، وہ ہاتھوں کی طرف متوجہ ہوا، لیکن رائنا کا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑا اور اس کے حلق سے ایک زور دار کراہ نکل گئی۔ وہ دوہرا ہو گیا تھا لیکن رائنا نے پیچھے ہٹ کر بالکل اس کے منہ پر اس طرح کک لگائی جس طرح فٹ بال پر زور دار کک لگائی جاتی ہے۔اسے اپنی اس انوکھی طاقت کا پہلی بار اندازہ ہوا۔اس کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑی تھی۔اور اس کا سر پہلے پیچھے ہوا اور پھر دونوں پاؤں اوپر اٹھے اور اس کے بعد وہ فضا میں بلند ہو کر منہ کے بل نیچے گرا۔

جس انداز میں وہ گرا تھا اس سے جو ہونا تھا وہی ہوا یعنی اس کی گردن کی ہڈی کے منکے ٹوٹ گئے۔ وہ کسی ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح بلبلایا اور اس کے کانوں اور منہ سے خون بہہ نکلا لیکن رائنا کو دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔ جو فوراً ہی پیچھے سے اس پر حملہ آور ہوا تھا۔اس نے زمین پر بیٹھ کر اسے اپنے آپ پر چھا جانے سے روکا لیکن ان دونوں کی شامت ہی آ گئی تھی کیوں کہ وہ رائنا پر سے گزر کر اپنے اس مرتے ہوئے ساتھی پر جا پڑا تھا پھر رائنا بھلا اسے کہاں موقع دے سکتی تھی۔اس کی زور دار ٹھوکر اس کی پسلیوں پر پڑی اور اس کے بعد وہ اپنے نوک دار جوتے سے مسلسل اس پر ٹھوکریں لگاتی رہی۔

گردن ٹوٹنے والا آدمی تو پہلے ہی جہنم رسید ہو گیا تھا لیکن اس دوسرے آدمی کے منہ سے بھی خون کی موٹی دھار بہہ نکلی تھی۔اس نے اس بری حالت کے باوجود رائنا کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور زور سے جھٹکا دیا۔رائنا بری طرح زمین پر گری تھی لیکن پاؤں اس کی گرفت سے نکل گئے تھے۔ لیٹے ہی لیٹے اس نے دونوں پاؤں جوڑ کر پیروں کی ٹھوکر اس کے چہرے پر لگائی اور اس کے بعد اس میں کوئی سکت نہ رہی۔ پتا نہیں وہ زندہ تھا یا مر گیا۔

بہر حال رائنا کے پاس اس وقت یہ جاننے کا وقت نہیں تھا وہ پھرتی سے اٹھی اور ایک بار پھر اس نے وسیع و عریض میدان میں دوڑ لگا دی جو اس گلی کے دوسرے سرے پر واقع تھا اور جس کی لمبائی تقریباً تین سو گز تھی۔اس کے کنارے پر مکانات بنے ہوئے تھے لیکن ان مکانات میں رہنے والوں کو اس ہنگامے کا کوئی علم نہیں تھا چنانچہ وہاں سکون تھا۔ وسیع و عریض میدان کو عبور کر کے مکانوں کے سرے تک پہنچتے ہوئے رائنا کو کافی وقت لگ گیا۔اس دوران وہ بار بار گردن گھما کر پیچھے کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی لیکن اس کے بعد کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آخر کار وہ مکانوں کے قریب پہنچ گئی۔حلیہ دیکھنے کے قابل ہو رہا تھا۔ لباس بری طرح بھیگا ہوا تھا۔ چہرہ بگڑا ہوا تھا، بال سر سے چپک گئے تھے اور وہ عجیب و غریب حلیے میں نظر آ رہی تھی۔

مکانوں کے اس سرے پر ایک وسیع و عریض پارک تھا جس میں گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ پارک کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور اس وقت وہ سنسان نظر آ رہا تھا چنانچہ وہ فوراً ہی وقت ضائع کیے بغیر پارک میں

داخل ہو گئی اور اس کے بعد اس نے درختوں کے ایک ایسے جھنڈ کو تلاش کیا جو اسے دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔ بہر حال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے اپنا لباس اُتارا اور اس سے پانی نچوڑنے لگی۔ جوتوں میں پانی بھرا ہوا تھا اور پاؤں پچ پچ کر رہے تھے اس نے حتی الامکان انہیں بھی خشک کرنے کی کوشش کی اور اس کے بعد وہ اپنے جسم وغیرہ پر ہر چیز صاف ستھری کرنے لگی۔ یہاں تنہائی اور خاموشی اس کی مدد کر رہی تھی۔

چنانچہ اس نے اپنے آپ کو بالکل صاف ستھرا کر لیا۔لباس خشک ہوا تو اسے پہن لیا اور اس کے بعد باقی چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ کرنسی نوٹ کافی تعداد میں موجود تھے لیکن خوش بختی یہ تھی کہ وہ جس پرس میں تھے وہ واٹر پروف تھا۔ گویا تقدیر نے یہاں اس کا ساتھ دیا تھا۔ بہر حال کرنسی کی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسے آگے کے بارے میں صحیح فیصلے کرنے تھے۔ حتی الامکان اپنا حلیہ درست کرنے کے بعد وہ وہاں سے باہر نکلی اور اس کے بعد نہ جانے کتنا فاصلہ اس نے پیدل طے کیا۔اس طرف کا اس نے رخ بھی نہیں کیا تھا جس طرف سے ٹیکسی آئی تھی۔ پتا نہیں ٹیکسی ڈرائیور اسے کہاں لے جانا چاہتا تھا۔

لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر اسے ایک ایسا ہوٹل نظر آ گیا جو درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔اس نے یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ہوٹل کے کمرے میں پہنچ گئی۔ دوسرا کوئی لباس وغیرہ تو تھا نہیں جسے تبدیل کیا جاتا تاہم ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک بار پھر دروازہ اندر سے بند کیا اور اپنے لباس کا صحیح طور پر جائزہ لینے لگی پھر بستر پر لیٹ کر اس نے سوچا کہ اس کے لیے کوئی خاصی مشکل نہیں پیش آئی ہے۔ سمعیہ پتا نہیں کس حال میں ہوگی۔ بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی برا وقت نہیں آیا ہوگا کیوں کہ اسے اس معاملے سے بے تعلق سمجھا گیا ہے۔

لیکن حیرانی کی بات تھی۔ واقعی شدید حیرانی کی بات تھی کہ ان لوگوں نے اتنے مختصر وقت میں صحیح صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ مائیکرو ڈسک محفوظ تھی۔ سمعیہ سے دوبارہ بھی ملا جا سکتا تھا، یہ کہہ کر کہ وہاں کچھ پراسرار لوگوں نے اسے اغوا کر لیا تھا اور وہ اب ان کے چنگل سے نکل آئی ہے۔ بہر حال جس قدر ہنگامہ آرائی ہوئی تھی اس کے بعد نیند کا نہ آنا تعجب کی بات ہوتی اور پھر نیند بھی عمر کی دین ہوتی ہے، چنانچہ وہ عمر کی دین کا سہارا لے کر گہری نیند سو گئی۔

♥.....♥.....♥

''کم بخت اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ گیٹ پر کئی آدمی مستعد ہیں۔ کیا کہتے ہیں صوفی صاحب!'' سہیل عالم نے سرگوشی کے عالم میں کہا اور صوفی اس پائپ کی طرف دیکھنے لگا جو بہت کم زور تھا۔ ویسے بھی پلاسٹک کا پائپ تھا۔اس میں اتنی قوت کہاں ہوتی ہے۔

''میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ وہ تو بالکل ہی ناکارہ ہے۔''

''دیکھو، ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ پائپ کے ساتھ ساتھ ہی وہ لوہے کا ایک انچ پائپ بھی ہے جو یقیناً گیس یا پانی کا ہے۔ وہ بھی ساتھ ساتھ ہی اوپر کی طرف چلا جاتا ہے۔ اصل میں وہ کھڑکی ہر لحاظ سے بہتر ہوگی۔اس کے ذریعے کوشش کی جائے تو اوپر پہنچا جا سکتا ہے۔ سہیل عالم نے گہری

سانس لے کر صوفی کو دیکھا۔ یہ بات ذرا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کم از کم وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ لوگ اس عمارت پر موجود تھے جس میں ٹارزن کو روز میلسی لے گئی تھی۔

رات کی تاریکی میں عمارت سناٹے میں ڈوبی ہوئی بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ صوفی اور سہیل عالم اس عمارت کا جائزہ لینے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن عمارت کا پورا چکر لگا لیا تھا انہوں نے۔ دیواریں ایسی نہیں تھیں جنہیں آسانی سے عبور کیا جا سکے اور اس کے علاوہ یہاں انہوں نے لوگوں کو بھی مستعد دیکھا تھا۔ اچانک ہی سہیل عالم چونک پڑا۔ اس نے اچھل کر صوفی کو پلاسٹک کا پائپ پکڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ صوفی نے جوتے اتار کر وہیں پھینک دیے تھے۔

اس نے پلاسٹک کے پائپ کا سہارا لیا اور پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے اس پتلے پائپ کو پکڑ لیا اور جو جست کا تھا اور پھر سہیل عالم نے اسے پھرتی سے اوپر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ بالکل بندروں کا اسٹائل تھا۔ صوفی صرف پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے اپنا پورا وزن سنبھالے ہوئے تھے۔ صرف سہارے کے لیے اس نے پلاسٹک کا پائپ پکڑا ہوا تھا اور لمحوں کے اندر وہ اس کھڑکی تک پہنچ گیا اور پھر اس کا بدن اس طرح کھڑکی میں داخل ہو گیا جس طرح مقناطیس نے اسے اندر سے کھینچ لیا ہو۔ سہیل عالم حیرت سے منہ پھاڑے یہ حیران کن منظر دیکھتا رہا تھا۔ صوفی نے کھڑکی سے جھانک کر اسے دیکھا اور اس کے بعد ہاتھ ہلا کر اندر کی جانب چل پڑا۔ سہیل عالم پھٹی پھٹی آنکھوں ادھر دیکھتا رہ گیا تھا۔

صوفی نے جو کمال دکھایا تھا درحقیقت وہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"صوفی صاحب! اگر میں یہ تسلیم نہ کرتا کہ آپ مجھ سے بدرجہا برتر ہیں تو آپ یقین کیجیے کہ آپ سے شناسائی کا اظہار تک نہ کرتا۔ اب میں کیا کروں؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔" وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ایسی کوئی کوشش کی تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اندر داخل ہونے کے لیے کچھ اور انتظار کیا جائے تاکہ کوئی ترکیب نکل سکے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ادھر صوفی اس کھڑکی سے دوسری طرف کمرے میں اتر گیا تھا۔ یہ ایک سجا سجایا بیڈ روم تھا۔ ایک طرف بستر پڑا ہوا تھا۔ دوسری طرف ایک صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل الماری وغیرہ۔ صوفی یہاں رکا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ عمارت کے بیرونی حصے میں انہوں نے چار افراد کو دیکھا جو مقامی نہیں تھے اور چاروں ہی مستعد نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ان کے پاس اسلحہ بھی دیکھا تھا۔

دو دو افراد گشت کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اور یہ بات مکمل طور پر کہی جا سکتی تھی کہ ان کی موجودگی میں گیٹ یا کسی اور ذریعہ سے اندر داخل ہونا ناممکن ہے۔ صوفی دروازے کے قریب پہنچا۔ اسے شبہ تھا کہ دروازہ باہر سے بند نہ ہو، لیکن غالباً گھر کے مکین اس طرح مطمئن تھے کہ انہوں نے دروازے کو باہر سے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ پورے گھر میں کتنے بیڈ روم تھے اس کا تو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا لیکن ایک اندرونی کمرے میں تیز روشنی نظر آ رہی تھی۔ صوفی اس وقت ایک خوں خوار چیتے کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے بدن پر سیاہ لباس پہنا ہوا تھا اور چہرے پر خاص قسم کی نقاب لگائی ہوئی تھی۔ اس کی چستی اور مستعدی دیکھ اس وقت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی صوفی ہے۔

بہرحال اس کی اپنی ایک زندگی تھی اور اس زندگی کے بیش بہا کارنامے تھے۔ وہ آگے بڑھتا ہوا اس کمرے کے نزدیک پہنچ گیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ قدموں کی ذرا سی بھی چاپ اس نے پیدا ہونے نہیں دی تھی اور یہ بھی اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ اس اوپری منزل میں کوئی موجود نہیں ہے۔ پھر اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا یہ بھی ایک خوب صورت بیڈ روم تھا لیکن خالی تھا یہاں ایسے ہی تیز روشنی جلا کر چھوڑ دی گئی تھی۔

پوری طرح یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ بیڈ روم سے ملحق باتھ روم میں بھی کوئی نہیں ہے صوفی وہاں سے آگے بڑھا اور اس کے بعد نیچے سیڑھیاں اترنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ نیچے ایک ڈرائنگ ہال میں کھڑا تھا۔ اس ڈرائنگ ہال میں کئی دروازے تھے اور ان میں سے ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ صوفی بے آواز چلتا ہوا اس کھلے دروازے کے پاس پہنچ گیا جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں اور پھر اس نے ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جہاں سے وہ اندر جھانک سکتا تھا۔ سہیل عالم کو باہر ہی چھوڑنا پڑا تھا اگر وہ خود کوشش کر کے یہاں تک پہنچ جائے تو دوسری بات ہے ورنہ ظاہر ہے اس کو اندر لانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا پھر اس نے اس اندرونی کمرے کا منظر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بری طرح اچھل پڑا۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کرسی پر بندھے ہوئے اس شخص کو دیکھا جسے وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ جسم پر قمیض اور پتلون تھی۔ قریب ہی کوٹ پڑا ہوا تھا۔ اسے کرسی سے باندھ دیا گیا تھا اور اس سے کچھ فٹ کے فاصلے پر ایک دراز قامت عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے حلیے سے یہی لگتا تھا کہ یہی عورت روز میلسی ہے۔ وہ کرسی سے بندھے ہوئے شخص سے کچھ کہہ رہی تھی۔ صوفی نے اس آواز پر کان لگا دیے اور دوسرے لمحے اس نے آنکھیں بند کر کے زور سے گردن جھٹکی اور اس کے حلق سے ایک ہلکی سر سراہٹ نکلی۔

"حق اللہ....."

♥.....♥.....♥

دراز قامت عورت کرسی سے بندھے شخص سے جو کچھ بھی کہہ رہی تھی۔ وہ الفاظ تو صوفی کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ لیکن بندھے ہوئے شخص کے چہرے پر جو بارہ بج رہے تھے اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ دراز قامت عورت نے اس پر تشدد بھی کیا ہے۔ البتہ یہ بات صوفی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ روز میلسی جس کے بارے میں ٹارزن نے سہیل عالم کو بتایا تھا۔ وہ جمشید مرزا کو کیوں اغوا کر کے لے آئی ہے۔ ویسے جمشید مرزا بھی اپنی طرز کا واحد ہی کردار تھا۔ جو بار بار صوفی کے سامنے آ جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ جمشید مرزا کو ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی عادت تھی۔ لیکن روز میلسی کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جمشید مرزا سے کچھ معلومات حاصل کر رہی ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی صوفی کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ جمشید مرزا کے منہ پر لگایا اور صوفی نے جلدی سے آنکھیں بھینچ لیں۔ تھپڑ کی آواز البتہ اتنی زوردار تھی کہ باآسانی صوفی کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ صوفی نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا کہ اب جمشید مرزا کو مدد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں ٹانگ اڑا دینی چاہیے۔ ابھی وہ لائن آف ایکشن پر غور کر رہا تھا کہ اچانک ہی باہر گولیاں چلنے لگیں۔ فائرنگ کی آواز خاصی تیز تھی۔ صوفی نے اب توقف نہیں کیا

اور دروازے کی طرف جھپٹا اس نے دروازے کو شانے سے ٹکر ماری لیکن اسی وقت لائٹ چلی گئی۔ گہری تاریکی چاروں طرف پھیل گئی۔ دروازے پر پہنچتے ہی اس نے ایک دم سے اپنی ڈائریکشن موڑ لی پھر ادھر ادھر جسم کو جنبش دیتا ہوا آگے بڑھا جمشید مرزا جہاں پر کرسی سے بندھا بیٹھا تھا۔ وہ جگہ صوفی کے ذہن میں تھی۔

چناں چہ تاریکی میں بھی اس نے اپنے آپ کو جمشید مرزا کو ٹکرانے سے باز رکھا۔ البتہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لائٹ کیسے بند ہوگئی۔ روز میلسی کے بارے میں اسے اندازہ نہیں تھا کہ کمرے میں ہے یا غائب ہوگئی روشنی کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ صوفی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنی جگہ رک گیا۔ کچھ لمحے سوچتا رہا پھر پھرتی سے آگے بڑھا اور کرسی کے قریب پہنچ گیا اس نے اپنی پوری مہارت کے ساتھ کرسی پر وہ بند ٹٹولے جنہوں نے جمشید مرزا کو جکڑا ہوا تھا۔ وہ بولنے لگا۔ جمشید مرزا کی پھٹی پھٹی آواز ابھری تھی۔

”تم کون ہو...... تم کون ہو بھائی۔ کون ہو تم؟ روشنی دیکھو روشنی۔“ لیکن صوفی خاموش رہا۔ اس نے جمشید مرزا کے سارے بندھن کھول دیے۔ اس کے پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ وہ نیچے جھک کر پاؤں کھول رہا تھا۔ کہ جمشید مرزا نے اس کے شانوں سے پکڑ لیا۔“

”مجھے بتاؤ تو سہی اپنے بارے میں کون ہو تم۔ لیکن صوفی نے اسے زور سے جھٹک دیا اور اس کے بعد پھرتی سے کھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ یہ اندازہ اس نے لگا لیا تھا کہ اگر روز میلسی کمرے ہی میں ہوتی تو یقینی طور پر جمشید مرزا کو کھولنے کے سلسلے میں مداخلت کرتی۔ یقینی طور پر اسے یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ مل گیا تھا۔ پھر باہر کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی مزید کئی فائر ہوئے۔ صوفی ایک ٹھنڈی سانس لے کر باہر نکل آیا تھا۔ لیکن اس نے اب بھی اپنے آپ کو اس قدر مستعد رکھا تھا کہ اگر کہیں سے اس پر خاموشی سے فائرنگ کی جائے تو وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ وہ عمارت کے احاطے میں پہنچا تو اسے سہیل کی آواز سنائی دی۔

”کیا آپ آس پاس موجود ہیں؟“

”حق اللہ......“ صوفی نے کہا اور صرف آواز کا اندازہ لگا کر سہیل اس کے پاس پہنچ گیا۔

”خدا کی پناہ...... تاریکی میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہمارے اندر داخل ہوگئی ہے۔“ صوفی نے کوئی جواب نہ دیا اور گہری تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر بولا۔

”یہاں چند افراد تھے۔“

”نکل گئے۔ ایک کار میں بیٹھ کر گئے۔“

”فائرنگ کس نے کی تھی؟“

”انہوں نے مجھ پر کی تھی۔“ سہیل نے جواب دیا اور پھر ایک دم صوفی کا شانہ دبا کر بولا۔

”کوئی...... کوئی...... آ رہا ہے وہ دم سادھ کر رک گئے۔ صوفی نے آہستہ سے کہا۔

”وہ جمشید مرزا ہے۔“

”کون......“ سہیل حیرت سے اچھل پڑا۔ لیکن صوفی نے خاموشی اختیار کی تھی۔ اب چونکہ ان کی آنکھیں رات کی تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہوتی جا رہی تھیں اس لیے انہوں نے اس سائے کو دیکھا جو بڑے

محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا گیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا اور پھر وہ گیٹ سے باہر نکل گیا۔

تاریکی کے باوجود انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی مرد ہی ہے۔ صوفی منتظر تھا کہ روز امیلسی بھی باہر آئے۔ لیکن روز امیلسی اس قدر بے وقوف نہیں تھی کہ اندر ہی رک کر انتظار کرتی۔ ان کے چاروں ساتھی باہر بھاگے تھے۔ یقیناً اسی وقت بھاگے تھے جب روز امیلسی اس کے پاس پہنچ چکی ہوگی۔

”اب......“ سہیل عالم نے پوچھا۔

”کچھ نہیں...... آؤ...... کوئی پناہ گاہ تلاش کریں۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔“ صوفی نے کہا اور سہیل عالم اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ پھر ایک جگہ ایسی نظر آ ہی گئی۔ جہاں رک کر وہ ایک طرف سے کوٹھی کے گیٹ کا جائزہ لے سکتے اور دوسری طرف سے عمارت کے اندر سے باہر آنے والے پر بھی نگاہ رکھی جا سکتی۔ سہیل نے کہا۔

”یہاں رکنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔“

”کیوں؟“ صوفی نے پوچھا۔

”فائرنگ کی آوازیں باہر بھی سن لی گئی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے آس پاس کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی ہو۔“

”تم نے شاید غور نہیں کیا۔ عمارت کا آس پاس ہے نا پاس اور پولیس اگر ہوتی تو آ سکتی تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ پولیس بھی آس اور پاس موجود نہیں ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔“

”تو پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

”چلہ کشی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ جگہ مناسب ہے موسم اور ماحول بھی اچھا ہے۔ صوفی نے جواب دیا اور سہیل عالم ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ خاصی دیر خاموشی رہی پھر صوفی نے کہا۔

”تم نے غالباً گیٹ سے اندر گھسنے کی کوشش کی ہوگی۔“

”ہاں۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر کوئی بہت ہی خفیہ راستہ ہو تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن عمارت میں گیٹ کے سوا داخلے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہاں آپ نے جو راستہ اختیار کیا۔ وہ آپ کی روحانیت کا کرشمہ تھا۔ کوئی عام آدمی اس معمولی سہارے سے اس برق رفتاری سے اوپر نہیں پہنچ سکتا۔ آپ نہ جانے کیا چیز ہیں۔“

”میں ڈارون کا ارتقائی نظریہ ہوں۔ درویشوں کے کرم سے۔“ صوفی نے جواب دیا۔ سہیل ہنستا رہا پھر بولا۔

”میرا خیال ہے عمارت کا مین سوئچ اڑا دیا گیا ہے۔“

”مین سوئچ کہاں ہو سکتا ہے۔“ صوفی نے کہا۔

”میں تلاش کرتا ہوں۔“ سہیل عالم بولا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ پھر چند لمحات کے بعد عمارت بالکل روشن ہوگئی تھی۔ ان لوگوں کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ نہ تو آس پاس کے کسی فرد نے پولیس کو

اس فائرنگ کی اطلاع دی تھی اور نہ پولیس قرب وجوار میں موجود تھی جس کی وجہ سے وہ ادھر متوجہ ہو جاتی۔ اس کے علاوہ روز املیسی بھی عمارت سے نکل گئی تھی اور اب عمارت میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ صوفی نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سہیل عالم اسے تھوڑے فاصلے پر مل گیا۔

''مین سوئچ آف کرایا گیا تھا۔ غالباً بھاگنے والوں میں سے کسی نے یہ کارروائی کی ہوگی۔ اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ اب اس عمارت میں کسی کا وجود نہیں تھا۔''

''اس سے اچھی کیا بات ہے۔ آؤ پھر ہم عالم وجود میں آ جائیں درویشوں کی دعاؤں سے تم یوں کرو داہنی سمت جاؤ۔ میں بائیں سمت سے آغاز کرتا ہوں۔ جتنی پھرتی سے یہاں کی تلاشی لی جا سکتی ہے؟ لے لو مگر کسی چیز کو نظر انداز مت کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سہیل نے کہا اور صوفی کے کیے ہوئے اشارے کی سمت چل پڑا۔ صوفی خود بھی مصروف ہو گیا تھا عمارت میں کل پانچ کمرے تھے۔ دو اسٹور تھے بہ ظاہر ان دونوں کو کوئی چیز نہیں مل سکی۔ لیکن صوفی اس بڑے ڈسٹ بن کے پاس رک گیا جس میں بہت سے ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ یہ دواؤں کے ڈبے بھی تھے۔ بسکٹوں وغیرہ کے بھی کچھ مڑے تڑے کاغذات بھی تھے۔ جنہیں صوفی نے کھول کر دیکھنے لگا۔ ڈسٹ بن کے پیچھے اسے ایک کاغذ ملا جس پر ایک مخصوص رائٹنگ میں RK099 لکھا ہوا تھا یہ RK099 اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ لیکن کاغذ کو احتیاط سے اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کوئی چالیس منٹ تک انتہائی باریک بینی سے یہاں کی تلاشی لی گئی۔ لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ دواؤں وغیرہ کے ڈبے بھی دیکھے گئے اور سہیل عالم نے اس سلسلے میں بہترین انکشافات کیے اس نے کہا۔

''خاص طور سے دواؤں کے یہ دو ڈبے جو زیادہ پرانے نہیں ہیں ایک خاص سمت اشارہ کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ انہیں استعمال کرنے والا کوئی جنونی ہے۔ یہ ہیجان کو ختم کرنے والی انتہائی زود اثر دوا ہے اور یہ ڈبے بھی زیادہ پرانے نہیں ہیں اس کا مطلب ہے کہ کوئی بہت زیادہ مقدار میں انہیں استعمال کرتا ہے۔ ممکن ہے وہ روز املیسی ہی ہو۔'' صوفی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ بڑے دروازے سے ہی باہر نکلے تھے۔ لیکن انتہائی محتاط انداز میں اس بات کا شبہ کیا جا سکتا تھا کہ کوئی باہر ان کی تاک میں ہو۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں نکلی تھی۔ پھر سہیل عالم نے صوفی کو اس کی رہائش گاہ پر اتارا اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا یہ بات دونوں کے درمیان راستے ہی میں طے ہو گئی تھی کہ اس سلسلے میں جو بھی معلومات حاصل ہوں۔ ایک دوسرے کو اطلاع دے دی جائے۔ ابھی تک صوفی کے ذہن میں کوئی خاص بات واضح نہیں ہو سکی تھی۔

بہر حال سہیل عالم تو اسے ڈراپ کر کے چلا گیا۔ صوفی نے کال بیل کا بٹن دبایا اور حسینہ شعلہ جوالا بنی ہوئی دروازے پر نمودار ہو گئی۔

''آج تم سے دو دو باتیں کرنی ہیں۔''

''درویش رحم کریں۔ اندر تو تشریف لے چلیے حسینہ عالم!''

''سمجھتی ہوں۔ مذاق اڑاتے ہو تم میرا حسینہ کہہ کر، ارے خود بھی کبھی آئینہ دیکھ لیا کرو۔ اوقات میں رہو گے۔''

''اے بدصورت عورت اندر تو چل۔'' صوفی نے کہا۔

''جھاڑو پھرے تمہارے منہ پر بدصورت ہو گے تم، اللہ نے جیسا بھی بنایا ہے میں تو اپنے آپ کو بدصورت نہیں سمجھتی۔''

''کمال کی شخصیت ہے تمہاری بھی حسینہ بیگم! بدصورت کہو تو برا مانتی ہو۔ خوب صورت کہو تو کہتی ہو مذاق اڑا رہا ہوں۔''

''بس بس۔ کیا کہوں کرنل صاحب کو کہاں پھنسا دیا انہوں نے مجھے۔''

''عزیزہ! میرا آپ سے نکاح تو نہیں ہوا ہے۔ جب چاہیں تشریف لے جا سکتی ہیں۔''

''سنکھیا نہ پھانک لیتی اگر تمہارے ساتھ میرا نکاح کیا جاتا تو۔ ارے کوئی کر کے تو دیکھتا ایسا، اپنی اور اس کی جان ایک کر دیتی۔''

''یہیں دروازے پر۔'' صوفی نے کہا اور حسینہ پیچھے ہٹ گئی۔ یہ ڈائیلاگ دروازے پر ہو رہے تھے۔ صوفی نے خود ہی پلٹ کر دروازہ بند کیا۔ تو حسینہ کی آواز سنائی دی۔

''اور یہ کیا آوارہ گردی لگا رکھی ہے تم نے۔ یہ وقت شریفوں کے گھر میں آنے کا ہے۔''

''شریفے اس وقت تو گھر میں نہیں آتے۔ آپ کون سے شریفے کی بات کر رہی ہیں۔'' صوفی نے تیز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''جواب دے کر جاؤ مجھے ایسے نہیں بھاگنے دوں گی؟''

''معشوق نشیلے کہاں ہیں؟''

''افیم کھانا شروع کر دی ہے بھنگی نے۔ جیسا عمل ویسے کرم انا غثیل ہو کر سو جاتا ہے۔ یا پھر سوچتا ہے کہ باپ کی نوکر تو حسینہ ہے۔ مجھے کیا ضرورت ہے راتوں کو جاگنے کی دیکھو صوفی جی کہے دیتی ہوں۔ کل سے اگر اتنی دیر سے آئے تو دروازہ نہیں کھلے گا۔''

''آپ آرام فرمایا کریں میں دیوار کود کر آ جایا کروں گا۔''

''ارے ارے دماغ خراب ہوا ہے کیا۔ چوروں کو راستہ دکھاؤ گے۔ تم دیوار کودو گے تو دوسرے بھی دیکھیں گے اور سوچیں گے کہ بھلا یہ دیوار کودنا کون سا مشکل عمل ہے۔''

''آپ نے پکایا کیا ہے آج۔''

''کچھ نہیں ہے اس وقت کھانے کے لیے۔''

''نہیں میں اپنے کھانے کے لیے نہیں پوچھ رہا۔ میرا مطلب ہے جب بھی آپ ایسی کوئی سخت چیز کھا لیتی ہیں۔ جو معدے پر گراں ہو جاتی ہے تو آپ کی باتیں اتنی ہی کڑوی ہو جاتی ہیں۔ جایئے آرام سے سو جایئے۔''

''ہاں، ہاں اب تو بھلا نیند آئے گی مجھے خود تو جا کر مر جاؤ گے اور مرے ہوئے بھینسے کی طرح خراٹے لو گے۔ میں جاگتی رہوں گی۔''

''آپ کی اطلاع کے لیے مرا ہوا بھینسا خراٹے نہیں لیتا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے

کہا اس نے کمرے کے اندر چھلانگ لگائی اور دروازہ اس طرح بند کر لیا جیسے کسی بلا کے گھس آنے کا خدشہ ہو۔ بلا خاصی دیر تک دروازے پر تعینات رہی تھی اور اس کے بعد ہلتی جلتی چلی گئی تھی۔ لیکن صوفی بہت دیر تک خاموش بیٹھا اس کاغذ کو دیکھتا رہا تھا جس پر RK099 لکھا ہوا تھا۔"

روز امیلی نکل گئی تھی لیکن جمشید مرزا وہاں کیا کر رہا تھا لازمی بات ہے کہ روز امیلی نے اسے کہیں سے اغوا کرایا ہوگا۔ وہ جمشید مرزا سے کیا معلومات حاصل کر رہی تھی۔ صوفی کو دس پرسنٹ اس بات کا شبہ تھا کہ ہوسکتا ہے جمشید مرزا اس سے رجوع کرنے کی کوشش کرے۔ وہ یہ سوچ رہا کہ اگر جمشید مرزا نے اس سے رابطہ قائم نہ کیا تو وہ خود جمشید مرزا سے رجوع کرے گا۔ طریقہ کار دریافت کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

♥.....♥.....♥

کرنل رحیم شاہ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اس کی بیٹی رائنا، اس قدر شاندار شخصیت کی مالک نکل سکتی ہے۔ وہ خود ایک مہم جو آدمی تھا فوجی زندگی میں اس نے صرف لگے بندھے اصولوں پر کام نہیں کیا تھا بلکہ ملکی مفاد کے لیے جہاں بھی اسے اپنا انداز تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ وہاں وہ کسی ہدایت کا انتظار نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اپنا کام کر ڈالتا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سلسلے میں وہ تمام تر فوجی اصولوں کا خیال رکھتا تھا اور اپنے اعلیٰ افسران سے بھرپور تعاون کرتا تھا۔ گرین فورس کی تشکیل کے وقت جب اسے اپنے خاندان کے کسی فرد کی اس معاملے میں شمولیت کی ضرورت پیش آئی تو اس نے عادل اور فیضان کو سامنے کر دیا۔ کیوں کہ یہ لڑکے کافی ایکٹیو تھے لیکن گرین فورس میں رہ کر انہوں نے کوئی ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ جو قابل ذکر ہوتا۔ البتہ صوفی نے انہیں بہت سے معاملات میں استعمال کیا تھا۔ لیکن صرف اس خیال کے تحت کہ وہ کرنل رحیم شاہ کے متعین کردہ لوگ تھے۔ لیکن رائنا نے پہلی بار کرنل رحیم شاہ کو اپنی افادیت کا احساس دلایا تھا اور کرنل رحیم شاہ جو وطن کی محبت اور جنون کا درجہ رکھتا تھا رائنا کو اجازت دے چکا تھا اور جہاں تک رائنا کا تعلق ہے وہ بس ایک فوجی کی بیٹی تھی۔ اس کی رگوں میں باپ کا خون سیماب بن چکا تھا۔ ورنہ اس کی کوئی باقاعدہ تربیت نہیں ہوئی تھی البتہ اپنے باپ کے کارناموں سے اسے عشق تھا اور اپنی یہ ذمے داریاں سرانجام دیتے ہوئے وہ ایک جذبہ ایک نظریہ رکھتی تھی کہ ڈسک کو ہر حالت میں صوفی تک پہنچانا ہے۔ خود کرنل رحیم شاہ کو بھی پانچ فیصد اس بات کا شبہ نہیں تھا کہ وہ لوگ جن کا تعلق اس ڈسک سے تھا اتنے برق رفتار اور فعال ہوں گے کہ فوراً ہی رائنا کے پیچھے چڑھ دوڑیں گے۔ کرنل کی بیٹی جس طرح اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ وہ ناقابل یقین سی بات تھی۔ لیکن بہرحال وہ بڑی خوش اسلوبی سے اپنے دشمنوں کو شکست دے کر اپنا کام کر رہی تھی اس نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا وہی بے مثال تھا۔ سمعیہ وزیر علی کا سہارا پکڑ کر وہ مصر پہنچ گئی تھی تاکہ اگر ڈسک کے متلاشی اس کا تعاقب بھی کریں تو یہ نہ سمجھ پائیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے اور حیران کن طریقے سے وہ لوگ بہرحال رائنا تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ان کی ذہانت کی دلیل تھی۔ لیکن رائنا نے انہیں کچھ لمحوں کے لیے چکرا دیا تھا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بعد میں اسے کافی کام کرنا پڑا تھا اور اب اس کے اندر ایک انوکھا اعتماد بیدار ہو چکا تھا۔

چنانچہ رات کی ہنگامہ آرائیوں کے بعد وہ اور زیادہ نڈر ہو گئی تھی۔ سمعیہ وزیر علی سے رابطہ تو اب مناسب بھی نہیں تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو

گئی۔ لیکن اب ذرا صورت حال کا صحیح طریقے سے جائزہ لینا پڑے گا۔ قدرت نے بہرحال اس لڑکی کے اندر بے پناہ صلاحیتیں بیدار کر دی تھیں۔ چنانچہ دوسرے دن وہ پورا دن ہوٹل میں رہی البتہ دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلی تھی اور باہر سے کچھ خریداریاں کر ڈالی تھیں۔ خاص طور پر لباس وغیرہ کا معاملہ اور یہ لباس اسے ہوٹل کے پچھلے حصے میں ایک شاندار ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے حاصل ہو گئے تھے۔ جہاں سے اس نے خاصی خریداری کر ڈالی تھی۔ یہ ہوٹل فی الحال اس کے لیے انتہائی محفوظ جگہ تھی۔ پھر رائنا نے ایک جدید ترین لباس زیب تن کیا۔ کرنل کے گھر کا ماحول بالکل درمیانہ تھا اہل خاندان لباس وغیرہ کے معاملے میں خاصی احتیاط برتا کرتے تھے۔ خاندان کے نوجوان لڑکے لڑکیاں بے شک اپنے طور پر زندگی گزارنے کے خواہش مند تھے لیکن کرنل کے مزاج کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے طور پر محتاط رہتا تھا۔

بہرحال رائنا نے جو لباس پہنا تھا وہ کرنل کے گھریلو مزاج کی چیز نہیں تھی۔ البتہ اس لباس میں بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ بالوں کا اسٹائل وغیرہ بھی اس نے چینج کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ باہر نکل آئی۔ مصر کے حسین مناظر نگاہوں کے سامنے تھے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سیر و تفریح میں مصروف تھے مصر کی لڑکیوں کے بارے میں پہلے بھی سن رکھا تھا کہ حسین ترین ہوتی ہیں۔ جب کہ مرد اس قدر خوبصورت نہیں تھے۔ دیدہ زیب دکانیں اور اسٹور پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے شوکیسوں میں نرم چمڑے کی مصنوعات چینی اور شیشے کے بنے ہوئے برتن، سلک کی ٹائیاں اور دوسری بہترین اشیا نظر آ رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ اطراف میں گھومتی رہی اور پھر اپنے ہوٹل واپس چل پڑی۔ ہوٹل بہت شاندار نہیں تھا لیکن رات کی تفریحات کے سلسلے میں غالباً بہت مشہور تھا کیوں کہ اس وقت اس کے ہال میں تقریباً تمام میزیں بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے۔ کمرے کے لحاظ سے اس کے لیے کوئی چیز بھی مخصوص نہیں تھی۔ لیکن بہرحال وہ ایک میز کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں ایک خوب صورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اس لیے اس طرف نہیں بڑھی تھی کہ لڑکی اس کو بیٹھنے کی آفر کر دے لیکن اس نے فوراً ہی مسکراتے ہوئے ہیلو کہا اور رائنا اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم غالباً میز کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہی ہو۔"

"ہاں۔ حالانکہ میرا قیام اسی ہوٹل میں ہے۔ لیکن مجھے میز نظر نہیں آ رہی۔"

"آؤ..... میرے پاس بیٹھو میرا نام نامیلا ہے۔" نامیلا سلام۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور رائنا نے اسے ہیلو کہا اور بولی۔

"اور میں رائنا ہوں۔"

"بیٹھو پلیز۔"

رائنا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور نامیلا کا جائزہ لینے لگی۔ مقامی لڑکی تھی۔ چہرہ بے حد دلکش لیکن اس میں ایک مردانہ پن سا نظر آ رہا تھا اور یہ مردانہ پن بھی اس کی کشش میں اضافہ کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"سیاح ہو؟"

"ہاں۔ قاہرہ کی قدیم تاریخ کی دیوانی۔"

''ہاں قاہرہ کیا پورا مصر زمانہ قدیم کی خوبصورت کتاب کی مانند ہے اور اس کی خوبصورت راتیں بے حد حسین۔''

''اسی ہوٹل میں قیام ہے؟''

''ہاں۔''

''اگر میں تمہیں ایک میزبان کی حیثیت دینا چاہوں تو۔''

''تم میری میزبان ہی ہو نامیلا! مصر تمہارا ہے اور میں مصر میں اجنبی۔'' رائنا نے بڑے محتاط انداز میں آغاز کیا۔

''تنہا ہو!''

''ہاں یہی سمجھ لو۔ کچھ ساتھی ہیں لیکن ہم لوگ اپنے اپنے طور پر الگ الگ سیاحت کر رہے ہیں۔''

''ویری گڈ..... آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگا تھا اور ایک مصری رقاصہ مخصوص لیلے رقص کا مظاہرہ کرتی ہوئی اسٹیج پر آ گئی تھی۔ بہرحال یہ ایک اچھا وقت تھا جو گزر رہا تھا۔ رائنا نے ابھی تک ان میں سے کسی شخص کو اپنے قریب نہیں دیکھا تھا اور یہ اندازہ بھی بالکل درست تھا کہ نامیلا کی قربت اس کے لیے فائدہ مند ہو سکتی تھی۔ پھر نامیلا نے کھانا وغیرہ طلب کر لیا اور رات کو تقریباً ایک بجے تک اس کے ساتھ رہی۔ رائنا بھی اٹھنا نہیں چاہتی تھی اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سمعیہ وزیر علی سے اس نے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا کیوں کہ اسے خدشہ تھا کہ وہ لوگ ارد گرد بکھرے ہوں گے اور یہ سوچ رہے ہوں گے رائنا یقینی طور پر سمعیہ وزیر علی تک پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ پھر تقریباً ایک بجے نامیلا اٹھ گئی۔ اس نے بل ادا کیا تو رائنا نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ نامیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھے مصر میں اپنا میزبان تسلیم کیا ہے۔ کیا سمجھیں۔'' رائنا کچھ نہیں سمجھ سکی تھی ممکن ہے وہ اس رائنا کی طرح کوئی شخصیت ہو یا پھر وقت سے اکتائی ہوئی کوئی لڑکی جس نے میرا ساتھ غنیمت سمجھا۔ بہرحال وہ دوسرے دن آنے کی بات کہہ کر گزر گئی تھی اور رائنا اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

وہ اعصابی طور پر اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی اور اس میں اسے کافی حد تک کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کے اندر ایک اعتماد ابھرتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں۔ وہ ڈسک صوفی تک پہنچا کر رہے گی ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس میں تھوڑا سا گھماؤ پھراؤ اختیار کرنا پڑ جائے گا۔ ویسے بھی مصر آنے کے بعد اسے سمعیہ وزیر علی سے الگ ہو جانا تھا اور اپنے طور پر وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔ رات پرسکون گزری دوسرے دن وہ دوپہر تک ہوٹل میں گھسی رہی۔ ویسے ہوٹل بڑے پررونق علاقے میں واقعہ تھا اس دوران اسے نامیلا بھی یاد نہیں رہی تھی لیکن ٹھیک تین بجے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر نامیلا ایک خوبصورت لباس میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ رائنا اسے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ نامیلا آج کل سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے بڑے پرتپاک انداز میں رائنا کو پیار کیا اور بولی۔

''تیار ہو جاؤ۔ ہمیں گھومنے چلنا ہے۔''

''ابھی۔''

''تو کیا ہرج ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہی۔'' وہ اپنے لمبے ناخنوں سے ہتھیلی کھرچتے ہوئے بولی اور رائنا اٹھ کھڑی ہوئی۔ غسل خانے میں جانے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا اور کچھ لمحے سوچا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ ہوٹل میں محصور رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نامیلا مقامی عورت ہے ہو سکتا ہے وہ مصر سے نکالنے میں اس کی مدد کرے۔ لیکن یہ اسی وقت کی بات تھی جب اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارا جائے۔

بہرحال کافی دیر تک وہ ساتھ بیٹھے رہے اور اس کے بعد ہوٹل سے باہر نکل آئیں۔ نامیلا نے کہا۔

''آؤ تھوڑی سی چہل قدمی کرتے ہیں۔ اگر تم پسند کرو۔''

''ہاں..... کیوں نہیں۔'' خاصی دیر تک وہ پیدل چلتی رہیں۔ مصر کے مناظر میں قدامت اور جدیدیت کا ملا جلا امتزاج تھا۔ وہ ایک خوبصورت علاقے میں پہنچ گئیں۔

جہاں قہوہ خانے نظر آ رہے تھے۔ ہری بھری بیلوں کے جھنڈ میں میزیں لگی ہوئی تھیں۔ جن پر لوگ بیٹھے کھانے پینے کی اشیاء سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہ دونوں بھی ریسٹورنٹ میں پہنچ گئیں اور نامیلا نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء طلب کر لیں۔

بہرحال رات تک دونوں ساتھ رہیں۔ رات کا کھانا بھی ایک شاندار ریسٹورنٹ میں کھایا گیا۔ پتا نہیں نامیلا کیا شے تھی۔ مالی طور پر مطمئن محسوس ہوتی تھی۔ کیوں کہ مہنگے مہنگے بل ادا کر رہی تھی۔ پھر اس نے رائنا سے اجازت چاہی اور بولی۔

''مجھے تو آج کا دن بہت ہی خوشگوار محسوس ہوا ہے۔ پتا نہیں تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟''

''نہیں نامیلا! میں تمہاری بڑی شکر گزار ہوں۔''

''ہوں..... بات شکر گزاری کی نہیں ہے یہ رکھو۔'' اس نے پراسرار انداز میں کہا اور پھر اپنا پرس کھول کر ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور رائنا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''تمہارا کارڈ ہے؟''

''اگر تم سمجھ دار ہو تو اس میں تمہارے لیے بہت کچھ ہے۔ اوکے۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور آگے بڑھ گئی۔ رائنا حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ پھر اس نے کارڈ دیکھا۔ سنہرے رنگ کے درمیان صرف ایک پتا لکھا ہوا تھا اور باقی کچھ نہیں تھا۔ رائنا حیرانی سے کارڈ کو دیکھتی رہی اس پتے کے بارے میں بھی وہ ایک خلش کا شکار ہو گئی تھی آخر نامیلا نے یہ کارڈ اسے کیوں دیا ہے۔ وہ شدید حیران ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ نامیلا بلاوجہ اس کے قریب نہیں آئی تھی۔ کوئی چکر ہے کوئی گہرا چکر وہ اپنے ہوٹل میں پہنچ گئی اور پھر اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور کارڈ پر نگاہیں دوڑانے لگی۔ لیکن کارڈ سے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔

بہرحال اس کا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ قدرت نے نہ جانے اس کے ذہن میں یہ وسعتیں کہاں سے پیدا کر دی تھیں۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہی تھی پتا نہیں نامیلا کے الفاظ کیا معنی رکھتے تھے۔ یہ کارڈ دینا کیا حقیقت رکھتا تھا۔ بہت کچھ سوچا اس نے اور آخر کار کچھ فیصلے کیے۔ سمعیہ وزیر

علی سے ملنا تو اب بالکل بے کار سی بات تھی۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ خطرہ مول لینے والی بات تھی۔ اب کوشش کر کے مصر سے نکلا جائے۔ یہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ اس بات کا تو اندازہ ہو چکا تھا۔ ڈسک کے متلاشی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور انہوں نے اس کے قیام گاہ کا پتا چلا لیا ہے عارضی طور پر وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ لیکن مستقل طور پر کچھ کرنا ایک بہت ہی مشکل بات تھی۔

بہر حال وہ اپنے اس منصوبے پر غور کرنے لگی اس نے آخری فیصلہ کیا تھا کہ ڈسک اب اپنے پاس محفوظ کر لے اور یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے نامیلا کو ٹرائی کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ دیکھنا تو چاہئے کہ آخر اس نے کون سی سمجھ داری کی بات کی ہے اور پھر دوسرے دن وہ نامیلا کا انتظار کرتی رہی اور پھر جب دوپہر تک نامیلا اس کے پاس نہیں آئی تو نہ جانے کیوں اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اب اسے اس پتے پر جا کر اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس نے تیاریاں کیں اور پھر باہر نکل آئی۔ مختلف لوگوں سے اس علاقے کے بارے میں پتا چلایا تو علم ہوا کہ اسے دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر جانا ہوگا۔ اس طرف بھی بھرپور آبادی تھی اور ایک مخصوص حصہ اس آبادی تک جانے کے لیے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ وہ آخر کار اس خوبصورت حصے میں پہنچ گئی۔ لکڑی کے پلیٹ فارم پر کئی سیڑھیاں اوپر تک گئی ہوئی تھیں اور یہ جگہ انتہائی حسین تھی۔ پلیٹ فارم کے کنارے کنارے درخت لگے ہوئے تھے جو پانی میں جھکے ہوئے تھے۔ وہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچ گئی۔ پھر اس نے ایک جگہ سے کارڈ پر لکھے پتے کے بارے میں معلوم کیا اور اس راستے پر چل پڑی۔ جہاں کا پتا دیا گیا تھا۔

کمال کی حسین ترین جگہ تھی۔ درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ زمین ایک انچ بھی خالی نہیں تھی۔ چاروں طرف سرسبز گھاس اور اس کے درمیان خوب صورت پھول اور کہیں کہیں درختوں میں چھپی ہوئی حسین عمارتیں۔ جو پتا اسے بتایا گیا تھا۔ وہ عمارت بھی کافی خوب صورت تھی۔ عمارت کے بیرونی حصے میں دو افراد کھڑے نظر آئے۔ ان کی چالوں سے ان کی قومیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ رائنا ان کے قریب پہنچ گئی۔

''سوری سر! میں نامیلا سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''آیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اور رائنا کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ عمارت کے بیرونی دروازے سے گزرنے کے بعد رائنا ان کے ساتھ بڑے ہال میں پہنچ گئی۔ یہاں وہ دونوں رک گئے اور ان میں سے ایک جو سفید سوٹ میں ملبوس تھا رائنا کو گھورنے لگا۔

''ہاں..... لے آئیں۔'' اس نے بھاری لہجے میں کہا اور رائنا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش بیدار ہوئے اور پھر اچانک ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔

''میں نامیلا سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا۔ نامیلا نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے کیا تم یہ بات نہیں جانتیں۔''

''دیکھو..... میں'' رائنا نے اتنا ہی کہا تھا کہ ان دونوں میں سے جو اسے یہاں تک لائے تھے ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے رائنا کے لباس پر ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن رائنا اب ہر طرف سے ہوشیار تھی۔

اس کا الٹا ہاتھ سامنے والے شخص کے منہ پر پڑا اور وہ بری طرح الٹ گیا۔ لیکن اس کے نزدیک کھڑے شخص نے اپنی آہنی انگلیاں شکنجوں کی طرح رائنا کی گردن میں پیوست کر دیں اور رائنا اس کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور جدوجہد کرنے لگی۔ پھر اس نے پلٹ کر کہنی اس کے پیٹ میں ماری اور یہ حربہ کارگر رہا۔ اس کی گردن ڈھیلی پڑتے ہی رائنا نے اپنی گردن چھڑا کر اس کی پیشانی پر گھونسہ رسید کر دیا اور جوں ہی نیچے گرا اس نے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے پیٹ پر ماری۔ اس کے حلق سے بری طرح آواز نکلی تھی اور منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ پھر اچانک ہی پیچھے سے رائنا کے سر پر ایک زوردار ضرب پڑی اور اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل کر رہ گئے۔ ضرب اتنی زوردار تھی کہ وہ آنکھوں کی بینائی بحال نہ رکھ سکی۔ کچھ دیر تک تارے نظر آتے رہے اور اس کے بعد شاید وہ اوندھی زمین پر آ پڑی تھی۔ ہوش و حواس نے نہ جانے کتنی دیر تک کے لیے ساتھ چھوڑا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ آنکھوں سے دھند چھٹنے لگی۔ کافی بلندی پر ایک سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ جب کہ اس کے اطراف میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سوراخ سے چھٹنے والی روشنی ایک دیوار پڑ رہی تھی۔ رائنا نے اپنے دکھتے ہوئے سر کو پکڑ لیا اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ تاریکی کی وجہ سے یہ اندازہ تو نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کہاں ہے لیکن بہر طور اس وسیع ہال کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ بلندی سے چمکنے والے سوراخ نے مزید مدد کی تھی اور اس نے اپنے آپ کو ایک بستر پر پڑے پایا تھا۔ اس سے فاصلے پر کوئی موجود بھی تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ادھر سے مدھم مدھم سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔

''یہاں کون ہے؟ کیا یہاں روشنی نہیں ہو سکتی؟'' رائنا نے چیخ کر کہا اور سرگوشیاں بند ہو گئیں۔

اس کے بعد یوں لگا۔ جیسے وہاں جو کوئی بھی تھا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ رائنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا مائیکرو چپ اس وقت اس کے پاس موجود تھی جب وہ یہاں تک آئی تھی۔ پورا قصہ ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نامیلا نے کارڈ دیتے ہوئے اسے کچھ کہا تھا۔ ضرور کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسے کسی اور کے دھوکے میں پکڑا گیا ہے۔ وہ پھر زور سے چیخ کر بولی۔

''اگر کوئی ہے تو مجھ سے بات کرے میں حقیقت حال بتانا چاہتی ہوں۔'' لیکن جو کوئی بھی تھا خاموشی سے یہاں سے کھسک گیا تھا۔ رائنا نے پھرتی سے مائیکرو چپ تلاش کی جو بہ دستور اس کے پاس موجود تھی۔ اس نے اطمینان کی گہری سانس لی اگر ان لوگوں نے اس کی تلاشی لینے کی کوشش کی بھی ہے تو اس کا مقصد ہے کہ ان کا تعلق اس گروپ سے نہیں ہے جو مائیکرو چپ کی تلاش میں رائنا کے پیچھے آیا ہے۔ پھر یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

بہر حال مائیکرو چپ موجود تھی۔ رائنا کی زندگی کا تو یہی ایک مشن تھا اور اس وقت وہ جو کچھ کر رہی تھی اگر کرنل رحیم شاہ کو بھی اس کا علم ہو جاتا تو وہ حیرت سے دنگ رہ جاتا کیوں کہ اس نے اپنی بیٹی کو اس طرح کی تربیت کبھی نہیں دی تھی۔ لیکن رائنا اس وقت بہتر کارکن ثابت ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اندازے سے دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے دروازے کو دھکیل کر دیکھا یہ حیران کن بات تھی کہ دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ وہ باہر نکل آئی ایک وسیع عریض راہداری اس کے سامنے سنسان پڑی ہوئی تھی۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمارت بھی بہت زیادہ وسیع نہیں تھی۔ ویسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی ویران

سے مقام پر واقع ہے۔ بڑی حیران کن بات تھی اسے یہاں بند کرنے والے اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ باہر نکل آئی۔

ایک طرف دور دور تک قد آدم جھاڑیاں اور درخت پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف پتھریلا میدان تھا جو بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی اور اس بلندی کی جانب چل پڑی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں کیا کچھ موجود ہے۔ دفعتہً ہی ایک سرسراہٹ سی سنائی دی اور کوئی چیز رائنا کے سر سے صرف تین انچ کے فاصلے پر سے گزر گئی۔ رائنا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پر گولی چلائی گئی ہے۔ اس نے پھرتی سے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی ایک بازگشت فضا میں گونج گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے مکان سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔

پھر باقاعدہ فائرنگ ہونے لگی گولیاں بارش کی طرح رائنا کے پاس سے گزر رہی تھیں اور وہ بے حس و حرکت جھاڑیوں میں لیٹی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے دروازہ تو اس طرح کھلا چھوڑ دیا اور اس کے بعد اس قدر شدید فائرنگ کر رہے ہیں۔ پھر فائرنگ ایک لمحے کے لیے رکی تھی کہ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اچھل کر درخت کی آڑ میں چھپ گئی۔ فائرنگ دوبارہ شروع ہو گئی تھی اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ کہاں چھپے ہوئے ہیں ان کی تعداد کتنی ہے؟ درخت کے دوسری طرف بھی خطرہ تھا لیکن خطرہ مول لیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ غیر محسوس انداز میں ایک طرف رینگنے لگی۔ اطراف میں کانٹے دار جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جو اس کے ہاتھوں اور پیروں پر خراشیں لگا رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد فائرنگ رک گئی اور اس نے سر ابھار کر دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک شخص رائفل سنبھالے متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا رائنا سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن پھر اچانک اس نے بھی رائنا کو دیکھ لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ رائفل سنبھال کر رائنا کی طرف لپکا۔ جیسے ہی وہ رائنا کے قریب پہنچا۔ رائنا نے فوراً زمین پر لیٹ کر سوئپ لگا دی اور وہ اوندھے منہ زمین پر آرہا۔ رائنا اس کی پشت پر سوار ہو گئی تھی اور اس کے بعد اس نے پوری قوت سے اس کی گردن دبا لی تھی۔ اس کے بڑے ناخنوں والی انگلیاں نیچے دبے ہوئے شخص کے نرخرے میں پیوست تھیں۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"بتاؤ نامیلا کہاں ہے۔" لیکن اس نے جواب دینے کے بجائے ایک بھرپور حملہ کرنے کی کوشش کی اس کا ہاتھ رائفل کے ٹریگر پر پہنچ رہا تھا۔ رائنا نے بڑی پھرتی سے رائفل پر ہاتھ ڈال دیا اور ان دونوں کے درمیان کشمکش ہونے لگی۔ پھر اچانک ہی اس نے اس کے گھٹنے پر زوردار ٹھوکر لگائی اور وہ بلبلا اٹھا۔ مگر رائفل پر اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ بہ رائنا کو ساتھ لیے زمین پر آگرا۔ رائفل کی نالی اس کے نرخرے کو چھو رہی تھی اور پھر گولی چل گئی اور یہ گولی اس کے نرخرے کو چھیدتی ہوئی اندر داخل ہو کر پیچھے سے نکل گئی۔ خون بری طرح اس کی گردن سے اچھل اچھل کر بہنے لگا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا۔ چند ہی لمحات کے بعد اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ رائنا پیچھے ہٹ گئی تھی۔

بہرحال یہ سب کچھ اچھا نہیں تھا۔ یہ نہیں چاہتی تھی وہ۔ پتا نہیں یہ کون کم بخت ہے اور اب کیا ہونے والا ہے۔ لیکن پھر ایک گاڑی کی آواز سنائی دی اور وہ گاڑی برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی اس کے

قریب آکر رک گئی۔ گاڑی سے دو افراد نیچے اترے تھے اور انہوں نے کہا تھا۔

"اوہ..... سوری..... سوری..... سوری..... ڈیئر ایڈنا ویری سوری ہماری غلطی نے تمہیں مشکل میں ڈال دیا۔ آؤ..... ان کے انداز میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ رائنا صرف ایک لمحے سوچنے کے بعد ان کی جانب بڑھ گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اس گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ وہ دونوں بڑے دوستانہ انداز میں اس سے پیش آرہے تھے۔ یقیناً کوئی بہت بڑی غلطی فہمی کام کر رہی تھی۔ گاڑی ایک پہاڑی راستے پر چل پڑی تھی۔ راستہ خاصا دشوار گزار تھا۔ پہاڑیوں میں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئے ایک پگڈنڈی دور تک چلی جاتی تھی۔

راستے میں جگہ جگہ پتھروں کی رکاوٹ تھی۔ رائنا خاموشی سے بیٹھی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد گاڑی وہیں ایک علاقے میں رک گئی اور انہوں نے اسے نیچے اترنے کے لیے کہا۔

"پھر اونچی اونچی اور گھنی جھاڑیوں سے گزرنے کے بعد انہوں نے اسے ایک جگہ رکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں بھی چٹانیں گھنی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھیں اور انہی جھاڑیوں کے پیچھے اس غار کا دہانہ تھا جس میں اسے لے جایا گیا تھا۔ غار کی چھت کافی اونچی تھی اور اس میں ایک ڈھلان سرنگ کے کافی اندر تک چلی گئی تھی۔ سرنگ کے اختتام پر مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔ رائنا کے ساتھ آنے والوں نے اسے یہاں رکنے کا اشارہ کیا۔ غار میں ایک ہلکی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ روشنی کے لیے جنریٹر استعمال کیا جا رہا تھا۔ سرنگ کے آخری سرے پر چھت سے ایک بلب لٹکا ہوا تھا جس کی روشنی میں لکڑیوں کی پیٹیوں کے انبار نظر آرہے تھے۔ پھر وہ اندر پہنچی تو اس نے نامیلا کو دیکھا جو ایک میز کے پیچھے بیٹھی غار کے دہانے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ نامیلا کو دیکھ کر رائنا کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نامیلا اسے گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔

"تمہارا خیال تھا کہ تم چالاکی سے کام لے کر مجھے شکست دے دو گی لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"نامیلا! میں جانتی تھی کہ تم دوست نہیں دشمن ہو۔ میں تو ایک سیاح ہوں اور تم نے مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا ڈالا ہے۔" پھر نامیلا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور اس نے ان لوگوں سے کہا۔

"تم جاؤ میں اس سے معلومات حاصل کر لوں گی۔" وہ لوگ چلے گئے تو نامیلا نے کہا۔ "ہوں..... اب بتا دو کیا صورت حال ہے؟"

"نامیلا! پلیز تم صرف ایک کام کرو۔ میرے بارے میں پہلے معلومات حاصل کر لو۔ ہو سکتا ہے بعد میں تمہیں میرے ساتھ یہ سلوک کر کے افسوس ہو میں ایک بے ضرر سی شخصیت ہوں۔ تم یقینی طور پر کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔"

"غلط فہمی..... اور میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ تم اس قدر گریز کیوں کر رہی ہو۔ دیکھو ہم لوگ تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ تم اگر ہم سے تعاون کرو گی تو تمہیں ہی فائدہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب ایسا کرو پہلے تم میرے بارے میں معلومات حاصل کر لو۔ اگر تم مجھ پر تشدد کرو گی تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

''دیکھو ڈیئر! اگر تم ہمارا مسئلہ حل کر دو..... تو ہم تمہیں یہاں سے روانہ کر دیں گے اور تم ایک اور ملک چلی جاؤ گی۔''

''ہاں ذرا یہ سوچنے کی بات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔''

''تم ایسے نہیں مانو گی۔ چلو ٹھیک ہے تم آرام کرو ہم دیکھیں گے کہ تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر نامیلا اس غار سے باہر نکل گئی۔ رائنا کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ لوگ یقینی طور پر اب کوئی نیا منصوبہ ترتیب دینے کے لیے چلے گئے تھے۔ پھر نہ جانے کتنا وقت رائنا کو اس غار میں گزارنا پڑا۔ یہ اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ معاملہ کم از کم ڈسک کا نہیں ہے۔ کوئی اور ہی چکر ہے اور اس بات سے وہ خاصی مطمئن تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ ایک بار پھر باہر فائرنگ کی زبردست آواز سنائی دینے لگی اور رائنا نے سر پکڑ لیا۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

''جو کام آپ کرتے رہیں نا ڈیڈی! مجھے پہلے اس کا صحیح طور سے اندازہ نہیں تھا میں سمجھتی تھی کہ میں ایک زبردست مہم جو لڑکی ہوں۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ جو آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔'' فائرنگ کافی دیر تک ہوتی رہی پھر چند افراد چہرے پر نقاب لگائے اندر گھس آئے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

''سوری ایڈنا! تمہیں واقعی تکلیف اٹھانی پڑی ہے لیکن بے فکر رہو ہم قاہرہ چھوڑ رہے ہیں اور فوری طور پر ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے چلو آؤ جلدی کرو۔ یہ کہہ کر وہ غار کے ایک اور دہانے کی طرف چل پڑے۔ جس کے بارے میں یقینی طور پر انہیں معلومات حاصل تھیں۔ رائنا نے اس وقت یہی مناسب سمجھا تھا کہ ایڈنا بنی رہے۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ غار سے باہر نکل آئی۔

♥.....♥.....♥

دورازہ معشوق نشیلے نے کھولا تھا۔ بڑے اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ جمشید مرزا کو دیکھتے ہی اس نے ایک قلقاری ماری اور آسمان کی طرف منہ کر کے بولا۔

''خدا شکر خورے کو شکر ہی دیتا ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے مرزا جی! بڑے عرصے کے بعد ایک شعر تولد ہوا ہے۔ اس کالی مائی کلکتے والی کو شعر سناتے کے مقصد یہ ہے کہ انسان اپنا ہی سر پیٹ لے خدا سے مانگ رہا تھا کہ معبود کریم بھیج کسی کو کوئی تو سننے والا مل جائے۔ سو مرزا جی آپ آ گئے۔ دیکھئے برا نہ مانیے شاعر کی سب سے بڑی تکلیف یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی شعر اس پر نازل ہو جائے تو اسے سنا دے۔ فارسہ میں کہا ہے۔

''سنو! میں تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ صوفی صاحب کو اطلاع دو۔ کہ میں آیا ہوں۔'' جمشید مرزا نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور معشوق نشیلے کا چہرہ اتر گیا۔ گویا آپ بھی شعر نہیں سنیں گے۔''

''میں تمہیں چرس فروشی کے الزام میں گرفتار کرلوں گا اور کم از کم ایک مہینے تک تمہاری ضمانت نہیں ہونے دوں گا اور اس ایک مہینے میں تمہیں کھانے میں صرف بھوسی ٹکڑے دیے جائیں گے۔ بولو تیار ہو اس کے لیے۔''

''نہیں جناب! معافی چاہتا ہوں تشریف لے آیئے۔'' معشوق نشیلے کو یہ سودا کافی مہنگا معلوم ہوا

تھا۔ پھر عقب سے حسینہ کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔

''اللہ تمہیں خوش رکھے مرزا جی! جی خوش کر دیا ارے صورت حرام کو دیکھو مفت کے ٹکڑے توڑتا ہے اوپر سے اس پر شاعری ٹپکتی رہتی ہے۔ خدا غارت کرے اسے اور اس کی شاعری.....'' جمشید مرزا جانتا تھا کہ معشوق نشیلے تو قابو میں آ جانے والی چیز ہے۔ لیکن حسینہ دو منٹ میں عزت اتار کر رکھ دیتی ہے۔ معشوق نشیلے کو بھی صوفی کبھی تھانے نہیں جانے دے گا اور حسینہ..... وہ آگے بڑھا اور بولا۔

''حسینہ بی بی! کیسے مزاج ہیں آپ کے۔''

''ایں.....'' حسینہ کو اس قدر مہذب الفاظ پہلی بار سننے کو ملے تھے کوئی اس سے اس کے مزاج پوچھ رہا تھا۔ اس نے مشتبہ نگاہوں سے جمشید مرزا کو گھورا اور بولا۔

''آ رہے ہیں۔ ڈگڈگی کی کسر باقی رہ گئی ہے باقی تو شکل سے ہی بندر نچانے والے معلوم ہوتے ہیں۔ آؤ بیٹھو! چائے پلاؤں گی تمہیں۔ جی خوش کر دیا ہے ارے صبح سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے شعر سن لو، شعر سن لو اب تم ہی بتاؤ مرزا جی میری شعر و شاعری کی عمر ہے۔''

''خیر عمر کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے حسینہ جی! لیکن کم از کم معشوق نشیلے کا اشعار سننا بڑے جگر کی بات ہے۔ آپ بلاوجہ اپنی عمر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہتی ہیں۔ اتنی زیادہ عمر بھی نہیں ہے آپ کی۔''

''چائے لاتی ہوں۔'' حسینہ نے کہا اور غراب سے اندر داخل ہو گئی۔ معشوق نشیلے بری بری نگاہوں سے جمشید مرزا کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''اچھا تو نہیں ہے یہ سب کچھ مرزا جی؟''

''دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہاری ٹھکائی کر دوں گا جاؤ باہر نکلو یہاں سے۔'' جمشید مرزا خاصا بد دماغ پولیس آفیسر تھا۔ عہدہ بھی معمولی نہیں تھا۔ اچھے اچھوں کے دماغ درست کر کے رکھ دیا کرتا تھا۔ لیکن اس گھر میں آتے ہوئے اسے اپنی آبرو خطرے میں نظر آتی تھی۔ یہ دونوں اور پھر اوپر سے صوفی..... مگر کیا کرتا جو اس پر بیتی تھی اس کی کوئی باقاعدہ رپورٹ تو نہیں تیار کر سکتا تھا۔ اس سلسلے میں صوفی ہی مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ صوفی کی طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ معشوق نشیلے تو باہر نکل آیا۔ حسینہ سے چونکہ اس نے بڑی اچھی باتیں کہہ دیں تھیں خاص طور سے اس کی عمر کے بارے میں حسینہ متاثر ہو گئی۔ چائے کے ساتھ بھنے ہوئے کاجو اور بسکٹوں کا ایک پیکٹ بھی تھا جو پلیٹ میں کھول کر رکھ دیا گیا تھا۔

''ارے حسینہ! اتنا تکلف کیوں کرتی ہیں آپ میں تو شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ آپ کا یہ اخلاق دیکھ کر۔''

''مرزا جی! آج تو ایسی دل لبھانے والی باتیں کر رہے ہو کہ حیرت ہو رہی ہے ورنہ تو پہلے تمہاری زبان پر بھی مرچیں ہی لگی رہا کرتی تھیں۔''

''دراصل میں حسینہ بیگم، پولیس کی نوکری کرتا ہوں۔ طرح طرح کے لوگوں سے الجھنا پڑتا ہے کبھی کبھی دماغ صحیح نہیں رہتا۔ اگر کبھی میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل گئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''ارے نہیں اب ایسا بھی کیا۔ بلا کر لاتی ہوں صوفی کو۔''

''بتا دیا ہے آپ نے۔''

"نہیں کچن میں چلی گئی تھی تمہارے لیے چائے بنانے۔" حسینہ نے کہا اور باہر نکل گئی کچھ ہی لمحوں کے بعد دروازے سے آواز ابھری۔

"ایک پیالی چائے فالتو ہو تو میں اندر آ جاؤں مرزا جی؟" معشوق نشیلے کی آواز تھی۔ جمشید مرزا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر شاید پیچھے سے صوفی یہاں آ گیا تھا۔ معشوق نشیلے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ صوفی اندر آ گیا تھا۔

"حق اللہ...... حق اللہ...... ایس پی صاحب فرمایئے کیسے مزاج ہیں آپ کے، واہ چائے پی رہے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے لگتا ہے حسینہ بیگم کو کوئی تحفہ دے ڈالا ہے آپ نے ورنہ اتنی جلدی آپ کو چائے نہ پیش کر دیتی۔"

"بھئی صوفی صاحب! آپ کے گھر کو ہمیشہ اپنا ہی گھر سمجھتا ہوں اور بے دھڑک چلا آتا ہوں۔ میرے ساتھ تو کم از کم ان تمام لوگوں کا رویہ برا نہیں ہے اور میں اس کی وجہ بھی آپ ہی کو سمجھتا ہوں۔"

"درویش رحم کریں۔ کوئی گمبھیر معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" جمشید مرزا نے کا جوؤں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ کہ لہجے کی شیرینی کچھ اور ہی کہانی سنا رہی ہے۔ خیر خدمت بتایئے۔"

"چائے نہیں پئیں گے آپ۔"

"ناشتا کر چکا ہوں اور اب دوپہر تک چائے کی حاجت نہیں ہوگی درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"صوفی صاحب! بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے اختلاف تو خیر رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ہاں کچھ چھیڑ چھاڑ جاری رکھنے میں مزہ آتا ہے جیسے آپ۔ لیکن وقت پر بھی وہی کام آتے ہیں۔ خاص طور سے میں تو اس بات کا بڑا معترف ہوں کہ صوفی صاحب میری گرتی ہوئی ساکھ کو آپ نے کئی بار سنبھالا ہے۔"

"حق اللہ، حق اللہ، حق اللہ۔" صوفی نے تین بار کہا۔

"اور جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ میں سیدھا آپ کے پاس دوڑا چلا آتا ہوں۔"

"کس مشکل کا شکار ہیں عزیزی! ارشاد فرما دیجئے گا۔"

"ایک واقعہ پیش آ گیا ہے میرے ساتھ۔"

"اچھا......" صوفی دانت نکال کر بولا۔

"جی براہ کرم سنجیدگی سے سنیئے۔ ہر انسان تھوڑی بہت تفریح تو کرتا ہی ہے زندگی میں، ساحل سمندر کے ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے ایک خاتون نظر آئیں۔"

"ہائے ہائے ہائے۔" صوفی نے عجیب سے انداز میں کہا۔ جمشید جانتا تھا وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے لیکن صورت حال ایسی ہی تھی کہ اسے ہر بات برداشت کرنی تھی۔

"غیر ملکی عورت تھی۔"

"تین دفعہ ہائے۔" صوفی نے کہا۔

"اچھے نقوش کی مالک۔ صوفی صاحب اس بات کا اعتراف آپ کے سامنے پہلے بھی کر چکا ہوں

کہ تھوڑا سا حسن پرست واقع ہوں۔ اچھے چہرے میری کمزوری ہیں۔ ان خاتون کی خاص توجہ دیکھی تو ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور اب تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ساتھ تھے۔ خاتون نے اپنا نام کیلس بتایا تھا اور آمد سیاحت کی غرض سے...... پھر کافی دیر تک ہم لوگ اپنے وطن کے پر فضا مقامات کے بارے میں بات کرتے رہے۔ خاتون نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی ہے۔ میں نے اپنی اصل حیثیت تو نہیں بتائی تھی۔ لیکن وہ مجھ میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے اٹھ گئے اور ساحل پر چہل قدمی کرنے لگے وہ جان بوجھ کر مجھے ایک ویران سے حصے میں لیتی چلی گئی۔ مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ایک بے باک اور جلد باز خاتون ہیں۔ لیکن اس وقت میرے ہوش و حواس جاگے جب چار آدمی ایک پہاڑی چٹان کے عقب سے باہر نکل آئے اور انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میری ناک پر کلوروفارم کا رومال رکھا گیا اور میں ہوش و حواس سے عاری ہو گیا۔ پھر اس کے بعد مجھے ہوش آیا تو میں کسی عمارت میں تھا اور کرسی سے بندھا ہوا تھا ان خاتون نے مجھ سے جو سوال کیا۔ اس سے میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"حق اللہ......"

"آپ کچھ بھی کہیں اس وقت میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کرنل رحیم شاہ جو ایک ریٹائرڈ فوجی ہے اور اس وقت ملک سے باہر ایک خطے میں زندگی گزار رہا ہے اس کی بیٹی رانا یہاں آئی ہے میں اس کے بارے میں ضرور جانتا ہوں چونکہ کرنل رحیم شاہ کا مجھ سے تعلق رہا ہے اور کئی معاملات میں، میں اور کرنل رحیم شاہ منسلک رہے ہیں جب کہ ایسی بات نہیں صوفی صاحب! غالباً یہ اطلاع انہیں آپ کے بارے میں ملی ہوگی۔ ہاں میرا آپ سے ضرور رابطہ رہا ہے۔ ممکن ہے اسی واسطے سے انہوں نے مجھے اغوا کیا ہو۔ کرنل رحیم شاہ کی بیٹی رانا کے بارے میں وہ پوری تفصیل جاننا چاہتی تھی میں نے جب انکار کیا تو اس نے کہا کہ وہ میری کھال ادھیڑ کر رکھ دے گی۔ صوفی صاحب کئی بار یہ عمل دوہرایا گیا رات کو پھر وہی عمل دوہرایا جا رہا تھا کہ کچھ پراسرار کردار وہاں پہنچ گئے خاص طور پر ایک نقاب پوش۔ جس نے میری بندشیں کھولیں۔ باہر فائرنگ بھی ہوئی۔ اس کے بعد اس نقاب پوش نے مجھ سے بھاگ جانے کے لیے کہا اور میں اس عمارت سے باہر نکل آیا۔ صوفی صاحب عمارت ہیری لائن کے علاقے میں ہے اور کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ عمارت حاصل کرنے والے غیر ملکی تھے۔ عمارت ایک پراپرٹی ڈیلر کے قبضے میں تھی اور چند ہی روز قبل اسے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسے آدمی کا مکان ہے جو ملک سے باہر رہتا ہیں۔ پراپرٹی ڈیلر اپنے طور پر اس عمارت کو کرائے پر اٹھاتا ہے مگر مستقل طور پر نہیں۔ بلکہ عارضی طور پر اس نے اسے گیسٹ ہاؤس ٹائپ کی چیز بنا رکھا ہے۔ یہ صورت حال ہے۔ صوفی صاحب میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا ہے اور جب کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی تو میں سیدھا آپ کی طرف دوڑا چلا آتا ہوں اور اس کے علاوہ کرنل رحیم شاہ سے آپ کا گہرا رابطہ رہا ہے اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ آپ کو کرنل صاحب کی بیٹی کی آمد کے بارے میں علم ہو۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ یہ بات آپ کے کانوں تک پہنچا دوں اور آپ سے مشورہ بھی کر لوں کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہئے۔

"بابا پیر ڈنکن شاہ عرف جلیلی کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"نہیں..... مزارات اور بزرگوں کے بارے میں میری معلومات بڑی محدود ہیں۔"

"اسی لیے تمہاری ترقی بھی محدود ہے خیر ان کے بارے میں معلوم کرو گے تو پتا چل جائے گا۔ ساڑھے چودہ دن اور ڈھائی رات چلہ کشی کرنی ہوگی وہاں اس کے بعد سمجھو کہ تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ حق اللہ۔"

"گویا آپ ٹال رہے ہیں مجھے۔"

"اماں کہاں کرتے ہو۔ پتا نہیں تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے درویشوں کی دعاؤں سے میرے پاس کوئی جام جمشید ہے کہ اس میں ہر چیز کو دیکھ لوں۔ چھوڑو یار! نام ہے جمشید مرزا اور معلومات کچھ بھی نہیں ہے۔"

"صوفی صاحب! آپ دیکھ لیجیے سوچ لیجیے۔ میرا فرض تھا کہ میں آپ کو کرنل رحیم شاہ کے بارے میں اتنی تفصیل بتا دوں۔ بہرحال چائے اور ان لوازمات کا بے حد شکریہ ہو سکتا ہے مجھے دوبارہ اغواء کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت بہ حالت مجبوری میں ان خاتون کو یہ بتا دوں گا کرنل رحیم شاہ کا گہرا تعلق جس شخص سے ہے اس کا نام صوفی ہے۔ اجازت۔" جمشید مرزا کا خیال تھا کہ صوفی بے اختیار ہو کر اسے روکے گا۔ لیکن صوفی نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کا ہاتھ لباس میں پانوں کی ڈبیہ تلاش کرنے لگا۔

جمشید مرزا منہ بناتا ہوا باہر نکل گیا۔

♡.....♡.....♡

ان لوگوں نے خاصا فاصلہ پیدل طے کیا تھا اور اس کے بعد ایک کار کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ کار کے پیچھے ایک لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی۔ یہ دونوں گاڑیاں غالباً ان ہی کی تھیں دو افراد آگے آئے اور انہوں نے رائنا کو کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اس کے بعد دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔ بہت دیر تک وہ طویل اور تاریک راستوں پر دوڑتی رہی تھی اور اس کے بعد رات کے نہ جانے کون سے حصے میں وہ شہری آبادی میں داخل ہوئی تھی پھر اس کے بعد ایک خوبصورت رہائش گاہ میں وہ لوگ رائنا کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہے تھے اسے اندر لے جایا گیا۔ عمارت زیادہ وسیع نہیں تھی لیکن خوبصورت طرز تعمیر کا نمونہ تھی۔ رائنا کو کمرے میں لایا گیا اور ان میں سے ایک نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"فی الحال آپ کو صرف آرام کرنا چاہیے۔ صبح کو میڈم آپ سے ملاقات کریں گی۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے اور رائنا کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی کمرا بہت مختصر اور آرام دہ تھا۔ اٹیچ باتھ بھی تھا۔ بہرحال ان میڈم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں تھیں۔

رائنا ایک کرسی پر بیٹھ کر حالات پر غور کرنے لگی۔ کوئی بہت بڑی غلط فہمی کام کر رہی تھی ویسے یہ اچھی بات تھی کہ معاملہ ڈسک کا نہیں تھا یہ دونوں پارٹیاں یا گروہ جو کچھ بھی تھے ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو ڈسک کی وجہ سے رائنا کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یہ تمام سوالات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ بہرحال ہمت نہیں ہارنی ہے باپ کے سامنے سینہ ٹھوک کر باہر نکلی تھی اور جو منصوبہ بنایا تھا وہ کرنل رحیم شاہ جیسی شخصیت نے منظور کیا تھا۔ چنانچہ منصوبہ غلط نہیں تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ جن لوگوں سے مقابلہ تھا وہ ضرورت سے زیادہ ہی باخبر لوگ تھے۔ غرض یہ کہ یہ رات وہاں پر گزاری دوسری صبح بڑی

پرسکون اور خوش گوار تھی اور صبح میڈم نے ناشتے کی میز پر اس سے ملاقات کی ایک خوش شکل اور دراز قامت خاتون تھیں۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"میرا نام سنیل رابٹ ہے۔ رابٹ میرے شوہر ہیں اور میں تمہیں اپنے درمیان خوش آمدید کہتی ہوں۔ تمہیں اب تک ایڈنا کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے لیکن میں جانتی ہو کہ تم ایڈنا نہیں ہو۔ جو کوئی بھی ہو تم نے ناداستہ طور پر ہماری مدد کی ہے اور ہم تمہاری مدد کو فراموش نہیں کر سکتے۔ بہرحال تمہیں جو بھی تکلیف ہوئی ہے۔ میں اس کے لیے معافی چاہتی ہوں کچھ ہی لمحوں کے بعد مسٹر رابٹ بھی اندر داخل ہو گئے۔ وہ ایک خوش مزاج انسان تھے انہوں نے کہا۔

"گو ہم تمہارا اصل نام نہیں جانتے۔ لیکن بہرحال یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ تم ایڈنا نہیں ہو۔ تمہیں ان لوگوں نے ایڈنا سمجھ کر جو تکلیف پہنچائی ہے اس کے لیے ہم تم سے معافی کے خواستگار ہیں۔ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی لیکن کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گی۔"

"میرا نام رائنا ہے۔"

"گڈ....." مسٹر رابٹ نے کہا اور اس کے بعد ناشتے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"پلیز..... ناشتا کرو....." رائنا مصروف ہو گئی۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ باہر سے کسی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی اور رابٹ نے سنیل سے کہا۔

"سونی! ذرا دیکھو شاید....." یہ کہہ کر انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ سنیل اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوئی یہ لڑکی خاصی خوش شکل تھی روشن آنکھیں بھورے بھورے بال کافی پرکشش اور حسین لڑکی تھی۔ سنیل کے ساتھ قریب آ گئی۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے رائنا کو دیکھا اور پھر اپنا خوبصورت سفید ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"معاف کیجیے گا مس رائنا! میرا سیدھا ہاتھ زخمی ہے اور اٹھ نہیں سکتا۔"

"شکریہ....." رائنا نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور سوالیہ نگاہوں سے سنیل کی طرف دیکھنے لگی۔ سنیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایڈنا مرسی!"

"ہیلو....." رائنا نے کہا لیکن دوسرے لمحے اچھل پڑی اور پھر اس نے اس لڑکی کو دیکھ کر حیرانی سے کہا۔

"ایڈنا۔"

"ہاں..... وہ..... جو تم نہیں ہو یہ ہے۔ اصل ایڈنا یہ ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ....." لڑکی ہنستی ہوئی بولی۔

"میرے دھوکے میں آپ کو ان لوگوں کی قید میں جانا پڑا تھا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ سکی کہ آخر ان لوگوں کو آپ پر شبہ کیوں ہوا۔ جب کہ ہم لوگوں کے نقوش بھی آپس میں ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔"

''کیا وہ لوگ آپ کو پہچانتے نہیں تھے؟'' رائنا نے سوال کیا۔

''ہاں..... ان میں سے کوئی میری صورت سے آشنا نہیں تھا۔''

''گڈ..... بڑی بات ہے۔ بہرحال لعنت ہے ایسے مسائل پر جو عذاب بن جائیں۔ ناشتہ جاری رہا اور پھر مسٹر رابٹ نے جسے سنیل رابی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''اصل میں ہمارا تعلق سوئٹزرلینڈ سے ہے۔ میں سوئس بینکنگ کونسل کا چیئرمین ہوں اور ڈیئر رائنا یہ بات شاید تمہارے علم میں ہو کہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں دنیا بھر کے سرمایہ دار اپنی اپنی دولت رکھتے ہیں۔ ان میں بے شمار ممالک کے افراد ہیں اور سوئس طریقہ کار کے مطابق ان کے تمام اثاثوں کو خفیہ رکھا جاتا ہے اور اس کے لیے مناسب انتظامات کیے گئے ہیں۔ دنیا کے بے شمار بڑے بڑے افراد کے اکاؤنٹ ہمارے یہاں کے بینکوں میں ہیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک باقاعدہ نظام رائج ہے یہ آرگنائزیشن جس کے بارے میں مجھے کوئی خاص تفصیل نہیں معلوم۔ پچھلے چھ ماہ سے کوشش کر رہی تھی کہ سوئس بینکوں کے بڑے بڑے افراد کو اپنے دام میں پھانس کر کچھ لوگوں کے اثاثوں کی تفصیل معلوم کی جائیں۔ یہ لوگ دنیا کے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ مختلف ملکوں سے ان کا تعلق ہے اور ان کے اثاثے خفیہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ ہم کسی بھی قیمت پر ان اثاثوں کی تفصیل غیر متعلقہ افراد کو بتائیں۔ اس بارے میں میرے پاس مسلسل رپورٹیں پہنچ رہی تھیں اور بینکوں کے افسران اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ کچھ پراسرار لوگ مختلف طریقوں سے انہیں پریشان کر رہے ہیں اور واقعی یہ انتہائی خطرناک بات تھی ان اثاثوں کی تفصیلات معلوم کر کے ان لوگوں کو بلیک میل بھی کیا جا سکتا تھا اور اس کے نتیجے میں بہت سی الجھنیں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اس کے لیے خاص طور سے انتظامات کیے گئے۔ جن کی وجہ سے ان لوگوں کو کچھ نقصانات بھی پہنچے۔ میری مراد اس گروہ سے ہے جو اس سلسلے میں کام کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد انہوں نے مجھے اور میری بیوی کو اغوا کر لیا اس کے لیے انہوں نے ایک شاندار منصوبہ بندی کی تھی اغوا کرنے کے بعد وہ کم بخت نہ جانے ہم دونوں کو کہاں کہاں لیے پھرے اور خوب گھما پھرا کر آخر کار یہاں لے آئے۔ انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا لیکن وہ مسلسل ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور آخری بات یہ ہے کہ انہوں نے بینکنگ کونسل کو دوسرے ارکان سے رابطہ قائم کر کے انہیں دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے ان کی مطلوبہ معلومات فراہم نہ کیں تو ہم دونوں میاں بیوی کو قتل کیا جائے گا اور بینکنگ کونسل کے خصوصی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ آخر ان لوگوں کے نام ان کے اثاثوں کی تفصیلات ان جرائم پیشہ افراد کو فراہم کر دی جائیں اور اس سے انہیں ہوشیار بھی کر دیا جائے کہ وہ اس سلسلے میں محتاط رہیں یہ فیصلہ بینکنگ کونسل کے ارکان نے کیا تھا۔ وہ میرا احترام کرتے تھے اور میری گلوخلاصی کے خواہاں تھے جب مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو میں نے اس بات کی شدت سے مخالفت کی کہ سوئس قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ لیکن وہ لوگ میری زندگی چاہتے تھے اور اس کام کے لیے تیار ہو گئے تھے جو کہ قانوناً بھی اور اصولاً بھی غلط تھا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے بھی کچھ انتظامات کیے تھے اور ان لوگوں کے گرد ایک دائرہ بنا لیا تھا۔ بہرحال ایڈنا اس سلسلے میں ایک اہم کارکن تھی اور ایک حادثے کا شکار ہو کر وہ ایک بالکل ہی گمنام جگہ جا پڑی اور بدنصیبی یا بدقسمتی ہے تم ان کے ہاتھ ایڈنا کی حیثیت سے لگ گئیں اور انہوں نے

تمہیں ایڈنا سمجھ لیا۔

بہرحال بڑی عجیب بات ہے۔ یہ معمولی کام نہیں تھا ہماری کونسل کے افراد جو کارروائی کر رہے ہیں اس کے نتیجے میں وہ وہاں تک پہنچ سکے جہاں سے تمہیں لایا گیا ہے۔ لیکن تم نے دانستہ نہ سہی لیکن ہماری مدد ضرور کی ہے۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتا سکتی ہو کہ تم کون ہو۔''

''جی سر! میں ایک سیاح ہوں۔ مصر کی سیر کرنے آئی تھی۔ کہ ان حالات کا شکار ہو گئی اور ایسی صورت میں اپنے تمام کاغذات وغیرہ کھو بیٹھی۔ اب میں یہاں ایک بے بس اور بے سہارا مجرم کی حیثیت رکھتی ہوں۔ جس کے بارے میں کچھ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مصر میں اجنبی ہے یا غیر قانونی طور پر مقیم ہے۔'' رائنا نے فوراً ہی پانسہ پھینک دیا تھا اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ مسٹر رابٹ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''تم فکر مت کرو بے بی! ہم تمہیں یہاں سے سوئٹزرلینڈ لے چلیں گے میں اس کا انتظام کر لوں گا۔ تم خود تو مصر میں قیام کرنا نہیں چاہتیں۔''

''نہیں سر! میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ میں ان حالات میں تو خاص طور سے یہاں نہیں رہ سکتی۔ جہاں پر میرے دشمن میری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔''

''بالکل فکر مت کرو اور مسٹر رابٹ نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ کاغذات کس طرح بنوائے گئے۔ اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ لیکن بہرحال وہ تقریباً اصلی تھے۔ رائنا کے نام ہی سے اور اس کی تصویر کے ساتھ یہ کاغذات تیار کیے گئے تھے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ سوئٹزرلینڈ روانہ ہوتے ہوئے ایمیگریشن کے معاملات اتنی ہی آسانی سے نمٹ گئے۔ جتنی آسانی سے تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال سنیل رائنا کو اپنی گھریلو زندگی کے بارے میں بتاتی رہی اس نے ایک نوجوان لڑکے کو پالا ہوا تھا جس کا نام ایرس تھا۔ ایرس کے والدین ہلاک ہو چکے تھے اور اس نے انہی دونوں کے ساتھ پرورش پائی تھی۔ ایڈنا بھی ساتھ ہی سفر کر رہی تھی لیکن اسے خاص طور سے الگ رکھا گیا تھا۔ بس مصلحت یہی تھی۔ پھر اس کے بعد رائنا نے دھند میں لپٹے ہوئے برگ کو دیکھا۔ برگ سے آگے بلند و بالا برف پوش پہاڑی چوٹیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ کوہ پیمائی کے لیے، کوہ پیما اپنی مہموں کا آغاز اسی قصبے سے کرتے ہیں۔ تیز ہوا کے تھپیڑے پہاڑوں پر جمے گلیشیر سے پھسلتے ہوئے نیچے آتے ہیں تو ان کے ساتھ ہی برف کے تودے بھی گرنے لگتے ہیں۔ سردی بے پناہ ہوتی ہے یہاں اور سوئٹزرلینڈ کے روائتوں کے حسین ترین مناظر یہاں بکھرے ہوئے ہیں سیبوں کے باغات اور برگ کے بعد برن۔ لیکن برگ سے برن تک کا سفر بھی اتنا طویل نہیں لگتا سرسبز و شاداب وادیاں اور وادیوں کے آخری کناروں پر برف پوش پہاڑوں کی قطاریں اور پھر ان کے ساتھ نیلی پرسکون جھیلیں یہ حسین ترین مناظر چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کے برن آ گیا۔

ائیر پورٹ پر کافی رش لگا ہوا تھا۔ لیکن اس رش میں تھوڑا سا ٹھہراؤ تھا۔ وقار تھا اور وہ مہذب انداز میں اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھے۔ ائیر پورٹ سے آگے بڑھے لیکن اب رات ہو چکی تھی رائنا سوئٹزرلینڈ کے روایتی حسن سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ چلو کم از کم کاغذات تو حاصل ہوئے اب سوئٹزرلینڈ میں آنے کے بعد آگے کے سفر کی کوشش کی جائے گی۔ دیکھیں اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔ کچھ نہ

کچھ تو ہو ہی جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت عمارت کے سامنے گاڑی رکی دروازہ بند تھا اور میں نے نیچے اتر کر کال بیل دبائی اور چند لمحات کے بعد ایک دراز قد آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ گاڑی بجری کی روش سے گزرتی ہوئی ایک خوبصورت عمارت کے صدر دروازے کے سامنے رک گئی اور سنیل رابٹ وغیرہ نیچے اتر آئے۔ سنیل نے دراز قد آدمی سے پوچھا۔

"کیا ایرس اپنی خواب گاہ میں موجود ہے۔"

سنیل نے کہا۔ "آؤ..... ہم اسے سرپرائز دیں گے۔"

ایڈنا نے کہا۔ "اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں گاڑی سے واپس چلی جاؤں۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" چنانچہ ایڈنا اسی گاڑی سے واپس چلی گئی اور رائنا وغیرہ اندر داخل ہو گئے۔ ان کا مختصر سا سامان اس دراز قد شخص نے اٹھا لیا تھا۔ کچھ راہ داریوں سے گزرنے کے بعد مسٹر رابٹ نے اپنے ساتھ آنے والے دراز قد آدمی سے کہا۔

"ہماری معزز مہمان کو نچلی منزل کے کمرے میں لے جاؤ ہم لوگ ابھی پہنچتے ہیں پلیز رائنا ٹھیک ہے نا۔"

"یس سر! رائنا نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دراز قد آدمی نے اسے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچا دیا۔ جو خاص کشادہ اور آرام دہ تھا۔ زندگی کے تمام لوازمات یہاں بھی موجود تھے۔ جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرطور اب دیکھنا یہ تھا کہ دنیا کا حسین ترین ملک اور یہ خوبصورت شہر رائنا کی پذیرائی کس طرح کرتا ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد سنیل اور مسٹر رابٹ ایک خوبصورت سے نوجوان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ بھرے بھرے بدن اور دراز قامت کا یہ شخص کافی پرکشش شخصیت کا مالک تھا اس کی آنکھوں کی بناوٹ عام آنکھوں سے بہت مختلف تھی۔ دونوں طرف سے اٹھی ہوئی یہ آنکھیں خوب صورت بھی تھیں اور پراسرار بھی ان میں بلیوں جیسی چمک تھی اس نے مسکراتے ہوئے رائنا سے ہاتھ ملایا اور اس کے ہاتھ کو دیر تک ہاتھ میں لیے رہا پھر بولا۔

"بہت شکریہ مس رائنا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے کس طرح میری آنٹی کی مدد کی ہے۔ یو آر گریٹ..... میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"شکریہ..... مسٹر ایرس!" یہاں تمام معاملات بہت دلچسپ تھے لیکن رائنا کے ذہن میں کچھ اور ہی تھا وہ سوچ رہی تھی کہ کب موقع ملے اور وہ یہاں سے نکلنے کا بندوبست کرے۔ بات لمبی ہی ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے مصر چھوڑنے میں ان لوگوں نے اس کی مدد کی تھی۔ تھوڑا وقت تو ان کے ساتھ گزارنا ہی ہو گا۔ سنیل نے نہ جانے کس جذبے کے تحت کہا۔

"ڈیئر ایرس! میں رائنا کو تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ انہیں سوئٹزرلینڈ کی سیر کرانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں آنٹی! میں مس رائنا کو پورے سوئٹزرلینڈ سے واقف کرا دوں گا۔ یہاں رائنا کے لیے ایک شاندار بیڈروم مہیا کر دیا گیا تھا۔ پھر رائنا اپنے بیڈروم میں آرام کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت ملنے پر ایرس اندر آ گیا۔

"سوری رائنا! میں چاہ رہا تھا کہ تم سے تھوڑی بہت بات چیت ہو جائے۔ تمہارے اپنے کیا

مشاغل تھے۔ یہ تو صرف اتفاق تھا کہ انکل اور آنٹی کو مل گئیں۔"

"کوئی خاص مشاغل نہیں۔ بس سیر و سیاحت کا شوق ہے اور والدین کی جانب سے اجازت مل گئی اس لیے آوارہ گردی کرتی پھر رہی ہوں۔"

"کون کون سے ملک دیکھ چکی ہو؟" ایرس نے سوال کیا۔

"زیادہ نہیں بس چند ممالک انگلینڈ، ایران، ترکی، مصر اور اب سوئٹزرلینڈ۔"

"ویری گڈ..... میں تمہیں برن ہی نہیں بلکہ اطراف کے علاقے بھی دکھاؤں گا۔ ویسے بھی لمبی ڈرائیونگ میرا بہترین مشغلہ ہے اور میں ایڈونچر پسند ہوں۔ اگر میری بھرپور نگرانی نہ کی جائے تو میں واقعی جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہو جاؤں۔ کیا لائف ہوتی ہے۔ ہنگامہ، دھائیں دھوئیں مزے ہی مزے۔" رائنا نے گہری نگاہوں سے اس جنگ و جدل کے رسیا کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی:

"میرا مزاج اس کے برعکس ہے۔ میں بلندیوں سے گرتے ہوئے آبشاروں اور اس سے بہنے والی ندیوں کی شیدائی ہوں اور کسی ایسی جگہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں پرسکون زندگی گزارنے کی خواہاں جہاں ایک احاطے میں سفید سفید بھیڑیں بندھی ہوں۔ دوسری طرف گھوڑے ہوں سامنے کھیت پھیلے ہوں اور جھونپڑے کے پہلو میں گنگناتی ندی جس کی تہہ میں لڑھکتے ہوئے پتھر صاف شفاف نظر آتے ہوں۔"

بہرحال رائنا کافی دیر تک اس سے گفتگو کرتی رہی اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر صرف ایرس سے ملاقات ہوئی اس نے بتایا کہ سنیل اور رابٹ کسی ضروری کام سے چلے گئے ہیں۔

اوہو..... ان کی واپسی کب تک ہو گی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا موڈی لوگ ہیں۔ بہرحال تم فکر مت کرو۔ میں موجود ہوں نا۔ لباس تبدیل کر لو اور اس کے بعد ہم چلتے ہیں جب رائنا ایرس کے ساتھ باہر آئی تو اس نے ایک بہت ہی خوب صورت کار دیکھی۔ غالباً جیک بار تھی۔ چوڑے ٹائروں والی اسپورٹ جیک بار جس میں دروازے نہیں تھے بلکہ اسے پھلانگ کر اندر جایا جا سکتا ہے۔ وہ اطمینان سے لمبی ٹانگیں کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا اور رائنا بڑی مشکل سے کار میں داخل ہوئی۔ کار بالکل بے آواز تھی۔ دن نکلا ہوا تھا لیکن کہر چھایا ہوا تھا اور دن کی روشنی پر شام کے دھندلکے کا گمان ہوتا تھا۔ ایرس خود بھی ایک بہت ہی خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھا اور بڑا عجیب و غریب نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے کار کی رفتار تیز کرنا شروع کر دی۔ رائنا کی نگاہیں اطراف کے مناظر دیکھنے لگیں۔ سوئٹزرلینڈ کی خصوصیات سے واقف ہوتی جا رہی تھی وہ۔ یہاں ریچھ کا نشان امتیازی سمجھا جاتا تھا۔ ہوٹلوں، دکانوں اور بڑے بڑے چوکوں میں جھنڈے لٹک رہے تھے اور ان پر ریچھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے، کلیسا فوارے کے گرد ریچھوں کے مجسمے نصب تھے اور پھر پل کے پاس ایک گڑھے میں سچ مچ کے جیتے جاگتے درجنوں ریچھ جنہیں اہل شہر دن رات الا بلا کھلاتے رہتے تھے۔ رائنا کو یہ سب کچھ بہت خوبصورت لگا۔ شہر کی حدود پر نگاہ جمائی تو بلند و بالا عمارتیں بہت کم نظر آئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے سوئٹزرلینڈ کے صدر مقام کے بجائے کسی بڑے پرسکون کسی پہاڑی قصبے میں سفر کیا جا رہا ہو۔ چوک میں پرانی وضع کے خوب صورت فوارے اور نل لگے ہوئے تھے اور پرانے بازاروں

میں دکانیں سڑک سے اونچی اور ان کے سامنے لمبے برآمدے جن کے بارے میں بتایا گیا کہ پرانے زمانے میں یہاں صرف شاہی خاندان کو چلنے پھرنے کی اجازت تھی اور عوام کے لیے نشیبی سڑکیں تھیں پورے سوئٹزر لینڈ میں اور خاص طور سے برن میں یہ رواج ہے کہ ہر مکان یا فلیٹ کی کھڑکی تھی۔ جس میں سفید چوکھٹوں میں مٹی اور کھاد ڈال کر سرخ پھول اگائے جاتے ہیں۔ ان سرخ پھولوں کے بغیر کوئی مکان مکمل قرار نہیں پاتا۔ موسم بہار میں یہ پھول صرف گھریلو باغیچوں یا باغوں میں ہی نہیں کھلتے بلکہ شہر کی ہر کھڑکی میں سے جھانک رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ بہت ہی دلکش لگ رہا تھا رائنا کو، اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ لندن، سوئٹزرلینڈ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے اور پھر بالکل اتفاقیہ طور پر سوئٹزرلینڈ دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ ایریس اسے ان تمام چیزوں کے بارے میں تفصیلات بتاتا جا رہا تھا پھر خاصا وقت گزر گیا تو اس نے ایک عمدہ سے ریسٹورنٹ کے سامنے کار روک دی۔ یہاں کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد برن کے نواحی علاقوں کی سیر کے لیے کمر باندھ لی گئی۔ ایریس اس میں کوئی شک نہیں ایک دلچسپ ساتھی تھا لیکن رائنا سوچ رہی تھی کہ یہ سب کچھ غلط ہے اگر کرنل رحیم شاہ کو اس بارے میں معلومات حاصل ہو جائے تو وہ یہ پسند نہیں کرے گا۔ ان کی اپنی ثقافت ہی اپنا مزاج تھا لیکن رائنا چاہتی تھی کہ جس مشن کی تکمیل کے لیے وہ نکلی ہے اسے سرانجام دے لیا جائے اور اس کے لیے یہ تمام چیزیں برداشت کرنا بڑا ضروری تھا۔ ایریس نواحی علاقوں میں خاصی تیز رفتاری سے کار دوڑا رہا تھا۔ پھر شام ہو گئی۔

"پورا دن فضا پر ابر اور کہر چھائی رہی تھی اور اس کہر کے موسم میں یہ سفر کافی دلچسپ رہا تھا۔ رات کا کھانا بھی برن سے چند میل کے فاصلے پر ایک ریسٹورنٹ میں کھایا گیا۔ دریا کے کنارے لگی میزوں کے گرد شام کے لباس میں ملبوس، بے شمار مرد اور عورتیں کھانا کھا رہے تھے۔ ماحول پر ایک سنجیدگی اور اکتاہٹ سی طاری تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہاں لوگ صرف کھانے کی خاطر آتے ہیں اور انہیں دریا اور ساتھ والے گھنے جنگل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عجیب سا ماحول تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر واپس پلٹے تو ایریس نے رائنا سے کہا۔

"کیسا لگا؟"

"سوئٹزرلینڈ کے بارے میں یہ سوال غیر ضروری ہے۔ کیوں کہ یہ بہت سے لوگوں کی آرزو ہے کہ وہ سوئٹزرلینڈ دیکھیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارا برن تمہیں پسند آیا۔"

"بہت۔"

"اور میں۔" ایریس نے شوخ نگاہوں سے رائنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ایک بہت اچھے دوست ہیں۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا۔ رہائش گاہ پر واپس پہنچے تو مسٹر رابٹ موجود تھے۔

"ہیلو..... آپ تو بغیر اطلاع کے ہی چلے گئے۔ میڈم سنیل کہاں ہیں۔"

"اوہ بے بی سوری۔ اصل میں تمہیں صورت حال تو بتائی تھی نا۔ تھوڑا سا کام اس سلسلے میں کرنا ہے۔ سنیل ابھی واپس نہیں آئی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ کل کا دن مصروفیت میں لگ جائے گا۔ ویسے مجھے یقین ہے

کہ ایریس تمہارا بہترین گائیڈ ثابت ہوگا۔"

"میڈم! کہاں ہیں۔"

"وہ ابھی نہیں آئیں۔ مجھے بھی واپس جانا ہے۔"

"او کے....." اور پھر مسٹر رابٹ بھی چلے گئے۔ رائنا اپنے کمرے میں آ گئی تھی اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاغذات تو اس کے پاس موجود ہیں اور شاید بالکل اصلی بنا دیے گئے ہیں بڑے لوگوں کے لیے ایسے کام کرنا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ لیکن اب یہاں سے آگے نکلنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ کیا مسٹر رابٹ ہی کا سہارا لیا جائے یا پھر..... ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایریس واپس آ گیا۔ وہ ایک خوبصورت سی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا تھا اور ٹرالی پر بہت ہی خوبصورت شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ چھوٹے سائز کے گلاس بھی تھے۔ رائنا تعجب بھری نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھنے لگی۔ ایریس نے اطمینان سے ٹرالی صوفے کے قریب کی اور بیٹھ گیا۔ پھر اس نے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں شیشی کے مختلف رنگ کے سیال انڈیلے اور انہیں مکس کرنے کے بعد ایک گلاس رائنا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"لو بس یوں سمجھ لو کہ اس سے اچھی کوک ٹیل تم نے زندگی میں کبھی نہیں پی ہوگی۔"

"کوک ٹیل..... یعنی شراب۔"

"ہاں ہم اسے آب حیات کہتے ہیں۔"

"افسوس میں زیادہ عرصے نہیں جینا چاہتی۔ اس لیے آب حیات پینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"کیا مطلب؟"

"سوری ڈیئر میں شراب نہیں پیتی۔" رائنا نے کہا۔

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"کیا بور باتیں کر رہی ہو۔ موسم کس قدر خوبصورت ہے اور فضا کی ٹھنڈک اس کے بغیر دور ہو ہی نہیں سکتی۔"

"میں کمبل اوڑھ کر ٹھنڈک دور کرتی ہوں۔ آئی ایم سوری ایریس مجھے یقین ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تعجب کی بات ہے خیر تمہاری مرضی۔" اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا۔ رائنا صورت حال کا جائزہ لے رہی تھی۔ اصل میں لندن میں کچھ عرصہ قیام کے ساتھ ساتھ ہی اسے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ مغرب میں بہت سی چیزیں مشرق سے مختلف ہیں ایریس کا قصور نہیں تھا ایک خوبصورت لڑکی اس کی تحویل میں آ گئی تھی اور بس لیکن رائنا کو محفوظ رہنا تھا اور پھر دوسرے دن سنیل اور مسٹر رابٹ واپس آ گئے۔ سنیل نے رائنا سے بڑی محبت کا اظہار کیا تھا۔ مسٹر رابٹ نے اس سے کہا۔

"سوئٹزرلینڈ میں تم جتنا عرصہ چاہو ہمارے پاس رہ سکتی ہو۔"

"میں کچھ کہنا چاہتی تھی مسٹر رابٹ۔"

"انکل رابٹ کہو۔ تم ہماری بہت بڑی محسن ہو۔ جس مشکل سے تم نے ہمیں نکالا ہے۔ ہم تو سوچ

بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ ہمارے لیے کتنی بڑی مشکل تھی۔ آج میں سرخرو ہوں تمہارے اس عمل کی وجہ سے اور تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"خوشی کی بات ہے خود ہمارے لیے۔" رائنا نے کہا۔ مسٹر رابٹ بولے۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو مجھے بتاؤ" اور جواب میں رائنا نے مسٹر رابٹ کو بتایا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔ مجھے ایک ہفتے کا وقت دے دو۔"

"جی سر۔ آپ براہ کرم میرا یہ کام کر دیجئے میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی۔" مسٹر رابٹ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔

♥---♥---♥

صوفی گرین ہاؤس میں تھا اور مصوری کر رہا تھا۔ شازیہ، دلاور، غلام قادر وغیرہ اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن پھر صوفی نے ایک بڑی تصویر تیار کرنے کے بعد کیمرے سے اس کے فوٹو گراف بنائے اور یہ فوٹو گراف اس نے شازیہ اور غلام قادر کو دیتے ہوئے کہا۔

"اسے تلاش کرو پورے شہر میں پھیل جاؤ۔ بازاروں میں، ہوٹلوں میں اور جگہ جگہ اسے دیکھو۔"

"یہ کون ہے؟ چھوٹے بابا۔" شازیہ نے سوال کیا۔

"نام ہے روز امیلسی ایک بڑے گروہ میں ملوث ہے اگر یہ نظر آ جائے تو فوراً مجھے اطلاع کرنا اور اس سے ہوشیار بھی رہنا اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ ہے شازیہ۔"

"کیا۔"

"ایک عمارت تلاش کرنی ہے جس کا نمبر RK090 ہے۔"

"RK090۔ ارے ہاں قسم یہ RK تو میں نے دیکھا ہے کہیں۔ ہاں اخبار میں دیکھا ہے مگر کافی دن ہو گئے۔"

"کیا مطلب....." صوفی نے غلام قادر کو دیکھا۔

"میرے کو شوق ہے اخبار میں کرائے کے گھروں کے اشتہاروں کو ضرور دیکھتا ہوں۔ RK090 کرائے پر خالی تھا۔"

"غلام قادر! اخبار سے پتا مل سکتا ہے۔"

"مجھ کو صحیح ٹائم یاد نہیں۔ پرانے اخباروں میں دیکھتا ہوں۔" لیکن وہ پرانا اخبار نہیں ملا تھا۔ البتہ تیسرے دن حسینہ نے معمول کے مطابق صوفی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اب انگریز نیں بھی آ کر مرنے لگی یہاں۔"

"انگریز نیں۔"

"ہاں وہ کٹے ہوئے بالوں والی، بھوری چھپکلیاں۔"

"حسینہ بیگم پکایا کیا ہے آج درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"میرا معدہ خراب ہے سمجھ رہے ہو ارے تم لوگوں کی شکلیں دیکھنے کے بعد میرا تو معدہ ہلکہ پورا

وجود ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ایک انگریز عورت آئی تھی۔ تین دفعہ آ چکی ہے۔"

"انگریز عورت۔" صوفی چونک پڑا۔

"ہاں..... انگریز عورت پوچھ رہی تھی صوفی یہاں رہتا ہے۔ میں نے کہا مرتا تو نہیں ہے۔"

"اردو میں پوچھ رہی تھی۔"

"ہاں..... ٹوٹی پھوٹی اردو میں جو بس سمجھ میں آ رہی تھی۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"لو میں کیا کہتی۔ بس وہ آ گئی مجھ سے پوچھا میں نے منع کر دیا کہ اندر نہیں ہے گیا ہوا ہے۔ اوہو..... دیکھو وہ پھر آئی ہے اس گاڑی میں آ چکی ہے۔" صوفی ایک دم سنبھل گیا تھا اس نے وہ نیلے رنگ کی کار دیکھی تھی جو گھر کے گیٹ کے سامنے آ کر رکی تھی اور اس سے ایک دراز قامت عورت نیچے اتری تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ صوفی کے ذہن میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ روز امیلسی ہی تھی جو اس کی طرف آ رہی تھی۔ صوفی نے ایک لمحے کے اندر اندر اپنا انداز بدل دیا۔ وہ اندر آ گئی اور صوفی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے بولی۔

"تم..... صوفی ہائے۔"

"ہائے ہائے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"کیا بولا۔"

"خادم کو صوفی کہتے ہیں درویشوں کے کرم سے۔ آپ سنائیے آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟"

"تم صوفی ہو۔"

"ہائے ہائے ہائے۔" صوفی نے کہا اور حسینہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"کم بخت کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ سفید رنگ کی چھپکلی کو دیکھ کر ہائے ہائے کر رہا ہے۔"

"آپ آئیے میڈم اندر آئیے۔"

"مسٹر صوفی! مجھے آپ سے بے حد ضروری کام ہے۔"

"ہاں، ہاں۔ آئیے اندر آ جائیے۔ صوفی نے ایک نگاہ میں دیکھ لیا تھا کہ کار میں کوئی اور ہے یا نہیں۔ اس میں صرف ایک ڈرائیور نظر آ رہا تھا روز امیلسی اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔

"آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔"

"درویشوں کی دعائیں ہیں۔"

"واٹ..... ڈور..... واش۔"

"یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ ڈور..... واش کیا ہوتا ہے۔" صوفی اسے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ روز امیلسی مسکرا کر بیٹھ گئی۔

"مسٹر صوفی! میرے پاس آپ کے لیے ایک بہت ضروری میسج ہے۔"

"جی۔"

"اصل میں انگلینڈ میں میری ملاقات کرنل رحیم شاہ سے ہوئی۔ کرنل رحیم شاہ نے میرے کو آپ کے بارے مین بتایا اور بولا کہ صوفی اس کا بہت اچھا دوست ہے۔ کرنل رحیم شاہ نے اپنی بیٹی کے ہاتھ ایک میسج بھیجا ہے آپ کے لیے لیکن کئی دن ہوگئے اس کی بیٹی نے اس کو اپنے کام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میں اپنے ایک ذاتی کام سے ادھر آ رہی تھی تو کرنل رحیم شاہ نے مجھ سے ریکویسٹ کیا کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں معلوم کر کے آؤں اور صوفی سے ملوں اور پوچھوں کہ جو کچھ کرنل رحیم شاہ نے میسج بھیجا تھا اس کے بارے میں مسٹر صوفی نے کیا کہا۔"

"اوہو..... کرنل رحیم شاہ نے مجھے اس بارے میں کوئی فون وغیرہ نہیں کیا۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"کرنل رحیم شاہ کا دور..... درویش سے کیا رشتہ۔"

"میڈم! آپ نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں کرنل رحیم شاہ کی بیٹی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"رحیم شاہ نے آپ کے لیے ایک لیٹر دیا مجھے اور کہا کہ یہ لیٹر میں آپ کو پہنچا دوں۔"

"اوہو..... تھینک یو میڈم، تھینک یو۔ آپ پلیز وہ لیٹر مجھے دیجیے کیا لکھا ہے کرنل رحیم شاہ نے اس لیٹر میں میرے لیے۔"

"ایم سوری، ایم ویری سوری، میرے کو آپ کا ایڈریس معلوم کرنے میں بہت مشکل لگا۔ لیٹر میرے پاس میرے گھر میں موجود ہے۔ آپ میرے کو تھوڑا ٹائم دو، میں وہ لیٹر لے کر آپ کے پاس آؤں گی۔"

"آپ یہاں کہاں مقیم ہیں؟ میڈم میں خود آپ کے ساتھ چلتا ہوں اب یہ سب معلومات حاصل ہونے کے بعد مجھے بڑی فکر ہوگئی ہے کہ اگر کرنل رحیم شاہ کی بیٹی ادھر آئی ہے تو وہ مجھ سے کیوں نہیں ملی اور اس لیٹر میں کیا ہے؟"

"آپ اگر پسند کرو تو میرے ساتھ چلو مسٹر صوفی!"

"ہاں ہاں ضرور یہ بتایئے آپ کیا پئیں گی۔"

"نہیں شکریہ..... آپ ایسا بولو میرے ساتھ کافی پیئے گا۔" وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولی اور صوفی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ حسینہ نے دروازے سے منہ نکال کر پوچھا۔

"کیا ٹھونسے گی یہ؟ تمہاری نئی آفت۔"

"درویش رحم کریں گے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آیئے میڈم!" صوفی نے کہا اور روزا میلسی بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ صوفی گہرے انداز میں سوچ رہا تھا۔ روزا میلسی کا یہاں تک پہنچنا حیران کن تھا لیکن پھر بات اس کے ذہن میں آ گئی۔ یقینی طور پر جمشید مرزا نے صوفی سے بدلہ لینے کے لیے روزا میلسی کو صحیح صورت حال بتا دی ہوگی اور بہرحال صوفی تو تھا ہی کھٹکا ہوا اس کی خود اپنی یہی خواہش تھی کہ جمشید مرزا ایسا عمل کرے اس طرح کم از کم روزا میلسی اس کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے اور اسے یہ پتا چل سکتا ہے کہ روزا میلسی کیا چاہتی ہے اور یہاں کیوں آئی ہے۔ اس نے روزا میلسی سے کہا۔

"اجازت ہو تو لباس تبدیل کر لوں۔"

"ہاں ضرور۔"

"کافی آپ ہی پلائیں گی درویشوں کے کرم سے۔"

"میں نہیں جانتی یہ ڈور..... ڈیش کیا ہے۔"

"میں آتا ہوں۔ آپ کو اس بارے میں بھی تفصیل بتانی پڑے گی۔ حق اللہ۔" صوفی نے کہا۔ روزا میلسی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی صوفی پھرتی سے دوسرے کمرے میں آیا اور اس کے بعد اس نے انتہائی برق رفتاری سے شازیہ کو کال کیا دوسری طرف سے شازیہ کی آواز سنائی دی تھی۔

"جی چھوٹے بابا!"

"شازیہ! تم دلاور اور غلام قادر اینکر روڈ پر پہنچ جاؤ جہاں سے میں پان خریدتا ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے وہاں پہنچ جاؤ روزا میلسی مجھے مل گئی ہے اور اس وقت وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہے۔ یہاں سے تم تعاقب کرو گے اور جہاں بھی ہم لوگ جائیں وہاں مستعد رہو گے۔ میں تمہیں اشارہ دوں گا اور تم اس جگہ موجود جتنے بھی افراد ہوں انہیں سنبھال لینا۔ ہمیں روزا میلسی پر ہاتھ ڈالنا ہے۔"

"او کے چھوٹے بابا! ہم انتہائی پھرتی سے وہاں پہنچ جائیں گے۔ رابطہ ختم کر کے صوفی لباس تبدیل کرنے لگا۔ پانوں کی ڈبیہ میں جو پان وغیرہ تھے اسے نکال کر ڈسٹ بن میں ڈال دیے اور کوئی دس بارہ منٹ کے بعد وہ پھر روزا میلسی کے پاس پہنچ گیا روزا میلسی پر اطمینان انداز میں بیٹھی ہوئی پاؤں ہلا رہی تھی صوفی کو دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

"چلیں....."

"ہاں میڈم! میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

"نہیں۔ گاڑی میرے پاس موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" صوفی نے کہا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا روزا میلسی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر لینا چاہتا تھا کہ شازیہ وغیرہ اپنے مرکز پر پہنچ جائیں۔ روزا میلسی نے پچھلا دروازہ کھولا۔ صوفی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ صوفی نے جیب سے خالی پانوں کی ڈبیہ نکالی اور اسے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟"

"آپ نہیں جانتیں میڈم! میں پان کھاتا ہوں۔ ختم ہو گئے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے۔ یہ میرا نشہ ہیں اور اس کے بغیر مجھے صرف نیند آتی ہے۔"

"اوہو..... میں جانتی ہوں پان کیسے ہوتے ہیں؟" روزا میلسی اپنی مخصوص اردو میں بولی اور ہنس پڑی۔

"آپ ذرا اپنے ڈرائیور سے کہیے کہ چند لمحے کے لیے پان ہاؤس کے قریب گاڑی روک لے۔"

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔ مگر اس کو بھی پتا نہیں معلوم۔"

"میں بتاتا ہوں اور اس کے بعد صوفی ڈرائیور کو ادھر سے ادھر گھماتا رہا اور مکمل وقت لینے کے بعد وہ اینکر روڈ پہنچ گیا۔ جہاں پانوں کی ایک بہت مشہور دکان تھی۔ صوفی اکثر وہاں سے پان بنوایا کرتا تھا۔ دوکان کے سامنے کار روک کر وہ نیچے اترا۔ اس کی نگاہوں کے دور کھڑی ہوئی وہ گاڑی دیکھ لی تھی۔ جو عام طور

سے شازیہ وغیرہ کے استعمال میں رہتی تھی۔ مطمئن انداز میں اس نے پان بنوائے ایک گلوری منہ میں رکھی اور ڈبیہ جیب میں رکھنے کے بعد واپس کار میں آ بیٹھا۔

''اُکیا..... اُکیا..... یعنی شش..... شش..... شکریہ۔ اصل میں جب منہ میں پان ہوتا ہے تو آواز ویسی ہی نکلتی ہے۔'' صوفی نے کہا اور روزا میلسی ہنسنے لگی۔ گاڑی سفر کرتی رہی پھر ایک مخصوص علاقے میں پہنچ کر رک گئی۔ صوفی نے اس مکان پر لکھے ہوئے نمبر کو دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ یہ نمبر 090 تھا اور علاقہ RK کے نام سے جانا جاتا تھا۔ گویا سارا کام بالکل صحیح طور پر جا رہا تھا۔ گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہو گئی تین آدمیوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ چوتھا غالباً وہی تھا جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گویا روزا میلسی کے ساتھ صرف یہ چار افراد ہی تھے۔ روزا میلسی نے صوفی سے نیچے اترنے کے لیے کہا اور صوفی بڑی خوش اخلاقی سے مسکراتا ہوا نیچے اتر آیا روزا میلسی اسے اندر لے گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''آیئے مسٹر صوفی! میں آپ کو اپنا یہ گھر دکھاؤں۔''

''ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔'' صوفی بولا اور روزا میلسی اسے ایک اندرونی کمرے میں لے گئی۔ یہاں ہلکا پھلکا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کمرا کسی باقاعدہ استعمال میں نہیں ہے۔ روزا میلسی نے صوفی کو بیٹھنے کے لیے کہا اور صوفی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اچانک ہی وہ باقی تین آدمی اندر گھس آئے۔ روزا میلسی ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی تھی اندر آنے کے بعد انہوں نے دروازہ بند کیا۔ صوفی اب بھی اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر وہ تینوں صوفی پر ٹوٹ پڑے اور صوفی کے منہ سے ارے ارے ارے کی آوازیں نکلنے لگیں۔

''ہاں مائی ڈیئر مسٹر صوفی! یہ لوگ اسی طرح مہمانوں کو کافی پلاتے ہیں۔''

''غغ..... غغ..... غارت ہو جائیں گے درویشوں کی دعاؤں سے۔ ارے..... ارے..... ابے..... او..... ابے بھائی یہ پانوں کی ڈبیہ ہے..... یہ..... یہ بٹوا ہے اس میں قوام، تمباکو، اور چھالیہ ہے۔ یار تم کیا کرو گے ان تمام چیزوں کا یہ تمہارے مطلب کی چیزیں نہیں ہیں۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔'' لیکن انہوں نے صوفی کے لباس سے ساری چیزیں نکال لی تھیں۔

''کک..... کمال ہے اگر لوٹنا تھا تو وہاں مجھ سے کہتیں کچھ لے تو آتا اپنے ساتھ۔'' صوفی نے کہا اور روزا میلسی ہنسنے لگی پھر بولی۔

''جو کچھ تم اپنے ساتھ لائے ہو صوفی ہمیں اس کی ضرورت ہے۔''

''کمال ہے..... کمال ہے۔''

''اب منہ صاف کر لو یہ کمال کو کمال بولنا مجھے پسند نہیں ہے۔'' روزا میلسی نے کہا اور صوفی نے پیک کی پچکاری اس کے لباس پر دے ماری۔ روزا میلسی بری طرح نروس ہو گئی تھی۔

''گندے، غلیظ، کمینے ہڈیاں توڑ دوں گی میں تمہاری۔''

''میری ہڈیاں خالص اسٹیل سے بنی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں نہیں توڑ سکیں گی۔ درویشوں کے کرم سے۔''

''یہ وقت بتا دے گا میں نہیں چاہتی کہ یہاں کسی کو نقصان پہنچاؤں۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو

اگر تم نے میری تمام باتوں کا صحیح طور پر جواب نہیں دیا تو پھر میں دیکھوں گی کہ تمہاری ہڈیاں کیسی بنی ہوئی ہیں۔''

''آپ نہایت نامعقول ہیں۔ گدھی ہیں۔ ذلیل ہیں اور کمینی ہیں۔ میں نے تو آپ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا تھا اور آپ یہ کام کر رہی ہیں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں گی ڈیئر! مجھے صرف ایک بات بتا دو رائنا رحیم کہاں ہے۔''

''کون رائنا رحیم؟''

''کرنل رحیم شاہ کی بیٹی! رائنا!''

''اوہ..... بات بہت دور کی معلوم ہوتی ہے۔ آپ رائنا رحیم کے بارے میں کیا جانتی ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے کہا وہ دیکھ چکا تھا کہ دو آدمی ریوالور تانے کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے صوفی کو نشانے پر رکھا ہوا تھا۔ تیسرا بھی ایک دیوار کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

روزا میلسی نے کہا۔ ''مسٹر صوفی!'' میں بہت طویل فاصلہ طے کر کے صرف رائنا کے لیے یہاں آئی ہوں۔ رائنا ہمارا ایک ایسا راز چرا کر یہاں بھاگ آئی ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ہم کسی بھی قیمت پر وہ راز مقامی حکومت کے ہاتھ لگنے نہیں دینا چاہتے۔ ہمیں صرف یہ بتایئے کہ رائنا کہاں ہے؟''

''آپ گدھی کے ساتھ ساتھ الو کی پٹھی بھی ہیں۔ کہیے ہاں۔''

''میں جو کچھ بھی ہوں ڈیئر! لیکن میرا خیال ہے تم اپنے لیے مشکلات خرید رہے ہو۔ ابھی میں جلتی ہوئی ماچس تمہارے سر پر رکھ دوں گی تمہارے سر کے سارے بال جل جائیں گے اور اس کے بعد وہ ماچس تمہارے سر سے تمہارے رخسار پر منتقل ہو جائے گی۔ ویسے ہی تمہاری ہڈیوں پر کھال منڈھی ہوئی ہے۔ سوراخ ہونے میں دقت نہیں ہوگی اور میرا خیال ہے آگ سے جلا ہوا سوراخ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''اتنی خوف ناک باتیں کر لیتی ہو عورت ہو کر، قبر میں کیڑے پڑیں گے تمہاری، ویسے تمہیں تابوت میں دفن کیا جائے گا۔ مگر کوئی بات نہیں کیڑے تابوت کی لکڑی کو بھی آسانی سے کھا لیں گے۔''

میرے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ تو ہوگا ویسے تم نے مجھے اچھا آئیڈیا دیا ہے۔ میرا خیال ہے اس گھر میں ایک خالی تابوت بھی پڑا ہوا ہے۔ پتا نہیں کس مقصد کے تحت بنایا گیا تھا۔ اگر تمہیں اس تابوت میں بند کر کے کیلیں ٹھوک دی جائیں اور پھر زندہ زمین میں دفن کر دیا جائے تو کیسا رہے گا۔''

''پتا نہیں۔ جب ایسا ہوگا دیکھا جائے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے پراطمینان لہجے میں جواب دیا۔

''دوسرا طریقہ میں تمہیں بتا چکی ہوں زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے مسٹر صوفی کہ تم مجھے بتاؤ کہ رائنا رحیم مجھے کہاں ملے گی؟''

''رحمت کدے میں۔ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں میں۔''

''ساری چرب زبانی دو منٹ میں ہوا ہو جائے گی۔ تم مجھے جانتے نہیں ہو۔''

''ابے اور کیا جانوں گا۔ زمانے بھر کی مکار تو ہو تم کمینے پن میں بے مثال، پتا نہیں اور کیا بنوانا

چاہتی ہو تم مجھ سے۔" صوفی نے برا سا منہ بنا کر کہا اور روزا میلسی ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ اب مجبوری ہے جو کچھ میں تمہارے ساتھ کروں گی وہ مجھے خود پسند نہیں ہوگا لیکن بتا چکی ہوں کہ مجبوری ہے۔ چلو انگیٹھی گرم کر کے لاؤ اس میں لوہے کی سلاخیں ہونی چاہئیں۔"

"بہت گھٹیا باتیں کر رہی ہو۔ یہ طریقہ کار تو اب سے دو سو اکیاسی سال پرانا ہے درویشوں کے کرم سے۔ یہ دور جدید ہے ویسے کچھ عرصے سے میں نے عورتوں پر ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ تم میرے ہاتھوں سے پٹنا پسند کرو گی۔" روزا میلسی نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ صوفی کو گھورنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہ..... بندر کی نسل کے آخری فرد کیا زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ابے یہ بھی کوئی زندگی ہے اور تم لوگ ایک نمبر کے گدھے ہو۔ سب سے پہلے تمہیں یہ چاہئے تھا کہ مجھے رسیوں سے باندھ دیتے۔ کم از کم یہ خطرہ تو نہیں رہتا کہ میں تم پر حملہ کر بیٹھوں گا۔ اب دیکھو میرا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ میں ہوں درویشوں کا عاشق اور اگر میں نے ایک پھونک ماردی تو تم لوگوں کا وہ حشر ہوگا کہ تم لوگ یاد کرو گے۔" صوفی نے دراصل دروازے کے باہر آہٹیں محسوس کر لی تھیں۔ ان لوگوں کے فرشتوں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ صوفی جیب میں رکھے ہوئے موبائل کا ایک بٹن غیر محسوس طریقے سے دبا چکا ہے اور گرین فورس کے ممبر یقینی طور پر اب عمارت کے قریب ہی ہوں گے۔

دروازے کے باہر اس نے آہٹیں محسوس کر لی تھیں۔ روزا میلسی نے کہا۔

"شکل سے بھی تم سامری جادوگر محسوس ہوتے ہو۔"

"سامری جادوگر کی ایسی کی تیسی وہ پتا نہیں کس طرح کا جادو کرتا ہوگا میرا جادو تو اس طرح بولتا ہے۔" صوفی نے کہا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"یا پیر! چمٹا نصیب! یا ڈھکن شاہ! بھیج دو اپنے موکلوں کو۔" اور اس کے ساتھ ہی دروازہ پوری قوت سے کھلا تھا۔ غلام قادر اور دلاور نے ان دونوں پر حملہ کر دیا تھا جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ تیسرا ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ صوفی نے لپک کر اس کی گردن پکڑ لی اور پھر وہ کس طرح اڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا اس کا اسے خود اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔" شازیہ برق رفتاری سے اندر داخل ہوئی اور اس نے اس گرے ہوئے آدمی کی کمر پر گھٹنے ٹکا کر اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ روزا میلسی ایک لمحے کے لیے تو ہکا بکا رہ گئی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے وہ کرسی سے اٹھ کر صوفے پر چڑھی اور اس نے چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن صوفی نے بالکل اس طرح اسے لپک لیا جیسے کسی گیند کو کیچ کیا جاتا ہے اور پھر اس نے روزا میلسی کو زمین پر دے مارا۔

"کسی غیر عورت کو میں زیادہ عرصہ اپنے ہاتھوں میں برداشت نہیں کر سکتا اب میں پیروں سے کام چلاؤں گا۔ تاکہ میرے اوپر کئی الزام نہ آ سکے درویشوں کی دعاؤں سے یہ کہہ کر اس نے ایک ٹھوکر روزا میلسی کی ران میں ماری اور اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی اور اس کے بعد صوفی نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ دلاور اور غلام قادر نے ان دونوں آدمیوں کو بری طرح زخمی کر دیا اور شازیہ نے اس شخص کا بھرکس نکال دیا جسے صوفی نے دیوار سے دے مارا تھا۔ ادھر روزا میلسی کے منہ چہرے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا

تھا صوفی واقعی بہت تبدیل ہو چکا تھا۔ پہلے جیسے مرنجان مرن کیفیت اس پر نہیں رہی تھی۔ بلکہ اب وہ خاصا خون خوار ہو جایا کرتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان سب کو وہیں سے حاصل ہونے والی رسیوں سے کس لیا گیا اور روزا میلسی نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھی۔ صوفی نے غلام قادر اور شازیہ سے کہا۔

"تم دونوں اس عمارت کی تلاشی لے ڈالو ایسی کسی چیز کو تلاش کرنا ہے جو کسی میسج وغیرہ کے لیے ہو۔"

"ٹھیک ہے چھوٹے بابا! شازیہ نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

تینوں آدمی بے ہوش پڑے ہوئے تھے صوفی نے ایک دم چونک کر کہا۔

"باہر چوتھا بھی تھا۔"

"ہاں وہ باہر گاڑی میں بے ہوش پڑا ہوا ہے ہم نے اچھے طریقے سے اس کی مزاج پرسی کر ڈالی تھی۔" دلاور نے جواب دیا اور صوفی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

♡.....♡.....♡

روزا میلسی اور اس کے چاروں ساتھیوں کو گرین ہاؤس پہنچا دیا گیا تھا۔ شازیہ، دلاور اور غلام قادر نے پوری طرح ان کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ صوفی روزا میلسی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سہیل عالم ایک بہترین اور قابل اعتماد کارکن تھا لیکن صوفی ان لوگوں کو ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرنا چاہتا تھا۔ البتہ یہ خیال بھی اس کے دل میں تھا کہ سہیل عالم ہر مرحلے میں اس کے ساتھ ہوتا ہے اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بالکل ہی تہارہ کر کوئی کام کرنا مناسب نہیں ہے۔ وہ برا مان جائے گا۔ چناں چہ اس نے سہیل عالم سے رابطہ قائم کیا اور دوسری طرف سے فوراً ہی صوفی کی کال وصول کر لی گئی۔

"سہیل میں صوفی بول رہا ہوں۔"

"استاد محترم..... مزاج شریف؟"

"سبحان اللہ کیا خوش بیانی ہے۔ کیا کر رہے ہو؟"

"روزا میلسی کو تلاش کر رہا ہوں۔ ٹارزن بھی اس کام میں میری معاونت کر رہا ہے۔"

"طریقہ کار کیا ہے؟" درویشوں کی دعاؤں سے صوفی نے پوچھا۔

"بس کوئی خاص طریقہ کار نہیں ہے۔"

"ٹارزن کو لے کر گرین ہاؤس آ جاؤ۔"

"بہتر کتنی دیر میں حاضری دوں۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

"میں پہنچ رہا ہوں۔" غلام قادر نے گیٹ پر سہیل عالم اور ٹارزن کا استقبال کیا تھا اور انہیں صوفی کے پاس پہنچا دیا تھا۔ جو گرین ہاؤس کے ایک کمرے میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"اس وقت اس کا منہ خشک تھا۔ لباس بھی قاعدے کا پہنا ہوا تھا۔ سہیل اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"یہ لوگ آپ کو چھوٹے بابا کہتے ہیں۔ دل تو میرا بھی یہی چاہتا تھا لیکن..... بہرحال آپ ہر حالت میں میرے استاد ہیں بتایئے کیا حکم ہے۔ کیسے طلب کیا؟"

"روزا میلسی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"غائب ہو گئی ہے۔ انتہائی شاطر قسم کی جرائم پیشہ عورت ہے۔ اپنے تحفظ کے لیے اس نے یقینی طور پر زبردست انتظام کیے ہوں گے لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ آخرکار ہم اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے سہیل۔ وہ کس سلسلے میں یہاں آئی ہو گی؟"

"نارزن کہتا ہے کہ وہ بین الاقوامی مجرم ہے اور کسی بھی دہشت گردی کے منصوبے کو لے کر یہاں آ سکتی ہے۔"

"خیر سہیل میں نے اسے پکڑ لیا ہے۔" صوفی نے جواب دیا اور سہیل سچ مچ اچھل پڑا۔ اس کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل پائی تھی۔ نارزن بھی شدید حیران نگاہوں سے صوفی کو دیکھ رہا تھا۔ بہ مشکل تمام سہیل نے کہا۔

"مگر..... مگر صوفی صاحب۔"

"ہاں..... بس تم لوگ میرے جملوں کا مذاق اڑاتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ روحانیت کا مقام بہت بڑا ہے۔ اگر ان اللہ والوں سے لو لگا لی جائے تو یہ اللہ سے قربت رکھتے ہیں اور بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ بشرطیکہ لگن سچی ہو۔"

"صوفی صاحب واقعی آپ نے اسے گرفتار کر لیا؟"

"ہاں یار۔ بس ایک طریقہ کار وضع کیا تھا میں نے دیکھو یہ تصویریں بنا کر میں شازیہ، دلاور اور غلام قادر کو دی تھیں۔ یہ صرف اس رات کو روزا میلسی کو دیکھنے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھیں۔" صوفی نے اپنی مصوری کا نمونہ سہیل کو پیش کیا اور سہیل دنگ رہ گیا۔ پھر ایک پھیکی سی ہنسی کے ساتھ گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"میں نے تو آپ کو مرشد مان لیا ہے صوفی صاحب! اور ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے میں روحانیت کا قائل ہو جاؤں۔ میرا مطلب ہے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔"

"حق اللہ..... حق اللہ..... حق اللہ....."

"کہاں ہے وہ؟"

"یہیں گرین ہاؤس میں وہ اور اس کے چاروں ساتھی۔"

"میرے خدا..... آپ نے انہیں بھی پکڑ لیا۔"

"ظاہر ہے۔ معلومات تو سب ہی سے مل کر کرنی تھی۔"

"کہاں رکھا ہے انہیں؟"

"گرین ہاؤس میں ایک تہہ خانہ ہے۔ ہر طرح سے محفوظ بنا لیا ہے میں نے اسے۔ تھوڑی سی ڈرامائی کیفیت ہونی چاہیے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

"مثلاً۔" سہیل نے پوچھا اور صوفی اسے آہستہ آہستہ تفصیل بتانے لگا۔

روزا میلسی کے چہرے پر تفکر کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے چاروں ساتھی گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ بہت دیر تک روزا میلسی خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ ہم لوگوں کو یہ تو نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم دنیا کے سب سے تیز اور چالاک لوگ ہیں۔ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے کام میں چوکس ہو سکتے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہیے۔ وہ لڑکی جو یہاں آنے والی تھی شاید ابھی تک یہاں نہیں پہنچی۔ اصولی طور پر ڈیپارٹمنٹ کو ہمیں یہ اطلاع دینی چاہیے تھی کہ لڑکی ان کی نگاہوں میں ہے یا نہیں اور اگر وہ یہاں اپنے وطن تک نہیں پہنچی تو پھر کہاں ہے؟"

اصل میں ہوتا یہی ہے۔ کرتا کوئی ہے بھرتا کوئی ہے۔ ہم تو یہاں پوری ذمہ داری کے ساتھ پہنچ گئے اور ہم نے ایسے لوگوں کو تلاش بھی کر لیا۔ جن سے کرنل رحیم شاہ اور اس کی بیٹی کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں لیکن اوپر سے ہمیں اطلاعات نہیں دی گئیں جس کی وجہ سے ان حالات کو دیکھنا پڑا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میڈم لیکن جو لوگ ہمیں یہاں تک لائے ہیں وہ ہماری پوچا نہیں کریں گے۔ یقینی طور پر ہم سے معلومات حاصل کی جائیں گی۔ ہمیں بتایئے کہ ہم کیا کریں؟ اگر اپنی زبان بند رکھیں تو ہمیں ان کا تشدد برداشت کرنا پڑے گا۔"

"نہیں زبان کھول دو..... آسانی سے کھول دو..... اور اس کے بعد..... اس کے بعد جانتے ہو کہ ڈیپارٹمنٹ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"

"سوری میڈم..... لیکن دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ڈیپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ غلطی کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمیں سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو اس میں قصور ہمارا تو نہیں ہوتا لیکن سزا تو ہمیں ہی بھگتنی پڑتی ہے۔"

"بغاوت کی باتیں مت کرو۔ انتظار کرو اور دیکھو کہ وقت کی کہانی کیا ہوتی ہے۔"

"میڈم ہم آپ کی رہنمائی چاہتے ہیں۔"

"اس وقت یہ الفاظ مسخرہ پن لگ رہے ہیں۔ بھلا میں ان حالات میں تمہاری کیا رہنمائی کر سکوں گی۔ میں تو خود کسی راہنما کی تلاش میں ہوں۔" روزا میلسی نے کہا اور وہ خاموش ہو کر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک نے سرد لہجے میں کہا۔

"اپنی جان بچاؤ اور نکلنے کی کوشش کرو۔ ضروری نہیں ہے کہ ہمارا رزق انہی لوگوں کے ساتھ لکھ گیا ہے۔ جینے کے لیے کچھ اور راہیں تلاش کریں گے۔ جب تحفظ ہی نہ ملے تو کیا فائدہ حماقتیں کرنے کا۔" روزا میلسی نے قہر آلود نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا جس نے یہ الفاظ کہے تھے۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"اس کے باوجود میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گی۔ اس طرح کی بددلی بہرطور ہم لوگوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔" ابھی انہوں نے یہی الفاظ کہے تھے کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور وہ چاروں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"ہم باہر نکلنے کی جدوجہد کریں گے۔" انہوں نے کہا اور وہ دروازے کے دونوں طرف دو دو کر کے کھڑے ہو گئے۔ روزا میلسی اب بھی تشویش بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھلا صوفی اور سہیل اندر داخل ہوئے اور ان چاروں نے بیک وقت ان پر حملہ کر دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ حملہ بڑا ہی سنگین اور اچانک تھا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن مدمقابل صوفی اور سہیل تھے۔ ابتدا میں تو انہوں نے مار کھائی لیکن اس بات کا خیال رکھا کہ وہ لوگ دروازے سے باہر نہ نکل سکیں۔ اس کے بعد سب سے پہلے صوفی نے دروازے سے ٹک کر اسے روک لیا اور اس کے بعد ان لوگوں کے مدمقابل آ گیا۔ سہیل ان سے بہترین جنگ کر رہا تھا۔

بات صرف گھونسے بازی کی حد تک تھی۔ صوفی نے سنبھالا لیا اور اس کے بعد فولادی گھونسوں نے ان چاروں کو زمین چٹا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ناک اور منہ خون سے لت پت تھے اور وہ زمین پر الٹے سیدھے ہو رہے تھے۔ روزا میلسی ایک دیوار سے ٹکی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ جب ان چاروں کا کریا کرم ہو گیا تو صوفی نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور جھک کر بولا۔

"مادام کی خدمت میں آداب پیش کرتا ہوں۔"

"میں نے انہیں منع کیا تھا۔ تم لوگ یقین کرو..... میں نے انہیں منع کیا تھا۔ مگر ٹھیک ہے جو کچھ ہوا۔ وہ ان کا اپنا عمل ہے۔"

"ہم جانتے ہیں مادام روزا میلسی کہ آپ بہت نفیس خاتون ہیں۔" سہیل نے کہا اور روزا میلسی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم کون ہو؟ اور تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہو گیا۔"

"بدقسمتی سے آپ نے مجھے میرے ایک ساتھی سے محروم کر دیا۔ میں اس کے لئے انتہائی غم زدہ ہوں۔"

"میں نے؟ کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"ہاں..... ہم اسے ٹارزن کہتے تھے اور درحقیقت وہ ٹارزن ہی تھا۔ اس قدر بے خوف اور بے جگر انتہائی پھرتیلا لیکن میڈم آپ نے اسے ہم سے چھین لیا۔" روزا میلسی کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی تھی پھر اس نے سہیل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"آہ..... وہ میرا دوست تھا اور میرے ساتھ ہی میرے وطن آیا تھا۔ آپ اس کی قاتل ہیں میڈم۔"

"انکار نہیں کروں گی وجہ یہ تھی کہ میں یہاں اپنے ایک مشن پر آئی تھی اور وہ وقت سے پہلے میری آمد سے واقف ہو گیا تھا میں نہیں جانتی تھی کہ اس کی یہ واقفیت مستقبل میں میرے لئے کیا نقصان دہ ہو گی۔ لیکن میں بے کار گھاس کاٹ دینے کی عادی ہوں اور فضول چیزوں کو درمیان میں نہیں رکھتی۔"

"آپ عظیم ہیں میڈم۔" بہت عظیم ہیں آپ۔ لیکن اس کی روح مجھ سے تقاضے کر رہی ہے کہ میں آپ سے اس کا انتقام لوں۔"

"اس طرح مجھے قید کر کے۔" روزا میلسی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ خود اپنی مرضی سے یہاں تک تشریف نہیں لائی ہیں محترمہ، درویشوں کی دعاؤں سے آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔ اس سے پہلے آپ نے کیا جدوجہد نہیں کی تھی؟" صوفی نے کہا۔

"ہاں..... یہ بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ وہ واپس تو نہیں آ سکتا۔"

"آ سکتا ہے میڈم..... آ سکتا ہے..... وہ واپس آ سکتا ہے۔ وہ آپ کو آپ کی ناکامیوں کی تصویر دکھانے آ سکتا ہے۔"

"کیا مطلب۔" روزا میلسی نے کہا اور سہیل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ٹارزن اندر آ گیا تھا۔ روزا میلسی نے اسے دیکھا اور دیوار کے ساتھ پھسلتی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔

"تم..... تم..... صوفی ان چاروں کو دیکھ رہا تھا۔ جو اب بری حالت میں تھے۔ ان میں سے دو بے ہوش ہو گئے تھے اور دو اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سہیل انہیں دیکھو۔" صوفی نے کہا اور سہیل ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ٹارزن آہستہ آہستہ چلتا ہوا روزا میلسی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی میڈم! میلسی آپ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے چالاک خاتون سمجھتی ہیں۔ آپ نے مجھے گلاس میں جو زہر دیا تھا۔ آپ کی فطرت سے واقفیت کی بنیاد پر میں اس کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ وہ زہر میرے معدے میں نہیں اترا بلکہ کہیں اور جذب ہو گیا۔ پھر آپ نے میری لاش ٹھکانے لگا دی لیکن آپ کے وہ گدھے یہ بھی نہ کر سکے۔"

"اوہ..... میرے خدا..... یہ بہت اچھا ہوا ہے۔ میں نے زندگی میں چند ہی ایسے کام کئے ہیں۔ جن کا مجھے بعد میں پچھتاوا ہوا ہے اور ٹارزن تمہاری موت اسی طرح کا ایک پچھتاوا تھی۔ کیا یہ لوگ تمہارے ساتھی نہیں۔"

"ہاں..... یہ میرا باس سہیل عالم بارود والا ہے اور یہ ہمارے پیر۔" ٹارزن نے کہا۔

"میں تم لوگوں سے مفاہمت چاہتی ہوں۔"

"ہو سکتی ہے۔" صوفی نے جواب دیا۔

"مجھے نکل جانے دو یہاں سے۔"

"یہ بتائے بغیر کہ آپ کی یہاں آمد کس مقصد سے ہوئی تھی اور آپ جو کرنل رحیم شاہ کی بیٹی رائنا کے بارے میں معلومات حاصل کر رہی تھیں۔ وہ کس سلسلے میں تھی؟"

"یہ سب کچھ میں نہیں بتا سکتی۔ یہ اتنا خفیہ ہے کہ اس راز کے منکشف ہونے پر میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔"

"وہ تو آپ ویسے بھی نہیں رہیں گی۔ آپ دیکھئے ذرا سا غور کیجئے آپ کے یہ خوبصورت بال آپ کے سر پر نہ رہیں۔ آپ کی بھنویں بھی صاف کر دی جائیں درویشوں کی دعاؤں سے تو آپ کیا چیز لگیں گی اور ہم یہ انتظام کر کے آئے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی پہلی سزا ہو گی آپ کے لئے۔"

"کک..... کک کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"سچ..... میڈم سچ۔ ہم ایسا..... اب سے دس منٹ کے اندر اندر کر لیں گے۔ ورنہ آپ زبان کھول دیجئے۔" روزا میلسی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اس نے ان چاروں کو دیکھا اور اس کے بعد ایک دم ہنس پڑی۔

"سبحان اللہ بہت ہنس مکھ ہیں آپ خاتون۔" صوفی نے جیب سے استرا نکالتے ہوئے کہا۔

"رکو..... رکو..... رک جاؤ۔ میں نے اپنے خیالات میں کچھ تبدیلیاں کر لی ہیں۔ چنانچہ کوئی ڈرامہ مت کرو۔ اصل میں ہوا یہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہ لوگ مجھے دھمکیاں دے رہے تھے کہ یہ ہمارے گروپ سے وفاداریاں تبدیل کر دیں گے اور اپنی زندگیاں بچائیں گے۔ ظاہر ہے میں اس بات کی مخالف تھی۔ لیکن اب جو صورتحال نظر آ رہی ہے۔ وہ یہ کہتی ہے کہ مجھے زبان کھول دینی چاہیے۔"

"درویش رحم کریں۔" صوفی نے کہا۔

"ٹارزن جانتا ہے کہ میں دولت کے حصول کے لئے بہت سے جرائم پیشہ گروپوں کے ساتھ کام کرتی رہی ہوں۔ تھوڑا سا تھوڑا سا تھ میرا اور ٹارزن کا بھی رہا ہے۔ بہرحال ٹارزن کو دیکھ کر میں نے یہی سوچا تھا کہ نہیں یہاں اس کا کس کس سے رابطہ ہو اور یہ میری آمد کو پہلے سے مشتہر کر دے۔ چنانچہ اسے ختم کر دینا ضروری ہے۔ اس وقت میں جس گروپ کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ وہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے اور بہت زیادہ خطرناک اور باخبر گروپ ہے۔ یہاں اس ملک میں کچھ کام کرنے ہیں اور اس سلسلے میں یہاں کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا گیا ہے۔ یہ مقامی لوگ ہیں اور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان لوگوں کی ایک فہرست بنائی گئی اور پھر اس کی ایک مائیکرو چپ تیار کر لی گئی۔ یہ مائیکرو ڈسک ہمارے پاس محفوظ تھی کہ بالکل اتفاقیہ طور پر یہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچ گئی جو یہی کام کرتا تھا اور مقامی تھا۔

اس شخص نے وہ ڈسک دیکھی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ اس کے ملک کے خلاف کوئی سازش ہے تو اس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس ڈسک کو اپنے ملک کے سفارتخانے پہنچانے کا فیصلہ کیا۔

لیکن ہمیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔ ہم نے اس پر کئی حملے کئے مگر وہ بچ کر نکل گیا اور پھر کسی طرح وہ ایک شخص تک پہنچا جس کا نام کرنل رحیم شاہ تھا۔ اس نے وہ مائیکرو ڈسک اسے دے دی۔ ہمارے گروپ کے جاسوسوں نے یہ معلومات بھی حاصل کر لیں۔ ہم نے کرنل رحیم شاہ کو ٹریس کیا۔ پتا یہ چلا کہ اس کی بیٹی رائنا یہ ڈسک لے کر اپنے وطن نکل چکی ہے۔ مجھے فوراً ہدایت کی گئی کہ میں اس لڑکی سے پہلے یہاں پہنچوں اور اسے ٹریس اپ کروں۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک بہت بڑے پولیس افسر کو کڈنیپ کیا جس کا نام جمشید مرزا تھا۔

اور اس سے مسٹر صوفی کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ مسٹر صوفی سے کرنل رحیم شاہ کی بیٹی کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں اور اپنی آرگنائزیشن کو یہ اطلاع دیں کہ ڈسک یہاں کے ذمہ دار آدمی کے پاس پہنچی یا نہیں۔ باقی کہانی تم لوگوں کو معلوم ہے۔"

"یہ سچ بول رہی ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے سہیل کی طرف رخ کر کے کہا۔ پھر کافی دیر تک وہ اس سے سوالات کرتے رہے تھے۔ روزا میلسی تفصیل کے ساتھ ان کے جوابات دیتی رہی تھی

اور اس کے بعد وہ دونوں باہر نکل آئے تھے۔ سہیل نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے صوفی صاحب مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آپ کے کشف کے زیر اثر بول رہی ہو۔ سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا اس نے۔"

"ہمارا یہ خیال نہیں ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔" صوفی نے کہا۔

"وہ بہت خطرناک اور چالاک عورت ہے۔ وہ جو کہتے ہیں ناں۔ وقت سے سمجھوتہ کرنے والی۔ اس نے صورتحال کا اندازہ لگانے کے بعد وقت سے تعاون کیا ہے اور تشدد سے بچ گئی ہے۔ مگر میرے ذہن میں ایک سوال بری طرح کھٹک رہا ہے۔"

"کیا؟" سہیل نے پوچھا۔

"ہم اس کا کریں کیا۔ بلاوجہ پانچ انسانوں کی زندگی لینا۔ ایک انتہائی خطرناک عمل ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ یہ جس قدر چالاک ہے۔ اگر ہم نے اسے کسی سرکاری ادارے کے حوالے کر دیا تو کسی نہ کسی طرح یہ یہاں سے نکل جائے گی اور اس کے بعد رائنا خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"بہت چھوٹی سی بات ہے صوفی صاحب۔ یہ کام آپ میرے سپرد کر دیجئے۔" صوفی نے گردن اٹھا کر سہیل کو دیکھا اور بولا۔

"قتل کر دو ان لوگوں کو۔"

"نہیں صوفی صاحب..... بہت سے نسخے ہیں میرے پاس۔ ڈاکٹر سلوان یقیناً یہ نام آپ نے نہیں سنا ہو گا چونکہ اس شخص نے کبھی اپنے آپ کو منظر عام پر نہیں رکھا۔ عجیب سا انسان تھا۔ بس سادہ زندگی گزاری ہے اس نے لیکن بے شمار ایجادات کی ہیں۔ جن میں سے ایک ایجاد میں ان پر استعمال کروں گا۔"

"درویش رحم کریں۔" صوفی نے آہستہ سے کہا۔

"یہ لوگ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھیں گے اور پھر دنیا کا کوئی علاج انہیں ان کی اصل حالت میں واپس نہیں لا سکتا۔ ہاں..... یہ سڑکوں پر مارے مارے نہیں پھریں گے بلکہ ان کی شخصیت بدل جائے گی۔ پلیز انہیں میرے حوالے کر دیجئے۔"

"درویش رحم کریں۔" صوفی آہستگی سے بولا۔

پھر دو واقعات ایک ساتھ ہوئے۔ اخبارات نے ایسے پانچ افراد کی خبر شائع کی۔ جو غیر ملکی تھے اور اپنے بارے میں عجیب و غریب کہانیاں سنا رہے تھے۔ ان میں ایک کا کہنا تھا کہ وہ چنگیز خان کا باورچی ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ وہ دنیا کا سب سے عظیم سائنسدان ہے۔ اسی طرح وہ بھی اپنا تعارف کراتے تھے اور ان کے ساتھ ایک بڑی باوقار سی عورت تھی۔ جو کہتی تھی کہ اصل کوئین وکٹوریہ میں ہوں اور جو عورت اپنے آپ کو ملکہ وکٹوریہ بتاتی تھی وہ نقلی تھی۔

ان کے پاس سے نہ تو کچھ کاغذات برآمد ہوئے تھے اور نہ ہی ان کی قومیت کا کوئی پتا چلتا ہے۔ بہرحال ان لوگوں کو حکومتی تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ دوسرا واقعہ رائنا کی آمد تھی اور یہ آمد بھی بڑے دلچسپ طریقے سے ہوئی تھی اور صوفی اس وقت اپنی رہائشگاہ میں ہی موجود تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی اور معمول کے

مطابق حسینہ دروازہ کھولنے دوڑی۔ سامنے ایک خوبصورت سی لڑکی کھڑی دیکھ کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"جی بی بی کہئے کس سے ملنا ہے؟"

"صوفی صاحب سے۔" حسینہ نے سر سے پاؤں تک لڑکی کو دیکھا اور بولی۔

"اے بی بی..... نظر کمزور تھی تو نظر کا چشمہ لگوانا چاہئے تھا تمہیں۔"

"کیوں خیریت؟ کیا ہوا؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"اے میں کہتی ہوں بینائی خراب ہوگئی ہے تمہاری۔ وہ بھی اس قابل ہے کہ اس سے ملا جائے۔ موا بانس کا ٹکڑا۔"

"آپ کون ہیں ان کی؟"

"تمہارے منہ میں خاک۔ میں کون ہوتی۔"

"صوفی صاحب گھر پر ہیں یا نہیں۔"

"ہاں ہیں۔ کیا کہوں ان سے کہ تمہاری وہ چہیتی آئی ہیں۔" معشوق نشیلے کی آواز پیچھے سے ابھری۔ کون ہے حسینہ بیگم؟"

"آ جاؤ..... آ جاؤ خوشبو سونگھ کر آ گئے ہو گے۔ اے میں کہتی ہوں۔ تم مردوں کی ناک عورتوں کے معاملے میں کتنی تیز ہوتی ہے۔"

"آپ ہٹئے اور بدتمیزی مت کیجئے ورنہ میں آپ کو تمیز سکھا دوں گی۔"

"آئے لو..... میرے اوپر کیوں بگڑ رہی ہو۔ میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔"

"ہٹو پیچھے۔" رائنا نے حسینہ کو دھکا دیا اور حسینہ گرتے گرتے بچی۔ معشوق نشیلے کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔

"سینڈل اتار کر دو چار اور مار دیجئے سر پر۔ یہ ہے اسی قابل۔"

"تو مار دے..... کمین کے جنے..... اگر صوفی صاحب کی مہمان نہ ہوتی تو میں بتاتی اسے۔"

"صوفی صاحب کہاں ہیں؟" رائنا چیخ کر بولی تو معشوق نشیلے آگے بڑھ کر کہنے لگا۔

"آپ آئیے میرے ساتھ..... میں آپ کو صوفی صاحب سے ملا دیتا ہوں" اور پھر رائنا صوفی تک پہنچ گئی۔ صوفی کو جب علم ہوا کہ کوئی خاتون ملنے کے لئے آئی ہے تو وہ رائنا ہی کے تصور سے وہاں تک پہنچا تھا اور پھر بڑے اخلاق سے اس سے ملا تھا۔

"آپ نے بہت وقت لگا دیا یہاں تک آنے میں۔"

"اوہو..... کیا ڈیڈی نے آپ سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"آپ یہ بتائیے کہ آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟"

"رات کو فلائٹ سے آئی تھی۔ لیکن سیدھی آپ تک نہیں آئی۔ کیونکہ خدشہ تھا کہ دشمن پیچھے لگے ہوں گے۔ اب بھی چکر در چکر کر کے یہاں تک آئی ہوں۔"

"مجھے علم تھا۔ آپ کی آمد کا۔ کیونکہ آپ کے دشمن۔ آپ کی تلاش میں یہاں تک آ پہنچے ہیں۔ بلکہ آ پہنچے تھے۔ میں نے درویشوں کی دعاؤں سے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔"

"اوہ..... میرے خدا! انکل حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی زندگی کا سب سے تلخ تجربہ ہوا ہے۔ ڈیڈی اور آپ جو کام کرتے رہے تھے۔ ان میں سینکڑوں بار میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ آپ لوگوں نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ مگر میں نے کبھی ڈیڈی سے شکایت نہیں کی۔ میں جانتی تھی کہ ڈیڈی نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا لیکن اب یہ مجبوری ہوگئی تھی۔ عادل اور فیضان کو یہاں نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ زیادہ شناسائی کی پوزیشن میں تھے۔" رائنا نے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پوری تفصیل صوفی کو بتائی اور صوفی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"کرنل کی بیٹی کو ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔" اس کے بعد وہ روزا میلسی کے بارے میں رائنا کو تفصیل بتانے لگا۔ پھر رائنا نے وہ مائیکرو ڈسک صوفی کو پیش کر دی اور اس کے سلسلے میں کاروائی ہونے لگی۔ رائنا کو تو صوفی نے آرام کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس نے مائیکرو ڈسک کو پوری طرح کھنگال ڈالا اور آٹھ، نو گھنٹے کمپیوٹر پر مصروف رہا۔ اس پر لاتعداد انکشافات ہوئے تھے۔ رائنا کی واپسی کے سلسلے میں اسی رات رائنا سے گفتگو ہوئی۔ صوفی نے بہت ہی خفیہ طریقے سے کرنل رحیم شاہ کو اطلاع دی کہ رائنا پہنچ چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ چیزیں بھی ہیں جو اسے روانہ کی گئی ہیں۔ وہ بہت جلد رائنا کی ایسی مناسب واپسی کا بندوبست کر دے گا کہ اسے کوئی دقت نہ ہو۔

پھر اس کے بعد صوفی ساری رات جاگتا رہا تھا اور اس سلسلے میں منصوبہ بندی کرتا رہا تھا۔ دلچسپ بات جمشید مرزا کے ساتھ پیش آئی۔ جب اس نے اخبار میں وہ تصویریں دیکھیں جو چار غیر ملکی مرد اور عورت کی تھیں۔ جب وہ ناشتے کی میز پر پہنچا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ ناشتا بھی بڑے اہتمام سے بنایا گیا تھا۔ تازہ اخبار بھی تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔ جمشید مرزا نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اخبار اٹھایا اور خبروں کو سرسری نظروں سے دیکھتے ہوئے اچانک اس کی نظر صفحہ اول کے نچلے حصے میں ایک بڑی خبر پر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی تصویریں بھی تھیں۔ جمشید مرزا اچھل پڑا تھا۔ بیوی سامنے موجود تھی اور اس کے ساتھ ہی ناشتہ کر رہی تھی۔

"خیریت۔"

"ہاں..... خیریت ہی ہے۔ بس کمال ہوگیا۔" اور اس کے بعد اس نے جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا اور معلومات کرنے چل پڑا۔

ایک دلچسپ صورت حال تھی۔ جس نے پوری طرح اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا حالانکہ وہ کام کا بندہ نہیں تھا۔ لیکن چونکہ روزا میلسی نے اسے اغوا کیا تھا اور اس سے اتنی معلومات حاصل کی تھیں۔ اس نے روزا میلسی کی تصویر کو صاف پہچان لیا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ روزا میلسی اس سے جو معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اس کا کیا نتیجہ نکلا۔

تاہم اس نے یہ ضرور معلوم کر لیا کہ ان غیر ملکیوں کو کہاں رکھا گیا ہے جو اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں اور خود کو دنیا کی مشہور ترین شخصیتوں سے منسلک بتاتے ہیں۔ بیوی کہنے لگی۔

"آپ کا تو ارادہ ہی کچھ اور تھا۔ آپ کو یاد ہے۔ یا ناشتہ کر کے کام ختم ہو گیا آپ کا۔"

"نہیں بھئی۔ ذمہ داری کی نوکری اسی کو کہتے ہیں اور تم ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کی بیوی ہو۔ میرے ساتھ تعاون کیا کرو۔" جمشید مرزا نے پر رعب لہجے میں کہا اور بیوی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

رات سر پر جھکتی آ رہی تھی۔ سہیل نے دور دور تک ویران سڑک کی طرف دیکھا۔ پچھلی سیٹ سے صوفی کے خراٹے نشر ہو رہے تھے۔ بڑا خوفناک راستہ تھا۔ رات کے اوقات میں یہاں کم ہی ڈرائیونگ کی جاتی تھی۔ اکثر موڑ تو اس قدر خطرناک تھے کہ سہیل جیسے آدمی کو بھی پسینہ آ گیا تھا۔ ان راستوں پر وہ پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ حالانکہ یہ جگہ ایسی تھی کہ دن کے وقت بھی ان سے گزرتے ہوئے خوف محسوس ہو سکتا تھا۔ لیکن اب تو رات تھی اور صوفی بھی اپنے مزاج کے خلاف پچھلی سیٹ پر سو رہا تھا۔

حالانکہ وہ اس طرح کا انسان نہیں تھا۔ لیکن نہ جانے اس وقت کیا سوجھی تھی ویسے بھی اس کی فطرت کی تبدیلیاں سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو ادن پور رک سکتا تھا۔ ادن پور وہ دونوں اپنے اسی معاملے کے سلسلے میں آئے تھے۔ جس کا ڈسک سے پتا چلا تھا۔ بہرحال سہیل کا ارادہ تو یہی تھا کہ رات یہاں گزاری جائے اور اس کے بعد کل دن کی روشنی میں واپسی کا سفر اختیار کیا جائے لیکن صوفی نے کہا تھا۔

"بزرگوں نے کہا ہے کہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہئے۔" بہرحال صوفی کے بزرگ اور درویش اس سے جو کہتے تھے۔ وہ ہی کرتا تھا۔ لیکن اس وقت سہیل کو حیرت ہوئی تھی جب وہ پچھلی سیٹ پر جا لیٹا تھا اور اس وقت وہ خود مزے سے خراٹے نشر کر رہا تھا اور سہیل کو تنہا ہی اس خوفناک راستے پر ڈرائیونگ کرنا پڑ رہی تھی۔ اس نے کار کی رفتار بہت سست رکھی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی اور پھر اس علاقے میں تو یہ خوفناک تاریکی بہت ہی عجیب لگ رہی تھی۔ کار کی روشنیاں سڑک کے اس چند گز کے حصے کو بہ مشکل روشن کر پا رہی تھیں۔ ایک موڑ سے گزرتے ہوئے سہیل نے کار کی رفتار بہت سست کر دی اور پھر ایک گہری سانس لی۔ اسی وقت پیچھے سے آواز سنائی دی۔

"مائی ڈیئر سہیل عالم بارود والا۔ اس وقت تم جن مناظر سے گزر رہے ہو۔ اس میں تمہاری پرکھ ہو رہی ہے اور اصولی طور پر ہر شریف آدمی کو اس وقت یہ سوچنا چاہئے کہ جس نے تمہیں رات کے اس وقت میں سفر کا مشورہ دیا ہے۔ اسے کسی کھائی میں دھکیل کر خود کسی مناسب جگہ کار روک کر اس میں سو جاؤ۔ سہیل ہنس پڑا پھر بولا۔

"نہیں جناب پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کوئی کاہل آدمی نہیں ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حکم مرشد بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"درویش تم پر رحم کریں۔ کیا کہہ سکتا ہوں۔" صوفی نے کہا اور سیٹ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پھر وہ تاریکی میں جھانکنے لگا اور اس کے بعد بولا۔

"تقریباً دو میل اور چلنا پڑے گا۔ اس کے بعد بائیں سمت ایک سڑک آئے گی ہمیں اس پر مڑنا ہوگا۔ کچی سڑک ہے۔"

"آپ اس تاریکی میں بھی اس طرح راستوں کا تعین کر سکتے ہیں۔"

"دنیا جسے الو کہتی ہے ناں...... وہ اصل میں الو نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ رات کو تاریکیوں میں بھی دور تک دیکھ لیتا ہے۔"

"آپ آگے آ جایئے۔ ذرا الو پر تفصیلی بحث ہوگی۔"

"درویش رحم کریں اور ویسے تم فکر مت کرو۔ اگر گاڑی کسی کھڈ میں بھی گری تو میں دروازہ کھول کر چھلانگ نہیں لگاؤں گا۔ بہرحال تم کہتے ہو تو آ جاتا ہوں۔" صوفی نے کہا اور پچھلی سیٹ سے اپنے آپ کو موڑ کر اگلی سیٹ پر آ گیا۔ اس بات پر بھی سہیل کو ہنسی آ گئی تھی۔ کیونکہ جگہ اتنی کشادہ نہیں تھی کہ ایک اچھے خاصے لمبے قد و قامت کا آدمی آگے کی سیٹ پر آ جائے۔ لیکن صوفی پتا نہیں کہاں سے تڑ مڑ کر آگے آ گیا تھا۔ سہیل ابھی تک صوفی کی بات پر غور کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ آپ ان راستوں سے بخوبی واقف ہیں۔"

"وہ آگے موڑ ہے۔ خیال کرنا۔" صوفی نے کہا اور واقعی سہیل عالم کے پورے بدن میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ بڑا ہی خطرناک موڑ تھا۔

"آپ اس کے چپے چپے کے بارے میں جانتے ہیں۔"

"دوسری بار گزر رہا ہوں۔ اس وقت جب ہم یہاں آ رہے تھے پہلی بار تھی اور اب دوسری بار ہے۔"

"مگر آپ کو اس ذیلی سڑک کے بارے میں کیسے پتا چلا۔ جس کی ابھی آپ نے نشاندہی کی ہے۔ سہیل نے تعجب سے پوچھا۔

"اصل میں درویشوں کی خوبیاں...... بس کھوپڑی روشن رکھتی ہیں۔" صوفی نے جواب دیا اور سہیل ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر وہ میل کا فاصلہ کافی دیر میں ہی طے ہوا تھا اور اس کے بعد واقعی ایک ذیلی سڑک نظر آ گئی تھی۔ سہیل نے کہا۔

"یہ تو پہلے سے بھی ویران ہے۔ اس سے گزرنا آسان تو نہیں ہوگا۔"

"آسانیاں ساتھ ساتھ سفر نہیں کرتیں۔ آگے چل کر ایک بڑا ٹیلا ہے اس کا خیال رکھنا۔" سہیل کو ایک اونچے ٹیلے کے گرد گھومنا پڑا اور پھر ٹیلے کے دوسری طرف نکل کر انہیں ایک روشنی نظر آئی تو سہیل کو صوفی کی بات یاد آ گئی اور اس کے منہ سے نکلا۔

"کمال ہے۔ اتنی زبردست معلومات، حالانکہ یہ روشنی۔" "فکر مت کرو...... ذرا رفتار بڑھاؤ۔" صوفی نے کہا اور سہیل عالم نے رفتار تیز کر دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اس پتھریلی عمارت کے نزدیک پہنچ گئے۔ جس کے پتھر قدامت کی وجہ سے کالے ہو گئے تھے۔ اگر اس کے اوپری حصے میں وہ لالٹین نہ جل رہی ہوتی تو اس کا دور سے دیکھا جانا ناممکن تھا۔ کیونکہ وہ تاریکی میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ صرف لالٹین کی روشنی ہی اس کے وجود کو روشن کرتی تھی۔ عمارت بہت پراسرار تھی اور یہیں پر سہیل نے کار روکی تھی...... صوفی بالکل چست اور چالاک نظر آ رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور اس نے سہیل عالم کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا وہ دونوں عمارت کے دروازے کی طرف مڑ گئے تھے۔ اندر جانے کے لئے بڑا سا دروازہ تھا لیکن اس میں کیواڑوں کا نشان بھی نہیں تھا۔ وہ اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ تبھی صوفی کی آواز ابھری۔

''کوئی ہے؟'' یہ بات بھی حیران کن تھی۔ کیا صوفی کو یہاں کسی کے ہونے کی امید ہے۔ سہیل عالم بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہاں کون ہوسکتا ہے؟''

''کیوں؟''

''نہیں میرا خیال ہے اندھیرے کی وجہ سے تمہیں نیند بھی آ رہی ہے۔ مائی ڈیئر یار رود والا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر یہاں کوئی نہیں ہوتا تو وہ لالٹین کیا ہمارے اجداد کی روحوں نے روشن کی ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''اوہ.....'' سہیل کو واقعی شرمندگی ہوئی تھی۔ سیدھی سی بات تھی۔ لیکن اس وقت ذہن عجیب و غریب خیالات کا حامل تھا۔

''ارے بھائی کوئی ہے تو جواب دیجئے۔''

''آ رہا ہوں سرکار'' دور سے ایک غرغراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ پھر ایک دور کی راہداری میں ایک روشنی ابھری۔ جو ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک سایہ لالٹین ہاتھ میں لیے انہی کی طرف آ رہا تھا۔ پھر وہ قریب آ کر بولا۔

''سلام حضور!'' بوڑھی بوڑھی سی آواز تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آنے والا کوئی عمر رسیدہ آدمی ہے۔ وہ قریب پہنچا تو سہیل عالم نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔ صوفی نے کہا۔

''بابا صاحب! ہم یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔''

''ضرور سرکار۔ آپ کو یہاں کافی آرام ملے گا۔'' بوڑھے آدمی نے کہا۔

''ہم اپنی گاڑی اندر لے آئیں۔''

''جی سرکاری۔'' بوڑھے نے لالٹین لے کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

''کیا گاڑی خراب ہوگئی ہے سرکار۔''

''نہیں بابا جی..... بس رات زیادہ ہوگئی تھی درویشوں کے کرم سے۔ راستے خطرناک ہیں اس لیے ہم نے سفر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اچھا کیا سرکار۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ صبح دن کی روشنی میں چلے جانا۔''

''ہاں.....'' صوفی نے کہا اور اس کے اشارے پر سہیل گاڑی اسٹارٹ کر کے عمارت کے احاطے میں لے آیا۔ بوڑھے چوکیدار نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ کار سے اس نے کھانے پینے کا سامان اور کافی کا تھرماس نکال لیا اور پھر وہ بوڑھے کے ساتھ عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔ عمارت میں کئی کمرے قابل استعمال تھے۔ بوڑھا انہیں ایک صاف ستھرے کمرے میں لے آیا۔

کمرے میں بانوں سے بنے ہوئے دو پلنگ پڑے ہوئے تھے جن پر کوئی چادر وغیرہ کا بندوبست نہیں تھا۔ بوڑھے نے فوراً ہی کہا۔

''بس سرکار ہم بستر کا انتظام نہیں کر سکتے۔''

''بستر..... بستر ایک اضافی چیز ہوتی ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے ایک رات گزارنی ہے ہمیں۔'' صوفی بولا۔

''کھانا پکا دیں سرکار..... دال موجود ہے۔''

''نہیں کھانا ہمارے پاس موجود ہے۔ بس پانی لے آؤ۔''

''لاتے ہیں سرکار ٹھنڈا میٹھا پانی۔'' بوڑھے نے لالٹین ایک طرف رکھ دی اور کمرے میں رکھی ہوئی دوسری لالٹین جلا کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد صوفی نے سہیل عالم کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ایسے واقعات سے پہلے بھی سامنا پڑا ہوگا۔''

''ہاں ایسے نہیں لیکن بہت سے ایسے غیر متوقع لمحات آئے ہیں۔ ویسے یہ عمارت بڑی پراسرار ہے۔ کیا ہمیں یہاں کسی روح سے واسطہ نہیں پڑے گا۔''

''عشق کرنا چاہتے ہو۔ درویشوں کے کرم سے ویسے اگر واقعی تمہیں کسی روح سے ملاقات کا شوق ہے تو اس ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے کنویں میں اتر جاؤ جس کے بارے میں وہ بوڑھا کہہ کر گیا ہے۔ پھر تم قیامت تک یہیں اس سے عشق کرتے رہنا'' سہیل ہنسنے لگا پھر بولا۔

''نہیں صوفی صاحب عشق میری منزل نہیں ہے۔'' پھر انہیں خاموش ہونا پڑا کیوں کہ بوڑھا پانی لے آیا تھا۔ انہوں نے بوڑھے کو بھی کھانے میں شریک کرنا چاہا لیکن اس نے شکریہ ادا کر کے ایک گوشہ اپنا لیا تھا۔ جب یہ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو اس نے پوچھا۔ ''میرے لیے کیا حکم ہے سرکار؟''

''نیند آ رہی ہے۔'' صوفی نے پوچھا۔

''نا ہی سرکار۔ اتنی جلدی نہیں سوتے ہم۔''

''تو بیٹھو باتیں کریں گے۔'' صوفی بولا اور بوڑھا چوکیدار ان سے تھوڑی دور زمین پر بیٹھ گیا۔ صوفی نے کہا۔

''تم کتنے عرصے سے یہاں ملازم ہو۔ بابا صاحب؟''

''سرکار اب تو ٹھیک وقت یاد بھی نہیں رہا۔''

''بہت عرصہ ہوگیا۔''

''ہاں سرکار..... جوان تھے اس وقت۔ بدن میں جان تھی۔''

''اچھا..... اچھا..... کیا تنخواہ ملتی تھی تمہیں اور ملتی ہے۔''

''سرکار گوروں کے زمانے سے نوکری کر رہے ہیں ہم۔ اللہ کا فضل ہے اتنے پیسے مل جاتے ہیں کہ گزارہ ہو جاتا ہے اور پھر زیادہ پیسوں کی ضرورت بھی نہیں ہے ہمیں۔''

''یہ عمارت انگریزوں کے زمانے کی ہے۔''

''جی سرکار۔''

''کیا کرتے تھے وہ یہاں۔ اس عمارت..... میرا مطلب ہے یہ ڈاک بنگلہ تو نہیں ہے۔''

''بہت سے گورے سپاہی یہاں رہتے تھے سرکار انہوں نے یہاں ایسی مشینیں لگائی تھیں جن سے

وہ قبائلیوں کو دیکھتے رہتے تھے۔ ادھر کے قبیلے والوں نے گوروں کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔"

"ہوں..... ہوں..... اچھا..... ٹھیک..... تو انگریزوں کے جانے کے بعد بھی حکومت نے اسے سرکاری تحویل میں رکھا ہے۔ بہرحال بڑی خوشی کی بات ہے۔ ویسے بابا صاحب تمہارے بیوی بچے نہیں ہیں۔"

"نہیں سرکار بیوہ بہن ہے اور اس کے بچے ہیں بڑا لڑکا رمضان ہفتے میں ایک آدھ بار آتا ہے۔ مٹی کا تیل، دال، آٹا اور کھانے پینے کی چیزیں دے جاتا ہے۔"

"یہاں تمہارا دل نہیں گھبراتا۔"

"ارے نا ہی سرکار..... ادھر تو بڑا آرام ہے۔"

"ڈر بھی نہیں لگتا یہاں؟" اس بار سہیل نے سوال کیا اور بوڑھا ہنسنے لگا۔

"لو سرکار بڑھاپے میں ڈر کر کیا کریں گے۔ ڈر تو زندگی کا ہوتا ہے۔"

"ان عمارتوں میں جن بھوت بھی تو آسکتے ہیں۔"

"تو ہم ان سے دوستی کرلیں گے۔ سب بھائی مل جل کر گزارہ کرلیں گے۔ اب تو جن بھوت بھی آگئے ہیں سرکار یہاں۔"

"کیا مطلب۔" سہیل چونک پڑا۔

"جانے دو سرکار۔ نیند بھی نہیں آوے گی تمہیں ہم تو بوڑھے آدمی ہیں تمہیں بلاوجہ ہی ڈر لگے گا۔"

"نہیں نہیں..... بھوتوں سے ہماری خاندانی دوستی ہے۔ درویشیوں کی دعاؤں سے ہم بھی تمہارے جن بھوتوں سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔" صوفی بولا۔

"ارے بابو جی کہنے کی باتیں ہوتی ہیں سب۔ جب مصیبت سامنے آوے ہے تب پتا چلے ہے۔"

"کہاں ہے یہ مصیبت اور کیا واقعی یہاں جن بھوت رہتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ ہم تمہارے مہمان ہیں دوست ہیں تمہارے۔"

"نہیں بابو پہلے یہاں کچھ بھی نہیں تھا مگر پچھلے کچھ دنوں سے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے علاوہ بھی یہاں کوئی رہتا ہے۔ ہم نے کئی بار رات میں کسی کے چلنے پھرنے کی آواز سنی ہے۔ کتنی ہی بار اندھیرے میں سائے دیکھے ہیں۔ سرکار پہلے تو ہم اسے اپنا وہم سمجھتے رہے لیکن کیا بتائیں۔ ہماری دال غائب ہو جاتی ہے۔ روٹیاں غائب ہو جاتی ہیں۔ پر ہم کہتے ہیں بھیا مانگ کر کھالو ہم کبھی منع نا ہی کریں گے۔ رزق تو اللہ کی دین ہوتی ہے۔ اب ہم یہ کرتے ہیں دال بھی زیادہ پکا لیتے ہیں۔ روٹیاں بھی کیا سمجھے؟ ان کا بھی کام چل جائے ہے۔" بوڑھے نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"دال، روٹیاں مستقل طور پر غائب ہو جاتی ہیں۔" صوفی نے پوچھا۔

"جی سرکار۔"

"کبھی تم نے انہیں پکارا بھی ہے۔"

"ہاں..... سرکار مگر وہ سامنے نہیں آتے۔ اپنے کام دھندوں میں لگے رہتے ہیں۔ پتا نہیں ایک ہیں یا دو ہیں۔ لگتا تو ایک ہی ہے سرکار۔ کئی بار ہم نے کنویں کے قریب پانی بھی گرا ہوا دیکھا ہے۔"

"ہوں....." صوفی ایک گہری سانس لے کر سہیل کو دیکھنے لگا۔ سہیل بھی دلچسپی سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔ بہرحال وہ کافی دیر تک بوڑھے سے باتیں کرتے رہے اور پھر صوفی نے کہا۔

"اب جاؤ آرام کرو..... اور سنو صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ تمہاری مہمان نوازی کا شکریہ..... یہ رکھ لو..... تمہارے کام آئیں گے۔" صوفی نے کچھ نوٹ نکال کر بڑے میاں کو دے دیئے۔

"اتنے سارے سرکار۔ جیتے رہیں۔ برکت ہو سرکار۔" بوڑھے نے بہت سی دعائیں دیں اور پھر باہر نکل گیا۔ صوفی سہیل کو دیکھنے لگا تھا۔ سہیل نے کہا۔

"حقیقت یہ ہے صوفی صاحب کہ آپ کے ساتھ زندگی کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں بڑی ہنگامہ آرائی کی ہے میں نے لیکن اب یہاں آنے کے بعد ایسا سکون سا لگتا ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔"

"بھوت سے ملاقات کرو گے۔" کہہ رہے تھے تم۔"

"واقعی یہ مشرق کا ایک دلچسپ پہلو ہے۔ یہاں میری بہت سی خواہشیں پوری ہو گئی ہیں لیکن یہ خیال دل میں ہے کہ کبھی کسی بھوت وغیرہ سے بھی ملاقات کروں۔"

"چلو تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی درویشیوں کی دعاؤں سے۔"

"ویسے کیا خیال ہے۔ صوفی صاحب بوڑھے بابا نے کوئی کہانی ہی سنائی ہے ناں۔"

"لگتا نہیں ہے درویشیوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور پانوں کی ڈبیا اور چھالی وغیرہ کا بٹوہ نکال لیا۔

"کیا مطلب اب اس وقت پان کھائیں گے سوئیں گے نہیں۔"

"نہیں کھاؤں گا نہیں۔ احتیاط سے رکھ لیا ہے۔ ہوسکتا اس عمارت میں رہنے والا بھوت پان وغیرہ کا بھی شوقین ہو۔"

"بوڑھے نے کوئی کہانی وغیرہ تو نہیں سنائی۔"

"لگتا تو نہیں ہے۔ چلو آرام کرو۔" صوفی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ صوفی کی سانسیں بھاری ہوتی چلی گئی تھیں۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا جب بھی کبھی تنہا بیٹھ کر صوفی کے بارے میں سوچتا اس کے پورے بدن میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ کتنے ہی ایسے مواقع آئے تھے۔ جب صوفی نے اسے ذلیل کر کے رکھ دیا تھا۔ بہرحال اس بار بھی جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ صوفی اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔ یہ بات تو طے تھی کہ جس خطرناک عورت نے اسے اغوا کیا تھا وہ کرنل رحیم شاہ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ جمشید مرزا کو کچھ بھی پتا نہیں چل سکا تھا لیکن صوفی نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ کئی بار اس نے یہ بھی سوچا کہ صوفی کو کسی نہ کسی طرح محکمہ پولیس میں شامل کرلے۔ اس کے لیے وہ کافی بھاگ دوڑ کرسکتا تھا لیکن اس بات کے کیا امکانات تھے کہ صوفی اس وقت بھی اس سے تعاون ہی کرے ویسے بھی وہ سن چکا تھا کہ صوفی کئی بار پولیس

ڈیپارٹمنٹ میں رکھا اور نکالا گیا ہے۔

بہرحال پھر اس نے اس عمارت کے بارے میں چھان بین شروع کر دی۔ جو اس کے سامنے آ چکی تھی اور جہاں اس کی صحیح معنوں میں حجامت بن گئی تھی۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو اس کام پر لگایا تھا لیکن ماتحتوں سے ملنے والی رپورٹ زیادہ تسلی بخش نہیں تھی۔ نہ اس سے کوئی نتیجہ نکلتا تھا۔ عمارت ایک بڑے سرمایہ دار کی ملکیت تھی اور عام طور سے کرائے پر اٹھی رہتی تھی۔ اس سے پہلے تو یہ عمارت ایک جاپانی فرم کے پاس تھی۔ آج کل بقول اس کے ماتحتوں کے اس میں ایک بوڑھا آدمی رہ رہا تھا۔ بوڑھے کا جو حلیہ بیان کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ سرخ و سفید چہرہ، درمیانہ قد، لمبی سفید گھنی داڑھی، اچھی جسامت، اس کے علاوہ دروازے پر ایک مسلح سنتری بھی رہتا تھا جو دیو قامت تھا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا اس بارے میں۔ البتہ یہ ضرور پتا چلا تھا کہ یہ بوڑھا آدمی خاموش طبع اور اپنے آپ کو لیے دیئے رکھنے والا ہے۔

بہرحال جمشید مرزا اس عمارت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ چناں چہ اس نے دو آدمی سادہ لباس میں عمارت کی نگرانی پر تعینات کر دیئے تھے۔ البتہ ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو قابل تشویش ہو۔

بہرحال جمشید مرزا ہر طرح سے اس عمارت کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ صوفی وہاں کیا کچھ کر چکا ہے۔ پھر اس نے اس عمارت کے فون کو ٹیپ کرنے کی ہدایت کی اور اپنے اختیارات سے کام لے کر یہ کام بھی ہو گیا لیکن اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔ ایسی کوئی بات ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی جس کی بنا پر وہ کسی بڑی کارروائی کا آغاز کرتا۔

البتہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ صوفی کے بارے میں ان لوگوں کو اطلاع ہونے پر صوفی پر کیا گزری مگر اس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس کے پاس۔ صوفی من موجی آدمی تھا۔ اگر رحم دلی پر اتر آئے تو بہت کچھ کر دے ورنہ کوئی دھونس، دھڑلا اس پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اس کی بدتمیزی برداشت کرنی پڑے۔ بہت سوچتا رہا تھا وہ کوئی ایسی ٹھوس چیز ہاتھ میں بھی نہیں تھی جو اسے صوفی کو مجبور کرنے پر آمادہ کرے۔

بہرحال اس نے دل میں سوچا کہ جو گزری اس پر لعنت بھیجی جائے۔ کیا فائدہ بیٹھنے سے پتا تو کچھ چلنا نہیں ہے بس وقت ہی ضائع ہو گا چناں چہ اس نے بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن تجسس انسان کو کب سکون سے بیٹھنے دیتا ہے۔ پچھلی رات بھی ذہن پر سوار رہی تھی اور وہ یہ سوچتا رہا تھا کہ آخر اونٹ کسی نہ کسی کروٹ تو بیٹھا ہی ہو گا۔ لیکن اونٹ سے ملاقات کیے بغیر بھی یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ وہ کس کروٹ بیٹھا ہے۔

چناں چہ ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے عام قسم کے کپڑے پہنے اور اپنی گاڑی لے کر صوفی کے گھر کی جانب چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں موجود تھا۔ جانتا تھا کہ بیل دبانے کے بعد کس سے ملاقات ہو گی۔ اس کے لیے تیاریاں کر کے آیا تھا۔ حسینہ بیگم کی صورت ہی نظر آئی تھی۔ دروازہ کھول کر جمشید مرزا کو دیکھا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائیں۔ جمشید مرزا کچھ طے کر کے آیا تھا۔ اس بڑبڑاہٹ کے کچھ جملے اس کے کانوں تک پہنچ گئے تھے وہ لاحول پڑھ رہی تھی۔ لیکن جمشید مرزا نے اسے نظر انداز کر کے کہا۔

"کہیے حسینہ بیگم کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" حسینہ کو یہ جملہ بہت اچھا لگا۔ غور سے جمشید مرزا کو

دیکھا اور بولیں۔

"وہ اونٹ زادہ تو موجود نہیں ہے گھر پر۔"

"حسینہ بیگم سچ سچ بتلایئے آپ کی تعلیم کتنی ہے۔"

"ایں..... کیا یہ ہی پوچھنے آئے ہو بھیا..... کہ میں کتنی پڑھی لکھی ہوں۔"

"نہیں..... ابھی آپ نے ایک جملہ استعمال کیا۔ یہ تو بڑا ادبی جملہ تھا۔ اونٹ زادہ، کتنی اچھی بات کہی آپ نے۔ واقعی اس شخص کے لیے اس سے زیادہ اچھا جملہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" حسینہ خوش ہو گئی اور بولی۔

"اے ادب تو میں سب کا کرتی ہوں پر کیا کہوں جو جیسا ہوتا ہے اسے ویسا تو کہنا ہی پڑتا ہے ناں!"

"بالکل..... اصل میں مسئلہ یہ ہی ہے حسینہ بیگم کہ لوگ قدر نہیں کرتے انسان کی۔ آپ، یقین کریں۔ جب آپ کو دیکھتا ہوں تو میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ آپ کو وہ مقام نہیں ملا جو ملنا چاہیے۔" حسینہ نے ایک بار پھر غور سے جمشید مرزا کو دیکھا۔ جمشید مرزا کی باتیں اسے اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

"تو باہر کیوں کھڑے ہو۔ آؤ..... اندر آ جاؤ۔ آ کر بیٹھو دو منٹ۔"

"ذرا گاڑی لاک کر دوں۔"

"ہاں ہاں کر دو کر دو۔" جمشید مرزا نے کار کے دروازے لاک کیے اور حسینہ بیگم کے ساتھ اندر آ گیا۔ یہ تو پتا چل چکا تھا کہ صوفی اس وقت موجود نہیں ہے۔ حسینہ بیگم سے ہی تھوڑی بہت بات سہی۔

"اور وہ کہاں ہے؟ صوفی کالے پالک۔"

"ہائے..... ہائے..... ہائے بھیا..... آج تو جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسے چلے جا رہے۔ کیا اچھی باتیں کر رہے ہو۔ تم خود بھی تو وہ ہو..... وہ..... جو ابھی کہا ناں تم نے۔ ادبی..... ادبی۔ وہ سچ مچ صوفی کا لے پالک ہی ہے۔ کم بخت پڑا اینٹھ رہا ہو گا۔ دس بجے جاگے گا اور شور مچا دے گا کہ حسینہ بیگم ناشتا دو..... ناشتا دو۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ اسے کسی دن دھتورا کھلا دوں کہ لے پیٹ بھر لے تاکہ اس کے بعد کچھ کھانے کی گنجائش ہی نہ رہے۔"

"نہیں حسینہ بیگم ایسا مت کرنا۔ کبھی مت کرنا ایسا۔"

"ارے تو پھر صوفی کو بھی تو دیکھو۔ حرام خوروں کی فوج بنا رکھی ہے پوری۔ آتے ہیں، کھاتے ہیں، اینٹھتے ہیں۔"

"اور بھی کچھ لوگ ہیں۔" جمشید مرزا نے حسینہ بیگم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں آتے ہی رہتے ہیں۔ چلو چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ ناشتا بناؤں تمہارے لیے۔"

"ارے نہیں نہیں حسینہ بیگم۔ آپ بھی کیا کہیں گی کہ جو تکلیف سب دیتے ہیں وہ ہی میں بھی دے رہا ہوں آپ کو۔"

"نہیں..... نہیں ہم تو خیر نوکر ہیں ہمارا کام ہی یہ ہے۔"

"مگر میں تو آپ کو نوکر نہیں سمجھتا حسینہ بیگم۔ پتا نہیں کیوں دل چاہتا ہے کہ آپ کے لیے بہت

سے تحفے لے کر آؤں۔ لیکن صوفی صاحب سے ڈر لگتا ہے۔ کہیں برا نہ مان جائیں۔"

"وہ کیا میرا خصم ہے۔ جو برا مانے گا۔" حسینہ نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ کے لیے میں..... مگر چھوڑیے پہلے سے بتانا مناسب نہیں ہے۔ بیٹھ جائیے کوئی ناشتا واشتا نہیں کرنا مجھے ویسے صوفی صاحب کہاں گئے ہیں؟"

"کمبخت مارا مجھے کہیں بتا کر جاتا ہے۔ وہ تو کرنل رحیم شاہ نے میری جان کو مصیبت ڈال دی ورنہ۔"

"حسینہ بیگم کرنل رحیم شاہ کی بیٹی آنے والی تھی؟ آئی یا نہیں۔" حسینہ نے ایک دم جمشید مرزا کو دیکھا اور پھر نگاہیں چرا کر بولی۔

"نہیں بھیا وہ تو سنا ہے ملک سے باہر چلے گئے۔"

"میرا مطلب ہے کرنل رحیم شاہ کا کوئی پیغام آیا۔"

"ایسی باتیں پوچھ رہے ہو مجھ سے جن کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔" حسینہ نے کہا جمشید مرزا دیر تک حسینہ کو ٹٹولتا رہا تھا لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی اور وہ آخر کار حسینہ سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔ صوفی کے بارے میں پتا چلا تھا کہ پچھلے دو دن سے غائب ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہاں ہوگا؟ البتہ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اپنے آفس میں پہنچ گیا تھا اور یہاں ایک نئی کہانی اس کی منتظر تھی۔ اخبار سامنے رکھا ہوا تھا اور اخبار پر جو تصویر نظر آ رہی تھی۔ وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک تحریر بھی تھی۔ تصویر میں پانچ افراد نظر آ رہے تھے۔

سب سے آگے جو تصویر تھی وہ سو فیصدی اسی عورت کی تھی جو جمشید مرزا کو اغوا کر کے لے گئی تھی۔ جمشید مرزا آنکھیں پھاڑ کر اس تصویر پر جھک گیا۔ تصویر یقینی طور پر روزا میلسی کی تھی اور اس کے ساتھ اس کے چاروں آدمی بھی تھے۔ لکھا تھا۔

"پانچ غیر ملکی پاگل سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہوئے پکڑے گئے۔ پولیس نے انہیں روک کر ان سے ان کے بارے میں معلوم کیا مگر کوئی صحیح جواب نہ مل سکا۔ یہ بھی نہیں پتا چل سکا کہ وہ کون سے ملک سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں کب اور کس طرح پہنچے ہیں پانچوں کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ وہ ایک قطار بنائے مارچ کر رہے تھے۔ سب سے آگے عورت تھی۔ پیچھے چاروں آدمی لفٹ، رائٹ..... لفٹ، رائٹ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پولیس نے انہیں پکڑا اور ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے بتایا کہ ان کا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔ انہیں دماغی ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا ہے اور ملک ملک کے سفارتخانوں سے ان کے بارے میں تحقیقات ہو رہی ہیں کہ وہ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ ان کے پاس سے کوئی کاغذ تک نہیں دستیاب ہوا جس سے یہ پتا چلے کہ ان کا تعلق کون سے ملک سے ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ شدید قسم کے پاگل ہیں۔ جن کا علاج بھی آسانی سے ممکن نہیں ہو سکتا۔ جمشید مرزا پھٹی پھٹی نگاہوں سے روزا میلسی کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعتہً ہی اس کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت صوفی کو رگڑا جا سکتا تھا۔ بہت غور کرنے کے بعد اس نے اخبار کی کٹنگ ساتھ لی اور اس کے بعد ڈی آئی جی صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

ڈی آئی جی نے اسے خشک نگاہوں سے دیکھا۔ محکمے کے نکمے ترین لوگوں میں سے تھا اور اس کے بارے میں بس یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ سرکاری نکما ہے۔ ڈی آئی جی احمد جمال نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گیا۔

"جی فرمائیے..... کیسے آنا ہوا۔ ان کے لہجے میں طنز تھا۔"

"سر یہ تصویر دیکھیے۔" جمشید مرزا نے اخبار کی کٹنگ ان کے سامنے کر دی۔

"یہ تصویر..... ہاں دیکھ چکا ہوں۔ یہ اخبار میرے پاس بھی پڑا ہوا ہے۔"

"سر میں انہیں جانتا ہوں۔" جمشید مرزا نے کہا اور ڈی آئی جی چونک پڑا۔

"کک..... کک..... کیا مطلب؟"

"جی سر! ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا ہے۔"

"جلدی بتاؤ۔ یہ تصویر اس وقت محکمہ پولیس کے لیے ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔ کیوں کہ ان کا تعلق کسی باہر کے ملک سے ہے۔ ڈی آئی جی صاحب نے کسی قدر تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ جمشید مرزا پوری پلاننگ کر کے آیا تھا۔ اس نے کہا۔

"سر کچھ عرصہ قبل کی بات ہے۔ میں اپنے معمولات میں مصروف تھا کہ انتہائی جارحانہ انداز میں مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی گئی اور انہیں اس میں کامیابی حاصل ہو گئی۔

"اغوا۔"

"جی سر۔ مجھے بے ہوش کر کے ایک عمارت میں لے جایا گیا اور وہاں مجھے ایک کرسی پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بٹھا دیا گیا۔ پھر اس کے بعد جب میں ہوش میں آیا تو یہ عورت میرے سامنے تھی جو اس تصویر میں نظر آ رہی ہے۔ سر یہ ایک سفاک عورت تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے مجھے اغوا کیا گیا ہے اور یہ چاروں آدمی اس کے ساتھی تھے۔ انہوں نے مجھ پر تشدد کیا۔ جو سوال اس نے مجھ سے پوچھا۔ وہ عجیب و غریب سوال تھا۔ آپ کو کرنل رحیم شاہ کے بارے میں تو علم ہوگا۔

"کرنل رحیم شاہ..... ہاں کیوں نہیں۔ بڑی شخصیت تھی۔ لیکن پچھلے دنوں....."

"جی سر..... جی سر..... میں انہی کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ اس عورت نے مجھ سے پوچھا۔ کرنل رحیم شاہ کی بیٹی یہاں آئی ہے۔ اس کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کرو۔ پھر میرے فرشتوں کو بھی ایسی کوئی بات نہیں معلوم تھی۔ میں نے اسے بتایا تو وہ بولی کہ نہیں یہ بات اس کے علم میں ہے کہ کرنل رحیم شاہ کا تعلق کچھ نہ کچھ مجھ سے رہا ہے۔ سر اس کی معلومات کافی حد تک درست تھی سر آپ صوفی صاحب کو تو جانتے ہی ہوں گے۔"

"صوفی۔"

"جی..... محکمہ پولیس میں بھی رہ چکے ہیں اور کرنل رحیم شاہ۔"

"سمجھ گیا..... سمجھ گیا..... آگے کہو۔"

"صوفی صاحب کے ذریعے کرنل رحیم شاہ سے کچھ ملاقاتیں رہیں۔ انہوں نے کچھ ذمہ داریاں بھی سپرد کیں تھیں جس کی بنا پر اس کا خیال تھا کہ میں کرنل رحیم شاہ کے بارے میں جانتا ہوں۔ بہر حال میں

نے ہر طرح سے معذرتیں کیں اور اسے یقین دلایا کہ کرنل صاحب کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم نہ ہی میں ان کی بیٹی کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ البتہ میں نے صوفی کا حوالہ دے دیا تھا۔

سر! اس کے بعد میں نے شدید جدوجہد کی اور وہاں سے نکل آیا۔ باہر آ کر میں نے اس عمارت پر تحقیقات شروع کر دی اور مختصراً مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ عمارت کرائے پر حاصل کیگئی تھی اور اب وہ خالی پڑی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہیں ایک آدمی رہتا ہے جو پراسرار شخصیت کا مالک ہے۔ سر میں اپنے طور پر تحقیقات میں مصروف ہو گیا اور اپنے ماتحتوں کے ذریعے اس عورت کو تلاش کرنے لگا لیکن میں اسے نہیں پا سکا۔ البتہ اب یہ تصویر میں نے دیکھی ہے۔"

"وہ عورت صوفی تک پہنچ گئی؟" ڈی آئی جی صاحب نے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا سر! صوفی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ وہ آؤٹ آف سٹی ہے۔"

"تم نے اخبار کی خبر پڑھ لی۔"

"جی سر! بڑی حیرت ناک خبر ہے اور میں اپنے طور پر آپ کو ایک ٹپ دینا چاہتا ہوں۔"

"فرمائیے۔" ڈی آئی جی صاحب نے اس کے الفاظ کو ناخوش گوار محسوس کیا تھا۔

"سر صوفی بے پناہ پراسرار صلاحیتوں کا مالک ہے۔ شہر سے اس کی گمشدگی اور اس عورت کی دیوانگی دونوں کا آپس میں لنک ہے۔ پورے وثوق سے میں یہ بات کہہ سکتا ہوں۔"

سر! صوفی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ میرا اندازہ ہے سر! کہ یہ عورت صوفی تک پہنچی اور اس کے بعد کیا ہوا یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن اس کی دیوانگی میں سو فیصدی صوفی کا ہاتھ ہے۔"

"سو فیصدی؟" احمد جمال صاحب نے سوال کیا۔

"سر میں پورے وثوق سے کہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ ایسا کیجئے اپنی یہ رپورٹ تحریری طور پر مجھے لکھ کر بھجوا دیں اور اس میں خاص طور سے اس بات کا تذکرہ کیجئے کہ اس عورت کی دیوانگی میں آپ کو سو فیصدی صوفی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ جائیے یہ رپورٹ جا کر بھجوا دیجئے۔" ڈی آئی جی نے آخری لہجے میں کہا لیکن جمشید مرزا کے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس رپورٹ کا نتیجہ کیا ہوگا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

♥.....♥.....♥

سہیل عالم بارود والا۔ جس قدر خطرناک نوجوان تھا۔ اس کا تجزیہ صوفی کو کتنی ہی بار ہو چکا تھا۔ بہرحال وہ انتہائی باصلاحیت نوجوان تھا۔ صوفی سے اندھی عقیدت رکھتا تھا اور روزا میلسی سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں صوفی اب انہیں کے مطابق کام کر رہا تھا۔

رائنا کے لیے اس نے انتہائی معقول بندوبست کر لیا تھا اور فی الحال اسے گرین ہاؤس میں پہنچا دیا گیا تھا اور اس کے بعد صوفی نے اس پراسرار عمل کا آغاز کر دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت اس عمارت میں موجود تھے۔ سہیل چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور صوفی کے طرز زندگی پر عش عش کر رہا تھا۔ واقعی کمال کی بات تھی۔

انسان جس قدر اپنے آپ کو تعیشات کا عادی بنا لیتا ہے اس کی زندگی خود اسی پر مشکل ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس بانوں کی چارپائی پر سہیل جتنی تکلیف کی حالت میں لیٹا ہوا تھا صوفی اتنا ہی مزے سے گھٹنوں میں سر دیئے بے فکری کی گہری نیند سو رہا تھا۔ ایک تو جگہ کی تبدیلی اور دوسری تکلیف دہ چارپائی کی وجہ سے سہیل کو کوشش کے باوجود نیند نہیں آئی تھی۔ وہ ان معاملات پر غور کر رہا تھا۔ بس صوفی نے اچانک ہی اس سے کہا تھا کہ سہیل چلنا ہے۔ پھر ضروری انتظامات کے بعد وہ وہاں سے چل پڑے تھے۔ کافی فاصلہ طے کیا گیا تھا اور اس کے بعد وہ آزاد علاقے کی ایک پہاڑی ریاست کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ ریاست خصوصی پہاڑی روایتوں کی آئینہ دار تھی۔ جہاں قدم قدم پر خونریز ہنگامے جنم لیتے ہیں۔ جہاں پستول اور رائفل کا استعمال بچوں کا کھیل ہوتا ہے۔

بہرحال یہ ساری کارروائی صوفی نے تنہا ہی کی تھی اور اس کے بعد اس نے واپسی کے لیے فیصلہ کر لیا تھا۔ سہیل عالم کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ صوفی یہاں کیا کیا کرتا رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس راستے میں دن کی روشنی میں بھی سفر کرنا مشکل ہوتا ہے اور اب یہ کہ رات کی تاریکی میں لیکن..... ظاہر ہے وہ کسی قسم کی مفاہمت نہیں کر سکتا تھا اور اب اس کے نتیجے میں یہ رات اس ویران عمارت میں بسر ہو رہی تھی۔ سہیل نے ایک گہری سانس لے کر اس آبادی کے بارے میں سوچا۔ ان علاقوں میں خاص قسم کی روایتیں عمل کرتی ہیں۔ یہاں قدیم دشمنیاں بھی بڑی مشہور تھیں۔ اکثر قبیلوں میں آپس میں چلتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے راستے بند ہو جاتے تھے۔ لوگوں کو وارننگ دی جاتی تھی کہ وہ ان راستوں سے نہ گزریں جہاں قبیلوں کی جنگ ہو رہی ہے لیکن طویل عرصے سے اس علاقے میں کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ پتا نہیں رائنا نے صوفی کو کیا تفصیلات بتائی تھیں جس کی وجہ سے وہ سہیل کو لے کر یہاں تک چلا آیا تھا۔ سہیل اگر چاہتا تو انکار بھی کر سکتا تھا لیکن اس کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ صوفی کے ساتھ کارروائی کرے اس وقت ایک بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ سہیل کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند ضروری تھی۔ ورنہ دوسرے دن ڈرائیونگ بھی نہیں ہو سکے گی۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں غنودگی تیرنے لگی۔

لیکن اچانک اس کے حساس کانوں نے ایک ہلکی سی آواز سنی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے گردن گھمائی دروازے میں نظر آنے والے سائے نے چند لمحوں کے لیے آہٹ لی اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سہیل ایک دم سنبھل گیا تھا۔ بظاہر وہ سوتا بن گیا لیکن آنکھوں کی جھری سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں اندر آنے والا صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے بدن پر سر سے پاؤں تک ایک سیاہ لبادہ تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔ اس کے علاوہ جو چیز سہیل نے دیکھی وہ ایک چمک دار خنجر تھا جو سائے کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ سایہ اندر آ کر رکا پھر اس نے دونوں چارپائیوں کی طرف دیکھا اور اس کے بعد اس نے سہیل کی چارپائی کی طرف رخ کیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ سہیل کے سر پر پہنچ گیا۔ چند لمحوں کے لیے رکا اور پھر اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہو گیا اور سہیل کے اعصاب تن گئے۔

جوں ہی سایہ اس پر وار کرنے کے لیے جھکا سہیل تڑپ کر دوسری طرف ہو گیا۔ خنجر چارپائی میں دھنس گیا تھا۔ اس سے قبل کہ سایہ سنبھلتا سہیل نے سائے پر سواری گانٹھ لی اور اس کے خنجر والے ہاتھ کو پکڑنے

میں کامیاب ہو گیا لیکن سایہ بھی غضب کا پھرتیلا تھا۔ اس نے سہیل کو پشت پر لاد کر زمین پر دے مارا اور اس کے بعد اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن اس دوران نہ تو سایہ اور نہ سہیل ہی یہ دیکھ سکے تھے کہ صوفی نے بھی اپنی چارپائی چھوڑ دی ہے۔

جوں ہی سایہ دروازے پر پہنچا صوفی کی آواز سنائی دی۔

''درویش رحم کریں تم پر..... کہاں جا رہے ہو؟'' سایہ بری طرح اچھلا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی صوفی نے اس کے دونوں ہاتھوں پر گرفت قائم کر دی۔ سایہ ایک دم بل کھا گیا اور اس نے بڑی برق رفتاری سے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے حق سے ایک کراہ سی نکل گئی۔ غالباً صوفی نے کوئی عمل کیا تھا اور سایہ ٹیڑھا ہو کر اس کے پیروں میں آ رہا تھا۔ خنجر اب بھی اس کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا۔ نیچے گرتے ہوئے پھر پلٹا لیکن صوفی نے اپنا پاؤں اس کی کلائی پر رکھ دیا اور مدہم لہجے میں بولا۔

''اماں..... اس طرح کیا نزاکتوں سے بل کھا رہے ہو۔ درویشوں کی دعاؤں سے کوئی مردانہ قسم کا وار کرو۔'' سائے نے اب بھی ہار نہیں مانی تھی۔ وہ مارشل آرٹ کا پوری طرح واقف معلوم ہوتا تھا۔ چناں چہ ان نے دونوں ہاتھ دبے ہونے کے باوجود ایک داؤ لگایا اور اس کا پورا جسم اوپر اٹھ آیا۔ اس کی دونوں ٹانگوں نے صوفی کی گردن میں قینچی ڈال دی اور اسی وقت صوفی نے اس کی پسلیوں پر کوئی عمل کیا اور سایہ ایک بار پھر ایک کرب ناک چیخ کے ساتھ نیچے آ رہا۔ صوفی نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

''بس جان من اس سے زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ اگر خدانخواستہ ہمیں بھی غصہ آ گیا درویشوں کی دعاؤں سے تو پھر کوئی دعا بھی تم پر کام نہیں کر پائے گی۔'' سایہ نڈھال ہو گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ مدمقابل بڑی انوکھی قوتوں کا مالک ہے۔ صوفی نے اس کے ہاتھ سے خنجر نکالا اور اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''درویشوں کا کرم تم پر شامل ہے۔ اب بس بھی کرو۔'' سائے کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ صوفی نے اسے اٹھا کر کھڑا کیا۔ اب سایہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ صوفی نے سہیل کی طرف اشارہ کیا۔

''ان کی بندش ختم کر دو۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں کون صاحب ہیں اور ہم تک کیوں زحمت فرمائی ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔'' سہیل آگے بڑھ آیا۔ اس نے سیاہ پوش کے نقاب کو کھینچ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے دونوں کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل گئیں۔ لبادے کے نیچے سے جیسے چاند طلوع ہو گیا ہو۔ لمبے لمبے اخروٹی رنگ کے بال، روشن نیلی آنکھیں، دودھ کی طرح سفید حسین چہرہ۔

♥.....♥.....♥

جمشید مرزا تقدیر کو ہی کوس رہا تھا۔ اس کے علاوہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ سیدھا قدم اٹھاتا تھا الٹا پڑ جاتا تھا۔ آفس میں واپس آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو چھتیس گالیاں دی تھیں اور کہا تھا کہ کیا مصیبت پڑی تھی مگر پھر اسے ایک اور احساس بھی ہوا تھا وہ یہ کہ صوفی پیر پرست آدمی ہے۔ درحقیقت بہت سے معاملات میں اس کی شخصیت بہت ہی پراسرار ہو جاتی تھی۔ واقعی کہیں اس پر بزرگوں اور درویشوں کا سایہ نہ ہو اور اس کے خلاف اٹھنے والا ہر قدم، اس کے مخالف شخص کے خلاف ہو جاتا ہو۔ بہرحال ظاہر ہے احمد جمال صاحب نے یہ رپورٹ تیار کر کے تحریری طور پر دینے کا حکم دیا تھا۔ اب اس حکم کو ٹالنا اس کے بس کی بات نہیں

تھی۔ اس نے اپنی رپورٹ ڈرافٹ کرائی تھی اور اس کے بعد ٹائپسٹ کو دے دی تھی لیکن پھر یہ سوچتا رہا تھا کہ اب جو کچھ کر بیٹھا ہے اس میں صوفی کی جواب دہی کے لیے کیا الفاظ استعمال کرے گا۔ یہ تو صوفی سے کھلی کھلی دشمنی مول لینے والی بات تھی۔

ڈی آئی جی صاحب تو بس اپنی محکماتی کارروائی کرتے لیکن صوفی جمشید مرزا کی ایسی تیسی کر دیتا۔ ان دنوں صوفی ذرا مزاج میں بھی بگڑا ہوا تھا اور اس کے اندر بڑی سخت گیری پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا اندازہ جمشید مرزا کئی مرتبہ لگا چکا تھا۔

بہرحال وہ سر پکڑ کر بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اب اسے کرنا کیا چاہیے پھر اچانک ہی اس کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اپنی زندگی بلاوجہ اجیرن کر رکھی ہے میں نے۔ آخر میں خود بھی تو انسان ہوں۔ دماغ رکھتا ہوں۔ مجھے خود کوئی کارروائی کرنی چاہیے۔ یہ رپورٹ اپنی جگہ دے دی میں نے۔ وہ ایک الگ بات ہے۔ صوفی نے اگر میرے خلاف کوئی عمل کرنے کی کوشش کی تو اس سے جنگ کروں گا۔

بہرحال مجھے اس سلسلے میں خود بھی کام کرنا چاہیے تاکہ کوئی جواز پیدا ہو سکے اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ گھر آ کر لباس تبدیل کیا۔ وردی اتار دی اور پھر گاڑی لے کر چل پڑا۔ بیوی کو اس نے یہ ہی بتایا تھا کہ ایک سرکاری کام میں تفتیش کرنی ہے لیکن وردی میں نہیں۔ البتہ شناختی کارڈ اس نے اپنے لباس میں رکھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمارت میں پہنچ گیا جہاں روزا میلسی سے اس کی ملاقات ہوئی تھی اور جس کے بارے میں اس نے اپنے ماتحتوں سے معلومات حاصل کرائی تھیں۔ ہارن دینے پر دروازے پر طویل القامت چوکیدار نظر آیا۔ سرخ و سفید رنگ کے چوکیدار نے گہری نگاہوں سے جمشید مرزا کو دیکھا اور پھر گیٹ کھول دیا۔

جمشید مرزا بڑے اطمینان سے کار پورچ تک لے گیا۔ پھر انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔

چوکیدار بہ دستور گیٹ پر کھڑا ہوا تھا لیکن سامنے برآمدے میں ایک شخص اس انداز میں کھڑا تھا جیسے جمشید مرزا کا استقبال کرنے آیا ہو۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

''تشریف لائیے جناب..... آئیے آئیے۔'' اس کے انداز میں بڑی نرمی اور خوش اخلاقی تھی۔ جمشید مرزا اس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ پھر بولا۔

''ادھر تشریف لائیے انٹرویو روم اس طرف ہے۔'' اس نے کہا اور جمشید مرزا اسے گھورتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر وہ انتہائی خوب صورت ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ اس شخص نے کہا۔

''آپ یہاں تشریف رکھیں پاشا آنے ہی والے ہوں گے۔'' اس شخص نے کہا اور باہر نکل گیا۔

جمشید مرزا ایک لمحے تک تو چکرا گیا تھا لیکن پھر وہ ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر ان نام نہاد پاشا صاحب کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ جو کچھ بھی چکر ہے وہ بڑے اونچے پیمانے کا ہے۔

وہ تو یہاں کسی اور مقصد کے تحت ہی آیا تھا لیکن یہ پاشا صاحب پھر جو شخص اندر داخل ہوا وہ واقعی ایک اچھی پرسنلٹی کا مالک تھا۔ دبلی پتلی جسامت لمبا قد آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ جمشید مرزا کو دیکھ کر اس نے خوش اخلاقی سے گردن ہلائی اور بولا۔

''مجھے پاشا کہتے ہیں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی سر! ویسے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس عمارت میں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوگا۔ میں اپنے کچھ نظریات رکھتا ہوں۔ تھوڑی سی دولت کمائی ہے۔ میرے پاس اسے خرچ کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا کچھ رفاہ عامہ کا ہی کام کیا جائے اور بس سمجھ لیجئے میں اسی میں مصروف ہوں۔ آپ کو میں پوری طرح یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا یہ گھر جیسا میں نے آپ سے لیا ہے ویسا ہی واپس ملے گا۔ کرایہ بھی وقت پر پہنچتا رہے گا۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو مجھے بتایئے۔'' جمشید مرزا کے سر میں گھنٹی ہونے لگی تھی۔ یہ شخص جو بکواس کر رہا ہے وہ سمجھ میں آ رہی تھی۔ غالباً اس نے یہ گھر کرائے پر لیا تھا اور وہ جمشید مرزا کو شاید مکان مالک سمجھ رہا تھا۔ جمشید مرزا نے کہا۔

''آپ کا پورا نام کیا ہے پاشا صاحب!''

''فاضل حسین پاشا۔''

''پاشا صاحب آپ مجھے جو سمجھ رہے ہیں وہ میں نہیں ہوں۔ غالباً آپ مجھے مکان مالک سمجھ رہے ہیں۔''

''تو پھر؟'' پاشا کا منہ حیرت سے کھل گیا اور جمشید مرزا نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر پاشا کو دیا۔ پاشا نے اسے دیکھا اور شدید حیران ہو گیا۔

''سس..... سس..... سوری..... سوری سر۔ اصل میں یہ مکان میں نے کرائے پر لیا ہے۔ آج دوسرا ہی دن ہے۔ پراپرٹی ڈیلروں نے مجھ سے کہا تھا کہ مکان مالک آج میرے گھر آ کر مجھ سے ملاقات کر لیں گے۔ باقی سارے کام تو طے ہو گئے ہیں۔ ادائیگیاں وغیرہ بھی طے ہو گئی ہیں۔ بس ایک دوسرے سے ملاقات کر لی جائے گی۔ میں مکان مالک کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ آپ کو میں نے یہی سمجھا۔''

''کوئی بات نہیں ہے پاشا صاحب اصل میں چند روز پہلے یہاں ایک غیر ملکی عورت اور اس کے چار ساتھی مقیم تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو اغوا کیا اور یہاں لا کر اس پر تشدد کیا۔ ہمارے پاس اس کی رپورٹ موجود تھی۔ چناں چہ ہم تحقیقات کر رہے تھے۔ اس مکان کو جان بوجھ کر سیل نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ ہم ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ پھر حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہی عورت اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ سڑکوں پر پاگلوں کی طرح پھرتی پائی گئی ہے اور یہ واردات کچھ اس طرح الجھ گئی ہے کہ اس کے سلسلے میں تحقیقات کرنا ضروری ہے۔'' پاشا کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''اس حرام زادے پراپرٹی ڈیلر نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔ ورنہ میں بھول کر بھی یہ مکان نہ لیتا آفیسر..... کسی بھی طرح کے کسی بھی واقعہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ جس طرح چاہیں تحقیقات کر لیں بلکہ اب تو میں آپ سے مدد بھی مانگنا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے یہ مکان کرائے پر رکھنا چاہیے یا میں اسے چھوڑ دوں۔''

''نہیں..... مکان پولیس کی کسٹڈی میں نہیں ہے۔ آپ یہاں آرام سے رہیں لیکن خیال رکھیے گا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی ہے تو میرا آپ سے رابطہ رہے گا۔''

''بہت بہتر۔'' جمشید مرزا اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ شخص جلدی سے بولا۔

''نہیں آفیسر کچھ ڈرنک وغیرہ؟''

''ڈیوٹی پر ہوں۔ اوکے، ضرورت پڑی تو دوبارہ آپ سے ملاقات کروں گا۔ جمشید مرزا وہاں سے نکل آیا۔ بے مقصد رہا تھا۔ یہاں تک آنا اور کوئی صحیح بات نہیں ہو سکی تھی۔

♥.....♥.....♥

ایک لمحے کے لیے تو صوفی بھی دنگ رہ گیا تھا۔ لڑکی سے اسے اس خوف ناک جدوجہد کی توقع نہیں تھی۔ جو کچھ لڑکی نے کیا تھا وہ کسی لڑکی کا کام نہیں تھا۔ بہرحال لڑکی نے ان کی اس حیرت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور دوسرے ہی لمحے وہ برق کی طرح کونڈی اور دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ سہیل تک بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن صوفی صنف نازک کی نزاکت اور اس کی حفاظت کا قائل نہیں تھا۔

چناں چہ لڑکی کے ساتھ ہی اس نے بھی دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ لڑکی دروازے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اب ایک راہداری میں دوڑ رہی تھی۔ اس کی پھرتی کو دیکھ کر خدشہ تھا کہ وہ کمنڈر کے کسی حصے میں روپوش نہ ہو جائے لیکن بات صوفی کی تھی اور جو کچھ ہوا وہ بھی صوفی ہی کر سکتا تھا۔ لڑکی کے ریشمی بال اس کے ہاتھ میں آ گئے تھے لیکن اس کے حلق سے غراہٹ نکلی اور وہ ایک پاؤں پر گھومی اور اس کی لات صوفی کے سینے کی طرف چلی۔

لیکن اسی وقت صوفی نے غیر متوقع طور پر اس کے بال چھوڑ دیئے اور دوسرے ہی لمحے لڑکی کی ٹانگ صوفی کے ہاتھ میں تھی۔ لڑکی ایک ٹانگ پر اچھل رہی تھی۔ شاید اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ مدمقابل نابینا ہے اور اس کی بینائی لڑکی کے خوب صورت نقوش سے متاثر نہیں ہو رہی۔ چناں چہ کوئی داؤ کارگر نہیں ہو رہا تھا اور وہ صرف اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

پھر اس کے منہ سے گالیاں ابل پڑیں۔

''غلیظ کتے دیکھتی ہوں تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔'' وہ بپھر کر بولی۔

''در..... در..... درویش تم پر بھی رحم کریں اور مجھ پر بھی..... مم..... مگر عزیزہ گرامی۔ آپ خود اس طرح کی حرکتیں فرما رہی ہیں۔ انسان بنیے انسانوں کی طرح گفتگو کیجئے آیئے اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''بکو..... مت۔ میں کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''پپ..... پپ..... پھر۔''

''پھر..... تشریف لے جایئے۔ درویشیوں کی دعاؤں سے۔''

''کیا مطلب؟''

''بھاگ جایئے..... بھاگ جایئے۔'' صوفی نے غڈھال لہجے میں کہا۔

''نہیں بھاگوں گی۔'' لڑکی غصیلے لہجے میں بولی۔

''پپ..... پھر آپ کو مونگ دلنا آتی ہے۔'' درویشیوں کے کرم سے۔''

''بکواس مت کرو۔'' وہ بولی اور پھر چونک کر سہیل کی طرف دیکھنے لگی جو قریب پہنچ گیا تھا۔ صوفی نے کہا۔

''سہیل میاں..... خاتون ہماری بھاگ دوڑ سے ناراض ہو رہی ہیں۔ آپ ذرا انہیں سمجھانے کی کوشش کیجئے کہ ہم تو صرف ان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ اندر آ جائیے۔'' سہیل نے کہا۔

''بکواس مت کرو۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

''تو پھر اس غریب بوڑھے کی دال روٹی کا تو انتظام کر دیجئے گا۔''

''لعنت ہے اس پر۔''

''یہ بری بات ہے۔ وہ آپ کے لیے روٹیاں اور دال زیادہ مقدار میں پکا کر چھوڑ دیتا ہے۔ آپ اس پر لعنت بھیج رہی ہیں۔'' لڑکی کے چہرے پر الجھن کے نقوش نمودار ہو گئے اور وہ انہیں گھورنے لگی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی۔

''محترمہ کم از کم یہ تو بتا دیجئے کہ آپ نے ہم غریبوں کی زندگی لینے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''آہ..... کاش میں تمہیں قتل کر سکتی۔''

''ہر بشر کو ہے یہ لازم، صبر کرنا چاہیے۔''

''جب کھڑی ہو جائے گاڑی۔ تب اترنا چاہیے۔ مم..... مم..... میرا مطلب ہے دوسرا شعر اضافی ہو گیا فارسہ میں۔ معشوق نشیلے ہوتے تو اسی شعر کو فارسہ میں تبدیل کر دیتے۔''

ویسے ایک بار کی ناکامی سے بددل نہیں ہوا کرتے۔ دوبارہ کوشش فرمائیے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کو کامیابی حاصل ہو جائے۔''

''مجھے جانے دو۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آپ ہم سے چند باتیں فرما دیجئے گا۔ اس کے بعد ہماری کیا اوقات کہ ہم آپ کو روکیں۔ حق اللہ۔ آخر تم ہو کون؟''

''اب تو آپ سے پوچھنا پڑے گا۔ چوں کہ آپ نے ہمیں قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ظاہر ہے ہمارے بارے میں آپ ہم سے بہتر جانتی ہوں گی۔''

''مجھے معاف کر دو میں تمہیں غلط سمجھ بیٹھی تھی۔''

''اور اگر تمہارا خنجر کارگر کامیاب ہو جاتا تو پھر کس سے معافی مانگتیں۔'' سہیل نے کہا۔

''میں شرمندہ ہوں۔''

''صرف شرمندہ۔ اب آپ یہ فرما دیجئے کہ آپ ہمیں ہلاک کیوں کرنا چاہتی تھیں۔''

''قسم کھاتی ہوں غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

''آپ کتنے دن سے یہاں پوشیدہ ہیں خاتون۔'' صوفی نے پوچھا۔

''بس چند روز سے۔''

''بوڑھے چوکیدار کا پکایا ہوا کھانا آپ ہی کھا لیتی ہوں گی ظاہر ہے۔''

''ہاں.....''

''کن لوگوں کے دھوکے میں ہم پر حملہ کیا تھا۔''

''یہ نہیں بتا سکوں گی۔''

''کچھ مدد کر سکتے ہیں ہم آپ کی؟''

''بہت شکریہ۔ بس یہی کرم ہو گا تمہارا اگر کسی سے میرا تذکرہ نہ کرو۔'' لڑکی نے کہا اور پھر بولی۔

''جاؤں؟''

''تشریف لے جائیے۔'' صوفی نے کہا اور لڑکی نے تیزی سے سامنے کی سمت چھلانگ لگا دی۔ سہیل ایک دم اس کے پیچھے لپکنے کے لیے تیار ہوا لیکن صوفی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''ٹھیک ہے جانے دو۔ اسے یقیناً غلط فہمی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے ہمیں آرام کرنا چاہیے۔'' صوفی نے کہا اور سہیل کا بازو پکڑ کر واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔ پھر وہ اطمینان سے جا کر پلنگ پر لیٹ گیا تھا اور سہیل پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ جہاں صوفی ایک کارآمد شخصیت اور اعلیٰ ترین ذہانت کا مالک ہے وہیں کبھی کبھی اس قدر تکلیف دہ ہو جاتا ہے کہ اسے برداشت کرنا ہی مشکل ہو جائے۔ دوسری صبح دونوں کافی دیر سے بیدار ہوئے تھے۔ بوڑھا چوکیدار دروازے کے باہر انتظار کر رہا تھا۔ وہ جاگے تو چوکیدار اندر آ گیا۔

''چائے بنا لی ہے سرکار۔ دودھ نہیں ملا۔ آپ بغیر دودھ کی چائے پی لیں گے۔''

''حق اللہ کیا بات ہے۔ بغیر دودھ کی چائے کی۔'' صوفی نے کہا اور بوڑھا خوش ہو گیا۔ کنویں کے تازہ پانی سے ان دونوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ پھر چائے کے ساتھ روٹی کھائی۔ ناشتے کے بعد صوفی نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ تمہارا بابا۔ اجازت دو۔''

''سرکار آپ نے ہماری عزت کی ہے۔ خدا آپ کو عزت دے گا۔'' صوفی نے کچھ نوٹ جیب سے نکال کر بوڑھے کی جیب میں ٹھونس دیئے اور اس کے بعد وہ لوگ کار کی طرف چل پڑے۔ سہیل نے کار کی ٹنکی چیک کی اس میں کچھ اور پٹرول ڈالا اور پھر اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ کافی فاصلہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔ پھر سہیل ہی نے کہا۔

''بہت سی باتیں ذہن میں پھڑک رہی ہیں۔ صوفی صاحب پتا نہیں جواب ملے گا یا نہیں۔''

''ضرور ملے گا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کے خیال میں لڑکی اس عمارت میں کیا کر رہی تھی؟''

''اس نے تمہارے سامنے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ پھر مجھے کہاں سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔''

''ویسے بڑی پھرتیلی لڑکی تھی۔ پتا نہیں یہاں سے فرار ہو کر کہاں پہنچی ہو گی۔''

''ہاں..... اب وہ اس عمارت میں نہیں ہے درویشوں کے کرم سے۔''

''ظاہر ہے اب اس کا یہاں رکنا ممکن بھی نہیں تھا مگر پتا نہیں کہاں فرار ہو گئی۔''

''اماں جائے گی کہاں درویشوں کی دعاؤں سے ہمارے ساتھ ہے۔ پیچھے ڈکی میں چھپی ہوئی بیٹھی ہے۔ اصل میں اسے بھی وہیں جانا ہے جہاں ہم جا رہے ہیں لیکن کوئی موقع نہیں مل سکا ہو گا۔ بھلا اس

سے اچھا ذریعہ سفر اور کیا ہو سکتا ہے۔ مفت سواری درویشوں کے کرم سے۔"

"کک..... کک..... کیا مطلب۔ ڈکی میں۔ ہماری گاڑی کی ڈکی میں۔"

"ہاں..... ہاں..... اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"آپ کمال کرتے ہیں صوفی صاحب۔ کیا واقعی ایسا ہے۔"

"چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔"

"نہیں میرا مطلب ہے اس نے آپ کو یہ بات بتا دی تھی۔"

"یار سہیل عالم بار دو والا کبھی کبھی بے وقوفیوں کی باتیں کرنے لگتے ہو۔ اگر ہم سے اجازت لیتی تو ڈکی میں کیوں سفر کرتی۔ ہمارے ساتھ بیٹھی ہوتی۔"

"تو پھر آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"کمال ہے۔ اتنی اتنی سی باتیں پتا چلانے کے لیے کیا کوئی بہت بڑا کام کرنا پڑتا۔"

"آپ زیادہ آگے کی باتیں جانتے ہیں۔"

"ہاں..... بس یوں سمجھ لو کہ یہاں جس معاملے کے لیے آئے تھے۔ لڑکی کا تعلق بھی اسی معاملے سے ہے۔"

"تت..... تت..... تو پھر آپ نے اسے اس طرح کیوں نکل جانے دیا۔"

"تو پھر کیا کرتے۔ کسی لڑکی کو اپنی تحویل میں رکھنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔"

"مطلب یہ کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"ضرورت پوری ہو تو گئی۔" صوفی نے جواب دیا۔

"یعنی۔"

"بھئی وہ اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ سفر کر رہی ہے۔"

"میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" سہیل نے کہا۔

"دیکھ لو۔ بے چاری پتا نہیں کب سے بھوکی ہو گی۔ اسے بھی کچھ کھانے کو دو۔ سفر ابھی کافی ہے۔ یقیناً اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ حق اللہ۔" صوفی نے کہا اور سہیل نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی روک دی۔ پھر اس نے کھانے پینے کا سامان اٹھایا اور نیچے اتر گیا۔ ڈکی پر نظر پڑتے ہی اسے یوں لگا جیسے کوئی اسے اندر سے پکڑے ہوئے ہے۔ سہیل نے ایک جھٹکے سے ڈکی کو اٹھایا۔ لڑکی واقعی اندر موجود تھی۔ دن کی روشنی میں وہ رات سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ سہیل نے اسے دیکھ کر ایک گہری سانس لی اور کہا۔

"میں صرف یہ کھانے پینے کا سامان لے کر آیا ہوں محترمہ اسے کھا لیجیے ورنہ بھوک سے مر جائیں گیں۔ کافی نہیں مل سکے گی کیوں کہ وہ ختم ہو چکی ہے۔ اس نے کھانے کا سامان لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور لڑکی کا چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا۔ صوفی بھی نیچے آ گیا تھا۔ لڑکی چند لمحات خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر بولی۔

"تت..... تت..... تو آپ کو میرے بارے میں معلوم تھا۔"

"دیکھو بی بی یہ چیزیں کھا لو۔ انسانیت کے رشتے سے یہ ضروری ہیں اس کے بعد شہر میں تم جہاں جانا چاہو گی تمہیں حفاظت سے پہنچا دیا جائے گا۔ لڑکی نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد اس نے کھانے پینے کا سامان ان کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے کھانے لگی۔ کھانے سے نمٹی تو صوفی نے پوچھا۔

"چلیں؟"

"ہیں..... ہاں..... ہاں۔ لیکن میں یہاں ڈکی میں ہی ٹھیک ہوں۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔ کچھ لوگ ڈکی ہی میں ٹھیک رہتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔ صوفی نے کہا اور اس کے بعد وہ کار میں جا بیٹھے۔" سہیل نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ تھوڑا سا سفر کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"مرشد! آپ نے صحیح معنوں میں مجھے مرغا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"نہیں صحیح معنوں میں تو مرغے نہیں بنے۔ ورنہ تمہارے منہ سے اذان کی آوازیں نکلنی چاہیے تھیں۔"

"آپ یقین کریں میں شدید حیران ہوں۔ کتنے اعتماد سے آپ نے یہ بتا دیا کہ وہ ڈکی میں موجود ہے۔ ویسے بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ کسی سے خطرہ محسوس کر رہی ہو۔"

"ہاں..... ایسا ہی لگ رہا ہے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے انہی لوگوں کے دھوکے میں ہم پر حملہ کیا ہو۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔"

"پھر یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ ہم اجنبی ہیں۔ اس نے ہماری گاڑی ہی میں چھپ کر سفر کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔"

"درست کہا تم نے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"مگر وہ ہے کون اور اس کی کس سے دشمنی ہے؟"

"وہ کون ہے؟ اس بارے میں تو ابھی کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا لیکن اس کے دشمن ہم سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ وہ دیکھو سامنے۔" صوفی نے کہا اور سہیل ایک بار پھر چونک پڑا سامنے ہی ایک سیاہ رنگ کا ٹرک سڑک پر اس انداز میں کھڑا ہوا تھا کہ ان کی گاڑی آگے نہیں نکل سکتی تھی۔ سہیل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کار کی رفتار سست کر دی۔ سیاہ رنگ کے ٹرک پر سفید الفاظ میں پولیس لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے نزدیک جو لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک لمبی چوڑی جسامت کا آدمی انسپکٹر کی وردی میں نظر آ رہا تھا اور باقی چند افراد کانسٹیبل کی وردی میں انسپکٹر نے گاڑی کو ہاتھ دیا اور سہیل نے گاڑی روک دی۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ انسپکٹر آگے بڑھ آیا۔ اس نے کار کی کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھے اور جھک کر دونوں کو دیکھنے لگا۔

ساتھ ہی اس کی نگاہیں پچھلی سیٹ کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ پھر اس کا کرخت لہجہ ابھرا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"پچھلی آبادی سے۔"

''کہاں گئے تھے......کہاں رہتے ہو؟''

''دارالحکومت میں۔''

''وہاں کیوں گئے تھے؟''

''خالو کے انتقال میں۔ خالہ بیوہ ہوگئی ہیں۔ درویشیوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کے چہرے پر شدید غم کے آثار ابھر آئے تھے۔

''یہ کون ہے؟ اس بار اشارہ سہیل عالم بارود والا کی طرف تھا۔''

مم......مم ممانی زاد بھائی ہے۔''

''نیچے اترو۔'' انسپکٹر نے حکم دیا اور صوفی جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ ان دونوں کو ایک طرف کھڑا کر کے انسپکٹر انہیں گھورنے لگا۔ صوفی بہ دستور غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ سہیل عالم نے بھی ایسی ہی شکل بنا رکھی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہا۔

''ایک لڑکی جس کا رنگ گورا ہے۔ بال سنہری ہیں آنکھیں نیلی ہیں اسے دیکھا ہے تم نے۔'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''ہاں......ہاں......دیکھا ہے۔''

''کب......کتنی دیر ہوئی۔'' انسپکٹر بری طرح چونک پڑا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے ہماری کار کو رکنے کا اشارہ کیا۔ ہم رکے تو کہنے لگی شہر تک چھوڑ دو۔ مگر جناب ہم ایسے بہت سے قصے سن چکے ہیں درویشیوں کے کرم سے کہ لڑکیاں اس طرح لفٹ مانگتی ہیں اور پھر جان کا عذاب بن جاتی ہیں ہم نے گاڑی بھگا دی۔''

''کہاں دیکھا تھا؟'' انسپکٹر مضطرب لہجے میں بولا۔

''تقریباً تین میل پیچھے۔''

''جھوٹ تو نہیں بول رہے۔''

''پپ......پولیس سے کون جھوٹ بول سکتا ہے جناب۔'' صوفی خوف زدہ لہجے میں بولا۔

''ڈکی میں کیا ہے؟'' اچانک انسپکٹر نے پوچھا اور سہیل عالم کے جبڑے ایک دوسرے پر بھینچ ئے۔ اس کا مطلب ہے بات ٹلی نہیں۔

''خخ......خخ خالی ہے۔'' صوفی بولا۔

''دیکھو......'' انسپکٹر نے اپنے آدمیوں سے کہا اور چار آدمی ڈکی کی طرف بڑھ گئے۔ سہیل نے ایک ظر صوفی کی طرف دیکھا پھر اس کا اشارہ پا کر ڈکی کی طرف پہنچ گیا۔ ڈکی کھلی اور یہ دیکھ کر سہیل دنگ رہ گیا کہ ی خالی تھی۔ لڑکی، کب، کیسے اور کہاں نکل گئی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ انسپکٹر نے گردن ہلا کر پوچھا۔

''کتنی پیچھے ملی تھی وہ؟''

''تقریباً تین میل پیچھے۔''

''پیدل آ رہی تھی۔''

''جی حضور۔ درویشیوں کے کرم سے۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ جا سکتے ہو۔'' انسپکٹر بولا اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ ٹرک کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد ٹرک تیزی سے اس سمت روانہ ہو گیا جدھر سے یہ لوگ آ رہے تھے۔ پھر سہیل ناچ سا گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''کک......کک کہاں گئی؟'' صوفی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے ٹرک کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو صوفی زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور بولا۔

''وڈ......وڈ درویش رحم کریں۔ باہر آ جائیے۔ گاڑی سے تیل ٹپکتا ہے۔ سر میں تیل پڑ جائے گا۔ آ جائیے۔'' سہیل ایک بار پھر چونک پڑا تھا۔ پہلے لڑکی کے دونوں پاؤں باہر نکلے۔ پھر آدھا جسم اور پھر وہ کار کے نیچے سے نکل آئی۔ واقعی اس کے سفید چہرے پر تیل کے چند دھبے پڑ گئے تھے۔ سہیل آنکھیں پھاڑے اس چالاک لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ صوفی نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''چہرہ صاف کر لیجئے؟'' وہ اطمینان سے رومال لے کر چہرے سے دھبے صاف کرنے لگی۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''اس تعاون کا شکریہ ادا کرنا بیکار ہے ہاں اگر کبھی اس کا صلہ دے سکی تو ضرور دوں گی۔ میں شہر جانا چاہتی ہوں کئی دن سے کوششیں کر رہی ہوں۔ ناکام رہی میرا خیال تھا کہ اب وہ لوگ مایوس ہو چکے ہوں گے لیکن......'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''تشریف لائیے۔'' صوفی نے کہا۔ اس بار وہ ڈکی کی طرف نہیں بڑھی تھی۔ اس نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ سہیل نے حسب معمول سٹیرنگ سنبھال لیا اور صوفی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

کار چل پڑی تھی۔

''رفتار تیز کرو۔'' صوفی نے کہا اور سہیل نے کار کی رفتار خاصی تیز کر دی۔ اس نے کئی بار عقب نما آئینے میں اس کی شکل دیکھی۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے اس طرح سیٹ کی پشت سے ٹکی ہوئی تھی جیسے تھک کر سو گئی ہو۔ صوفی بھی خاموش تھا۔ خاصا فاصلہ خاموشی سے گزر گیا۔ پھر اچانک اس کی آواز ابھری۔

''تم نے پوچھا نہیں کہ وہ مجھے کیوں تلاش کر رہے تھے۔''

''پہلے بہت کچھ پوچھ چکے ہیں۔ آپ نے کوئی جواب دیا ویسے یقیناً آپ نے کوئی جرم کیا ہوگا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کر بولی۔

''ظاہر ہے وہ پولیس والے تھے۔ پولیس والوں کو جرم کرنے والوں کی ہی تلاش ہوتی ہے۔''

''میں تمہیں صورت سے مجرم نظر آتی ہوں۔'' وہ نتھنے پھلا کر بولی۔

''صورت پر نہ جائیے۔ اب آپ مجھے بتائیے۔ کیا میں آپ کو......مگر چھوڑیئے۔''

''دیکھو......میری ایک کمزوری ہے۔ بدتمیزی کا بہت جلد برا مان جاتی ہوں اگر تم میرے محسن نہ ہوتے تو میں تمہیں بتاتی۔''

''تو پھر آپ یہ فرما دیجئے کہ انہیں آپ کی تلاش کیوں تھی؟''

''وہ پولیس والے نہیں تھے۔ سمجھے؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''لیکن وہ سب کے سب پولیس کی وردی میں تھے۔ پولیس کی گاڑی میں تھے۔''

''فراڈ..... بالکل فراڈ۔ میری تلاش بڑے پیمانے پر کی جا رہی تھی۔''

''اوہو..... میں سمجھ گیا۔'' اس بار سہیل عالم نے کہا اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا سمجھ گئے؟''

''یقیناً تمہارے سسرال والے ہوں گے۔'' سہیل بولا۔

''ہوں..... مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ بھدا اور بھونڈا۔'' اس کے بعد وہ پچھلی سیٹ سے ٹک گئی اور پھر شہر آنے تک کچھ نہیں بولی۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ کئی سڑکوں پر مڑے ایک جگہ صوفی نے سہیل کے شانے پر دباؤ ڈالا اور اس نے کار کی رفتار سست کر دی۔

''کیا خیال ہے محترمہ اب جان چھوڑیں گی یا نہیں۔'' وہ بولا اور لڑکی نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ چند ساعت وہ ان دونوں کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

''شادی ہو گئی ہے تمہاری۔''

''خاندان میں اس کا رواج نہیں ہے درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تمہاری شادی نہیں ہوئی۔''

''آئندہ بھی کبھی نہیں ہوگی۔ اس خاندان سے شادی کا رواج ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا ہے۔''

''تم مجھے اپنے گھر لے چلو۔ میں تمہیں تھوڑی سی تکلیف اور دوں گی ممکن ہے صرف چند گھنٹے یا ایک آدھ دن بڑی مہربانی ہوگی تمہاری۔''

''شش..... شش..... شادی نہیں کروں گا۔ ب..... ب..... ب خدا خاندانی روایت کبھی نہیں توڑوں گا۔ درویشوں کے کرم سے صوفی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیکھو میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ مجھ سے بدتمیزی برداشت نہیں ہوگی۔ میں تم سے شادی کروں گی؟''

''ان سے بھی نہیں کرو گی؟'' صوفی نے سہیل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میں تو شادی شدہ ہوں پانچ بچوں کا باپ ہوں۔ صوفی صاحب آپ جانتے ہی ہیں۔ میرے س گنجائش کہاں ہے۔''

''ارے تم لوگوں کا دماغ کیوں خراب ہو رہا ہے۔ میں شادی کرنے نہیں جا رہی۔ یہ سوال میں نے صرف اس لیے کیا تھا کہ اگر گھر میں خواتین ہوتی ہیں تو جان مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟ میں اس سے بچنا چاہتی تھی۔''

''ہمارے ہاں ایسی خواتین کا مجموعہ ہے اور اس مجموعے کا نام ہے حسینہ بیگم۔'' لڑکی نے حسینہ کے ے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خاص خیال مین ڈوب گئی ہو۔ ویسے لڑکی کا کہنا بالکل درست تھا۔ حسینہ کرنل رحیم شاہ کی بھیجی ہوئی تھی اور پھر صوفی کی طبیعت میں ن یہ بات نہیں تھی کہ وہ کسی انسان کی تذلیل کرے۔ وہ معشوق نشیلے کو بھی پورا عزت و احترام دیتا تھا جو

زبردستی اس کے گھر آ پڑا تھا۔ بہرحال اس وقت حسینہ ہی نے دروازہ کھولا تھا اور جب اس نے ان دونوں کے ساتھ لڑکی کو دیکھا تو اس کی آنکھیں معنی خیز انداز میں گھوم گئیں۔

''وہی ہوا جس سے ڈرتی تھی۔'' اس نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر کہا۔ لیکن صوفی یا کسی اور نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ لڑکی بہ غور اس عمارت کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''بڑی خوب صورت جگہ ہے۔ تم میں سے کس کا ہے یہ گھر۔''

''ارے بھیا گھر والی آ گئی اللہ کے کرم سے۔ بی بی تم نے دونوں میں سے کس کو چنا ہے۔'' لڑکی نے حقارت سے حسینہ کو دیکھا اور بولی۔

''یہ نوکرانی ہے۔''

''ب..... ب..... ب..... صوفی کوئی جملہ پورا نہیں کر سکا۔ حسینہ نے کہا۔

''میں جو کچھ بھی ہوں بی بی ہر ایک کو اوقات میں رکھنا جانتی ہوں۔''

''تم آؤ.....'' صوفی نے کہا اور لڑکی کو ساتھ کے کر آگے بڑھ دیا۔ حسینہ نے ہاتھ سیدھا کر کے سہیل کو روک لیا اور سہیل رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''تم کہاں چلے پیچھے پیچھے..... آئے..... ایک بات کہوں۔ وہ جو ہے اسے کوئی گھاس نہیں ڈالنے کی۔ میں تو بس تمہاری طرف سے فکرمند رہتی ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں ناں کہ بروں کا ساتھ برا۔''

''آپ صوفی صاحب کے بارے میں کہہ رہی ہیں حسینہ صاحبہ۔''

''اللہ تمہیں خوش رکھے۔ بولتے ہو تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اللہ نے شکل ہی ایسی ہی پیاری بنائی ہے۔ تو بات وہی ہوتی ہے ناں کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔''

''جا سکتا ہوں اندر؟''

''کیوں..... میرے پاس کھڑے ہو کر کیا جان نکل رہی ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ چائے پلاؤں گی۔'' حسینہ نے کہا۔ ادھر صوفی لڑکی کو لے کر اندر پہنچ گیا۔ وہ غور سے اس کے سجے ہوئے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

''تم تو اچھے خاصے مال دار آدمی ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''آپ نے ہمیں اٹھائی گیر سمجھا تھا۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ ویسے تم واقعی ایک پراسرار آدمی ہو۔ میں تو اتفاقیہ طور پر تم سے ملی تھی۔''

''مجھے ایک بات کا افسوس ہے۔'' صوفی نے کہا۔

''کیا؟''

''تم اس بے چارے غریب چوکیدار کی دال روٹیاں چرا لیا کرتی تھیں۔''

''مجھے غصہ مت دلاؤ۔ سو سو کے نوٹوں کی ایک گڈی ٹھونس آئی ہوں اس کے سامان میں۔ اگرچہ چرا کر نہ کھاتی تو اور کیا کرتی۔ اس کے سامنے جاتی اور اس کے علم میں آ کر رہتی اور وہ لوگ ادھر آ نکلتے تو وہ انہیں میرے بارے میں بتا نہ دیتا۔''

"ہاں..... اس کا خطرہ تو تھا۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"دیکھیے یہ تم کیا..... درویش درویش لگائے رکھتے ہو۔ اس کے بغیر بات نہیں کر سکتے۔"

"یہیں سے میرا اور تمہارا اختلاف شروع ہو جائے گا۔ بی بی درویشوں سے میرا جو رشتہ ہے۔ میں اس کے درمیان کسی کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"شکل سے بھی مجاور ہی لگتے ہو کسی مزار کے۔"

"آپ اسے معمولی بات سمجھ رہی ہیں محترمہ۔ کسی بزرگ کے مزار کا مجاور ہونا بڑا اعزاز ہے کہ جس کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ خیر چھوڑیے..... دیکھیے یہ باتھ روم ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر حلیہ درست کر لیجیے۔ آپ کے پاس کوئی اور لباس تو نہیں ہوگا۔"

"یہی پہن لوں گی مجھے کون سا کسی پارٹی میں شریک ہونا ہے۔ البتہ پلیز کھانا جلدی منگوا لو۔ مجھے بڑی زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"آپ حلیہ درست کر لیجیے۔" صوفی باہر نکل آیا۔ حسینہ کو کھانا لگانے کے لئے کہا اور وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ سہیل عالم نے کہا۔

"صوفی صاحب آپ نے کیا کیا تماشے لگا رکھے ہیں گھر میں، کیسے برداشت کر لیا کرتے ہیں آپ۔"

"نہیں انسان ہر حال میں قابل برداشت ہوتا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے کی میز پر تھے لڑکی نے آنے کے بعد سے اب تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔ باقی لوگ بھی اس کے ساتھ شریک تھے۔ سہیل البتہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

ویسے ابھی تک صحیح معنوں میں کوئی صورت حال اس کے ذہن میں واضح نہیں تھی۔ میلسی سے جو معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں وہ نہ جانے کیوں اس نے اپنے آپ تک ہی محدود رکھی تھیں اس سلسلے میں سہیل کو کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ سہیل نے ایک آدھ بار سوال کیا تھا۔ تو صوفی اس سوال کو ٹال گیا تھا اور سہیل جانتا تھا کہ صوفی اگر کسی سوال کو ٹال جائے تو اس کے پس پردہ کوئی بات ہوتی ہے۔ اس قدر احترام کرتا تھا وہ صوفی کا کہ اس کے بعد اس نے صوفی سے اس موضوع پر کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں تجسس شدید تھا۔ بہرحال لڑکی نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا اور پھر کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"تھوڑی دیر سو جانے کی اجازت دے دو گے۔" لڑکی نیم غنودہ لہجے میں بولی۔

"ہوں....." یہاں سونے کی کوشش مت فرمایئے گا۔ ورنہ حسینہ یہاں مستقل بستر لگا دے گی۔ بہرحال لڑکی کو بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا اور سہیل ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا خیال ہے میں رکوں یا جاؤں۔"

"نہیں نہیں بیٹھو۔ یقیناً تمہارے ذہن میں کھچڑی پک رہی ہوگی۔"

"جی ہاں..... کھدر..... بدر ہو رہی ہے۔ ابھی کچی پکی ہے۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے میں آپ سے ایسا کوئی سوال نہیں کروں گا جو آپ کو مجبور کر دے۔"

"نہیں..... نہیں..... لڑکی کے بارے میں اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔ تو اس کا نام ثوبیہ خان ہے۔ اسی آبادی سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں ہم گئے تھے اور یقیناً وہاں کے ایک معزز خاندان کی بیٹی ہے مختصر یہ کہ اس کا باپ ایک دہشت گرد تھا۔ ایک چچا بھی اس کے باپ کا ساتھی تھا۔ باقی سارا خاندان محب وطن ہے اور اس نے میرا مطلب ہے۔ اس لڑکی کے باپ نے باقی لوگوں سے رابطہ توڑ لیا تھا۔ ان میں سے ایک دلیر خان اور دوسرا یوسف خان ہے۔ ثوبیہ خان نے غیر ممالک میں تعلیم پائی ہے۔ اس کی ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔ دلیر خان خود بھی کسی غیر ملک میں تھا۔ البتہ یوسف یہیں تھا۔ لیکن وہ زیادہ تر جیل میں رہا۔ پھر دلیر خان ایک رات سرحد پار کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ لیکن حکومت کوشش کے باوجود اسے تلاش نہ کر سکی۔ پھر ٹھیک آٹھ مہینے کے بعد ایک دہشت پسند تنظیم ابھری۔ جس نے حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑے نقصانات ہوئے۔ لیکن ایک سال کی سخت جدوجہد کے بعد آخر کار ایک دن حکومت نے دلیر خان کو پالیا اور اسے اس کے بیس ساتھیوں سمیت گولی سے اڑا دیا۔"

صوفی اس طرح یہ واقعات بیان کر رہا تھا۔ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے فلم چل رہی ہو اور سہیل عالم ایک بار پھر اس کی سحر انگیز شخصیت میں کھویا ہوا تھا۔ کس قدر اعتماد سے صوفی یہ کہانی بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"جو مائیکرو ڈسک کرنل رحیم شاہ نے میرے پاس بھجوائی ہے۔ اس میں ان واقعات کی پوری تفصیل ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مائیکرو ڈسک کرنل رحیم شاہ نے نہیں بنائی بلکہ اس کا تعلق ان مجرموں سے ہے۔ جنہوں نے یہ تنظیم تشکیل دی تھی اور وہ یہاں اس کی بھرپور حمایت چاہتے تھے۔ چند افراد کو انہوں نے اپنے ساتھ مکمل طور پر شامل کیا ہوا ہے اور انہی لوگوں کے تحفظ کے لئے روزا میلسی یہاں آئی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو ڈسک اس تنظیم نے اپنے لئے تیار کی تھی اور اتفاقیہ طور وہاں کسی کے ہاتھ لگ گئی تھی اور وہاں سے کرنل رحیم شاہ تک۔ وہ یہاں کسی ذمہ دار آدمی تک پہنچے اب میں کس قدر ذمہ دار ہوں اللہ جانتا ہے اور میں حیران بھی ہوں کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔ جن لوگوں سے میرے روابط تھے وہ میری اور کرنل رحیم شاہ کی مخالفت پر ہیں۔ لیکن خیر بہرحال میں تمہیں بتا رہا تھا کہ دلیر خان کے مرنے کے بعد امن سکون ہو گیا۔ بہ ظاہر اس کے بھائی یوسف خان کو اس کے ساتھ شریک نہیں پایا گیا تھا۔ لیکن حکومت اس پر نگاہ رکھ رہی تھی۔

پھر یوسف خان نے حکومت سے اجازت مانگی کہ دلیر خان کی بیٹی کو جو اب غیر ملک سے تعلیم حاصل کر کے واپس آ رہی ہے۔ اس کے پاس رہنے کی اجازت دی جائے۔ دلیر خان کی موت کے بعد چونکہ سکون ہو گیا تھا اور اس کے علاوہ ثوبیہ خان لڑکی تھی۔ اس لئے حکومت نے اجازت دے دی۔

پھر خفیہ ذرائع سے حکومت کو معلوم ہو گیا کہ یوسف خان اور ثوبیہ خان باغیوں کی جماعت بنانے میں کوشاں ہیں اور حکومت یوسف خان کی تلاش میں لگ گئی۔ پھر ایک شام ایک پہاڑی علاقے میں چھاپہ مارا گیا۔ وہاں سے پانچ آدمی گرفتار ہوئے جو باغی تھے۔ لیکن یوسف خان اور ثوبیہ خان فرار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں نے بتایا کہ یوسف اور ثوبیہ خان دارالحکومت پہنچ کر کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس

لئے ہمارے پولیٹیکل ایجنٹ سے رابطہ قائم کیا گیا اور اسے صورتحال سے بھی آگاہ کیا گیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے وزارت داخلہ سے بات کی اور پھر تم سمجھتے ہو.....''

''تو آپ سرحدی آبادی میں پولیٹیکل ایجنٹ سے بات کرنے گئے تھے؟''

''ہاں.....''

''مگر کس حیثیت سے۔'' سہیل نے چبھتا ہوا سوال کیا اور صوفی کے چہرے پر ایک دم تبدیلی رونما ہوئی۔ اس کے اصل چہرے سے جو چہرہ جھانک رہا تھا۔ وہ انتہائی سخت گیر اور سنگین چہرہ تھا۔ کئی بار یہ بات سہیل عالم نے محسوس کی تھی کہ صوفی دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ بہ ظاہر مرنجان مرنج لیکن در پردہ کچھ اور۔ دفعتہً صوفی کی پتھریلی آواز ابھری۔

''میں وطن کے معاملات میں کسی حیثیت کو خاص نہیں سمجھتا۔ جو شخص اپنی ذمہ داری پوری کرے کرنل رحیم شاہ کے بارے میں یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کرنل آج مجھے اشارہ دے کہ میرے لئے راستہ صاف کردو تو میں اس طرح یہ راستہ صاف کروں کہ اس کے بعد کسی کو کرنل کی راہ میں آنے کی جرات نہ ہو۔ میں یہ کرسکتا ہوں سہیل عالم۔ لیکن بچنا چاہتا ہوں خیر..... تو وطن کے معاملات میں کوئی حیثیت..... حیثیت نہیں رکھتی میرے اپنے بھی ذرائع نہیں۔''

''سوری..... میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ اصل میں مجھے بھی اس بات کا غصہ ہے کہ کچھ لوگوں نے وطن پرستوں کے راستے روک رکھے ہیں۔''

''ہمیشہ ایسا ہوا۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''وہاں پولیٹیکل ایجنٹ سے آپ کو کوئی خاص بات معلوم ہوئی۔''

''نہیں بالکل نہیں وہی سب کچھ جو مجھے پہلے پتا چل گیا تھا۔ یوسف خان کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے ہیں لیکن وہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا ہے اور نہ ہی ثوبیہ خان کا پتا چل سکا ہے۔''

''مگر آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لڑکی ثوبیہ خان ہے۔ ویسے صوفی صاحب اگر یہ وہی ہے تو بہت خطرناک بات ہے۔''

''ہاں..... یہ غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک ہے۔''

''تو پھر آپ کیا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''سوچ رہا ہوں۔ ویسے ہم لوگوں کے بارے میں اسے حقیقت معلوم نہیں ہے۔ تاہم فی الحال اس نے اپنا ٹھکانہ یہاں بنالیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں رہے گی۔ سمجھے۔ ہمیں اس کی نگرانی کرنا ہوگی۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے۔''

''سہیل آرام کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے صوفی صاحب آپ مجھے اس معاملے سے الگ نہ کریں۔''

''نہیں کروں گا درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نے جواب دیا۔ پھر سہیل چلا گیا۔ صوفی نے

ایک چکر اس کمرے کے سامنے لگایا جہاں پر ثوبیہ خان سو رہی تھی اور پھر وہ فون والے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے گرین ہاؤس فون کیا۔ شازیہ نے فون اٹھایا تھا۔

''شازیہ، دلاور اور غلام قادر کو لے کر میرے گھر پہنچ جاؤ۔ یہاں میرے گھر میں ایک اجنبی صورت لڑکی موجود ہے۔ خوب صورت سی شکل وصورت کی مالک تم مختلف ذرائع سے میری کوٹھی کے آس پاس موجود رہو اور وہ لڑکی اگر وہاں سے باہر نکلے تو اس کا تعاقب کرکے اس کے نئے ٹھکانے کے بارے میں معلوم کرو۔ خیال رہے تم تینوں کو الگ الگ سواریوں پر آنا ہوگا اور کوٹھی کے مختلف حصوں میں گشت کرتے رہنا ہوگا۔ وہ کسی طرف سے بھی نکلے اس کا تعاقب کیا جائے۔''

''ٹھیک ہے چھوٹے بابا۔ ہم دس منٹ کے اندر اندر پہنچ رہے ہیں۔''

''او کے۔'' صوفی نے فون بند کردیا اور جیبوں میں پانوں کی ڈبیا تلاش کرنے لگا۔

♥.....♥.....♥

معشوق نشیلے مستی کے عالم میں جھومتے پھر رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا۔ پتا نہیں کون تھا۔ لیکن جو کوئی اندر سے نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر معشوق نشیلے پتھرا کر رہ گئے۔ بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ انتہائی تندرست وتوانا۔ معشوق نشیلے بت بنے اسے دیکھ رہے تھے۔ لڑکی نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ پہلے وہ انہیں اپنی جگہ سے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد چند قدم آگے بڑھی اور معشوق نشیلے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں زبان پر انگلی لگائی اور معشوق نشیلے کی ناک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو وہ چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

''ارے تم تو زندہ انسان ہو۔'' لڑکی کی خوب صورت آواز ابھری۔

''کک..... کک..... کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟'' معشوق نشیلے نے کہا۔

''وہی تو میں سوچ رہی تھی کہ کسی انتہائی بدذوق آدمی نے یہ بدصورت مجسمہ بنایا ہے اور یہاں کھڑا کردیا ہے۔ آخر اس کی یہاں کیا ضرورت تھی۔ شکر ہے کہ تم مجسمہ نہیں بلکہ انسان ہو۔''

''مم..... مم..... مگر..... آپ مجھے وہ یونان..... میرا مطلب ہے کہ فارسہ میں کہتے ہیں کہ ''حسن کو چاند ستاروں کو چمن کہتے ہیں۔''

''اچھا، حسن کو چاند ستاروں کو چمن۔''

''نن..... نن..... نہیں کچھ غلط ہوگیا ہے۔ اصل میں فارسہ میں اشعار کی ماہیت.....''

''تھپڑ ماروں گی منہ پر منہ ٹیڑھا ہوجائے گا۔ نہ شاعری کی بات کرو نہ فارسی کی۔''

''نف..... نف..... فارسی۔''

''مجھے پتا ہے تم میری نگرانی کررہے ہو۔''

''نن..... نہیں..... محترم۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مم..... مم میں تو پہلی بار آپ کو یہاں دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا تم یہاں ملازم ہو؟'' لڑکی نے سوال کیا۔

''جج..... جج..... جی ہاں..... جج..... جج..... جی نہیں۔ مم..... میرا مطلب ہے میں فارسہ میں.....''

''پھر فارسہ..... میں کہتی ہوں کہ یہ فارسہ کیا چیز ہے۔''

''نن..... نہیں کچھ بھی نہیں۔''

''ویسے تم مجھے خاصے بہتر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اصل میں تم جس طرح وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا۔''

''نن..... نن..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مم..... مم..... میں تو آپ کی بڑی عزت کرتا ہوں۔''

''آؤ..... کہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔ یہاں کون کون رہتا ہے؟ ایک کالی سی عورت بھی ہے۔''

''ہاں بس اس کے ہی باپ نے اس کے ساتھ بدترین مذاق کیا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اس کا نام پتا ہے کیا ہے۔''

''مجھے کیا معلوم۔'' لڑکی بولی۔

''وہ جو کہا ہے نا کسی نے کہ آنکھوں سے اندھے نام نین سکھ۔ تو محترمہ کی شکل ملاحظہ فرمایئے فارسہ میں اور نام ہے حسینہ..... حسینہ عالم۔''

''ارے واہ.....'' لڑکی زبردستی ہنس پڑی اور پھر اس نے معشوق نشیلے سے کہا۔

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''اصل میں میرا معاملہ کچھ اور ہے بچپن ہی سے حسینوں کی پسند رہا ہوں۔ نام پتا نہیں ماں باپ نے کیا رکھا تھا۔ لیکن لوگوں نے معشوق کہنا شروع کر دیا اور میں محبت کے نشے میں ڈوب گیا۔ چنانچہ قدوی کو معشوق نشیلے کہتے ہیں۔''

''بڑا ٹیڑھا نام ہے۔ خالی معشوق کہا جائے تو تم کہو گے کہ میں نے بھی تمہیں معشوق کہنا شروع کر دیا اور نشیلے کہا جائے تو.....'' معشوق نشیلے ہنسنے لگا پھر بولا۔

''آپ جانی کہہ دیا کیجئے۔ میرے بہت سے دوست مجھے پیار میں جانی کہتے ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ۔''

''کک..... کک..... کیوں۔''

''نہیں بس ایسے ہی۔ ویسے تم سارے ہی بڑے اچھے لوگ ہو۔ اس عمارت میں آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ یہ بڑی عمدہ جگہ ہے۔ وہ صاحب جو لمبے سے ٹیڑھے ٹیڑھے سے ہیں۔ ان کا نام شاید؟''

''صوفی ہے..... صوفی۔''

''صرف صوفی.....''

''شاید انہیں خود بھی نہیں معلوم ہوگا کہ اس سے آگے پیچھے کیا ہے۔ فارسہ میں۔'' معشوق نشیلے نے کہا۔

''اور وہ دوسرا جوان کے ساتھ تھا؟''

''وہ ان کے دوست سہیل عالم صاحب ہیں۔''

''اچھا..... وہ کون ہیں؟''

''دوست ہیں بس۔''

''یہ صوفی صاحب کرتے کیا ہیں؟''

''عیش کرتے ہیں۔ دولت مند آدمی ہیں۔ مگر ہیں ذرا مختلف طبیعت کے مالک۔ خیر آپ یہ بتایئے کہ میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''ہاں..... بالکل..... بالکل..... آپ ایسا کریں کہ اردو اور انگریزی کے اخبار لا کر دیں۔ میں آپ کا بہت شکریہ ادا کروں گی۔''

''ابھی لایا۔'' معشوق نشیلے نے کہا۔ یہ اخبارات انہیں بازار سے ہی خریدنا پڑے تھے۔ لیکن جتنے بھی اخبارات، انہیں حاصل ہو سکے۔ وہ لے کر لڑکی کے پاس پہنچ گئے اور اخبارات کا بنڈل ان کے سامنے رکھ دیا۔

''اوہو..... آپ کا بے حد شکریہ۔ جانی۔'' لڑکی نے کہا اور معشوق نشیلے کا سینہ فخر سے پھول گیا۔

♥..... ♥..... ♥

آخری آدمی اس عظیم الشان ہال میں داخل ہوا تو گرین رنگ کا ایک بلب سپارک کرنے لگا اور نیم تاریک ماحول میں سبز رنگ کی روشنی کے جھماکے ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر پر ایک بھاری آواز ابھری۔

''ہمارا کام پورا ہو چکا ہے۔ دروازے بند کر دیئے جائیں اور ساؤنڈ پروف سسٹم آن کر دیا جائے۔ تھوڑی سی ہلچل ہوئی اپنی اپنی ڈیوٹی پر تعینات لوگ متحرک ہوئے اور اس کے بعد ہلکی ہلکی سرسراہٹیں ابھریں اور دروازے کھڑکیوں پر جست کی سلائیڈنگ پلیٹیں متحرک ہو کر ساکت ہو گئیں۔ اب اندر کی سائیں بھی باہر نہیں جا سکتی تھی۔ تقریباً تیس بتیس افراد تھے جو اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ننھے ننھے بلب روشن تھے اور ان بلبوں کے پاس ان کے عہدوں کی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں جو کوڈ نمبروں میں تھیں پھر وہی آواز دوبارہ ابھری۔

''آغاز کیا جائے۔'' چند لمحات کے لیے تاریکی طاری ہو گئی پھر ایک بلب روشن ہوا اور دوسری آواز ابھری۔

''تنظیم دنیا کے مختلف ملکوں میں حکومتوں کے مفادات کے لیے کام کیا کرتی ہے اور ہماری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سوچ سمجھ کر کام پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور اس کے بعد اس کی تکمیل کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ ایشیا کے ایک ملک کے سلسلے میں ہمیں اس کے مخالف ملک کی طرف سے ایک ذمہ داری سونپی گئی اور ہم نے بہت سی وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ذمہ داری قبول کر لی اور اس کے بعد ہم نے مکمل پلاننگ کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کیا۔ ہماری پہلی غلطی یہ ہوئی کہ ہمارے آدمیوں نے پروگرام ڈسک تیار کی لیکن اس کی حفاظت نہیں کر سکے اور وہ ڈسک اسی ملک کے ایک اہم شخص کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے کسی طرح اسے اپنے ملک بھجوا دیا۔ اس سلسلے میں ذمہ داروں کے خلاف کیا کارروائی ہوئی وہ بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے ہاں ایک مکمل سسٹم موجود ہے جب ہم کسی کو اپنی تنظیم میں جگہ دیتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی زندگی بھر کی ضروریات کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اور ہم اس سے حلف لینے سے پہلے خود حلف اٹھاتے ہیں کہ

اسے کسی مرحلے پر کسی دوسرے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جائے گا اور اس کی ہر ممکن مدد کی جائے گی لیکن اگر وہ اپنے فرائض کی صحیح طور پر تکمیل نہیں کر سکا تو اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ یہی ہمارا اصول ہوتا ہے۔

بہر حال غلطی کے ذمے داروں کو سزا تو دے دی گئی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تشویش پیدا ہوئی کہ اب اس ڈسک کو اس ملک کے ذمے دار لوگوں تک پہنچنے سے کیسے روکا جائے۔ چناں چہ ہر طرح سے کوششیں کی گئیں اور ہمارے بے شمار افراد اس کام پر معمور ہو گئے۔ اس سلسلے میں خصوصی طور پر میڈم روزا میلسی کو وہاں بھیجا گیا اور انہیں مکمل اختیارات دیے گئے اور اس کے ساتھ ہی جب ہم نے اس ملک میں اپنے کام کا آغاز کرنا چاہا تو ایک اہم کام کیا۔ وہاں کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو جن کا نام شاہ میر تھا۔ ان کے عہدے سے ہٹایا گیا اور ایک ایسے نام کو سامنے لایا گیا جو بڑی اعلیٰ حیثیت رکھتا تھا اور اسے وہ عہدہ دے دیا گیا لیکن صرف تھوڑے عرصے کے لیے۔

جب سب نے سارے معاملات پر قابو پا لیا تو ہم نے اس کی جگہ اپنا ایک آدمی میک اپ میں وہاں تعینات کر دیا اور وہ اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ اس طرح ہمیں وہاں اہم ترین سرکاری تحفظ مل گیا۔ میڈم روزا میلسی وہاں پہنچ گئیں اور انہوں نے ڈسک کی تلاش کے لیے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا لیکن اس کے بعد ہم نہیں جانتے کہ کیا ہوا اور کس طرح بات پلٹی۔ سنا یہ گیا کہ میڈم روزا میلسی اور ان کے چاروں ساتھی شہر میں کتوں کی طرح بھونکتے ہوئے پھر رہے ہیں۔

میڈم روزا میلسی کے سفارتخانے نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا ہے لیکن وہاں مقامی حکومتی کارروائیاں بھی ہو رہی ہیں اور میڈم روزا میلسی ایک ہسپتال میں مقیم ہیں جہاں ان کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ ہماری رپورٹوں کے مطابق میڈم روزا میلسی کوئی اداکاری نہیں کر رہی بلکہ حقیقی معنوں میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا ذہنی توازن ختم ہو گیا ہے اور وہ مکمل طور پر ایک پاگل گروپ ہے۔

اب ہم اس طرف سے ہٹتے ہیں۔ جب ہم کسی کام کا آغاز کرتے ہیں اور کام بڑے پیمانے کا ہوتا ہے تو پھر ہم تمام چیزیں تلاش کرتے ہیں اور ایسے کمزور مہروں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں پتا چل چکا ہوتا ہے کہ وہ آسانی سے ملک دشمنی پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ایسا ایک گروپ ہمیں نظر آ گیا۔

یہ پہاڑی علاقوں میں ایک چھوٹا سردار گروپ ہے۔ دو بھائی ہمارے کام کے نکلے ان میں سے ایک کا نام دلیر خان اور دوسرے کا نام یوسف خان تھا۔ دلیر خان تو موت کا شکار ہو گیا لیکن اس کی بیٹی ثوبیہ خان اور یوسف خان اب بھی ہمارے ساتھی ہیں۔ دلیر خان چوں کہ حکومت کی نگاہوں میں آ چکا تھا۔ اس لیے حکومت کو یوسف خان پر بھی شبہ تھا لیکن بہر حال یوسف خان اپنی بھتیجی کے ساتھ ہمارا کام کر رہا تھا اور اب بھی کر رہا ہے لیکن وہ ذہنی طور پر اتنا طاقت ور آدمی نہیں ہے کہ جو کام ہم وہاں کرنا چاہتے ہیں اس میں کوئی نمایاں کام سرانجام دے سکے۔ اصل میں ہم تو ابھی پلاننگ ہی کی منزل میں تھے کہ یہ چند غلطیاں ہو گئیں۔

اور تنظیم کا پہلا اصول ہے کہ جب وہ کسی کام میں ہاتھ ڈال دیتی ہے تو ہر طرح کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ غلطی ہمارے حساب میں ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آگے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ شخص خاموش ہو گیا اور ایک بار پھر اس پراسرار ہال میں گہرا سناٹا چھا گیا پھر ایک اور آواز ابھری۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مشورے اور اپنی تجاویز پیش کریں۔'' کچھ لمحے کے لیے پھر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ایک بلب روشن ہوا اور ساتھ ہی آواز ابھری۔

''میں دو تجاویز پیش کرتا ہوں۔ نمبر ایک روزا میلسی کو جس طرح بھی ممکن ہو سکے واپس لا کر اس کا دماغی تجزیہ کیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا کارروائی ہوئی۔

دوسری تجویز میرے ذہن میں یہ ہے کہ یوسف خان کو تبدیل کر دیا جائے اور یوسف خان کی جگہ ہمارا ایک آدمی بالکل اسی طرح میک اپ میں پہنچ جائے جس طرح ایک اعلیٰ عہدے دار کو تبدیل کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان رابطہ ہو جائے اور اس کے بعد ہم اپنے کام کو آگے بڑھائیں۔ یہ طریقہ کار میرے اپنے خیال میں بہت مناسب رہے گا۔''

''کیا؟ اصل یوسف خان کو قتل کر دیا جائے؟''

''بالکل نہیں بلکہ اسے قید کر دیا جائے تاکہ ضروری امور میں اس سے مدد لی جا سکے۔'' ایک بار پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ پھر ایک آواز ابھری۔

''کوئی اور تجویز؟''

''میں پہلی تجویز کی تائید کرتا ہوں۔''

''اور کوئی؟''

''ہم سب..... اس تجویز کی تائید کرتے ہیں۔ صرف اس اضافے کے ساتھ کہ جس ملک نے ہمیں یہ ذمہ داری سونپی ہے۔ اسے ہماری ان تھوڑی سی ناکامیوں کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہیے ورنہ ہماری ساکھ خراب ہو گی۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اس تجویز کا مکمل طور پر خیر مقدم کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ نشست برخاست ہو گئی تھی اور میٹنگ کے شرکاء اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔

♥.....♥.....♥

سہیل عالم کی ہمیشہ سے یہ ہی خواہش رہی تھی کہ صوفی اسے اپنے ہر معاملے میں اپنے ساتھ رکھے۔ بہت سے موقعوں پر صوفی نے اسے بڑی اہمیت بھی دی تھی لیکن ایک تشنگی کا احساس سہیل عالم کے دل میں موجود تھا۔ بہر حال وہ خود جس شخصیت کا مالک تھا اس کے تحت جو چاہتا وہ کر سکتا تھا۔ اپنے باپ کی مدد سے اپنے ملک میں ہر شعبے میں مدد لے سکتا تھا۔ لیکن کچھ عجیب سی فطرت کا مالک تھا وہ بھی الگ تھلگ ٹارزن کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔

بہر حال صوفی نے اسے طلب کیا تو وہ خوشی خوشی اس کے پاس پہنچ گیا۔

''جی صوفی صاحب! میں تو انتظار ہی کر رہا تھا کہ آپ اس سلسلے میں مجھے مزید کچھ بتائیں گے۔''

''میں نے مشورے کے لیے ہی تمہیں بلایا ہے۔''

''محبت ہے آپ کی، حکم کیجیے۔''

''وہ لڑکی ابھی تک یہیں ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ کچھ انتظار کر رہی ہو۔ درویشوں کی

دعاؤں سے۔"

"کس طرح کا انتظار آپ کے خیال میں۔"

"اس کا کوئی صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ویسے معشوق نشیلے سے اس کی بڑی دوستی ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ اسے اپنا آلہ کار بنا رہی ہے۔" سہیل سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا۔

"تو آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ صوفی صاحب!"

"ابھی تو کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ تمہاری خواہش تھی کہ میں تمہیں اپنے ہر مسئلے میں شامل رکھوں تو میں نے سوچا کہ تم سے اس بارے میں کوئی مشورہ لیا جائے۔"

"چھوٹا منہ بڑی بات نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا منہ اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے۔ اچھے خاصے جوان ہو چکے ہو درویشوں کی دعاؤں سے، صوفی نے کہا اور سہیل ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"شکریہ۔ صوفی صاحب میری ایک تجویز ہے اگر آپ پسند کریں تو.....!"

"حق اللہ" صوفی نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ سہیل چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"میرا خیال ہے ثوبیہ کی خاموشی کا انتظار کیا جائے اس کے لیے الرٹ رہا جائے یقیناً وہ یہاں پر زندگی گزارنے نہیں آئی۔ اندازہ یہ ہے کہ بہت جلد وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گی۔ ہمیں اس کا تعاقب کرکے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔" صوفی نے آنکھیں کھول دیں اس کے چہرے پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ٹھیک جا رہے ہو۔"

"نہیں واقعی صوفی صاحب! کیا آپ میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں۔"

"اگر میں کہوں کہ یہی خیال میرے ذہن میں بھی تھا تو غیر مناسب بات ہوگی۔ تم نے وہی خیال پیش کیا ہے جس پر میں غور کر رہا تھا۔"

"واہ..... یہ تو میرے لیے بہت خوشی کی بات ہے کہ کسی ایک جگہ میرے اور آپ کے ذہن میں ایک جیسی بات پیدا ہوئی۔" صوفی کچھ سوچنے لگا۔ سہیل نے کہا۔

"اس سلسلے میں آپ نے معشوق نشیلے سے کوئی سوال نہیں کیا۔"

"بے کار ہے۔ اصل میں ہمیں کچھ بزرگوں نے جو تعلیمات دی ہیں ہم انہیں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ معشوق نشیلے جیسے مرد اگر کسی عورت کا التفات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر وہ کچھ بھی نہیں رہتے درویشوں کے کرم سے۔"

"میں سمجھ گیا۔" سہیل عالم نے کہا اسی وقت حسینہ کمرے میں داخل ہوئی اور سہیل کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں صدقے میں واری۔ تمہاری تو خوشبو آ جاتی ہے مجھے۔ کافی بنائی ہے لے آؤں۔"

"لے آیئے حسینہ بیگم، بہت بہت شکریہ کیسی ہیں آپ؟" سہیل نے پوچھا۔

"بس، تقدیر میں جس طرح سے جینا لکھ گیا ہے۔ جی رہے ہیں۔"

"معشوق نشیلے کا کیا حال ہے؟" سہیل نے ایک دم سوال کیا۔

"ہوں..... اس کبوتری کا کبوتر بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہاں وہ اور کہاں وہ۔ مگر وہ بھی مجھے پاگل ہی لگتی ہے۔ گھنٹوں اس الو کے پٹھے سے باتیں کرتی رہتی ہے اور اس الو کے پٹھے کو دیکھو کبھی اسے چاٹ لا کر کھلا رہا ہے کبھی گاجر کا حلوہ، اے میں کہتی ہوں وہ نکھٹو کرتا دھرتا تو کچھ نہیں ہے۔ پیسے کہاں سے آتے ہیں اس کے پاس۔ بس یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ صوفی صاحب جو ہیں ناں....."

"کافی خراب ہو جائے گی۔" سہیل نے کہا اور حسینہ باہر نکل گئی۔ سہیل نے مسکرا کر صوفی کی طرف دیکھا۔ تو صوفی نے کہا۔

"حق اللہ..... حق اللہ" انتظار کیا جانے لگا۔ اس گفتگو کے تیسرے دن ثوبیہ خان نے معشوق نشیلے سے کہا۔

"کتنی دوستی ہوگئی ہے ہمارے درمیان نشیلے۔ تم نے ایک بار بھی مجھے کہیں باہر گھمانے پھرانے کی دعوت نہیں دی۔"

"کک..... کک..... کیوں نہیں بس ہمت نہیں پڑتی۔ وہ جو فارسہ میں کہا ہے کہ....."

"نہیں دیکھو! بات سنو مجھے شعر و شاعری بالکل پسند نہیں ہے۔ چاہے وہ فارسہ میں ہو۔ چاہے انگلش میں ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔ تو بات گھومنے پھرنے کی ہو رہی تھی۔ آپ کا جب دل چاہے۔ چلیں میرے ساتھ۔"

"یار تم سمجھتے کیوں نہیں ہو بات کو۔" ثوبیہ نے بے تکلفی سے کہا۔ معشوق نشیلے کی تو ان دنوں اڑ کر لگی تھی۔ ثوبیہ خان جیسی حسین و جمیل لڑکی نے اسے اپنا گہرا دوست بنا لیا تھا۔ بڑی باتیں کرتی رہتی تھی اس سے اور ہنستی رہتی تھی۔ معشوق نشیلے کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ ایک وہ کالی چڑیل ہے۔ کہ اس کے نخرے ہی نہیں ملتے۔ ان دنوں اس نے حسینہ سے کافی اجتناب برتنا شروع کر دیا تھا۔ خرچہ ورچہ بھی چل ہی رہا تھا۔ کوئی خاص پریشانی نہیں تھی۔ پیسے اول تو اس کے پاس تھے۔ ضرورت ہوئی تو کہیں سے مانگ لاتا تھا۔ بہر حال آج ثوبیہ خان نے اس سے باہر گھومنے پھرنے کی خواہش کی تھی۔ معاملات کافی ہموار ہوتے جا رہے تھے۔ اگر یہ خوب صورت لڑکی اس کی زندگی میں شامل ہو جائے تو زندگی دیکھنے کے قابل ہوگی۔ اکثر وہ ثوبیہ خان کی قربت کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔

بہر حال اس نے ثوبیہ خان کو باہر گھمانے کا فیصلہ کرلیا۔ ثوبیہ خان بولی۔

"ہمیں احتیاط برتنا ہوگی۔ دروازے سے باہر نکلنا تو ممکن نہیں ہو سکے گا۔ صوفی صاحب نے چوکیدار کو ہدایت کر دی ہوگی۔"

"تو کیا انہوں نے تمہیں قید کر رکھا ہے۔"

"ایک طرح کی قیدی سمجھو۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ صوفی صاحب نے ہمیں آسانی سے نکلنے کا

موقع دینا ہے۔"

"اوہو۔ اس کی تو تم پرواہ ہی نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ہم باہر کیسے جا سکتے ہیں"

"مجھے تم ویسے ہی کافی ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیسے جاؤ گے باہر بتاؤ۔"

"تم فکر ہی مت کرو۔ میرے پاس اس کا انتظام ہے۔ معشوق نشیلے نے پچھلی دیوار کود کر باہر نکل جانے کا فیصلہ کیا اور بولا۔

"بس تھوڑی سی ہمت کرنا پڑے گی۔"

"ہمت تو میرے اندر بہت ہے۔" ثوبیہ خان بولی۔ معشوق نشیلے نے ثوبیہ خان سے وعدہ کیا کہ بس تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ باہر نکل جائیں گے۔

"ہم خوب گھومیں گے پھریں گے یہاں رہتے رہتے میری طبیعت اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔

"ہوگئی ہوگی، ہوگئی ہوگی۔ انسان کہاں تک قید رہ سکتا ہے فارسہ میں۔"

"نہیں فارسہ بالکل نہیں۔"

"بالکل نہیں..... تو میں تیار ہو جاؤں۔"

"ہاں۔" ثوبیہ خان نے کہا اور معشوق نشیلے باہر نکل گئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے سب سے اچھے کپڑے نکالے جو بہر حال جیسے بھی تھے انہیں کارٹون بنانے میں بڑے معاون ثابت ہوتے تھے۔ اس سج دھج کے ساتھ وہ باہر نکلے ہی تھے کہ حسینہ سامنے آ گئی۔

"لاحول ولاقوۃ" معشوق نشیلے نے کہا۔

"خدا تجھے سمجھے اب اس گھر سے نکلے گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ پورا ہی سرکس بن گیا ہے۔ وہ جو ..... سرکس میں ہنسانے والے ہوتے ہیں کیا کہتے ہیں انہیں..... جوکرے سو کرنہ کرے سو بھی کر۔"

"جوکر کہنا چاہتی ہیں شاید آپ۔"

"ہاں وہ ہی۔ جوکر لگ رہا ہے نرا۔"

"تو آپ کو کیوں دکھ ہو رہا ہے۔ اپنا حسن نظر ہے فارسہ میں۔"

"پتا نہیں کیا بک رہا ہے۔ ویسے یہ بھی فرمائش اسی سفید بلی نے کی ہوگی۔"

"کسی کالی کتیا نے نہیں کی۔" معشوق نشیلے نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ حسینہ غور ہی کرتی رہی اور جب اسے احساس ہوا کہ معشوق نشیلے کیا کہہ گیا ہے تو غصے سے آگ بگولہ ہوگئیں۔

"کالی کتیا تیری ماں تیری بہن خود اپنے آپ کو پتا نہیں کیا سمجھتا ہے۔ مواسرکس کا جوکر....."

معشوق نشیلے ثوبیہ خان کے پاس پہنچ گیا اور پھر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔ ثوبیہ خان خود بھی تیار تھی۔ پچھلی دیوار کودنا نہ معشوق نشیلے کے لئے مشکل تھا اور نہ ہی ثوبیہ خان کے لئے۔ ثوبیہ ویسے بھی نہایت پھرتیلی قسم کی لڑکی تھی۔

بہر حال دونوں دیوار کود کر باہر آئے اور معشوق نشیلے اسے ساتھ لے کر ایک طرف بڑھ گیا۔ پھر

کافی فاصلہ پیدل طے کیا گیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے ایک ٹیکسی کر لی۔ ثوبیہ خان نے کہا۔

"کم از کم یہاں سے دور نکلا جائے۔ تم تو بہت اچھے دوست نکلے۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"کک..... کک..... کیا مطلب؟"

"نن..... نن..... نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ تم بھولنے والی چیز نہیں ہو۔"

"میں تو بزرگوں کے مزاروں پر دعائیں مانگتا ہوں۔"

"اچھا..... کیا.....؟"

"یہی کہ اللہ مجھے اور تمہیں کبھی جدا نہ کرے۔" معشوق نشیلے نے ایک عشقیہ جملہ کہا اور ثوبیہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کھڑکی سے باہر منہ نکال لیا اور ہنسی کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کک..... کیا ہوا.....؟"

"کچھ نہیں..... پھندا لگ گیا ہے۔" ثوبیہ نے کہا۔

"پانی لاؤں۔" معشوق نشیلے بے اختیار بولے۔

"لے آؤ۔" ثوبیہ نے کہا اور معشوق نشیلے ایک دم گڑبڑا کر رہ گئے۔ انہیں یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ٹیکسی میں سفر کر رہے ہیں۔

بہر حال ایک پر رونق جگہ ٹیکسی رکوائی گئی تھی اور ثوبیہ نیچے اتر آئی تھی اور معشوق نے بل ادا کیا اور اس کے بعد بولا۔

"اب کہاں چلنا ہے؟"

"کسی اچھے سے ریستوران میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" معشوق نشیلے نے کہا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھ رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لوگ کس طرح رشک بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ اتنی خوب صورت عورت کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے چلنا پھرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہو سکتی۔ ریستوران بھی سامنے ہی موجود تھا۔ وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ پھر ایک میز پر جا بیٹھے۔

"کیا کھائیں گی..... کیا پئیں گی۔

ذرا واش روم جاؤں گی۔" ثوبیہ خان نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "شاید اس طرف ہے۔" معشوق نشیلے کے فرشتوں نے بھی اس ریستوران کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ثوبیہ نے بھی شاید تکا ہی لگایا تھا۔ لیکن بہر حال وہ اس طرف چل پڑے جہاں واش روم تھے۔ ایک طرف لیڈیز اور ایک طرف جینٹس لکھا ہوا تھا۔ وہ لیڈیز باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ یہاں سے اس نے معشوق نشیلے کی طرف نگاہیں دوڑائیں وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

ثوبیہ خان باہر نکلی پھر ایک سمت سے ہوتی ہوئی دیوار کے ساتھ ساتھ ریستوران کے دوسرے دروازے سے باہر نکل آئی اور پھر تیز تیز قدموں سے اس پتلی گلی سے گزرتی ہوئی سڑک پر آ گئی۔ جہاں اس نے ایک ٹیکسی روکی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ سفر کرتی رہی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو اس نے ایک پتا بتا دیا تھا۔ آخر کار ٹیکسی ایک بہت ہی خوب صورت علاقے میں جا کر رک گئی۔ جہاں فلیٹ ہی فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ جس عمارت کے سامنے اس نے ٹیکسی رکوائی وہ بھی بہت شان دار تھی۔ وہ ٹیکسی سے نیچے اتری اور بولی۔

"ڈرائیور! میں بل کے پیسے ابھی تمہیں دلواتی ہوں۔"

"جی میم صاحب! ڈرائیور اس عمارت کو دیکھ کر ہی معترف ہو گیا تھا وہ سامنے گیٹ پر بنے ہوئے گارڈ کیبن تک پہنچی اور اس نے گارڈ سے جا کر کہا۔

"گارڈ! مجھے پہچانتے ہو؟"

"کیوں نہیں بیگم صاحب۔"

"ٹیکسی ڈرائیور کو بل کی رقم ادا کر دو۔ اتفاق سے میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور میرے فلیٹ کا دروازہ کھلواؤ۔"

"جی بیگم صاب۔" گارڈ پر ادب انداز میں وہاں سے گردن جھکا کر باہر آیا ٹیکسی ڈرائیور کو بل ادا کیا۔ ایک الماری سے ایک چابی نکالی اور بولا۔

"چلیے بیگم صاب میں دروازہ کھولے دیتا ہوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے چابی مجھے دے دو۔" ثوبیہ خان نے کہا اور گارڈ نے چابی ادب سے اس کے حوالے کر دی۔ ثوبیہ خان شان دار فلیٹوں کے اس سلسلے کے ایک پورشن میں پہنچ گئی۔ جہاں لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ پھر ایک لفٹ نے اسے چھٹی منزل پر اتار دیا اور وہ لفٹ سے باہر نکل آئی۔ چوڑی راہداری میں۔ خوب صورت قالین بچھے ہوئے تھے۔ فلیٹ نمبر ۶۱۵ کے سامنے رک کر اس نے چابی سے دروازہ کھولا۔ انتہائی قیمتی اور لگژری فلیٹ تھا۔ جو بہترین قسم کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ دنیا کی ہر چیز یہاں موجود تھی۔ ثوبیہ خان ایک کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔ پھر اس نے کہا۔

"خدا کی پناہ..... کتنی لمبی قید گزاری ہے میں نے۔" اس کے بعد وہ اس فلیٹ میں کچھ اور کار روائیاں کرنے لگی۔ پھر اس نے الماری سے کرنسی نوٹ نکالے اور ٹیلی فون پر پہنچ گئی۔ یہاں سے اٹھ کر اس نے گارڈ سروس کو فون کیا اور گارڈ نے اس کا فون ریسیو کیا۔

"گارڈ میں فلیٹ نمبر ۶۱۵ سے بول رہی ہوں۔ براہ کرم تم اپنے پیسے لے جاؤ۔"

"بیگم صاب پیسوں کی کیا جلدی ہے۔"

"نہیں شکریہ، آ کے لے جاؤ..... پھر میں کسی اور کام میں مصروف ہو جاؤں گی۔"

"میں حاضر ہو رہا ہوں۔" گارڈ نے کہا اور پھر وہاں پہنچ گیا۔ ثوبیہ خان نے اسے بل کی رقم کے علاوہ اور کافی رقم بھی دی تھی۔ گارڈ نے اسے سلام کیا اور بولا۔

"کوئی ضرورت بیگم صاب؟"

"نہیں شکریہ..... جا سکتے ہو۔" وہ بولی اور اس کے بعد اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر وہ فون کے پاس پہنچ گئی اور ریسیور اٹھا کر اس نے ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا تھوڑی دیر کے بعد

آواز آئی۔

"یس....." یہ ایک زنانہ آواز تھی۔

"بلیک کیٹ۔" ثوبیہ نے کہا۔

"رنگ سفید ہی اچھا لگتا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے۔ سفید رنگ میں گلابی رنگ کی آمیزش کر دو۔ بہت خوب صورت کلر بن جائے گا۔"

"جی، حکم۔"

"کہاں ہیں؟"

"نہیں ہیں۔ ایکشن پر گئے ہیں۔"

"کب؟"

"دو دن ہو گئے۔"

"مجھے جانتی ہو ناں۔"

"جی۔"

"واپس آ جائیں تو انہیں اطلاع دینا کہ میں پی آر میں ہوں۔ وہیں رہوں گی مجھ سے رابطہ قائم کریں۔"

"او کے بیگم صاب۔"

"ٹھیک۔" ثوبیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے بعد وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

♥.....♥.....♥

شازیہ اور دلاور بڑی کامیابی سے ثوبیہ کا پیچھا کر رہے تھے۔ صوفی نے ان کی ڈیوٹی لگائی تھی اور انہیں ہدایت دے دی تھی کہ سامنے کے حصے کی پروا نہ کریں اطراف کا جائزہ رکھیں اور اس وقت جب انہوں نے مشوق نشیلے اور ثوبیہ خان کو دیوار کود کر باہر نکلتے دیکھا تو ایک بار پھر وہ صوفی کی ذہانت کے قائل ہو گئے۔ ان کا تعاقب کرتے ہوئے شازیہ نے کہا۔

"چھوٹے بابا معمولی ذہن کے مالک نہیں ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ گیٹ پر تو سبھی کی نگاہ ہوتی ہے۔ ثوبیہ پچھلے راستوں سے نکلنے کی کوشش کرے گی۔" دلاور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"صرف دماغ میں ہی نہیں دلاور بھائی چھوٹے بابا کو اگر تم ایکشن میں دیکھ لو تو حیران رہ جاؤ۔ اس وقت وہ ایک چیتے کی طرح پھرتیلے اور طاقتور ہوتے ہیں اور یقین کرو ان کی آنکھوں میں کسی چیتے ہی کی سی چمک ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ عام حالات میں ایک سوتے ہوئے انسان نظر آتے ہیں۔ بس ایکشن کے وقت جاگتے ہیں وہ۔"

"مجھ سے کہہ رہی ہو شازیہ، بہت سی بار میں دیکھ چکا ہوں۔ صوفی صاحب کو اور پھر جس طرح میں ان کا احسان مند ہوں تم لوگ کوئی بھی نہیں ہو سکتے۔ دلاور نے انہیں ٹیکسی سے اتر کی ایک ریستوران میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو شازیہ بولی۔

"یقینی طور پر اب وہ یہاں سے نکل جانے کی فکر کرے گی۔ ایسا کرتے ہیں دلاور بھائی کہ اب

میں ایک ٹیکسی کا بندوبست کر لیتی ہوں ہم لوگوں کو محتاط رہنا چاہئے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔ میں ٹیکسی کر لوں ڈرائیونگ تم کرو۔"

"نہیں ٹیکسی میں کروں گی۔" شازیہ نے کہا اور ریستوران کے سامنے نظریں دوڑانے لگی سامنے ایک ٹیکسی اسٹینڈ تھا۔ وہ ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ ڈرائیور ایک نوجوان آدمی تھا۔ شازیہ نے اسے دیکھا اور بولی۔

"چلنا ہے؟"

"تو چلیے۔ پوچھ کیوں رہی ہیں۔" ڈرائیور بولا اور شازیہ پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"کہاں چلوں۔"

"فی الحال ٹیکسی اسٹینڈ سے باہر نکالو اور سامنے وہ جو ریستوران ہے اس کی دوسری سمت لے چلو۔"

"وہاں تک جانا ہے؟" ڈرائیور نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں اب اگر تم مجھ سے یہ سوالات کرتے رہو گے تو مجبوراً پھر میں دوسری ٹیکسی دیکھ لوں گی۔"

"چلیے ..... چلیے میڈم ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" ڈرائیور کچھ زیادہ ہی باتونی معلوم ہوتا تھا۔

شازیہ نے احتیاطاً ٹیکسی دوسری طرف رکوائی۔ ڈرائیور اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"قصہ کیا ہے۔ میڈم کچھ ہمیں بھی تو بتا دیجئے۔" شازیہ نے اسے گھور کر دیکھا پھر بولی۔

"اگر میں نے قصہ بتا دیا تو تمہارا دم نکل جائے گا۔"

"ارے ..... ارے ناراض نہ ہوں۔ ایسے ہی پوچھ لیا ہے۔"

"سی، آئی، ڈی سے ہے میرا تعلق، سمجھے؟ اور اس کے بعد اگر تم نے فضول بات کی۔ تو میں موبائل پر پولیس موبائل کو طلب کر لوں گی تمہیں باقاعدہ بل دیا جائے گا۔ بل کی تم پرواہ مت کرنا۔ لیکن جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔" ڈرائیور کی جان نکل گئی تھی۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"سوری میڈم ..... سوری۔ دراصل ..... معاف کیجئے گا۔ سڑکوں پر ہمیں ہر طرح کے لوگ ملتے ہیں۔ میڈم مائنڈ نہ کریں تو کہوں کہ کبھی کبھی ایسی خواتین مل جاتی ہیں۔ جن کا کام کچھ اور ہوتا ہے۔ میں ایک شریف ماں باپ کا بیٹا ہوں اور عزت کی روٹی کمانا چاہتا ہوں گریجویشن کیا ہے میں نے لیکن اپنے وطن کے حالات دیکھ لیجئے۔ نوکری ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے ٹیکسی کا دھندہ شروع کر دیا ہے۔"

"عقل کا کام کیا ہے تم نے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"رشید احمد۔"

"عقل کا کام کیا ہے تم نے رشید۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہر نوجوان علم حاصل کرنے کے بعد یہ سوچتا ہے کہ کسی سرکاری یا کسی پرائیویٹ ادارے میں میز کرسی پر بیٹھ کر ..... مجھے معاف کرنا۔ حرام خوری کرے۔ چند کاغذات دیکھے اور اس کے بعد یہ سوچے کہ اس نے ملک و قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ دوسرے کام بھی تو ہیں وطن کی ضرورتیں اور بھی تو ہیں صرف یہ ہی تو نہیں کہ میز پر بیٹھ کر قلم گھسا جائے۔ ہر شعبے کو تمہارے جیسے نوجوان کی ضرورت ہے۔ جو ملک و قوم کی ہر طرح کی ضرورتیں پوری کریں۔ اس تصور کو ذہن میں جگہ دینی ہی نہیں چاہیے۔ اسی تصور نے تو ملکی حالات اس قدر خراب کئے ہیں۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ میرا بھی بالکل یہ ہی نظریہ ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

شازیہ انتظار کرتی رہی اور اس وقت اس کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ جب اس نے دیکھا کہ ثوبیہ پچھلے دروازے سے باہر نکل آئی ہے اور راستہ طے کر رہی ہے۔

"ہمیں اس لڑکی کا تعاقب کرنا ہے۔ ڈرائیور۔" اب ضرور یہ کسی ٹیکسی کو تلاش کرے گی تم، اپنی ٹیکسی کسی ایسی جگہ لے جاؤ جہاں سے اس کی نگاہ تم پر نہ پڑے اس سے پہلے کہ ڈرائیور اپنی ٹیکسی شارٹ کرتا۔ ثوبیہ کو ایک ٹیکسی مل گئی اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ ڈرائیور نے اطمینان سے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ شازیہ تعاقب کرتی رہی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر پہنچ کر اس نے موبائل پر دلاور سے رابطہ قائم کیا۔

"ہاں میں تمہاری ٹیکسی کے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ میں نے اسے واش روم کی طرف اور پھر وہاں سے نکل کر پچھلے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔"

"گڈ، میں بس آپ کو یہی بتانا چاہتی تھی دلاور بھائی۔"

"فکر مت کرو۔ میں تمہارے پیچھے ہوں اور تم کسی قسم کا خوف بھی نہ محسوس کرو۔" دلاور نے جواب دیا۔ صوفی نے ان لوگوں کو اس قدر ایکسپرٹ کر دیا تھا کہ اب بے شمار باتیں انہیں بتانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں اپنا کام کیسے سرانجام دینا ہے۔ آخر کار دونوں اس عمارت کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں ثوبیہ نے ٹیکسی رکوائی تھی اور پھر بقیہ کاروائی بھی انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی گارڈ نے ٹیکسی ڈرائیور کو آکر بل کی رقم ادا کی تھی۔ لفٹیں کئی لگی ہوئی تھیں۔

چنانچہ دونوں الگ الگ لفٹوں میں چلے اور دلاور چھٹی منزل پر اتر گیا۔ شازیہ بھی تھوڑی دیر کے بعد وہیں پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد اس کو فلیٹ نمبر ۶۱۵ میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تھے دلاور نے شازیہ سے کہا۔

"جس انداز میں اس نے فلیٹ کا تالا کھولا ہے اور جس طرح گارڈ نے ٹیکسی کا بل ادا کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمارت کا یہ فلیٹ اس کی مکمل رہائش گاہ ہے شازیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اب کچھ دیر کے بعد انہوں نے صوفی کو اس بارے میں اطلاع دی تو صوفی نے کہا۔

"دلاور کو وہیں چھوڑ دو اور تم میرے پاس آ جاؤ۔" درویشوں کی دعاؤں سے۔

"کہاں؟"

"گرین ہاؤس۔" صوفی نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ شازیہ نے گردن ہلا دی تھی۔

♥ ..... ♥ ..... ♥

گرین ہاؤس میں صوفی نے شازیہ کا استقبال کیا تھا۔ دلاور کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ ثوبیہ خان کی نگرانی کرے۔ صوفی گرین ہاؤس کے ایک خاص کمرے میں شازیہ کا انتظار کر رہا تھا۔ شازیہ نے وہاں پہنچ کر اسے سلام کیا۔

تو صوفی نے بڑی محبت سے اس کا جواب دیا۔ پھر بولا۔

"ہمارا اندازہ بالکل درست نکلا شازیہ۔ لیکن جو فلیٹ تم نے دریافت کیا ہے وہ میرے لئے بڑی

دلچسپ نوعیت کا حامل ہے۔"

"جی چھوٹے بابا۔"

"ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

"حکم کیجئے۔" شازیہ نے کہا۔

"کیا تم ثوبیہ کی آواز اور اس کے انداز کی نقل کر سکتی ہو۔"

"زندگی میں اور سیکھا ہی کیا ہے چھوٹے بابا نقلیں کرنے کے سوا۔"

"خیر اب میں تمہیں خود نہیں بتاؤں گا کہ تم نے زندگی میں اور کیا کیا سیکھا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ تم نے سیکھا ہے۔ وہ عام لوگ نہیں سیکھتے اور نہ ہی انہیں اس سے دلچسپی ہوتی ہے۔"

"شکریہ چھوٹے بابا۔ آپ کے ان الفاظ کو میں دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہی ہوں۔"

"تمہیں اب ثوبیہ کی جگہ لینی ہے۔" صوفی نے کہا اور شازیہ سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

"دلچسپ تجربہ ہوگا میرے لئے۔"

"خیر ایسے تجربات تم بہت سے کر چکی ہو اور ان میں اپنی مہارت کا ثبوت دے چکی ہو۔"

"میری دعا ہے چھوٹے بابا کہ آپ جب بھی کوئی کام میرے سپرد کریں میں اس میں مہارت کا ثبوت ہی دوں۔"

"تب پھر آ جاؤ ہمیں بہت زیادہ وقت نہیں برباد کرنا چاہئے۔" صوفی نے کہا اور شازیہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"جی چھوٹے بابا۔"

"میں تمہارا میک اپ کروں گا۔"

"اوہ..... ٹھیک ہے۔" شازیہ نے کہا اور صوفی اسے اس کمرے سے لا کر انڈر گراؤنڈ تہہ خانے میں لے گیا۔ گرین ہاؤس کو اب بہت سی ایسی چیزوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ جن کی مدد سے وہاں بہت سے کام کئے جا سکتے تھے۔ ایسے کمرے بھی بنا لئے گئے تھے اس میں جہاں پہنچنے کے بعد کسی خاص میکنیزم کے علاوہ ان سے باہر نکلنا ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ صوفی نے میک اپ کا سامان نکالا اور شازیہ کے چہرے پر مصروف ہو گیا۔ کوئی سوا گھنٹے تک وہ بڑی محنت اور باریکی کے ساتھ اس کے چہرے پر کام کرتا رہا اور پھر ناقدانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے کے بعد اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"حق اللہ۔"

"آئینہ دیکھ سکتی ہوں۔ چھوٹے بابا۔" صوفی نے گردن ہلا دی۔ شازیہ نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور دنگ رہ گئی۔ اتنے شاندار خدوخال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میک اپ میں ذرہ برابر بھی خامی نہیں تھی اور وہ بالکل ثوبیہ خان نظر آ رہی تھی۔ صوفی اسے آگے کا پورا منصوبہ سمجھانے لگا اور شازیہ نے گردن ہلا دی۔ صوفی نے کہا۔

"مشکل کام ہوگا شازیہ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ غلام قادر کو بھی میں وہاں بھیج دوں گا۔ دونوں

تمہاری نگرانی کریں گے۔"

"آپ نے ہمیشہ مجھ پر بھروسہ کیا ہے چھوٹے بابا اطمینان رکھئے میں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔"

"یہ کچھ جدید اسلحہ آیا ہے میرے پاس۔ اس وقت تمہاری بہترین ضرورت ہوگی۔" صوفی نے کہا اور اس کے بعد اس نے جو چیزیں شازیہ کو دیں۔ وہ واقعی شازیہ کے لئے حیران کن تھیں۔ اس میں ایک لپ اسٹک تھی۔ جسے اوپر کے حصے سے کھول کر لپ اسٹک کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا لیکن اگر اسے بند کر کے اس کا دوسرا رخ ڈھکن کی طرف سے کھول دیا جاتا تو یہ ایک چھوٹے سائز کا پستول بھی تھا۔ اس طرح کی اور دو تین چیزیں اس نے شازیہ کے پرس میں رکھ دیں۔ اس کے بعد بولا۔

"آؤ چلتے ہیں۔" کار میں بیٹھ کر سفر کرتے ہوئے اس نے دلاور سے موبائل فون پر رابطہ قائم کیا تھا اور دلاور نے فوراً فون ریسیو کیا۔

"ہاں دلاور۔ کیا صورتحال ہے۔"

"سب ٹھیک ہے۔" صوفی صاحب وہ اپنے کمرے ہی میں ہے۔ شازیہ نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے ناں۔"

"ہاں۔ تم کہاں ہو؟"

"اسی راہ داری کے آخری سرے پر ایک بالکونی ہے۔ وہاں کھڑا ہوا ہوں۔ یہ بہت خوب صورت فلیٹ ہیں اور یہاں کے رہنے والے۔ ایک دوسرے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ اس لئے مجھے یہاں کھڑے ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی۔"

"ٹھیک..... آرام سے رہو۔" صوفی نے کہا اور اچانک ہی اس نے راستہ بدل دیا۔

"ادھر نہیں چھوٹے بابا۔"

"مجھے پتا ہے۔" صوفی نے کہا۔ پھر بولا۔

"تمہیں یاد نہیں رہا۔ جو کچھ تم نے مجھے بتایا۔ اس میں یہ بھی بتایا کہ گارڈ نے آ کر ٹیکسی کا بل ادا کیا اور اس کے بعد ثوبیہ کا مزید رابطہ بھی اس سے رہا۔"

"جی تو پھر؟"

"گارڈ کو معلوم ہوگا کہ ثوبیہ اپنے فلیٹ میں موجود ہے۔ اگر وہ دوبارہ ثوبیہ کو دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔"

"او مائی گاڈ واقعی۔"

"چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"تو پھر اب ہم کیا کریں؟"

"کچھ نہیں۔" صوفی نے کہا اور ایک بھرے پُرے بازار میں داخل ہو کر ایک دوکان کے سامنے گاڑی روک دی، یہاں ہر طرح کے برقعے اور گاؤن وغیرہ دستیاب تھے۔ صوفی نے ایک پرانے طرز کا برقعہ خریدا اور اس کے بعد شازیہ کو وہ برقعہ پہننے کو دیا۔ شازیہ برقعہ پہن کر خوب ہنسی تھی۔ اس نے کہا۔

''واہ چھوٹے بابا۔ آپ نے برقعہ پچاس سال قدیم قسم کی خواتین کا خریدا ہے۔''

''ساتھ میں ایک سو پچاس سال پرانا آدمی بھی تو تمہارے ساتھ ہے۔'' صوفی نے جواب دیا اور شازیہ خوب ہنسی۔ برقعہ پہن کر وہ صوفی کے ساتھ سفر کرتی ہوئی آخر کار اس عمارت تک پہنچ گئی۔ جہاں اسے اپنا کام کرنا تھا۔ صوفی بآسانی عمارت کے اندر داخل ہوا کسی نے ان کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔ فلیٹوں میں رہنے والوں کے مہمان آتے جاتے رہتے تھے اور کوئی خاص چیکنگ نہیں تھی ان کے سلسلے میں۔ صوفی چھٹی منزل پر پہنچ گیا۔

دلاور اب بھی وہیں بالکونی میں موجود تھا۔ صوفی کو دیکھ کر وہ ٹہلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''چھ سو پندرہ.....''

''کوئی اور خاص بات تو نہیں؟''

''بالکل نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اور اس کے بعد صوفی نے شازیہ کو اشارہ کیا اور شازیہ آگے بڑھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے فلیٹ کی بیل دبائی۔ دوسری اور تیسری بیل دبائی تو دروازہ کھلا اور ثوبیہ خان سلیپنگ سوٹ میں نظر آئی۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سو رہی تھی۔ اس نے شازیہ کو بے چین نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

''کیا مصیبت آئی ہے تم پر..... یہاں بھی بھیک مانگنے آ جاتے ہیں۔'' جواب میں شازیہ نے برقعہ سے ہاتھ نکالا اور پستول کی نالی ثوبیہ خان کے سینے پر رکھ دی۔ پھر بولی۔

''ایک لفظ منہ سے نکلا تو سینے میں سوراخ ہو جائے گا۔'' اس نے اسے پیچھے دھکیلا اور عقب سے صوفی بھی اندر داخل ہو گیا۔ ثوبیہ کے منہ سے ایک سہمی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔

''تم.....'' صوفی نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کیا۔ شازیہ نے پستول سیدھا کر رکھا تھا۔ ثوبیہ چونکہ سوتے سے جاگ کر آئی تھی اس لئے۔ ابھی تک چکرائی ہوئی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کیا چاہتے ہو تم دونوں؟''

''نہایت غلط قسم کی خاتون ہیں آپ۔ یعنی تہذیب کا تو نام و نشان نہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔ ہم لوگوں نے کتنے احترام سے تمہیں اپنے ساتھ رکھا اور تم.....'' اچانک ہی ثوبیہ کے حلق سے ایک آواز نکلی اور اس نے پہلی بار غور سے شازیہ کا چہرہ دیکھا تھا اور اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

''یہ..... یہ کون ہے؟'' یہ کون ہے۔''

''ثوبیہ خان۔'' صوفی نے جواب دیا۔

''کک..... کک..... کیا..... کیا بکواس ہے۔ ثوبیہ خان تو میں ہوں۔''

''یہ تو تم بتاؤ گی اب کہ تم کون ہو۔ اصل ثوبیہ خان یہ ہے۔''

''دیکھو..... میں جتنے دن تمہارے ساتھ رہی ہوں۔ میں نے تمہیں ایک اچھا انسان پایا ہے۔ اس لئے تمہارا احترام کر رہی ہوں۔ یہ کیا حرکت ہے اور کیوں ہے۔ میں اس بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔

''ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں۔ عزیزہ کہ آپ کون ہیں اور ثوبیہ خان کی شکل کیوں اختیار کئے

ہوئے ہیں؟''

''تو یہ ثوبیہ خان ہے۔'' ثوبیہ خان نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''سوفیصدی۔ یوسف خان نے یہ ہی بتایا ہے۔''

''تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو ناں۔ میں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ لیکن تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''یہ ہی اندازہ لگانے کے لئے یہاں حاضر ہوئے ہیں درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے کہا اور جیب سے ایک پستول نکال لیا۔ لیکن یہ کھلونا پستول تھا۔ وہ بولا۔

''بجائے اس کے کہ ہم تمہیں زیادہ پریشانی سے دوچار کریں۔ اس پستول کی ایک گولی کھاؤ اور گہری نیند سو جاؤ درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے کہا اور پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ پستول سے ایک سبز رنگ کا غبارہ باہر نکلا اور ثوبیہ خان گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ غبارے نے اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور آن کی آن میں وہ چکرانے لگی۔

اس کے بعد جیسے ہی وہ گرنے لگی۔ صوفی نے فوراً اسے سنبھال کر زمین پر لٹا دیا۔ شازیہ دلچسپ کی نگاہوں سے صوفی کی یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ صوفی کے ایک ایک قدم سے اسے عقیدت ہو گئی تھی۔ پھر صوفی ثوبیہ خان کو لے کر کمرے میں آیا اور اس کے بعد اسے بستر پر لٹا دیا۔

''یہ کئی گھنٹوں تک ہوش میں نہیں آئے گی لیکن پھر بھی ہم اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتے ہیں۔ دن کی روشنی میں اسے عمارت سے باہر لے جانا ممکن نہیں ہوگا۔ رات کو یہ جگہ کلیئر ہو جائے گی۔'' شازیہ نے گردن ہلا دی تھی اور پھر صوفی نے اسی فلیٹ میں ثوبیہ خان کو باندھنے کے لئے چیزیں تلاش کیں اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے وہیں مسہری پر ڈال دیا۔

♥.....♥.....♥

ٹارزن کا ماضی کافی حد تک سہیل عالم بارودوالا کے علم میں تھا۔ چھوٹے سے قد و قامت کا یہ شخص زندگی کے اتنے نشیب و فراز سے واقفیت رکھتا تھا کہ عام لوگ شاید اتنے تجربات زندگی میں نہ حاصل کر سکتے ہوں۔ وہ اپنے ننھے منے قد و قامت کے باوجود کس طرح خطرناک تھا۔ یہ بات البتہ سہیل عالم کو معلوم تھی۔

بہرحال سہیل عالم اپنی شناخت کے لئے یہاں آیا تھا اور آخر کار اس نے اپنے باپ کو قائل کر لیا تھا اس کے اہل خاندان اور خود اس کا باپ جو بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن سہیل عالم بہت خوددار انسان تھا۔ باپ سے ملاقات ہوتی تو وہ کہتا۔ ''ڈیڈی بات صرف اتنی سی ہے کہ میں آپ کی دی ہوئی کسی مراعات سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ ورنہ دنیا یہ ہی سمجھے گی کہ میں آپ کی دولت کے لالچ میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ آپ اپنے اثاثوں کا ایک ایک حصہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے نام لکھ دیں۔ مجھے ذرہ برابر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جی رہا ہوں اور اپنے طور پر جینا چاہتا ہوں۔ یہ ہی میری ماں کی تربیت تھی اور اب جب آپ مجھے مل چکے ہیں تو میرے لئے اس سے بڑا سرمایہ اور کوئی نہیں ہے کہ میں اپنے باپ کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ کم از کم میرے دل سے وہ بوجھ ہٹ گیا ہے۔ بس یہ ہی میرے لئے سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور اس کے علاوہ مجھے اور کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔

ٹارزن کو یہ سب حالات معلوم تھے۔ ویسے بھی وہ دل سے سہیل عالم کی قدر کرتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد سہیل عالم صوفی سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا۔ ٹارزن کو خود بھی اس بے ڈول سے انسان سے بڑی عقیدت ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بھی انتہائی اعلیٰ کارکردگی کا مالک تھا اور صوفی میں بھی اس نے یہ ہی دیکھا تھا کہ بڑی زبردست ذہانت رکھتا ہے اور جو بھی عمل کرتا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔

بہرحال یہ بھی اندازہ اس نے لگا لیا تھا کہ صوفی من موجی سا آدمی ہے۔ سہیل عالم چاہتا ہے کہ صوفی ہر لمحہ اسے اپنے ساتھ رکھے۔ لیکن صوفی شاید ہر لمحہ اسے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ جب روزا میلسی کا واقعہ پیش آیا تھا۔ روزا میلسی کو ٹارزن اچھی طرح جانتا تھا۔ روزا میلسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کر کے اسے قتل کرنا چاہا تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ ٹارزن اپنی ذہانت سے بچ گیا تھا۔ پھر اس کے بعد مزید کارروائیاں ہوئیں۔ صوفی نے روزا میلسی سے معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد سہیل عالم نے اسے مانگ لیا۔ سہیل عالم نے اپنی ذہانت سے کام لے کر روزا میلسی اور اس کے چاروں ساتھیوں کا دماغ خراب کر دیا اور وہ سڑکوں بھٹکتے رہے۔ پھر اس کے بعد انہیں سرکاری تحویل میں لے لیا گیا اور آخر کار ایک ملک کے سفارتخانے نے روزا میلسی کو اپنے ملک کا شہری قرار دے کر اسے اپنی تحویل میں لے لیا اور اب شاید سفارت خانے کے مذاکرات چل رہے تھے۔

روزا میلسی کو ایک ہسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا۔ جہاں اس کا علاج کیا جا رہا تھا۔ لیکن ٹارزن اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔ ٹھیک ہے۔ روزا میلسی دماغی طور پر ماؤف ہو گئی تھی اور سفارت خانے نے اس پر ہاتھ رکھ دیا تھا لیکن روزا میلسی ایک چالاک مجرم تھی کون لوگ اس کے پس پشت ہیں یہ بات ابھی سامنے نہیں آئی تھی۔ نجانے کیوں صوفی اور سہیل عالم بارود والے نے یہ بات پس پشت ڈال دی تھی کہ روزا میلسی کے پشت پناہوں کو تلاش کریں یا پھر وہ ڈسک جو انہیں حاصل ہو گئی تھی۔ اس سے انہیں معلومات حاصل ہو چکی تھیں کہ روزا میلسی کون ہے اور کس تنظیم کے لئے کام کر رہی ہے؟ لیکن اس کے بعد وہ روزا میلسی سے کیا کام لیتے ہیں۔ اس بات پر نہ صوفی نے اور نہ سہیل عالم نے غور کیا تھا۔ البتہ ٹارزن اس لئے اس بارے میں سوچتا رہا تھا کہ روزا میلسی اس پر قاتلانہ حملہ کر چکی تھی۔

ان دونوں نے اس بات پر توجہ نہیں دی تھی لیکن ٹارزن بدستور روزا میلسی کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ چونکہ اس وقت سہیل عالم کی جانب سے اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے وہ آزادی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ اس نے معلومات حاصل کر کے اس جگہ کا پتا لگا لیا تھا جہاں روزا میلسی کو رکھا گیا تھا۔ یہ ایک پرائیویٹ ہسپتال تھا اور بڑی شان دار روایت کے حامل ایک غیر ملکی ادارے نے اسے قائم کیا تھا اور وہی ادارہ اسے انتہائی اعلیٰ پیمانے پر چلا رہا تھا۔ یہاں عام طور پر غیر ملکی داخل ہی ہوا کرتے تھے۔

لیکن ہر شعبے کے بہترین ڈاکٹر یہاں موجود تھے۔ اس کے علاوہ ہسپتال کے اعلیٰ کارکن کسی بھی ضرورت پر دنیا کے کسی بھی ملک سے ڈاکٹرز کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے اور اس طرح یہ ہسپتال اپنی نوعیت کا واحد ہسپتال تھا۔ ٹارزن بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ بعض جگہوں پر اس کا چھوٹا قد اس کے لیے مشکل کا باعث بن جاتا تھا۔ لیکن اس کے پاس ہر چیز کا حل موجود تھا۔ خاص قسم کے فائبر کی مضبوط ٹانگیں اس نے بنوائی

تھیں۔ جنہیں اپنے پیروں میں فٹ کر کے وہ ان سے بہترین کام لے لیا کرتا تھا۔ ہسپتال کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے کچھ اور کوششیں شروع کر دیں اور آخر کار وہ ایک مناسب قد و قامت کے شخص کی حیثیت سے ہسپتال میں داخل ہو گیا۔

اس نے وارڈ بوائے کا لباس اختیار کیا تھا اور ہسپتال میں باقاعدہ ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا۔ چالاکی سے اس نے آج تک اپنی حیثیت کو مشروط نہیں ہونے دیا تھا۔ بہرحال بے شک یہ ایک مشکل کام تھا۔ لیکن ایک ذہین آدمی کے لئے نہیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسے اتنا پتا چل گیا کہ روزا میلسی اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟ خصوصی طور پر شاید سفارت خانے کی ہدایت یا کوششوں سے روزا میلسی کو ہسپتال کی بلڈنگ کے اوپر کا حصہ ملا تھا اور ایک بڑے سے ہال میں ان پانچوں کو رکھا گیا تھا روزا میلسی کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ لگانا بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن بہرحال ٹارزن مسلسل کوششوں میں مصروف تھا اور پھر اس کی یہ کوشش بار آور ہو گئی تقریباً چار یا پانچ دن کی مسلسل کاوشوں کے بعد اس نے ایک دن تین افراد کو ایک ڈاکٹر کے ساتھ روزا میلسی کے اس ہال نما کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ تینوں شکل سے ہی مشکوک نظر آ رہے تھے۔ اچھی شخصیت کے مالک تھے۔ گہری سنجیدگی کے حامل ڈاکٹر انہیں لے کر ہال میں داخل ہوا تو ٹارزن نے وہ جگہ سنبھال لی۔ جہاں سے وہ اندرونی صورت حال کا بھرپور جائزہ لیا کرتا تھا۔ ایک ایسی جگہ منتخب کر لی تھی اس نے، جہاں سے وہ اندر کی آوازیں بھی سن لیا کرتا تھا۔ تینوں افراد اندر داخل ہوئے اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"بے حد شکریہ ڈاکٹر آپ پورے اعتماد کے ساتھ ہمیں یہاں تنہائی دیں ہم اپنے طور پر کچھ کام کریں گے۔"

"آپ کے بارے میں ہمیں جو ہدایتیں ملی ہیں سر! اس کے بعد ہم آپ پر مکمل اعتماد کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ اطمینان سے یہاں قیام کیجئے گا۔ براہ کرم مریضوں کو کسی ایسی کیفیت کے لئے آمادہ نہ کیجئے جو ان کے لئے ذہنی ہیجان کا باعث ہوں۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔" ان میں سے ایک بھاری بھرکم شخص نے کہا۔

پھر اس کے بعد ڈاکٹر تو باہر نکل گیا۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر ہال کا دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد وہ روزا میلسی کے پاس پہنچ گیا جو بستر پر لیٹی سادہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میڈم آپ اس قدر ذہنی قوتوں کی مالک ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کو کس طرح ذہنی طور پر معذور کر دیا گیا ہے۔ آپ کے کارنامے اور آپ کی شخصیت پوری طرح ہمارے علم میں ہے۔"

"میاؤں۔" روزا میلسی نے بلی کی آواز منہ سے نکالی اور اس شخص نے تشویش زدہ نگاہوں سے روزا میلسی کو دیکھا۔

"میرا نام عیشل براؤن ہے۔ عیشل براؤن کے بارے میں آپ نے ضرور سن رکھا ہوگا۔ آپ کے برابر کارنامے تو میں نے نہیں انجام دیئے لیکن پھر بھی عیشل براؤن کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے اور تنظیم مجھے۔"

"بھوؤں..... بھوؤں..... بھوؤں۔" اس بار پیچھے سے آواز آئی تھی۔

"میڈم ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ذہن میں کوئی خاص پروگرام ہے۔ یا پھر صرف اپنے بچاؤ کے لئے آپ نے یہ انداز اختیار کیا ہے۔"

"ٹیں، ٹاں، ٹوں..... ٹیوں، فوں۔" روزا میلسی نے کہا اور بچوں کی طرح ہاتھ پاؤں چلانے لگی۔

عیشل براؤن تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

"آپ کیا کہتے ہیں ڈاکٹر فوگ۔" جس شخص کو ڈاکٹر فوگ کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور روزا میلسی پر جھک گیا۔ روزا میلسی کے حلق سے پھر ہلکی سے "ٹیاؤں" کی آواز نکلی اور وہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔ ڈاکٹر فوگ اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"نہیں مسٹر براؤن یہ لوگ آؤٹ آف سینس ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔"

"اوہ۔" ادھر ان لوگوں میں سے کوئی کافی دیر وہ ان لوگوں کا جائزہ لیتے رہے اس کے بعد یہ بات فائنل کر دی گئی کہ یہ پانچوں ذہنی طور پر معذور ہیں۔"

"یہ زیادہ پریشان کن بات ہے۔ اب آپ کی باری شروع ہوتی ہے۔ مسٹر ہیڈن ان لوگوں کے لے جانے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ ہم سفارت خانے سے مدد نہیں حاصل کر سکتے۔ چونکہ سفارت خانہ اس سلسلے میں چھان بین کرے گا۔ ہمیں خفیہ طریقے سے تیاریاں کرنی ہیں اور خفیہ طریقہ سے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کرتا ہوں اصل میں بات وہی آ جاتی ہے کہ ہم غیر جگہ ہیں اور ہمارے وسائل محدود۔"

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔"

"کیا؟"

"یوسف خان، وہ ہمارا آدمی ہے۔ کیا کہتے ہیں آپ اس سلسلے میں؟"

"نہیں۔ میں یوسف خان کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ آپ کو شاید یہ بات یاد نہیں رہی ہے۔ کہ اس کے سلسلے میں ہمیں ریکارڈ دیا گیا ہے۔"

"نہیں میرے علم میں یہ بات نہیں ہے۔ خیر بہت، یوسف خان کے سلسلے میں ریکارڈ کیوں دیا گیا ہے۔"

"اس لئے کہ ابھی تک وہ تنظیم کے لئے کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام نہیں دے سکا۔"

"ہوں۔"

"میں آپ کو ایک اور نام بتا رہا ہوں جو ہمارے لئے انتہائی کارآمد ہو گا۔"

"کون سا نام؟"

"اطہر جبار خان۔ کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ اس ملک کا ایک انتہائی اہم عہدے دار ہمارا اپنا آدمی ہے۔ اصل آدمی کے میک اپ میں۔ ہمارا اپنا کارکن۔"

"ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے لیکن کہا گیا ہے کہ اسے اپنے قدم مضبوطی سے جما لینے ہوں گے اور اس وقت تک اس سے کوئی کام نہ لیا جائے۔"

"دیکھئے۔ تنظیم کی طرف سے جو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں۔ ان کا آغاز اس دن سے ہو جاتا ہے جس دن کسی شخص کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ بے شک احتیاط کے پیش نگاہ ہم ایک شخص کو ہم ایک مضبوط بنیاد دینا چاہتے ہیں لیکن اب جب ایسی افتاد پڑی ہے تو پھر تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہو گا۔"

"ہم نہیں جانتے کہ اطہر جبار خاں نے یہاں اپنے کیا تعلقات بڑھائے ہیں۔"

"یار کیسی باتیں کرتے ہو؟ وہ جس عہدے پر کام کر رہا ہے۔ اس میں تعلقات میں کیا کوئی کمی ہو سکتی ہے۔"

"ہوں۔ تو پھر اس سلسلے میں اطہر جبار خاں سے ہی رجوع کیا جائے۔"

"ہاں، بہ ظاہر اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ ہم اس سلسلے میں کوئی مناسب کارروائی ضرور کریں گے۔ تنظیم کی طرف سے جو احکامات دیئے جاتے ہیں۔ وہ ایک باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوتے ہیں۔ لیکن بیشتر مواقع اس طرح کے ہوتے ہیں کہ جو پلاننگ ہم کرتے ہیں۔ ان میں ہمارے راستوں کی رکاوٹیں دور نہیں ہو پاتیں اور ہم مجبوراً اپنا طریقہ کار بدلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ ساری صورت حال دیکھنے اور سوچنے کے قابل ہوتی ہے۔ ویسے ایک بہت ہی ذمہ دار کارکن کے ساتھ یہ سلوک ہوا ہے۔"

"میں تو آپ سے ایک بات کہتا ہوں مسٹر عیشل براؤن کہ ہمیں انتہائی محتاط رہنا چاہیے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے روزا میلسی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ یقیناً روزا میلسی سے واقف ہو چکے ہوں گے۔"

"ہمارا کام صرف اپنے طور پر احتیاط کرنا اور روزا میلسی کو ہر قیمت پر یہاں سے نکال لے جانا ہے اور تنظیم میں بے شمار افراد ان کاموں کے لئے موجود ہیں۔" عیشل براؤن نے کہا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"فی الحال چلتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک صرف واحد ذریعہ اطہر جبار ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوچی جا سکتی۔ پھر بھی اس سلسلے میں ایک آخری میٹنگ کر لیں گے ہم لوگ۔" نارزن نے اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ اس کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ ویسے بھی اس کا تعلق جرم کی دنیا سے رہا تھا۔ اس لئے ہر بات کو صحیح انداز میں سوچ سکتا تھا اور اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ان لوگوں کا تعاقب کر کے ان کی رہائش گاہ کا پتا لگایا جائے تا کہ ان کے سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھایا جائے۔ ایک اور نام اس کے علم میں آیا تھا اطہر جبار خان جسے اس نے پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ نام کس کا ہے۔ لیکن بہر حال ان لوگوں نے جس انداز میں اس کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اطہر جبار خان کوئی مقامی عہدیدار ہے۔ لیکن ان لوگوں کا آلہ کار بلکہ وہ ہے جو اصل شخص کی جگہ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ غرض یہ کہ اطہر جبار خان کا نام اچھی طرح ذہن نشین کر کے نارزن وہاں سے باہر نکل آیا۔ یہ لوگ بڑی باقاعدگی کے ساتھ یہاں پہنچے تھے اور یہاں کے ڈاکٹروں نے ان سے تعاون کیا تھا۔ اس لئے ان کے خفیہ طور سے کہیں پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

نارزن برق رفتاری سے باہر نکلا اس نے سب سے پہلے اپنی مصنوعی ٹانگیں ایک مناسب جگہ بیٹھ

کر کھولیں۔ انہیں محفوظ کیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ کون سی کار میں آئے ہیں۔ ہسپتال کے پارکنگ لاٹ پر کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں اس نے ایک کار کو تاڑا جس کا ڈرائیور اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ ٹارزن ڈرائیور کے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔

''آپ کھرونہ صاحب کے ساتھ آئے ہیں؟'' ڈرائیور نے چونک کر اسے دیکھا اور بولا۔

''کون کھرونہ؟''

''دیکھیے آپ کو وہ..... سامنے بلایا جا رہا ہے۔'' ٹارزن نے اشارہ کیا کیوں کہ وہ وارڈ بوائے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ ڈرائیور نے یہ ہی سمجھا کہ اندر سے اسے بھیجا گیا ہے۔ وہ سامنے دیکھتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گیا۔ ٹارزن نے انتہائی پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا اور اس کی پچھلی سیٹوں کے پیچھے رینگ گیا۔ اس نے اپنا کام بہ خوبی کر لیا تھا اور ہر طرح سے تیار تھا۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائیور واپس آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن اسے کوئی نظر نہیں آیا تو وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ اس کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکل رہی تھی۔

''ہسپتال ہی کا کوئی بندہ معلوم ہوتا تھا۔ پتا نہیں کیا چاہتا تھا۔'' لیکن بندہ جو چاہتا تھا وہ کچھ ہی لمحوں میں سامنے آ گیا۔ دفعتہ ہی عقب نما آئینے میں اس نے پچھلی سیٹوں سے ایک سر کو ابھرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ چونکتا یا سنبھلتا۔ انتہائی زوردار ضرب اس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی۔ اس کے حلق سے چیخ سی نکل گئی۔ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ ورنہ چیخ اتنی زوردار ضرور تھی کہ کوئی سن لیتا۔ لیکن دوسری ضرب نے اسے ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا اور پھر ایک ننھے سے وجود نے بڑی آسانی سے اس کا قوی ہیکل جسم گھسیٹ کر پچھلی سیٹوں کے درمیان کر دیا اور اسی کے لباس کو اتار کر اس کے ہاتھ پاؤں کس کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

اس کام سے فراغت حاصل کر کے ٹارزن ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ اس دوران وہ لوگ غالباً ڈاکٹر سے روزا میلسی کے بارے میں بات چیت کرتے رہے تھے۔ اس لیے ٹارزن کو بھرپور موقع مل گیا تھا۔ تینوں واپس آئے ان میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور نیلے رنگ کی وہ کار جو یقیناً رینٹ اے کار سے حاصل کی گئی تھی سٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

ٹارزن نے بھی اپنی کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ پھر وہ بڑی مہارت سے آگے والی کار کا تعاقب کرنے لگا۔ حالاں کہ سیٹ پر بیٹھ کر وہ بہت نیچا ہو جاتا تھا اور اسے بہت کم نظر آتا تھا لیکن مجبوری کی بات الگ ہوتی ہے۔ وہ کامیابی سے آگے والی کار کا تعاقب کرتا رہا اور پھر آگے والی کار ایک درمیانے درجے کے علاقے میں داخل ہو گئی جہاں فلیٹ ہی فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ کار ایک فلیٹ ایریا میں پارک ہوئی اور اس کے بعد ٹارزن نے ان تینوں کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑی کامیابی سے ان کا تعاقب کرتا ہوا پانچویں منزل کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا تھا جسے کھول کر وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ گویا ان کا اسی فلیٹ میں قیام تھا۔

اس سے زیادہ کوئی کارروائی ان حالات میں حماقت تھی۔ چناں چہ ٹارزن نے واپسی کا فیصلہ کیا لیکن جو کچھ وہ معلوم کر کے آیا تھا وہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ پھر اس نے کار وہیں چھوڑی اور ایک ٹیکسی کر کے

واپس چل پڑا۔

جس وقت وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا تو اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ سہیل عالم موجود ہے سہیل عالم ایک صوفے پر نیم دراز مقامی اخبار دیکھ رہا تھا۔ ٹارزن کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور بولا۔

''ہیلو ٹارزن کیا جنگل سے واپس آ رہے ہو۔''

''ہاں۔ انسانوں کے جنگل سے۔''

''کیا کرتے پھر رہے ہو۔ آج کل خاصے غائب نظر آنے لگے ہو۔''

''بس، میں تمہاری مصروفیات میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔

تھوڑا بہت کام میں خود بھی کرتا رہتا ہوں۔'' ٹارزن نے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں جانتا ہوں تم ایک مصروف انسان ہو۔ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتے لیکن کر کیا رہے ہو۔ مجھے بتاؤ گے۔'' ٹارزن تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر اس نے پر خیال انداز میں کہا۔

''روزا میلسی نے اپنی دانست میں میرا کام تمام کرا دیا تھا۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تمہارا معاملہ تھا لیکن میں اس بات سے مطمئن نہیں تھا کہ تم نے روزا میلسی کا دماغی توازن خراب کر کے اسے اس طرح چھوڑ دیا۔

''اوہو۔'' اگر تم غیر مطمئن تھے ٹارزن تو تمہیں یہ بات مجھے بتانی چاہیے تھی۔''

''کوئی ضرورت نہیں محسوس کی تھی میں نے بلکہ میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اب اس کے بعد روزا میلسی کا کیا ہوگا۔ تم نے اپنی دانست میں۔ اس بہت بڑی عورت کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا لیکن میں یہ بات جانتا تھا کہ جس تنظیم سے اس کا تعلق ہے وہ اسے اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گی۔ جس سفارت خانے نے اس کی ذمہ داری قبول کی اس کے بعد امکانات ہیں کہ اس ملک کے سفارت خانے کو یا اس ملک کو تنظیم کی طرف سے یہ ہدایت دی گئی ہو کہ وہ روزا میلسی کا تحفظ کریں۔

اور اس کے بعد ہمیں یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ روزا میلسی کا ہوتا کیا ہے۔''

''ہاں بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو پھر؟''

''میں نے اسی لائن پر کام کیا۔''

''گڈ۔'' سہیل نے اخبار ایک طرف رکھ کر دلچسپی سے کہا۔ اور سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پھر تم نے کیا کیا ٹارزن؟''

''پہلے میں نے اس جگہ کو ٹریس کیا جہاں روزا میلسی کو سفارت خانے کی طرف سے رکھا گیا تھا۔ یہ ایک پرائیویٹ ہسپتال ہے۔''

''ہاں مجھے معلوم ہے اس بارے میں اس کا۔ بہت علاج ہو رہا ہے مگر وہ ناقابل علاج ہو چکی ہے۔ ٹارزن یہ بات تم بھی جانتے ہو جس فارمولے کے تحت ہم نے ان کے دماغ ناکارہ کیے ہیں تم یہ سمجھ لو کہ جب ان کے دماغ کی اسکیننگ ہوگی تو انہیں پتا چل جائے گا کہ دماغ اس طرح جل چکے ہیں جیسے تیزاب سے کسی چیز کو جلا دیا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تیزاب سے چیز جل کر خاکستر ہو جاتی ہے اور جو فارمولا

ہم نے استعمال کیا ہے اس سے دماغ جسم کا ایک ناکارہ حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔"

"وہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن پھر بھی ہمیں یہ تو دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو روزا میلسی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"حاصل کرنے کی؟" سہیل عالم نے اچھل کر کہا۔

"ہاں۔"

"کیا کوئی ایسی کوشش کی گئی ہے۔"

"کی جا رہی ہے۔ ابھی اس میں کامیابی نہیں حاصل ہوئی اس کے علاوہ میں تم سے ایک سوال اور کرتا ہوں۔" یہ اطہر جبار خان کون ہیں؟

"اطہر جبار خان، میں نہیں جانتا کیوں؟ خیریت۔"

"اطہر جبار خان نامی شخص تنظیم کا آدمی ہے اور یہاں اس ملک کا کوئی اعلیٰ عہدے دار لیکن وہ اصلی نہیں ہے۔ ایک نقلی آدمی کو اس کی جگہ دے کر اس کام کے لیے رکھا گیا ہے اور اب وہ شخص ان لوگوں کی یہاں سے واپسی کا بندوبست کرے گا۔"

"اوہ..... یہ بات تمہیں کیسے معلوم؟"

"اس لیے کہ میں وارڈ بوائے بن کر اس ہسپتال میں داخل تھا جہاں وہ تین افراد ایک ڈاکٹر کی مدد سے روزا میلسی سے ملنے آئے تھے۔" ٹارزن نے ساری تفصیل سہیل عالم کو بتائی اور سہیل عالم تحسین آمیز نگاہوں سے ٹارزن کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"جب تم کام کرنے پر آتے ہو ٹارزن تو واقعی اچھے اچھوں کے کان کاٹ لیتے ہو۔"

"میں نے کسی کے کان نہیں کاٹے۔ صرف اپنا کام کیا ہے۔ روزا میلسی نے مجھے غلط سمجھا تھا۔ اگر اس طرح میں کسی عورت کے ہاتھوں شکار ہو جاؤں تو سچی بات یہ ہے کہ سو مرتبہ مر جانا پسند کروں گا۔"

"اب لے دے کر ہمارے پاس ایک ہی شخصیت رہ جاتی ہے۔"

"صوفی۔" ٹارزن نے کہا۔

"ہاں۔ معلومات تو کرنی ہیں اور ذرا دیکھنا ہے کہ ساری صورت حال کیا ہے اصل میں ٹارزن ابھی تک ایک بات میں بڑی تشنگی محسوس کر رہا ہوں میں وہ یہ کہ میرے پاس اپنا کوئی سٹاف نہیں ہے۔"

"کرو گے کیا؟" میرا تو خیال یہ ہے کہ جب تمہارا مقصد حاصل ہو گیا ہے تو ہمیں واپس یورپ کی دنیا میں چلے جانا چاہیے۔"

"یہ بعد کی بات ہے۔ بعد میں سوچیں گے آؤ اٹھو....." سہیل عالم نے کہا اور اس کے بعد دونوں باہر نکل آئے۔ سہیل عالم کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صوفی کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ صوفی نے اپنی مخصوص شخصیت کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا اور پھر وہ انہیں اندر لے گیا۔

"خیریت درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ہاں صوفی صاحب درویشوں کی دعاؤں سے تو ہمیشہ خیریت ہی رہتی ہے آپ کے لیے بڑی

دلچسپ اطلاعات لے کر آیا ہوں۔" صوفی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور سہیل عالم ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"بہت کم موقع ایسے آتے ہیں جب آپ اس قدر شگفتہ موڈ میں ہوتے ہیں۔"

"ہاں آج کل موڈ میں واقعی شگفتگی ہے اور اس کی بنیادی وجہ معشوق نشیلے کی چلہ کشی ہے۔"

"معشوق نشیلے کی چلہ کشی؟"

"ہاں..... چالیس دن کا چلہ کھینچنے کے لیے بے چارہ ایک گوشے میں جا بیٹھا ہے اور حسینہ اس سے گن گن کر بدلے چکا رہی ہے۔" سہیل عالم ہنس پڑا پھر بولا۔

"مگر چلہ کس سلسلے میں ہے۔"

"بس وہ ہمیشہ عشق میں ناکام رہتا ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے جتنے بھی عشق اس نے کیے ہیں ان میں سے ایک میں بھی اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ کسی بزرگ سے تعویذ وغیرہ لے کر آیا ہے اور وہ نئی لڑکی جسے ہم لوگ یہاں لائے تھے معشوق نشیلے کو بے وقوف بنا کر فرار ہو گئی۔ بتائیے سہیل عالم صاحب یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔" سہیل عالم صوفی کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"بڑی بڑی سنسنی خیز خبریں سننے کو ملتی ہیں جب بھی آپ کے پاس آتے ہیں لیکن آج ایک انتہائی سنسنی خیز خبر ہم بھی آپ کو سنا رہے ہیں۔"

"ارشاد..... ارشاد..... ارشاد..... درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ٹارزن نے اس بار واقعی بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے؟"

"کیا ہوا؟" کیا جنگلی تیندوے کو ہلاک کر دیا۔

"ایسی ہی کچھ پوزیشن ہے۔ روزا میلسی کو ہم لوگوں نے واقعی غلط نظر انداز کیا تھا جو کام اس سے لیا جا چکا اس کے بعد دو ہی باتیں تھیں یا تو اسے ختم کر دیا جاتا لیکن بہرحال یہ مناسب نہیں تھا۔ البتہ ذہنی طور پر معذور کر کے ہم نے جس طرح اسے چھوڑ دیا اور نظر انداز کر دیا وہ ذرا غلط رہا۔ صوفی خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر سہیل عالم نے ساری تفصیل صوفی کو بتائی اور صوفی واقعی سنجیدہ ہو گیا اور جب سہیل عالم اطہر جبار خان کے نام پر پہنچا تو صوفی بے اختیار اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کک..... کیا نام لیا تم نے۔"

"اطہر جبار خان۔"

"ذرا ایک مرتبہ پھر تفصیل دہراؤ درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ سہیل عالم نے ٹارزن کی سنائی ہوئی پوری تفصیل دوبارہ صوفی کو بتائی لیکن اس دوران صوفی بالکل آنکھیں بند کیے ساکت بیٹھا رہا تھا۔ سہیل خاموش ہوا تو صوفی نے ذرا آنکھیں کھول دیں۔ لیکن اس وقت صوفی کی آنکھیں کسی انسانی آنکھوں کی شکل نہیں لگتی تھیں بلکہ ایک عجیب سی حیوانی کیفیت ان میں پائی جاتی تھی۔ صوفی ان دونوں کو دیکھتا رہا اور ٹارزن اور سہیل عالم خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد اچانک ہی صوفی کے حلق سے ایک آواز نکلی۔

"حق اللہ" اور پھر وہ بھاری لہجے میں بولا۔

''میرے خیال میں سہیل عالم تم دونوں نے ایک زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے۔''

''صوفی صاحب آپ یہ بتایئے کیا آپ اطہر جبار خان کو جانتے ہیں۔'' صوفی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں۔'' سہیل عجیب سے انداز میں صوفی کو دیکھنے لگا پھر وہ بولا۔

''مجھے نہیں بتائیں گے۔''

''جس افسر اعلیٰ کو شاہ میر صاحب کی جگہ تعینات کیا گیا تھا اور جس نے کرنل رحیم شاہ کو ملک بدر کیا ہے یہ وہی اطہر جبار خان ہے۔'' صوفی کے الفاظ بم کے دھماکے سے کم نہ تھے۔ خود سہیل عالم بھی بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا۔

♥.....♥.....♥

یوسف خان پر ان دنوں دیوانگی کے دورے پڑ رہے تھے۔ وہ شدید غصہ ور انسان تھا۔ جب کہ اس کا بڑا بھائی ایک زیرک اور ذہین آدمی تھا لیکن وہ مر چکا تھا۔ البتہ اس کی بیٹی مسلسل چچا کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ یوسف خان کا اپنا ایک مزاج اور اپنا ایک موقف تھا اور اسی موقف کی بنا پر وہ بنیاد پرستوں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ اپنے بھائی سے بہت مختلف مزاج کا انسان تھا۔ اپنے علاقوں میں کسی بھی طرح کی کوئی گڑبڑ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے حکومت کی بہت سی پالیسیوں سے اختلاف تھا اور اسی اختلاف کی بنا پر وہ ایک باقاعدہ دہشت گرد بن گیا تھا اور پھر اسے ان لوگوں کی مدد بھی حاصل ہو گئی تھی جو جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور ان کا کام ہی دنیا بھر میں دہشت گردی پھیلانا ہوتا ہے۔

بہرحال ثوبیہ خان اس کی دست راست تھی اور ان دنوں وہ اسی لیے انگاروں پر لوٹ رہا تھا کہ ثوبیہ خان لاپتا ہو گئی تھی۔ ویسے تو اپنی کارکردگی کے سلسلے میں دونوں چچا بھتیجی الگ الگ ہی مصروف رہا کرتے تھے لیکن پھر بھی ثوبیہ خان کا رابطہ یوسف خان سے ضرور رہتا تھا۔ البتہ کچھ عرصے سے وہ بالکل روپوش ہو گئی تھی اور اس نے یوسف خان کو اپنے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے۔ یوسف خان نے اپنے بے شمار افراد اس کی تلاش پر مامور کر رکھے تھے اور یہ بات بھی اس کی دیوانگی میں اضافے کے باعث تھی کہ تمام تر کوششوں کے باوجود اس کے آدمی ابھی تک ثوبیہ خان کا کوئی پتا معلوم نہیں کر سکے تھے اس وقت بھی وہ اپنے ڈیرے کے تہہ خانے میں موجود تھا۔ وہاں اس کی اپنی بستی میں اس نے تہہ خانوں اور سرنگوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ سرنگیں اور تہہ خانے غیر ملکی ماہرین سے تیار کروائے گئے تھے اور گنے چنے چند افراد کو ان کے بارے میں معلومات حاصل تھی بلکہ اس کے بڑے بھائی نے ایک غلطی اور بھی کی تھی جس تنظیم میں اس نے شمولیت اختیار کی تھی۔ اس کی زیادہ سے زیادہ وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے اس نے تنظیم کے کچھ افراد کو تہہ خانوں کے کچھ حصے دکھا دیئے تھے۔

جہاں انہوں نے مقامی طور پر بھی کچھ کام کیے تھے لیکن سارے کا سارا سلسلہ انہیں نہیں معلوم تھا۔ اس وقت بھی اس کے سامنے دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔

''سردار آپ یقین کریں اس سلسلے میں جس قدر انسانی کوششیں ہو سکتی ہیں، کر لی گئی ہیں ہم لوگ اتنا ہی پریشان ہیں جتنے آپ..... سردار اور ہم اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر چکے ہیں کہ جب تک ثوبیہ خان ہمیں نہ مل جائے ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔''

''اوہ..... مجھے خوف ہے اس بات کا کہ کہیں وہ حکومت کی تحویل میں نہ چلی گئی ہو۔''

''اگر ایسا ہوتا سردار تو کہیں نہ کہیں سے ہمیں اس کی تھوڑی بہت خبر ضرور ملتی لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''ناممکن تو کوئی بھی بات نہیں ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے بہت سے مشکل سوالات ہیں اور تم لوگ اس بات پر یقین کرو کہ اگر ثوبیہ کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''ہم جانتے ہیں سردار!'' بہرحال ہر طرح کی حکمت عملی اختیار کی جا رہی ہے۔ کچھ نہ کچھ پتا چل ہی جائے گا۔''

''میں خوف زدہ ہو گیا ہوں۔ کہیں وہ گم نامی کی حالت میں مر نہ گئی ہو۔''

''نہیں سردار! اس جیسی دلیر لڑکیاں اتنی آسانی سے موت کے چنگل میں نہیں پھنس سکتیں۔ اگر کسی حادثے کا شکار ہوئی بھی وہ تو آپ سنیں گے کہ بے شمار افراد کو اس نے ہلاک کر دیا ہے۔ ہم چلتے ہیں۔ حکمت عملیاں اختیار کی جا رہی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہماری حکمت عملی کے نتیجے میں موثر ذریعہ نکل ہی آئے گا۔''

وہ لوگ یوسف خان سے اجازت لے کر چلے گئے اور یوسف خان بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھا رہا۔

رات ہو چکی تھی اور نہ جانے کیا وقت ہوا تھا۔ اپنے اہل خاندان سے وہ بری طرح کٹا ہوا تھا اور ان کے پاس جاتا ہی نہیں تھا۔ ان دنوں اس کے ذہن پر ثوبیہ خان کا بھوت سوار تھا۔ اگر اس لڑکی کو کچھ ہو گیا تو وہ جانتا تھا کہ اس کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ ادھر تنظیم اس کے سپرد بے شمار ذمہ داریاں کر چکی تھی۔ ثوبیہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر پا رہا تھا۔ پھر وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے بیڈ روم کی جانب چل پڑا۔

بستر پر لیٹ کر وہ غور کرتا رہا ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر دستک سنائی دی اور اس کی غراہٹ ابھری۔

''کون ہے، آ جاؤ۔'' اس وقت وہ ہر وقت چوکنا رہا کرتا تھا اور اس نے ان تمام لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی تھی جو ثوبیہ کی تلاش پر مامور تھے۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید انہی میں سے کوئی آیا ہے۔ ہر طرف سے خبریں آ رہی تھیں۔ آنے والا ایک ملازم تھا۔ ملازموں کے مخصوص لباس میں تھا۔ اندر آ کر اس نے گردن خم کی تو یوسف خان اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''تو..... میں تجھے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے یوسف خان۔ میں پہلی بار ہی آپ کی اس رہائش گاہ میں آیا ہوں۔'' آنے والے نے غیر ملکی زبان میں کہا اور یوسف خان چونک پڑا۔

''کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟'' لیکن عقب میں چار پانچ افراد اور اندر داخل ہوئے تھے اور یہ سب کے سب مسلح تھے۔ ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے ریوالوروں میں سائلنسر لگے ہوئے تھے۔ یوسف

خان کو ایک دم کسی سنگین واقعہ کا احساس ہوا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر بولا۔ ”کیا بدتمیزی ہے یہ؟ تم لوگ مجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔“

”ہمارا تعلق تنظیم سے ہے یوسف خان۔“

”کوڈ..... کوڈ بتاؤ۔“

”سفید..... دل..... تمہارے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔“

”لیکن تمہارے آنے کا انداز بہت عجیب ہے۔“

”تنظیم اپنے ارادے تبدیل کرتی رہتی ہے۔ تمہارے بارے میں بھی تنظیم نے اپنا موقف تبدیل کر دیا ہے۔“ یوسف خان ٹیڑھی نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ تب ایک اور شخص اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ کالے رنگ کی نقاب میں ڈھکا ہوا تھا۔ وہ ایک طرف آ کر کھڑا ہو گیا تو انہی میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

”باہر سب ٹھیک ہے ناں۔“

”ہاں..... نئے آنے والے نے جواب دیا۔

”ہاں تو مسٹر یوسف خان جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے تمہارے کمرے کے اس عقبی حصے میں وہ جو الماری لگی ہوئی ہے وہ گھوم جاتی ہے اور اس کے پیچھے تہہ خانے کا دروازہ موجود ہے۔ کیا تم ہمیں اس تہہ خانے میں لے چلو گے۔“

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم تنظیم ہی کے لوگ ہو۔“ یوسف خان نے کہا۔

”اول تو ہم نے کوڈ دہرایا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر ہم تنظیم کے افراد نہیں بھی ہیں تو اس وقت تو تم ہمارے قبضے میں۔ ہم جو کرنا چاہتے ہیں وہ آسانی سے کر سکتے ہیں اور تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔“

”لیکن تم کرنا کیا چاہتے ہو۔ اس طرح یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟“

”مسٹر یوسف خان کیا یہ جگہ ایسی ہے کہ یہاں تک کوئی آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ میں اس بات پر حیران ہوں۔“

”حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تنظیم کے سربراہان جن لوگوں کو جس کام پر مامور کرتے ہیں انہیں بھرپور طریقے سے ہر طرح کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کی ضمانت بھی لی جاتی ہے۔ یہ تنظیم کے اصولوں میں سے ایک ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمہیں یہاں تک بھیجا کس لیے ہے اور وہ بھی اس انداز میں اگر مجھ سے کوئی کام تھا تو مجھے بتایا ہوتا۔“

”یہ ہی تو شکایت ہے تنظیم کو تم سے مسٹر یوسف خان کہ تمہیں جو کام دیا گیا تم اسے سرانجام دینے میں مستقل طور پر ناکام رہے ہو۔“

”تو پھر؟“

”پھر یہ کہ تمہیں تھوڑی سی تربیت دینی ہے جو تمہارے لیے ضروری ہے۔“

”کس طرح کی تربیت؟“

”آؤ ذرا تفصیل سے بات چیت کریں گے۔ کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا بے شک یہ تمہاری حویلی ہے۔ ایک محفوظ جگہ لیکن صرف تمہارے خیال میں۔ ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ تنظیم تمہاری کارکردگی سے غیر مطمئن ہے اور تمہارے لیے ایک تربیتی کورس لازمی قرار دے دیا گیا ہے اور یہ بات بھی تم اچھی طرح جانتے ہو بلکہ تمہیں بتا دی گئی ہے کہ تنظیم کے جو اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اگر ان میں دخل اندازی کی جاتی ہے تو تنظیم دخل اندازی کرنے والے کی زندگی کو پسند نہیں کرتے۔ چناں چہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے نہ کسی کو بلاؤ گے نہ کسی کو ان حالات کی اطلاع دو گے۔“

”میں چوہا نہیں ہوں۔ یوسف خان ہے میرا نام، سردار ہوں اس علاقے کا۔ تم..... چلو ٹھیک ہے آؤ۔“ یوسف خان نے کہا اور دو آدمی تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ باقی یوسف خان کے پیچھے تھے۔

”کیا مطلب؟“ یوسف خان رک کر غرایا۔

”چلتے رہو یوسف خان چلتے رہو۔ جو کام تمہیں کرنا ہے تہہ خانے میں داخل ہونے کے لیے۔ وہ ان لوگوں کو بتاتے رہو۔ وہ یہ کریں گے۔ تمہیں اس طرح کا کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”یہ تو ایک ایسا انداز ہو گیا جیسے تنظیم میری خدمات کا سلسلہ منقطع کر چکی ہے جبکہ تم لوگ کہہ رہے ہو کہ مجھے تربیت دینی ہے۔“

”تم سے جو کچھ کہا جا رہا ہے صرف وہی کرو۔ دیکھو میں اس تنظیم میں براؤن گولڈ ہوں براؤن گولڈ سمجھتے ہو۔ ایک اعلیٰ عہدیدار اور تم صرف بلیک گولڈ ہو۔ سمجھ رہے ہو۔ بلیک گولڈ کو براؤن گولڈ کی بات ماننا ہوتی ہے۔“ یوسف خان گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ان لوگوں کو تہہ خانہ کا دروازہ کھولنے کے سوئچ کے بارے میں بتایا اور انہوں نے کتابوں کی الماری میں ہاتھ ڈال کر کوئی سوئچ آن کر دیا۔ براؤن گولڈ ہنس کر بولا۔

یہ صرف ایک تجرباتی عمل تھا۔ ورنہ ہمیں یہاں بھیجتے ہوئے تمہاری اس پوری حویلی کا نقشہ ہمیں دکھایا گیا تھا۔ ہم اس کے ایک ایک چپے کے بارے میں ساری تفصیل جانتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ کون سا کام کس طرح سے ہوگا۔ چلو اندر چلو۔ دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس تہہ خانے کا دروازہ کس طرح بند ہوتا ہے۔“ براؤن گولڈ اندر داخل ہوا اس نے چھت میں کوئی چیز تلاش کی اور پھر دروازہ نہ صرف بند ہوا بلکہ اندر روشنی بھی پھیل گئی۔ ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم نظر آ رہا تھا۔ چوں کہ یہ حویلی پہاڑی علاقے میں واقع تھی اس لیے یہاں جتنی تعمیرات تھیں، پہاڑی پتھروں کو تراش کر کی گئی تھیں۔ وہ چوڑا سا پلیٹ فارم بھی غالباً کوئی چوڑی پہاڑی چٹان تھی۔ جسے اس طرح تراشا گیا تھا۔ کوئی پچیس گز کی لمبائی چوڑائی میں تھا اور اس کے اختتام پر نیچے سیڑھیاں تراشی ہوئی تھیں۔ ایک انتہائی عظیم الشان تہہ خانہ تھا۔ یہ روشنی پھیل جانے کی وجہ سے ہر چیز صاف شفاف نظر آ رہی تھی۔

وہ لوگ یوسف خان کو لیے ہوئے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگے اور پھر کوئی بیس سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک چوڑے اور وسیع ہال میں داخل ہو گئے جو پتھروں ہی میں تراشا گیا تھا اور یہاں ہر طرح کا فرنیچر اور دوسرا ساز و سامان موجود تھا۔ ایک طرف ٹائلٹ بنا ہوا تھا تو دوسری طرف کچن بھی تھا۔ گویا

یہاں رہائش کے مکمل انتظامات تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ان لوگوں نے چاروں طرف دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھا اور بولے۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دنیا کی بہترین تراش ہے۔ ان چٹانی پتھروں پر بمباری بھی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ کمال کے لوگ ہوتے ہو۔ پہاڑی علاقوں میں تم نے اپنی محنت اور مشقت سے جو کچھ بنایا ہے وہ ناقابل تسخیر ہے۔ ہمیں تو اس جگہ کے بارے میں صرف فلمیں دکھائی گئی تھیں لیکن اب ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بڑا عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ بیٹھو..... مائی ڈیئر یوسف خان بیٹھو" یوسف خان شاید خود بھی نڈھال ہو گیا تھا۔ وہ ایک قیمتی صوفے پر بیٹھ گیا تو براؤن گولڈ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب صورت جگہ ہے۔ بہت ہی خوب صورت۔ اچھا یہ بتاؤ یہاں سے باہر رابطے کا کیا ذریعہ ہے۔"

"اگر ہے بھی تو میں تمہیں بتانا پسند نہیں کروں گا۔"

"بات تمہاری بھی ٹھیک ہے لیکن میں تمہیں بتاؤں اگر تم باہر سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو گے تو ہمارے پاس اس کے لیے پہلے سے بندوبست ہے۔ تم انہیں اپنا چہرہ دکھاؤ۔" اس بار براؤن گولڈ نے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جس نے ابھی تک اپنا چہرہ نقاب میں چھپایا ہوا تھا۔ پھر جب اس نے اپنا نقاب اٹھایا تو یوسف خان کو چکر آ گیا۔ یہ سو فیصدی اس کا ہم شکل آدمی تھا۔ بالکل اس کا ہم شکل۔ ذرا بھی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہی جسم وہی قد و قامت، اور پھر یوسف خان ایک دم سنبھل گیا اس نے کہا۔

"خوب اس کا مقصد کیا ہے؟"

"ہم تمہیں یہ ہی بتا رہے تھے کہ اگر تم نے باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی بھی تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اب تمہاری جگہ یہ سنبھالے گا۔ اس کا اصل نام ہنٹر ہے لیکن اب یہ یوسف خان ہے۔" یوسف خان ایک لمحے تک اسے گھورتا رہا پھر ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"یہ پہاڑی زبان بول سکتا ہے؟" جواب میں اس شخص نے جس لہجے اور جس آواز میں یوسف خان کو مخاطب کیا۔ اس نے یوسف خان کے حوش و حواس درست کر دیئے تھے۔ آواز تک کی اتنی کامیاب کاپی کی گئی تھی کہ ناقابل یقین ہو۔ براؤن گولڈ نے ہنس کر کہا۔

"تنظیم اس قدر سائنسی بنیادوں پر کام کرتی ہے کہ شاید ابھی تک بڑے بڑے سائنس دان بھی ایسا کچھ نہیں کر سکے۔ جب اس شخص کو تمہاری شکل دی گئی تو مشینی طریقے سے اس کی آواز میں بھی وہی تبدیلیاں کی گئیں اور اس کے ساؤنڈ بکس میں تمہاری آواز ریکارڈ کی گئی۔ یہ ایک جدید ترین طریقہ ہے اور اسی طرح تمہارا لہجہ اور تمہاری زبان اسے سکھائی گئی۔ اب یہ بات مشکل نہیں رہی کہ تم ساری دنیا میں رہنے والوں کی زبان نہ بول سکو۔ سیکھنا تو ایک مشکل عمل تھا۔ ہم نے اس کے لیے ایک بالکل ہی نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ اب ہر زبان ہر شخص کو سکھائی جا سکتی ہے مشینی ذرائع سے۔ صرف اس کے دماغ کے خلیے میں وہ یادداشت ڈالنی ہو گی جو اس زبان سے متعلق ہے اور اس کے ساؤنڈ بکس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا ہو گی۔" یوسف خان نے آنکھیں بند کر لی تھیں پھر اس نے کہا۔

"مگر..... مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"تمہیں اس کارکردگی کے لیے نااہل قرار دیا گیا ہے۔ یوسف خان جو تم کرتے رہے ہو لیکن اس کے باوجود تمہیں زندہ رکھیں گے۔ تنظیم کا یہ ہی ارادہ ہے۔ تم یہاں اس قید خانے میں قید رہو گے تاکہ کبھی ہمارے اس آدمی کو کسی اہم مسئلے میں تمہاری ضرورت پیش آئے تو تم اس کی مدد کر سکو۔ اسے یہ بتا سکو کہ کون سا مسئلہ کیا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"اور پھر اس کے بعد؟"

"اس کے بعد تو تنظیم ہی فیصلہ کر سکے گی۔ ہم اس بارے میں کیا بتا سکتے ہیں۔ تمہارے لیے تمام انتظامات ہو جائیں گے۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں اور وقت گزارنے کا ذریعہ، کیا سمجھے اب ہمیں ایک بات اور بتاؤ۔"

"کیا؟"

"توبیہ خان یہاں نہیں ملی۔ وہ کہاں ہے؟"

"اس کے لیے تو میں پریشان تھا۔ وہ کافی دن سے غائب ہے۔"

"کہاں چلی گئی؟"

"یقین کرو۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم۔"

"خیر ہمارے لیے یہ سب اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے۔ اچھا تو پھر اب ہم چلیں؟"

"میں تنظیم کے اعلیٰ ارکان سے رجوع کرنا چاہتا ہوں۔"

"کم از کم ایک مہینے کے بعد تمہیں اس کا موقع دیا جائے گا۔ فی الحال اس کی گنجائش نہیں ہے۔ آؤ....." براؤن گولڈ نے دوسرے لوگوں سے کہا اور وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ یوسف انہیں سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا۔

تہہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ یوسف خان یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ تہہ خانے کا دروازہ باہر ہی سے بند کیا اور کھولا جا سکتا ہے۔ یہ خاص تکنیک رکھی گئی تھی لیکن اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا اور یوسف خان اس قدر غیر مطمئن نہیں تھا۔ ہاں اسے صرف اس بات کا خیال تھا کہ جو کچھ ہوا ہے۔ غلط ہوا ہے۔ وہ تنظیم کا غلام نہیں تھا بلکہ تنظیم میں شمولیت اس کے بڑے بھائی ہی نے کرائی تھی اور وہی اس تمام معاملات کا کرتا دھرتا تھا۔

بعد میں یوسف خان اقتدار کے حصول کے لیے اپنے بھائی کے ساتھ شامل ہو گیا تھا ورنہ وہ ایک آزاد فطرت آدمی تھا اور اس نے پہلے کبھی اس طرح کچھ کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن بعد میں جب ان لوگوں کو سبز باغ دکھائے گئے اور یوسف خان کو بتایا گیا کہ بہت کم وقت ایسا ہے جب اسے اس پہاڑی علاقے میں بھرپور اقتدار حاصل ہو گا اور وہ یہاں کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گا تو وہ بھی بہک گیا تھا۔ اقتدار کا نشہ ایسی ہی چیز ہوتی ہے لیکن بہرحال ان لوگوں نے ایک احمقانہ عمل کیا تھا اور یہ بھی ایک اچھی ہی بات تھی کہ انہیں وہ بھرپور معلومات حاصل نہیں تھیں جو ان لوگوں کے علم میں تھیں۔ یوسف خان کو بتایا گیا تھا

کہ تنظیم کے اعلیٰ ارکان نے یہ تمام معلومات انہیں ایک دستاویزی فلم کے ذریعے بتائی تھیں۔

تہہ خانہ اسے کھولنے کا طریقہ۔ یہاں حویلی میں داخل ہونے کے راستے جو بے شک انتہائی دشوار گزار اور مشکل تھے اور یہاں یوسف خان کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن وہ لوگ آسانی سے اچھی خاصی تعداد میں یہاں پہنچ گئے تھے اور انہوں نے لازمی بات ہے۔ کوئی ایسا ہی طریقہ کار اختیار کیا ہوگا کہ وہ آسانی سے یہاں تک آ گئے تھے۔

لیکن یوسف خان کے بڑے بھائی نے یہ معلومات انہیں دیتے ہوئے بے شمار چیزیں اپنے تک محدود رکھی تھیں۔ کیوں کہ وہ بے وقوف آدمی نہیں تھا۔ یہ بات یوسف خان بھی جانتا تھا کہ اس تہہ خانے کو جو بہ ظاہر اس بڑے ہال تک محدود معلوم ہوتا تھا۔ ایک سرنگ کے ذریعے باہر کی دنیا سے بھی ملایا گیا ہے اور وہ سرنگ کھولنے کا طریقہ بھی عام طریقہ نہیں تھا۔ اس کے لیے کافی شان دار کام کیے گئے تھے۔

بہر حال یوسف خان جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ لوگ لازمی بات ہے کہ اسے چیک کریں گے۔ وہ فوری طور پر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا جو اس کے لیے خطرے کا باعث بن جائے البتہ وہ ثوبیہ خان کے لیے پریشان تھا ثوبیہ اس کی دست راست ہی نہیں تھی بلکہ ایک چچا کی حیثیت سے وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا اور آنے والے وقت میں اس نے ثوبیہ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

بہر حال اس نے وقت گزارنا شروع کر دیا۔ ایک رات گزر گئی دوسرا دن بھی گزر گیا۔ تیسری رات کارکردگی کی رات تھی۔ اس دوران اس کے لیے کھانا وغیرہ لایا جاتا رہا تھا اور اس کا بھرپور جائزہ بھی لیا جاتا رہا تھا۔ حویلی میں کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح ان لوگوں نے یہاں اپنا اقتدار قائم کیا۔ یوسف خان کو اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لیکن وہ معلوم کرنے کی جلد بازی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے فوری طور پر کیا کرنا ہے۔

کوئی ایک خفیہ ٹھکانہ نہیں تھا بلکہ بہت کچھ تھا اس کے پاس۔ چناں چہ تیسری رات اس نے تمام انتظامات کر لیے تہہ خانے کے دروازے پر انتظامات کیے گئے تاکہ کوئی فوری طور پر تہہ خانے میں داخل نہ ہو سکے۔ اس نے واش روم میں جا کر چھت میں لگے ہوئے ایک مخصوص لیور کو گھمانا شروع کر دیا تھا جو بہ ظاہر باتھ روم کی فٹنگ کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اصل میں وہ سرنگ کے ایک راستے کو کھولنے کا ذریعہ تھا۔ گول ٹکڑا اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ یہ سرنگ میں داخل ہونے کا راستہ تھا اور اس کے بعد ایک کشادہ سرنگ میں روشنی کی جا سکتی تھی۔

سرنگ کی لمبائی کافی تھی۔ حویلی کے نیچے ہوتی ہوئی وہ ایک ویران سے علاقے سے نکل جاتی تھی یہاں سات جگہ الیکٹرک سوچ لگائے گئے تھے جو یو۔ پی۔ ایس کا کام کرتے تھے۔ چناں چہ سرنگ کا دروازہ واپس بند کرنے کے بعد یوسف خان وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ سرنگ کے آخری حصے میں اسلحہ خانہ بھی تھا جہاں سے اسلحہ لیا جا سکتا تھا۔ یہ ایسی ہی ایمرجنسی کے لیے بنایا گیا تھا جب کہ کوئی بڑی مشکل پیش آ جائے اور سرنگ کے ذریعے باہر بھاگنا پڑے۔ یوسف خان سوئچ آن کرتا رہا۔ ڈبل سوئچ لگے ہوئے تھے۔ جب پچھلا راستہ ملے ہو جاتا تو یہیں سے پچھلے راستے کی روشنی بند کر دی جاتی اور آگے کا راستہ روشن کر لیا جاتا۔

آخری حصے میں پہنچنے کے بعد اس نے سوئچ آن رکھا اور پھر بڑی مہارت سے اس نے دو بہترین پستول اپنے ساتھ محفوظ کیے اور ان کا میگزین لے کر سرنگ کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ پھر یہاں سے باہر نکلنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ سرنگ میں بے شک گھٹن تھی اور باہر نکل کر تازہ ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔ ہوا کے سرد جھونکوں کو وہ اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا اور جب مکمل طور پر سانس بحال ہو گئی تو اس نے حویلی پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی اور اس کے بعد اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

''تم لوگ نہیں جانتے کہ ہم لوگ کون ہیں؟ میں اس حویلی ہی میں تمہاری قبریں بناؤں گا تاکہ مجھے یاد رہے کہ میرے دشمنوں نے مجھے کن حالات سے دوچار کیا تھا۔'' یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ وہاں سے چلا اور پھر رات کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

♥.....♥.....♥

صوفی کے کام معمولی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ثوبیہ کو فلیٹ سے نکال کر گرین ہاؤس کے مضبوط تہہ خانے میں پہنچا دیا گیا تھا اور شازیہ کو اس کی جگہ دے دی گئی تھی لیکن شازیہ کو جو تربیت دی گئی تھی وہ انتہائی غیر معمولی تھی۔ شازیہ اپنی معلومات پر خود ہنستی تھی۔ وہ علاقہ اس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ جس کے بارے میں اسے تفصیلات بتائی گئی تھیں اور جو پہاڑی علاقہ تھا اور جہاں یوسف خان کی حکومت تھی اور ثوبیہ اس علاقے سے آئی تھی۔

لیکن صوفی نے اس طرح وہ علاقہ اس کے ذہن میں بٹھا دیا تھا کہ اب اگر شازیہ کو وہاں بھیجا جاتا تو وہ ایک ایک گلی سے گزرتی ہوئی مطلوبہ جگہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اسے ثوبیہ کے باپ چچا اور حویلی میں رہنے والے دیگر افراد کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں بھی سب کو بتا دیا گیا تھا۔

''مجھے تو حیرت ہے چھوٹے بابا کہ آپ کو یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئی۔''

''بس درویشوں کا کرم ہے۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لیا۔ حق اللہ..... حق اللہ.....''

''واقعی اگر ایسی بات ہے تو آپ مجھے اپنا مرید بنا لیجیے چھوٹے بابا۔ ویسے تو میں آپ کی مرید ہوں لیکن میں روحانی استاد کے طور پر آپ سے کہہ رہی ہوں۔''

''اگر کبھی اس قابل ہو گئے تو سب سے پہلے تمہیں ہی اپنا مرید بنائیں گے شازیہ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم جیسا ناچیز درویشوں کا عقیدت مند تو ہو سکتا ہے ان کا ہم اثر نہیں۔ بہر حال شازیہ پورے اعتماد سے اس فلیٹ میں تھی اور صوفی نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ہر غیر معمولی بات کا مکمل طور پر خیال رکھا جائے گا اور بالکل بے فکر رہے اور شازیہ جانتی تھی کہ ہزار آنکھوں سے اس کی نگرانی کی جا رہی ہو گی۔ بذات خود بھی وہ ایک بہادر لڑکی تھی اور اپنے آپ کو ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لیے تیار رکھنا جانتی تھی۔ فلیٹ میں ماحول بھی بڑا تبدیل ہوا تھا۔ ویسے یہ رہائشی عمارت تھی لیکن فلیٹ بہت ہی قیمتی اور بڑی اچھی اہمیت کے حامل تھے۔ اس دور میں اچھائی یہ ہی سمجھی جاتی ہے کہ کوئی کسی سے متعارف نہ ہو۔

♥.....♥.....♥

شازیہ کو ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا تھا جس نے اس سے ہیلو ہائے کی ہو۔ بہر حال جیسا ویسا ویسا

بھیس والا معاملہ تھا۔ شازیہ بھی اپنے طور پر خاموشی سے وقت گزار رہی تھی۔ اسے یہاں آئے غالباً چوتھا دن تھا۔ اس دوران ابھی تک کسی نے اس سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا تھا لیکن چوتھے دن یہ روایت ختم ہوگئی۔ پہلی بار اس کے فلیٹ کے دروازے کی بیل بجی تھی۔ ایک لمحے تک تو شازیہ خاموش رہی اس نے انتظار کیا بیل دوبارہ بجی اور وہ دروازے پر پہنچ گئی اور پھر اس نے کی ہول سے باہر جھانکا۔

تصور میں یہ بھی تھا کہ ممکن ہے کہ گرین فورس کا کوئی ممبر ہو، لیکن وہ چہرہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ ایک لمحے تک وہ غور کرتی رہی اور پھر اس نے اپنے دماغ میں ایک عجیب سی کھلبلی محسوس کی یہ چہرہ اجنبی بے شک تھا لیکن اجنبی نہیں تھا یہ تصویر اسے دکھائی گئی تھی۔ دروازے پر موجود شخص یوسف خان تھا۔ ایک لمحے تک تو شازیہ سکتے کے عالم میں رہی۔ بیل تیسری بار بجی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔

یوسف خان کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا جو کی ہول سے شازیہ کو نظر نہیں آیا تھا اس نے کڑی نگاہوں سے شازیہ کو دیکھا اور پھر اس کے منہ سے حیران کن آواز نکلی۔

''پناہ بخدایا..... تو یہاں ہے؟'' شازیہ نے فوراً خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی پیچھے ہٹی اور اس نے کہا۔ ''آیئے خان چاچا''

''یہ خانا سے خان چاچا ہوگیا میں..... میں تو حیران تھا کہ میرے پیچھے فلیٹ میں کون ہے؟ تجھے شرم نہیں آئی تو یہاں موجود ہے اور تو نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ تجھے معلوم ہے کہ میں تمہارے لیے کتنا پریشان تھا۔''

''آپ اندر تو آؤ خان چاچا۔''

''کیا خان چاچا..... خان چاچا لگا رکھی ہے۔''

''بس دل چاہتا ہے تمہیں خان چاچا کہنے کو میں تھوڑی سی پاگل ہو چکی ہوں۔'' شازیہ نے کہا اور یوسف خان اندر گھس آیا۔ شازیہ نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور ہول کی ٹرپ لاک کر دی۔ پھر وہ واپسی کے لیے مڑی تو یوسف خان نے کہا۔

''بے وقوف لڑکی اگر کسی مجبوری کے تحت بھی یہاں آ گئی تو کیا تجھے مجھے اپنی خبر نہیں دینی چاہیے تھی۔''

''آپ کو پتا نہیں خانا میں کن حالات سے گزری ہوں۔'' شازیہ نے دل ہی دل میں یہ بات محسوس کی کہ صوفی نے ساری باتیں بتائی تھیں لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ ثوبیہ خان یوسف خان کو کیا کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر کوئی حیثیت تو نہیں رکھتی لیکن انہیں نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

''بہرحال یہ ایک دلچسپ بات تھی۔ یوسف خان اس طرح اچانک آ جائے گا یہ بات اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی وہ اسے لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی۔

''او..... بے وقوف لڑکی تجھے کیا ہوگیا ہے۔ تو مجھے یہاں دیکھ کر حیران بھی نہیں ہوئی۔''

''خانا اگر تم میری داستان سنو گے تو مجھ سے زیادہ سنک جاؤ گے۔''

''لگتا تو یہ ہے کہ تو سنک گئی ہے۔ کیا داستان ہے تیری مجھے بتا۔''

''دشمنوں میں گھری ہوئی ہوں۔ ایک طرف ایک گروپ میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ

وہ کون ہے۔ پانچ چھ بار اس سے زبردست مقابلہ ہو چکا ہے۔ مرتے مرتے بچی ہوں اگر تمہاری تربیت نہ ہوتی تو میں کبھی کا شکار ہو جاتی اور دوسری طرف گورنمنٹ کے لوگ ثوبیہ خان کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اتنی مشکل سے یہاں پہنچی ہوں کہ تمہیں بتا نہیں سکتی۔ سانس بھی اتنی آہستگی سے لیتی ہوں کہ کہیں کوئی میری سانسوں کی آواز کو نہ پہچان لے۔

''اوہ..... ہمارا ستارہ ہی گردش میں آ گیا ہے۔ ان دنوں ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ہم نے کبھی زندگی میں ان حالات کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''یہ ہی تو میں جاننا چاہتی ہوں خانا کہ آخر وہ حالات کیا ہیں اور ہم لوگ کن چکروں میں پھنس گئے ہیں۔

''یہ بات تو تجھے معلوم ہے ثوبیہ کہ بھائی کی موت کے بعد گورنمنٹ ہمارے پیچھے لگ گئی ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے اور کبھی اس طرح کے حالات نہیں پیدا ہونے دیئے کہ حکومت براہ راست مجھ پر ہاتھ ڈال سکتی۔ حکومت سے تو میں محفوظ رہا ہوں۔ لیکن..... لیکن.....'' یوسف خان رُکا اور پھر جلدی سے بولا۔ ''مگر تو کیا کہہ رہی ہے حکومت کے آدمی بھی تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔''

''ہاں خانا وہ بھی میرے پیچھے ہی لگے ہوئے ہیں۔ انہی سے بچنے کے لیے میں صحیح معنوں میں ادھر ادھر چھپتی پھر رہی ہوں۔ دوسری پارٹی کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی لیکن وہ غیر ملکی لوگ ہیں۔''

''سمجھ گیا وہ ہی کتے ہوں گے..... وہی کتے ہوں گے۔ پتا نہیں کم بختوں کو کیا مصیبت پڑ گئی ہے۔ ہم نے تو تنظیم کے ساتھ ہمیشہ ہی وفاداری کا ثبوت دیا ہے لیکن وہ لوگ وہ لوگ..... وہ لوگ.....'' یوسف خان خوں خوار انداز میں بولتا ہوا خاموش ہوگیا۔ پھر چونک کر بولا۔

''اور گورنمنٹ کے آدمی تیرے پیچھے اس لیے پڑے ہوں گے کہ اب وہ مجھ سے تو مایوس ہو گئے ہیں مگر وہ جانتے ہیں کہ تو کس کی بیٹی ہے۔ وہ تجھے اپنے قبضے میں لا کر تیری زبان سے اگلوانا چاہتے ہیں۔ سمجھ گیا میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ ثوبیہ! کوئی کچھ بھی کر رہا ہے مگر میں صرف ایک بات کہتا ہوں۔ ستاروں پر مجھے بڑا بھروسہ ہے اور اس وقت ہمارے ستارے گردش میں ہیں۔ ہمیں خاموشی اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ تمام سرگرمیاں ترک کرنی ہوں گی یہ تو شکر ہے کہ اس فلیٹ کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم وہ لوگ یہاں کا پتہ کبھی نہیں پا سکتے میں سمجھتا ہوں ہمیں کافی عرصے تک یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ تو نے بہت اچھا کیا کہ یہاں آ گئی۔ کتنے دن ہوئے تجھے یہاں آئے ہوئے۔

''تین چار دن خانا..... تین چار دن۔''

''ہوں تجھے معلوم ہے میرے ساتھ کیا ہوا۔''

''لو..... مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کیا بنا کر لاؤں تمہارا تو حلیہ بہت خراب ہو رہا ہے؟''

''بیس کلومیٹر کا فاصلہ میں نے پیدل طے کیا ہے اور اس کے بعد جنگل میں چھپا رہا ہوں۔ پھر ایک کار والے کو ختم کر کے اس کی کار لے کر بھاگا ہوں اس کی لاش وہیں جنگل میں پڑی ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کون بے چارہ تھا گاڑی میں نے سٹیشن پر کھڑی کر دی اور پھر وہاں سے ٹیکسی کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔

حلیہ خراب نہیں ہوگا تو کیا ہوگا۔ ڈھنگ سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ بہت بھوک لگی ہے جا میرے لیے کھانے پینے کا بندوبست کر۔ میں غسل کرلوں۔‘‘

’’تمہارے کپڑے یہاں موجود ہیں خانا...... میں نکال دوں۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ شازیہ نے تکا ہی مارا تھا۔ یہاں ایک الماری میں اس نے لباس دیکھے تھے جو کسی قوی ہیکل آدمی کے لباس تھے اور مردانہ تھے۔ اب جب اس فلیٹ کے بارے میں اس طرح کا تذکرہ یوسف خان نے کیا تو شازیہ سمجھ گئی کہ یہ لباس اس کے ہو سکتے ہیں۔

بہرحال اس نے لباس نکال کر غسل خانے میں ٹانگا۔ یوسف خان کو اطلاع دی اور خود کچن کی جانب چل پڑی۔

کچن بھرا ہوا تھا خشک ترکاریاں، ہر طرح کے ٹن پیک کھانے وہاں موجود تھے چوں کہ یوسف خان بتا چکا تھا کہ وہ شدید مشقت کر کے یہاں تک پہنچا ہے چنانچہ اسے شدید بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ اس وقت اسے قابو میں کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کا پیٹ اچھی طرح بھر دیا جائے تاکہ وہ شازیہ پر خاص طور سے غور نہ کر سکے۔ اس نے بہترین کھانا تیار کیا اور انتظار کرنے لگی اور پھر جب یوسف خان کی آواز اسے سنائی دی تو وہ کھانے کی ٹرے سجائے ہوئے اندر داخل ہوگئی۔ کھانا دیکھ کر یوسف خان کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

’’شاباش خانا...... جی خوش کر دیا تو نے مجھے معاف کرنا جب میرے سامنے کھانا آ جاتا ہے تو میں ساری دنیا کو بھول جاتا ہوں۔‘‘

’’آپ آرام سے کھانا کھاؤ خانا میں آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔‘‘

’’خدا تجھے خوش رکھے۔‘‘ یوسف خان نے کہا اور شازیہ پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ یوسف خان کو کسی شبے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی اب اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ فوری طور پر صوفی کو یوسف خان کی آمد کے بارے میں اطلاع دے لیکن خطرہ تھا۔ اگر یوسف خان کو کسی طرح پتہ چل گیا تو پھر سارا کھیل چوپٹ ہو جائے گا حالاں کہ شازیہ اس سے خوف زدہ نہیں تھی۔ اسے ہر طرح کے حالات سے نمٹنا آتا ہے۔ یوسف خان بے شک ایک قوی ہیکل پہاڑ تھا لیکن شازیہ صوفی کی تربیت یافتہ تھی اور وہ جانتی تھی کہ اگر حالات سنگین نوعیت اختیار کر جائیں تو پھر کس طرح اپنا بچاؤ کیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی اس نے فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی۔

یوسف خان کن حالات میں یہاں تک پہنچا ہے۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائے تو اچھا ہے۔ پھر صوفی کو تفصیل سے سب کچھ بتا دے گی یا اگر صوفی نے رابطہ قائم کیا تو بھی اسے حالات سے آگاہ کر دے گی۔ حالاں کہ وہ جانتی تھی کہ گرین فورس کے افراد اس کے آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گے۔

ہو سکتا ہے انہیں یوسف خان کے آنے کے بارے میں بھی اطلاع مل گئی ہو اور اب تک صوفی تک یہ خبر پہنچ گئی ہو کہ شازیہ کے فلیٹ میں یوسف خان داخل ہوا ہے۔ بس اس نے کافی بنائی اور پھر یوسف خان کے پاس پہنچ گئی۔ وہ بدستور کھانے میں مصروف تھا اور بڑے وحشیانہ انداز میں انگلیاں چاٹ رہا تھا یا تو

مجھے کھانا بہت وقت کے بعد ملا ہے یا پھر یہ کھانا واقعی اتنا اچھا ہے کہ میں اس کی تعریف نہیں کر سکتا۔ شازیہ مسکرا کر خاموش ہوگئی۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ یوسف نے کہا۔

’’تو نے اپنے لیے کافی نہیں بنائی۔‘‘

’’بنائی ہے مگر آپ کے ساتھ ہی پیوؤں گی۔‘‘

’’ایک بار پھر خدا تجھے خوش رکھے۔‘‘ یوسف خان نے کہا اور ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر جب تک پوری ٹرے خالی نہ ہوگئی۔ اس نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔‘‘

’’خانا...... اور لاؤں۔‘‘

’’نہیں بابا...... کھانا اتنا اچھا تھا کہ میں نے ضرورت سے زیادہ کھا لیا اور پھر بہت دیر بعد کھایا تھا۔ اس لیے پیٹ بھی زیادہ ہی بھر گیا۔ چل مجھے کافی دے، شازیہ نے اپنے لیے کافی بنائی اور ایک پیالی کافی یوسف خان کے سامنے رکھ دی وہ اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔

’’تو میں ستاروں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اب ہمارے ستارے گردش میں آ گئے ہیں۔‘‘

’’ہوا کیا خانا میں تو تمہاری بات سننے کے لیے بری طرح بے چین ہوں۔‘‘

’’ہونا کیا ان خدائی خواروں نے مجھ سے میرا بھائی چھین لیا اور اس کے بعد ہمیں غدار قرار دے دیا۔‘‘

’’غدار!‘‘

’’ہاں۔‘‘ یوسف خان نے کہا اور پھر پوری تفصیل شازیہ کو بتا دی۔ شازیہ کے ذہن میں پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ یوسف خان نے کہا۔

’’بڑی مشکل سے میں بچتا بچاتا یہاں تک آیا ہوں اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔‘‘

’’یہ جگہ محفوظ ہے۔ خانا میرے اور تمہارے سوا اس کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم۔ میں سمجھتی ہوں ہمیں یہاں کافی وقت گزارنا چاہیے اور اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔

’’ہاں واقعی بڑا خوف ناک ماحول پیدا ہو چکا ہے۔ میں ان سب کو بھون کر رکھ دوں گا اگر وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میری ہی مملکت میں، میرے ہی وطن میں میرے خلاف سازشیں کر کے میری حویلی پر قابو پا سکتے ہیں تو یہ نہیں ہونے دوں گا میں۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے حکومت سے بغاوت کی ہے لیکن یہ بات اگر میں کسی کو بتاؤں گا تو کوئی بھی نہیں مانے گا کہ اصل آدمی میں نہیں میرا بھائی تھا جو ہلاک ہو گیا مگر خیر...... کوئی بات نہیں ہے ثوبیہ ہمیں ایک سبق ملا ہے۔ اور اچھا سبق ملا ہے ہمیں۔ سوچنا پڑے گا بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔‘‘

’’کون سے سبق کی بات کرتے ہو خانا۔‘‘

’’ثوبیہ وطن سے غداری کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اقتدار تو آنی جانی چیز ہے آج ہوتا ہے۔ کل نہیں ہوتا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارے پاس جو اقتدار تھا وہ تو ناقابل شکست تھا۔ ہم اپنی مملکت کے بے تاج بادشاہ تھے اور ہمیں اپنے گھر میں کوئی پریشانی نہیں تھی لیکن ثوبیہ اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ سب غلط ہوا ہے میں اپنے بھائی سے عقیدت کی حد تک محبت کرتا تھا اور جب میرے بھائی نے کسی کام کے لیے مجھ سے کہا تو بھلا میری کیا مجال تھی کہ میں اس سے انکار کرتا۔

وہ تو چلا گیا لیکن ہمیں اس عذاب میں چھوڑ گیا تو بیہ میرے دل میں ہمیشہ یہ بات رہی کہ اپنے وطن سے غداری کرنا اچھی بات نہیں ہوتی مگر میں اگر اس بات کا اعلان کرتا کہ میں غدار نہیں ہوں اور ایک وفادار شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ تو میری بات کبھی نہیں سنی جاتی۔ ہم گردن گردن تک دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ کوئی ایک سمت نہیں ہے ہمارے لیے۔"

"خان..... آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نیند کی گولیاں لے کر سو جائیں۔"

"نیند کی گولیاں۔"

"نہیں..... میں نے زندگی میں کبھی نیند کی گولیاں نہیں کھائیں۔ کیا ایسی گولیاں یہاں موجود ہیں۔"

"نہیں میں باہر سے لا سکتی ہوں جا کر۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک میڈیکل سٹور ہے۔"

ضرورت نہیں ہے تو بس میرے لیے آرام کا بندوبست کر دے میں واقعی سونا چاہتا ہوں چوں کہ بہت دیر سے سخت پریشانی کی زندگی گزار رہا ہوں۔"

"آپ آرام کریں خان۔" شازیہ نے کہا اور اس کے بعد اس نے محبت بھرے انداز میں یوسف خان کو بیڈ روم تک پہنچایا۔ وہ بستر پر لیٹ گیا تو اسے کمبل اوڑھایا اور آہستہ قدموں سے باہر نکل آئی۔ دروازہ اس نے بند کر دیا تھا لیکن باہر سے نہیں تا کہ یوسف خان کو کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ اس کے دل میں پنکھ لگے ہوئے تھے اور اب وہ صوفی کو اس بارے میں بتانا چاہتی تھی۔

♥.....♥.....♥

صوفی چوتھی چیک پوسٹ سے بھی گزر گیا اور پھر اس کی جیپ ایک شان دار عمارت کے سامنے رک گئی۔ چار جگہ اسے اپنی شناخت کرانا پڑی تھی۔ بریگیڈیئر سکندر رانا نے چیک پوسٹوں پر ہدایت کر دی تھی کہ اس نمبر کی جیپ اور اس حلیے کے آدمی کو اس تک آنے دیا جائے۔

البتہ جو ضروری کارروائیاں ہو سکتی ہیں ان میں کسی قسم کی رعایت برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی فوجی اصطلاح میں رعایت نام کا کوئی لفظ قابل حیثیت نہیں ہوتا۔ وہاں صرف اصول سب سے بڑی رعایت ہوتے ہیں۔ آپ اصولوں کی پابندی کیجیے، آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ غیر اصولی زندگی بالکل بے مقصد اور بے کار ہوتی ہے۔

بہر حال صوفی عمارت کے سامنے اپنی جیپ سے اترا۔ یہاں بھی ملٹری پولیس کے دو آدمیوں نے اس سے اس کی شناخت طلب کی اور پھر اسے ایک شخص کی رہنمائی میں ایک ڈرائنگ روم جیسی جگہ پر پہنچا دیا گیا جہاں مکمل خاموشی طاری تھی۔ اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا۔ صوفی یہاں آنے کے بعد ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ بھاری بھرکم شخص اندر داخل ہوا جو اس وقت غیر فوجی لباس میں تھا لیکن اس کی اعلیٰ شخصیت سے ایک لمحے میں یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی اعلیٰ فوجی عہدیدار ہے۔

بریگیڈیئر نے صوفی کو دیکھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ نے مجھے خوب یاد رکھا صوفی صاحب بڑی خوشی ہوئی آپ سے دوبارہ ملاقات کر کے۔

ٹیلی فون پر مجھے آپ کا میسج ملا آپ دیکھ لیجیے میں بھی آپ کو نہیں بھلا پایا۔ سکندر رانا نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ صوفی کے ہاتھ میں دے دیا اور صوفی نے احترام سے اس سے مصافحہ کیا۔

"براہ کرم تشریف رکھیے۔" بریگیڈیئر سکندر رانا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر ہنس کر بولا۔

"ویسے صوفی صاحب معافی چاہتا ہوں۔ مجھے آپ کی شخصیت پر تبصرہ کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے لیکن دوستانہ طور پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ جو ایک مصرعہ کہا جاتا ہے۔" کہ

زمین جُمد نہ جُمد گُل محمد

آپ آج بھی بالکل ویسے ہی ہیں بلکہ لگتا ہے کہ وقت آپ پر ٹھہر گیا ہے۔ آپ کی شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی مجھے فار چون والا کیس یاد ہے۔ جب آپ نے تن تنہا ایک خطرناک گروہ کو قابو میں کر لیا تھا اور ہم سب ششدر رہ گئے تھے۔ وہ سارے کا سارا ایکشن ملٹری کے خلاف تھا اور آپ نے اس وقت ملٹری کے لیے بہترین کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ صوفی صاحب میں آج بھی اس کارنامے کو یاد کرتا ہوں۔ تو آپ کی شخصیت میری نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب ٹیلی فون پر میرے پی اے نے بتایا کہ صوفی نامی ایک صاحب آپ سے ذاتی ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو مجھے فوراً یاد آ گیا اور میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ وہی صوفی ہیں؟"

"جی ہاں حضور والا میں وہی صوفی ہوں۔"

"ارے واہ..... یاد آیا۔ آپ پیر پرست بھی ہیں۔ بھئی آپ کی پیر پرستی کا تو میں اس وقت ہی قائل ہو گیا تھا جب ایک بار کرنل رحیم شاہ نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ چلہ کشی کر کے بڑے بڑے مجرموں کی گردنیں دبوچ لیتے ہیں۔"

"درویشوں کی نظر عنایت ہو تو سب کچھ ہو جاتا ہے جناب۔"

"بڑی بات ہے بھائی، بڑی بات ہے۔ اچھا یہ بتائیے کیا پئیں گے آپ؟"

"سر کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا آپ کو۔"

"بھئی یہ میری رہائش گاہ ہے۔ ملٹری کا آفس نہیں ہے۔ میں آپ کے لیے چائے منگواتا ہوں۔"

"اگر آپ کا یہ خیال ہے تو جو درویشوں کی مرضی۔" صوفی نے جواب دیا اور بریگیڈیئر نے اپنے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔

ملازم آیا تو اس نے "چائے کا کہا" اور ملازم گردن خم کر کے چلا گیا۔

"صوفی صاحب ویسے آپ کی آمد میرے لیے سنسنی خیز بھی ہے۔"

"جی سر کچھ حقائق آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں..... ہاں..... ضرور بتائیے بتائیے میں بالکل فرصت سے ہوں۔ میں نے آپ کے لیے خاصا وقت محفوظ کیا ہے۔"

"شکریہ جناب عالی..... ذرا سی تفصیل میں جاؤں گا۔"

''بالکل بے فکری سے، جو کچھ ہے وہ مجھے بتایئے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ محب وطن ہیں اور آپ نے بارہا فوج کا ساتھ دیا ہے۔ ہم لوگ آپ کی بے پناہ عزت کرتے ہیں اور قدر کرتے ہیں۔''

''بے حد شکریہ جناب عالی آپ نے خود کرنل رحیم شاہ کا نام لیا۔ کرنل صاحب معذوری کی بناء پر فوج سے علیحدہ ہوئے تھے۔''

''ہاں ان کی ایک ٹانگ ضائع ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں وقت سے پہلے اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔''

''کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ اپنا عہدہ چھوڑنے کے بعد انہوں نے مجھے طلب کیا اور مجھ سے کہا کہ بے شک وہ فوجی خدمات سرانجام نہیں دے سکتے لیکن ان کی تشنگی دور نہیں ہوئی ہے۔ وہ ملکی بقاء کے لیے کام کرتے رہنا چاہتے ہیں اور میں ان کا ساتھ دوں۔''

''جی..... جی تفصیلات میرے علم میں نہیں ہیں لیکن کرنل رحیم شاہ یقیناً ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے۔''

''اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انہیں ایک طرح سے ملک بدر کر دیا گیا ہے۔''

''زیادہ تفصیل میرے علم میں نہیں آ سکی۔''

''جی ہم دونوں نے مل کر یہاں کام شروع کیا تھا۔ کرنل صاحب بذات خود اس قدر صاحب ثروت انسان تھے کہ انہیں دولت وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی جیب سے اخراجات خرچ کر کے وہ ان لوگوں کو چلاتے تھے جو ملکی مفادات کے لیے ان کے احکامات کے تحت کرم کرتے تھے درویشوں کی دعاؤں سے جن میں میں بھی شامل تھا۔ شاہ میر صاحب ہمارے ہاں کی ایک اہم ترین شخصیت ہیں سرکاری معاملات الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی بنیاد پر شاہ میر صاحب کو ان کے عہدے سے ہٹا کر جو کچھ بھی کیا گیا ظاہر ہے یہ ہمارا مسئلہ نہیں تھا لیکن اس کے بعد شاہ میر صاحب کی جگہ ایک اور صاحب کو تعینات کیا گیا ان کا نام اطہر جبار خان ہے۔ اطہر جبار خان نے فوری احکامات کے تحت کرنل رحیم شاہ صاحب کو ان کے اہل خاندان کے ساتھ ملک بدر کر دیا۔ ان پر جو الزامات لگائے گئے۔ ان کے بارے میں جناب آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن بہرحال میں اس پر تنقید کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ درویشوں کے کرم سے یہ خالص سرکاری معاملات ہیں۔ اونچی سطح کے لوگ اونچے فیصلے کرتے ہیں لیکن میں جو انکشاف آپ پر کرنا چاہتا ہوں وہ الگ ہی سنسنی خیز نوعیت کا حامل ہے۔'' بریگیڈیئر سکندر رانا توجہ اور دلچسپی سے صوفی کی بات سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

بات اصل میں یہ ہے صوفی صاحب کہ ہم فوجی لوگ زیادہ تر اپنے معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذاتی طور پر ہم کسی مسئلے میں مداخلت نہیں کرتے جب تک کہ ہمیں ہائی کمانڈ کی طرف سے احکامات نہ ملیں۔ تاہم ملک، محب وطن لوگ اور قابل احترام شخصیتیں ہمارے لیے بھی اتنی ہی قابل احترام ہوتی ہیں۔ جتنی دوسرے لوگوں کے لیے..... شاہ میر صاحب کا مسئلہ کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے تفصیلی طور پر ہمارے علم میں کوئی بات نہیں آئی۔ صرف اس حد تک جس حد تک اخبارات کو اس سلسلے میں رپورٹ دی گئی۔ ذاتی طور پر ہمیں اجازت نہیں ہے کہ ایسے کسی مسئلے سے ذاتی دلچسپی رکھ کر اس کی چھان بین کریں۔''

''جی..... سر میں جانتا ہوں۔''

''آپ اگر کوئی اہم بات مجھے بتانا چاہتے ہیں تو براہ کرم ضرور بتایئے۔ اصل میں آپ کا مسئلہ

بالکل مختلف ہے۔ میں ان واقعات کو زندگی میں فراموش نہیں کر سکتا۔ جن میں آپ نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ اور آپ کی وجہ سے ہم لوگ بڑی سرخروئی حاصل کر سکے تھے۔ صوفی صاحب میں ہمیشہ اس بات کا خواہش مند رہا ہوں کہ اگر کبھی آپکو مجھ سے کوئی کام ہو۔ تو اسے انجام دے کر آپ کی اس محبت کا صلہ دے سکوں جو آپ نے میرے لیے استعمال کی تھی۔''

''بے حد شکر گزار ہوں۔ جناب جو انکشاف میں کر رہا ہوں وہ آپ کے لیے یقیناً باعث دلچسپی ہوگا۔''

''آپ براہ کرم مجھے بتایئے۔''

''ایک ایسی تنظیم کسی ملک کے اشارے پر ہمارے خلاف ایک بدترین سازش کر رہی ہے میں یہ ڈسک سرکاری طور پر کسی کے حوالے تو نہیں کر سکتا لیکن ذاتی طور پر ایک محب وطن شخص جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں یعنی ''سکندر رانا'' میں اسے اپنے وطن کا ایک اہم ترین راز دے رہا ہوں۔'' صوفی نے تمام انتظامات کیے اور بریگیڈیئر سکندر رانا کو ایک ایک تفصیل بتا دی۔ بریگیڈیئر کا چہرہ فق ہو گیا انہوں نے کہا۔

''سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اطہر جبار خان ایک اہم عہدیدار ہیں ان کی جگہ کوئی نقلی آدمی کام کر رہا ہے۔ وہ جگہ تو ملک کے اہم رازوں کا مرکز ہے۔''

''درویشوں کی دعاؤں سے صوفی نے کہا۔''

بریگیڈیئر سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''ہمیں فوری ایکشن لینا ہوگا صوفی صاحب مجھے ہائی کمانڈ سے مطلب نہیں اور اس پورے مسئلے کو آپ ہی ڈیل کریں گے۔''

''دل و جان سے جناب۔''

''آپ سے اجازت چاہتا ہوں اب میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کر سکتا۔'' صوفی وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ یہ سب کچھ کر کے وہ سکون محسوس کر رہا تھا۔ ویسے ہی بس پرانے محلے کا خیال آیا تھا بہت دن ہو گئے تھے وہاں آئے ہوئے۔ چنانچہ اس طرف چل پڑا۔

گلی کے حالات جوں کے توں تھے۔ امین ممن خان کے ہوٹل کے سامنے ایک شاندار کیڈلک دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ پھر انس وگل داؤدی اسے دیکھ لیا۔

''اماں صوفی صاحب۔ آیئے آپ کو کسی نے خبر دی؟''

''کیسی خبر درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کے مہمان آئے ہیں۔''

''کون مہمان.....؟''

''ممن خان کے ہوٹل میں ہیں۔''

صوفی حیران رہ گیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے پھر اس نے دور سے آغا زالدین کو دیکھا۔ اس کے بہترین کرم فرماؤں میں سے تھے اکثر اس کے کام آئے تھے۔ بہت محبت کرتے تھے اس سے۔ پرکھوں کے نواب تھے بہت دور تک رسائی تھی بلکہ کئی جگہ وہ صوفی کے کام بھی آ چکے تھے۔ بلکہ ایک بار تو وہ صوفی کے سلسلے میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ طویل عرصہ معطل رہنے کے بعد صوفی کو تھانے داری ملی تھی۔ جو لوگ اسے اچھی

طرح جانتے تھے۔انہیں کف افسوس ملتے تھے۔اس تعیناتی پر تبصرے کئے تھے۔

ان کے خیال میں یہ صوفی کی توہین تھی۔صوفی بڑے بڑے عہدوں پر رہ چکا تھا۔اس کے بعد تھانے داری۔

نواب آغاز الدین تو اتنے جذباتی ہوئے کہ آئی جی صاحب سے ملاقات کا وقت لے ڈالا۔ان کی شخصیت اس پائے کی تھی کہ آئی جی صاحب نے فوراً ان سے ملاقات کی۔''

''فدوی کو آغاز الدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''

''تعارف کرانے کی ضرورت نہیں نواب صاحب۔'' آئی جی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بے حد شکریہ دخل در معقولات کے لئے شرمسار ہوں لیکن جس مسئلے میں حاضر ہوا ہوں وہ ناگزیر تھا۔انتہائی معذرت کے ساتھ سمع خراشی کی اجازت چاہتا ہوں۔''

''جو کچھ بھی ذہن میں ہے بے دھڑک ارشاد فرمایئے۔'' آئی جی صاحب نے کہا۔

ایک شخص بنام صوفی کے بارے میں گفتگو کرنے حاضر ہوا ہوں اسے ایک تھانے میں انسپکٹر کی حیثیت سے تعینات کیا گیا ہے۔''

''جی ہاں......صوفی صاحب! آپ انہیں جانتے ہیں نواب صاحب؟''

''آنسو نکل آئیں گے آئی جی صاحب اگر آپ نے ایسے سوالات کیے جس پائے کا وہ شخص ہے کاش اس کی صحیح شناخت ہو جاتی۔بڑے بڑے عہدوں پر رہ چکا ہے پھر یہ تنزلی کی انتہا کیوں؟''

آئی جی صاحب نے نرم انداز میں آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولے۔

''انہیں از سر نو محکمہ پولیس میں خوش آمدید کیا گیا ہے میرے پاس بھی ان کی سابقہ خدمات کا ریکارڈ موجود ہے لیکن اس وقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت جلد انہیں خصوصی ترقیاں دی جائیں گی۔اس کا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔''

''میں صوفی سے پوچھے بغیر اس کی سفارش لے آیا ہوں میری کیا عزت رکھی جا سکتی ہے۔'' نواب آغاز الدین نے کہا اور آئی جی صاحب سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے کہا۔

''اگر آپ ان کے بارے میں اس قدر سنجیدہ ہیں تو صرف آپ کے ارشاد فرمانے سے میں ذاتی طور پر کوشش کر سکتا ہوں۔امکان اس بات کا ہے کہ صوفی کو فوری طور پر ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی دے دی جائے لیکن حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا لیکن آپ کو آپ کے جذبات کے تحت یہ یقین دلاتا ہوں کہ اگر فوری طور پر نہ سہی تو کچھ وقت کے بعد یہ کام ضرور کر ڈالوں گا۔''

''نہایت رنج ہوا تھا یہ سب کچھ سن کر اس لئے بغیر کسی ذاتی شناسائی کے حاضر ہو گیا معذرت خواہ ہوں۔''

''قطعی نہیں، آپ کی آمد ہمارے لئے باعث عزت ہے۔صوفی سے براہ راست رابطہ رہے گا اور کسی بھی وقت آپ کو یہ خوش خبری سنا دی جائے گی۔''

''بے حد شکریہ۔'' نواب آغاز الدین نے کہا۔

''ادھر صوفی سے محبت کرنے والے اس انداز سے سوچ رہے تھے اور ادھر صوفی تھا کہ اپنے آپ

میں مگن اپنی دھن کا رسیا۔جو شخص کسی کنجوس ترین شخص کی دوکان پر بیٹھ کر کھاتے لکھ سکتا ہو اسے بھلا اس سے کیا غرض کہ تھانے داری کیا ہوتی ہے اور ڈی ایس پی کا عہدہ کن فوائد کا حامل ہے۔ممن خان کا ہوٹل اور ان کی بغل میں صوفی کا جھونپڑا بس اس کے سوا صوفی کو زندگی میں کچھ درکار نہیں تھا۔انسپکٹر شہباز کو بھی اپنے شناساؤں میں جواب دہی مشکل ہو گئی تھی۔نگاہیں جھکائے جھکائے پھرتا تھا۔مگر صوفی کی سرمستیوں کا وہی عالم، نہ کسی بات سے گریز نہ کسی عمل سے، اب ممن خان جیسے لوگوں کو کیا معلوم کہ عہدے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ممن خان نے تو باقاعدہ قوالی کر ڈالی تھی اور قوالوں سے باقی قوالیوں کے علاوہ ایک خصوصی قوالی کی فرمائش کی گئی تھی۔جس کا مطلع یہی تھا۔

سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا ہے۔

جس طرح بھی بن پڑا ممن خان اور اہل محلہ نے صوفی کو تھانیدار ہونے کی مبارک باد دی تھی صوفی کی سرمستیاں کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئی تھیں۔چنانچہ اس کا نتیجہ اس تھانے میں بہت ہی دلچسپیوں کی شکل میں نمودار ہوا۔مثلاً شہباز کو سروے پر لگایا گیا کہ مختلف علاقوں کے تھانوں میں ایسے سپاہیوں کو تلاش کرے جو رشوت ستانی میں دلچسپی نہ لیتے ہوں اور صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہوں کوئی بھی محکمہ ہو اچھے برے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی محکمہ پولیس کے بارے میں بہت سی روایتیں زبان زد عام ہیں لیکن یہ محکمہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں تھا۔

شہباز کے سروے نے صوفی کو ایک اچھا خاصا حلقہ مہیا کر دیا اسے ایس آئی نیک محمد، حوالدار شریف خان اور ہیڈ محرر شرافت حسین جیسے لوگ صوفی کو مل گئے تھے۔تھانے کا حلیہ ہی بدل گیا کسی کو رشوت لینے کی اجازت نہیں تھی صوفی نے اسی پر بس نہ کیا تھانے کی دیواروں پر جہاں انسانیت کا مذاق اڑانے والے نعرے لکھے جاتے تھے۔اب کچھ اس طرح کے نعرے آویزاں تھے۔جن میں نہایت خوشخط الفاظ میں لکھا تھا۔

''جرم کیا ہے تو سزا ملے گی، بے گناہ ہے تو اللہ مدد کرے گا''

رشوت اور سفارش لے کر اندر آنا منع ہے۔''

بحکم صوفی وغیرہ وغیرہ

یہ فقرے بہت سے لوگوں کے لئے باعث حیرت ہوتے تھے۔بہت سوں کے لئے باعث دلچسپی۔لیکن صوفی کو نہ کسی حیرت سے دلچسپی تھی اور نہ کسی کے تبصرے سے غرض یہ کہ تھانے کے ماحول میں خاصی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔جو قیدی لاک اپ میں لائے جاتے۔ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا جیسے پولیس نے انہیں یہاں لا کر غلطی کی ہے اور اب ان غلطیوں کا ازالہ کر رہی ہے ہر شخص کی رپورٹ درج کی جاتی کسی کو مایوسی نہ ہوتی۔یہی حالات چل رہے تھے کہ آئی جی صاحب نے طلب کر لیا اور صوفی سے گفتگو کرتے ہوئے نواب آغاز الدین کی آمد کے بارے میں بتایا۔پھر بولے۔

''میاں صوفی! ہم نے وعدہ کر لیا ہے۔نواب صاحب سے کہ تمہیں ڈی ایس پی کے عہدے تک پہنچا دیں گے۔لیکن نواب صاحب سے تمہاری ملاقات ہو جائے تو تم خود ہی انہیں سمجھا دینا کہ آئی جی غیر متعلق نہیں ہیں۔وہ پوری پوری کوشش کریں گے۔''

"حضور انور، جناب عالی، بندہ پرور، نواب آغاز الدین کی محبت اپنی جگہ لیکن اس عاجز کی ایک درخواست بھی ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

"ہاں ہاں کہئے صوفی صاحب۔"

"میں نے تھانے کو ترتیب دینے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ خدارا مجھے میری جنت سے نہ نکالا جائے۔ میں وہاں ہر طرح سے خوش ہوں اگر میرا عہدہ تبدیل کیا گیا تو میں استعفیٰ پیش کر دوں گا۔" آغاز الدین صاحب کی عنائتیں اپنی جگہ میں ذاتی طور پر کچھ کرنے کا خواہاں ہوں۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔"

آئی جی صاحب بے اختیار مسکرا پڑے پھر کہنے لگے۔

"تمہارے بارے میں جو کچھ سنا تھا۔ صوفی حقیقت یہ ہے کہ تم اس سے مختلف نہیں، بہر حال آغاز الدین کے سامنے یہ الفاظ ادا کر کے میری عزت بھی رکھ لو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم خود ان سے اس بارے میں کہہ دو۔ میں اگر کہوں گا تو سمجھیں گے کہ عذر کر رہا ہوں۔"

"جہاں خاطر فرمایئے درویشوں کے کرم سے میں مدعائے دل عرض کر دوں گا۔ البتہ ایک عرض داشت آپ کی خدمت میں بھی ہے درویشوں کی دعا سے آغاز الدین صاحب کے تعلق کو اگر اس طرف منتقل فرما دیں تو حضور کے اقبال کیلئے دعائیں کرتا رہوں گا۔"

"ہاں، ہاں کہئے صوفی صاحب کیا بات ہے؟"

حضور انور زمانہ گزرا ہے اس دشت کی سیاحی میں درویشوں کی دعاؤں سے تھانوں پر ایک نادیدہ ہاتھ مسلط رہتا ہے تعلقات کا حیثیت کا اختیار کا میری آرزو ہے کہ مجھے ہر مجرم کے خلاف کاروائی کرنے کی اجازت دی جائے قانون کی رکھوالی کا کام سونپا جائے۔ قانون کی قوالی نہ کرائی جائے میرے ہاتھ سے۔ بس اتنی سی فرمائش کرنا چاہتا ہوں درویشوں کی دعا سے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اگر صاحب اختیار لوگ مجرم ہوں تو آپ ان پر با آسانی ہاتھ ڈال سکیں اور قانون مداخلت نہ کرے؟"

"درست سمجھا آپ نے درویشوں کے کرم سے۔"

"ٹھیک ہے صوفی صاحب! جب تک میں اس سیٹ پر موجود ہوں آپ کو اس سلسلے میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن کوشش کیجئے گا کہ کہیں سہو نہ ہو جائے۔"

"درویشوں نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ صوفی نے پر مسرت انداز میں کہا اور اس کے بعد آغاز الدین سے دست بستہ ٹیلی فون پر عرض کیا کہ اسے اس کے عہدے پر برقرار رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

"آغاز الدین صاحب ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔

"میاں جانتے تھے کہ ایسا ہی ہوگا بس اپنے دل کی بھڑاس نکالنی تھی، سو نکال لی جب تم نے ایک بہتر رہائش گاہ قبول نہیں کی تو عہدہ کیا قبول کرو گے خدا تمہیں خوش رکھے۔"

یوں صوفی کی تھانے داری پکی ہوگئی۔ البتہ اس بات کی اسے خوشی تھی کہ اسے قانون کا رکھوالا ہی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ قانونی قوال نہیں بنایا گیا تھا۔

نیک محمد، شریف خان، شرافت حسین جیسے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اور آنے والوں کو بعض اوقات حیرت ہوتی تھی کہ وہ کسی دینی مدرسے میں پہنچ گئے ہیں۔ یا سچ مچ پولیس تھانے میں ہی آئے ہیں۔ پھر آئی جی صاحب نے ایک بار صوفی کو طلب کیا اور صوفی دست بستہ ان کے سامنے پہنچ گیا۔ تو آئی جی صاحب نے ایک درخواست اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ملاحظہ فرمایئے صوفی صاحب۔"

صوفی درخواست پر جھک گیا۔ شمیم احمد نام کے کسی نوجوان کے والد نعیم احمد نے آئی جی صاحب کی خدمت میں درخواست روانہ کی تھی۔ ان کا بیٹا شمیم احمد ایک لڑکی کے قتل کے الزام میں گرفتار ہوا تھا اور پولیس نے اس پر سختی کر کے اس سے اقبال جرم کروا لیا تھا۔ نعیم احمد کا کہنا تھا کہ ان کا بیٹا مجرم نہیں ہے اگر اس قتل کی تحقیقات صحیح طور پر کی جائے تو ان کے بیٹے کی بے گناہی ثابت ہو سکتی ہے۔ نعیم نے براہ راست آئی جی صاحب سے درخواست کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ایک غریب اور بے بس آدمی ہے۔ نہ اس کے پاس وسائل ہیں کہ اعلیٰ درجے کے وکیل کر سکیں اور نہ ہی وہ کوئی پہنچ رکھتے ہیں۔ اگر ازراہ کرم ان کے بیٹے کی مدد کی جائے تو شاید اس کی زندگی بچ جائے اور نعیم احمد کے گھر کا اکلوتا چراغ نہ بجھنے پائے نعیم احمد نے لکھا تھا کہ اگر شمیم احمد کو سزائے موت ہوئی تو یہ ایک بے گناہ انسان کی موت نہیں ہوگی بلکہ اس کے ساتھ مزید چار افراد موت کے گھاٹ اتریں گے۔ جن میں دو بہنیں ایک ماں اور ایک باپ بھی ہے ہاں اگر صحیح تفتیش سے بھی ان کا بیٹا شمیم احمد مجرم ثابت ہو جائے تو پھر ایک مجرم اور قاتل کی بے گناہی کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

آئی جی صاحب نے کہا "درخواست پڑھ لی صوفی صاحب؟"

"درویشوں کے کرم سے۔"

"اصل میں آپ نے مجھ سے اس دن یہ بات کہی تھی کہ میں قانون کے راستوں کے صحیح سفر کے لئے آپ کو اجازت دوں یہ کیس بھی ایک ایسا ہی کیس ہے۔ ایک دوسرے تھانے میں اس کی تفتیش ہو رہی ہے کیونکہ قتل اس علاقے کا ہے آپ اگر پسند کریں تو میں یہ تفتیش آپ کے تھانے میں ٹرانسفر کرا سکتا ہوں۔"

"بہ خوشی درویشوں کی دعا سے، احقر حاضر ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ کے پاس اس کی فائل پہنچ جائے گی اور اگر آپ پسند کریں تو ملزم کو بھی اپنی ہی تحویل میں لے لیں۔ یا اگر آپ اس کا جیل ریمانڈ چاہتے ہیں تو ایسا کر لیں جیسا آپ پسند کریں۔"

"حضور انور مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کے بھی احکام صادر فرما دیجئے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ٹھیک ہے ہو جائے گا۔ ویسے آپ مجھ سے رابطہ رکھیے گا اگر کوئی مشکل پیش آئی میں دیکھ لوں گا۔"

دوسرے دن صوفی کو سرکاری حکم نامہ مل گیا ایس آئی نیک محمد اور حوالدار شریف خان کو لے کر وہ متعلقہ تھانے پہنچ گئے۔ جہاں ایک روایتی قسم کا تھانہ انچارج حکمران تھا۔ صوفی کا شناسا بھی۔ صوفی کو دیکھ کر اس نے قہقہہ لگایا۔

"بابائے پولیس کہئے عہدے کی ترقی پسند آئی۔ اماں صوفی تمیں مار خاں بنے رہتے تھے۔

تھانے داری کر رہے ہو؟"

"درویشوں کا کرم ہے تھانیدار صاحب کا ہم پلہ ہو گیا۔ اچھا نہ لگتا تھا آپ جیسوں پر حکمرانی کرتے ہوئے۔"

جواب میں متعلقہ تھانیدار نے قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"کہئے کیسے آنا ہوا؟"

"اگر اس نوجوان کی ہڈیاں باقی بچ گئی ہوں تو انہیں ہمارے سپرد کر دیجئے گا۔ درویشوں کی دعاؤں سے جس کا آپ نے سارا تیل نکال لیا ہے۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"شمیم احمد ولد نعیم احمد۔"

"تمہارا اس سے کیا واسطہ؟"

"ہمارا تو نہیں ہے۔ یہ قبلہ آئی جی صاحب! کا اس سے کوئی خاص واسطہ ہے۔ ذرا یہ حکم ملاحظہ فرما لیجئے درویشوں کی دعاؤں سے۔"

آئی جی صاحب کی طرف سے جاری ہونے والے آرڈر پڑھ کر تھانہ انچارج کا منہ بگڑ گیا۔ غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ایک تو یہ اوپر سے تھانے کے معاملات میں بڑی مداخلت ہوتی ہے۔ بھئی اب نجانے کیسے کیسے تو اس سے اقبال جرم کرایا ہے ہم نے اماں صوفی میاں یہ چکر کس کا چلایا ہوا ہے؟"

"قانون قدرت ہے۔ تھانے دار صاحب! وقت ضائع کر رہے ہیں آپ اور اس کی جواب دہی آپ کو آئی جی صاحب کے سامنے کرنا ہوگی۔"

"صوفی صاحب لونڈے کو تو لے جاؤ مگر بعد میں مجھ سے بات کر لینا توڑ کی امید ہے حصے کر لیں گے سمجھے۔؟"

"یہ الفاظ لکھ کر عطا فرمائیں گے۔ آپ درویشوں کی دعاؤں سے؟"

"اماں کیا اول فول بک رہے ہیں کیا لکھ کر دیں گے؟"

"یہی کچھ جوڑ توڑ والی بات۔"

رہے صوفی کے صوفی نا۔ لے جاؤ بھائی کاہے کو ہمارے ماتھے لگ رہے ہو چل بھئی اللہ دتا نکال اس لونڈے شمیم احمد کو۔ صوفی صاحب رسید لکھ دو۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

شمیم احمد کو صوفی نے اپنے تھانے میں منتقل کر لیا۔ اس کا جسم داغدار تھا۔ لباس تار تار تھا۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ شکل وصورت ہی سے ایسا نہیں لگتا تھا کہ قتل جیسے بھیانک جرم کا مرتکب ہوا ہو۔ صوفی نے سب سے پہلے اسے ایک سپاہی کا لباس پیش کیا۔ اس کے بعد کھانے پینے کی اشیاء پھر ڈاکٹر کو بلا کر اس کے زخم دکھائے جن کی کسی نہ کسی شکل میں مرہم پٹی کر دی گئی ان تمام عنایات سے نوجوان شمیم احمد شدید حیران تھا کہ یہ پذیرائی ہو رہی ہو۔ اور وہ بھی ایک تھانے میں جب صوفی اس کے سامنے پہنچا تو دہشت بھرے انداز میں بولا۔

"نہیں تھانیدار صاحب، نہیں تھانیدار جی وقت سے پہلے مت مارو پھانسی دلوا دو۔ کہہ تو چکا ہوں جو کچھ تم لوگوں نے کہلوانا تھا۔ یہ جو عنایات مجھ پر ہو رہی ہیں میں جانتا ہوں کہ اس کے بعد کیا ہوگا پہلے بھی یہ ہی ہوا تھا کھلا پلا کر مارا تھا ان کم بختوں نے معافی چاہتا ہوں۔" نوجوان نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"بہ خدا تمہیں کوئی انگلی بھی چھو جائے تو ہم اس انگلی کو کاٹ کر باہر پھینک دیں گے قانون کا ایک معیار ہوتا ہے درویشوں کی دعاؤں سے مجرم کے بارے میں تفتیش کرو اور اگر وہ مجرم ہے تو اسے عدالت کے سپرد کیا جاتا ہے اور سزا دینے کی مجاز صرف عدالت ہوتی ہے۔ ہم ان لوگوں کے سخت خلاف ہیں جو سزا کا شعبہ بھی سنبھال کر بیٹھ جاتے ہیں۔ درویشوں کی لعنت ہو ان پر میاں بس ہمیں یہ بتا دو قتل کیا ہے؟"

"نہیں تھانیدار جی۔"

"سچ بولنا پسند کرتے ہو۔"

"کرتا ہوں مگر میرے سچ کو سچ ماننے والا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔" نوجوان نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گویا تمہارے بارے میں ہم تفتیش کریں تو اس انداز میں اس کا آغاز کریں کہ تم مجرم نہیں ہو۔"

"جناب یہی بات ہے میں بھلا اسے قتل کیوں کروں گا۔ جسے میں نے اپنی زندگی میں اپنے مستقبل کے لئے ایک مقام دیا تھا۔ اور پھر قتل جیسا بھیانک جرم تھانیدار صاحب آپ مانیں یا نہ مانیں۔ جو میری تقدیر میں لکھا ہے میں اسے کہاں ٹال سکوں گا۔ لیکن اگر واقعی اللہ نے میری مدد فرمانا منظور کر لی ہے تو آپ کی رہنمائی صرف اس طرح کر سکتا ہوں کہ میں نے نسرین کو قتل نہیں کیا۔ آپ اس کی تفتیش مناسب انداز میں کریں۔"

"کرنے ہی جا رہے ہیں درویشوں کے کرم سے۔ البتہ میاں اتنا بتاتے جاتے ہیں تمہیں کہ اگر تم نے ہم سے ان تمام حوالوں کے ساتھ جھوٹ بولا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم قاتل ہو تو بہ خدا شدید نفرت کریں گے تم سے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد دوسرے بے گناہوں کی دادرسی بھی نہ ہو سکے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

صوفی باہر نکل آیا۔ اس کے بعد ہی اس نے اس کیس کی فائل کی ورق گردانی کی تھی۔

نسرین کو تیرہ ستمبر کی رات قتل کیا گیا تھا۔ اس کی آبروریزی بھی کی گئی تھی اور اس کے بعد اس کی لاش جھاڑیوں میں ڈال دی گئی تھی۔ دوسرے دن صبح صبح سڑک پر جھاڑو لگانے والے خاکروب نے یہ لاش دیکھی اور محلے کے سرپنچ اختیار پہلوان کو سب سے پہلے اس کی اطلاع دی تھی۔ اختیار پہلوان نیلم نگر میں اس علاقے کے سرپنچ تھے اور سوشل ورکر بھی تھے۔ آئندہ الیکشن میں حصہ لینے کی زور وشور سے تیاریاں کر رہے تھے۔ بس اس کے بعد اختیار پہلوان نے پولیس کو خبر کی اور پولیس نے لاش اپنی تحویل میں لے لی۔

ابتدائی تفتیش سے پتہ چلا کہ قتل کا شبہ شمیم احمد نامی نوجوان پر ہے۔ جو بی اے کرنے کے بعد کوئی دو سال سے بے روزگاری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ شمیم احمد پر شبے کا اظہار اختیار پہلوان نے بھی کیا تھا اور اس کی تفصیلی وجوہات بتائی تھیں کہ شمیم اور فرقان نامی نوجوان آپس میں دوست تھے اور انہوں نے نیلم نگر کے اس

محلے میں جنم لیا تھا۔

بچپن کی دوستی جوانی تک ساتھ رہی اور اس کے بعد نسرین درمیان میں آ گئی۔ نسرین بھی اس محلے میں رہنے والے ایک شریف شخص جمیل احمد کی بیٹی تھی۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اور اس کے بعد پردہ نشین ہو گئی تھی۔ لیکن وہ شمیم سے محبت کرتی تھی اور شمیم اس سے جبکہ فرقان کے دل میں بھی نسرین کا پیار تھا۔ جب اسے یہ علم ہوا کہ نسرین شمیم احمد کی طرف مائل ہے تو پھر اس کے دل میں رقابت پیدا ہو گئی۔ فرقان البتہ کسی حد تک کھاتے پیتے گھرانے کا بیٹا تھا۔

اس کا باپ سبزی منڈی میں آڑھت کا کام کرتا تھا اور اچھے خاصے پیسے کما لیتا تھا فرقان بھی اس کام میں اس کا دست راست تھا۔ جبکہ شمیم احمد تعلیم حاصل کرنے کے باوجود نوکری پانے میں ناکام رہا تھا۔ انہی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فرقان نے فوراً اپنا رشتہ اپنے ماں باپ کے ذریعے جمیل احمد کے پاس بھجوا دیا۔ جمیل احمد کے خیال میں فرقان برا لڑکا نہیں تھا۔ لیکن جب نسرین کی ماں نے اس سلسلے میں نسرین سے بات کی تو نسرین نے صاف کہہ دیا کہ وہ شمیم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر اس کی شادی فرقان سے کی گئی تو وہ خودکشی کر لے گی۔

یہ سادہ سے لوگوں کی بستی تھی۔ بدنامی کے خوف سے جمیل احمد صاحب! نے خاموشی اختیار کر لی۔ البتہ انہوں نے کچھ دنوں کے بعد فرقان کے والدین سے اس رشتے کے لئے منع کر دیا۔ فرقان کے دل میں انتقام کی آگ بیدار ہو گئی اور اس نے شمیم احمد سے رابطہ توڑ لیا۔ وہ خاموشی سے اپنے اس انتقام کی آگ میں جلتا رہا۔ ادھر شمیم بے روزگار نوجوان تھا۔ بھلا اس سے نسرین کو کیا حاصل ہو گا۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں نعیم احمد صاحب سے بھی گفتگو ہو گئی۔ جمیل احمد نے ان سے کہا کہ اگر ان کا بیٹا کسی قابل ہو گیا تو وہ نسرین کی شادی اس سے کر دیں گے۔ لیکن بدقسمتی نے شمیم کا ساتھ نہیں چھوڑا اور جب سال ڈیڑھ سال گزر گیا تو جمیل صاحب نے نہایت نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"شمیم ایک پیسہ تو کما نہیں سکتا اور نسرین سے شادی کرنے چلا ہے۔ فرقان کا رشتہ ٹھکرا کر انہوں نے غلطی کی ہے۔" ادھر فرقان کا رابطہ اختیار پہلوان سے ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے لئے الیکشن میں کام کر رہا تھا۔ جب اختیار پہلوان کو اس بات کا علم ہوا کہ صرف نسرین کی ہٹ دھرمی ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ نسرین کو بلا کر سمجھائیں گے اور اسے صورتحال بتا کر کہیں گے کہ وہ شمیم احمد کے چکر میں نہ پڑے۔

اختیار پہلوان کا بیان تھا کہ نسرین خود بھی صورتحال سے دل برداشتہ تھی اور اس نے اختیار پہلوان کے سامنے اپنی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہر چند کہ وہ شمیم سے شادی کرنا چاہتی ہے لیکن اپنے والدین کو کتنے عرصے تک روکے گی۔ اس کا گھر اس کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔ سارے گھر والے اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تب اختیار پہلوان نے اس سے کہا کہ حماقت میں نہ پڑے ایک طرف فرقان کے ساتھ ایک پرسکون زندگی اس کی منتظر ہے تو دوسری جانب شمیم احمد کا مسرت زدہ گھرانہ ہے۔ جس میں کھانے پینے تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

نسرین نے کہا کہ وہ سوچ کر جواب دے گی اور اس کے بعد پولیس کے مفروضات تھے۔ یعنی یہ

کہ نسرین، شمیم احمد کے سامنے کوئی مستقبل تو تھا نہیں بیروزگاری اور مسلسل پریشانیوں سے جھلایا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ برفروختہ ہو گیا اور پھر اس نے نہایت دھوکے سے کسی طرح نسرین کو اپنے پاس بلایا۔ اس کے ساتھ زیادتی کی اور پھر اسے قتل کر کے اس کی لاش تھوڑے فاصلے پر پڑی جھاڑیوں میں پھینک دی گئی۔

اس کا کوئی ایسا حتمی ثبوت نہیں ملا تھا۔ جس سے شمیم احمد کے خلاف ٹھوس انداز میں ثبوت پیش کیا جا سکے۔ لیکن اختیار پہلوان نے کچھ ایسے شواہد پولیس کو پیش کئے جن کی بنا پر شمیم احمد ہی اس سلسلے میں سب سے زیادہ مشکوک پایا گیا اور بالآخر پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس کے جسم کے لاتعداد زخموں نے اپنے آپ کو مجرم گردانا شروع کر دیا اور بالآخر شمیم احمد نے وہی بیان دیا۔ اس نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ نسرین کا حصول اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا اور اختیار پہلوان کے سمجھانے بجھانے سے نسرین کچھ بھٹکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ بلکہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خواہ مخواہ اس نے شمیم کی خاطر خود کو بدنام کر لیا۔

اور اب پتہ نہیں فرقان اسے قبول کرے گا یا نہیں؟ اس نے یہ بھی کہا کہ فرقان نے اسے اپنے قدموں میں جگہ دینا پسند کیا تو وہ بالآخر ہاں کر دے گی۔ کیونکہ شمیم کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ ان تمام باتوں نے شمیم کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ اپنی محبت کا مقصد حاصل کر لے اور نسرین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دے تاکہ وہ اسے کسی اور کی بیوی کے روپ میں نہ دیکھ سکے۔ فرقان کا بیان تھا کہ شمیم اس رشتے کے بعد جو فرقان کے گھر سے نسرین کے گھر بھیجا گیا تھا۔ فرقان سے بالکل کٹ گیا تھا اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا بلکہ ایک دو بار اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر نسرین اس کی نہ ہو سکی تو کسی کی بھی نہیں ہو سکے گی۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر خودکشی کر لے گا۔ یہ حلفیہ بیان فرقان نے پولیس کو دیا تھا۔ ان تمام بیانات کی روشنی میں پولیس نے شمیم کو گرفتار کیا تھا اور اب اپنے طور پر حتمی چالان پیش کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

یہ تفصیلات پڑھنے کے بعد صوفی نے موقعہ واردات کا نقشہ اور آس پاس کے لوگوں کے بیانات دیکھے اور اس کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وردی کی چھوٹی چھوٹی جیب سے پانوں کی ڈبیہ اور قوام کا بٹوہ نکال کر اس نے پان کی گلوری منہ میں رکھی اور اس کے بعد نیم غنودہ ہو گیا۔ یہ مراقبے کی سی کیفیت تھی۔ نیک محمد ایس آئی اور حوالدار شریف خان، صوفی کے اس انداز سے بہ خوبی واقف تھے۔ اس لئے آنے والے ایک شخص کو باہر ہی روک لیا۔ جو صوفی سے ملاقات کرنے آیا تھا۔

"اماں بھائی انچارج صاحب! سے بات کرنی ہے۔ مجھے ایک سلسلے میں آپ لوگ جانے کیوں نہیں دیتے مجھے ان کے پاس۔" آنے والے نے کہا۔

"انچارج صاحب مراقبہ کر رہے ہیں اس وقت ان کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔"

"یہ پولیس تھانہ ہے یا کسی پیروں کی خانقاہ۔ یہاں اب مراقبے ہونے لگے ہیں۔"

"جاؤ بھائی پھر کسی وقت آ جانا۔ اب اگر ہمارا نام نیک محمد اور ان کا شریف خان ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم پولیس کے فرائض بھی سرانجام نہ دیں۔ کھوپڑی گھوم گئی تو تم بھی گھومتے ہی گھر جاؤ گے۔"

آنے والا بڑبڑاتا ہوا چلا گیا تھا صوفی ان تمام حالات سے بے خبر مراقبے میں مصروف تھا۔ نجانے کیا کیا تصورات اس کے ذہن میں آ رہے تھے شمیم احمد کو دیکھ چکے تھے۔ فرقان اور اختیار پہلوان کو ابھی تک

نہیں دیکھا تھا۔ بالآخر فراغت حاصل ہوئی تو اس نے ایک آئی نیک محمد کو طلب کر لیا۔ شریف خان اور شرافت حسین بھی ساتھ ہی آئے تھے۔ اس کیس پر گفتگو ہونے لگی۔ صوفی نے کہا۔

"وہ ہماری جیپ میں پٹرول موجود ہے۔ درویشوں کے کرم سے سرکاری کام سے جا رہے ہیں اس لئے موٹر سائیکل تو مناسب نہیں رہے گی۔"

"آپ کی موٹر سائیکل کے تو پلگ ہی شارٹ ہیں۔ صوفی صاحب جیپ سے ہی چلنا پڑے گا اور پھر سرکاری کام کے لئے تو سرکاری اخراجات ہی مناسب ہوتے ہیں۔"

"غیر ضروری اخراجات سے گزیر کرنا موزوں ہوتا ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔"

"جا کہاں رہے ہیں آپ؟" ایس آئی نے پوچھا۔

"میاں وہی عزیزی فرقان احمد سے ملنے اختیار پہلوان سے بھی ملاقات کر لیں گے۔ ذرا صورتحال کا جائزہ لے لیں اب یہ کیس ہمارے ہاتھ میں آیا ہے تو تفتیش تو کرنا ہی ہوگی۔"

"تو پھر وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ صوفی صاحب! فرقان اور اختیار پہلوان کو یہیں تھانے میں بلا لیں۔"

"کچھ غیر اخلاقی حرکت نہیں ہو جائے گی درویشوں کی دعاؤں سے؟"

"صوفی صاحب کی باتیں عجیب ہیں۔ اماں یہاں تو بڑے بڑوں کو آنا پڑتا ہے۔ میں جاتا ہوں آپ اپنا وقار رکھیں خواہ مخواہ محلے میں چکراتے پھریں گے جا کر دیکھتا ہوں"

ایس آئی چند کانسٹیبلوں کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ فرقان احمد کے ساتھ واپس آیا۔ اختیار پہلوان کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ مصروف تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شام کو پانچ بجے تھانے پہنچیں گے۔ انچارج سے کہہ دیا جائے کہ انتظار کرے ایس آئی کہنے لگا۔

"بڑا مغرور آدمی معلوم ہوتا ہے۔ صوفی صاحب! پہلوانی کرتا ہے اکھاڑا بنا رکھا ہے۔ شادی نہیں کی ہے گھر بار اچھا خاصا ہے بہت سے پٹھے رکھ چھوڑے ہیں ان دنوں الیکشن کا شوق چڑھا ہوا ہے اور پہلوانی کے ساتھ ساتھ سیاسی کشتی بھی لڑنے کی فکر میں سرگرداں ہے۔"

"درویش رحم کریں اس ملک کی سیاست پر۔" صوفی نے آہستہ سے کہا پھر فرقان کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کے بعد بڑے نرم لہجے میں بولا۔

"بیٹھ جائیے میاں! کچھ روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے۔ ان واقعات پر درویشوں کے کرم سے؟"

"آپ مجھے حکم دیجئے انچارج صاحب کیا کرتا ہے مجھے؟"

میاں دیکھو بچپن کی دوستی ہے تمہاری شمیم احمد سے چلو ٹھیک ہے مان لیا کہ زر، زن اور زمین بنائے خاصت بنے رہے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے درویشوں کے کرم سے لیکن دوستیاں اور محبتیں بھی انسان کی لی ساتھی ہیں۔ کیا تمہیں شمیم احمد کی موت کا دکھ نہیں ہوگا۔ اگر پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہو کہ شمیم نسرین کا قاتل ہے تو ہمیں اس کی ذرا تفصیلی وجوہات بتاؤ اور اگر ذرا بھی شبہ ہے تمہیں تو اس بات پر تو کچھ شنی ڈالو۔ شمیم احمد نعیم احمد کے گھر کا اکلوتا چراغ ہے بجھ گیا تو تمہارہ جائے گا یہ گھرانہ۔ ہم تمہیں دعوت دیتے

ہیں عزیزی کہ دل سے وہ بغض نکال دو اور ہمیں تفصیلات بتاؤ۔

"مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ نسرین شمیم سے محبت کرتی ہے لیکن جناب میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن یہ بہت افسوس ناک حادثہ ہوا ہے شمیم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کیا نسرین اختیار پہلوان کے سمجھانے سے کسی حد تک راضی ہو گئی تھی۔؟"

"اس نے کہا تھا کہ سوچ کر جواب دے گی۔" اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار تھے اور وہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اختیار پہلوان نے اس کے بعد مجھ سے کہا تھا کہ اب کام بن جائے گا بچی کو سمجھ آ گئی ہے۔ یقینی طور پر نسرین نے شمیم سے رابطہ قائم کر کے کوئی تلخ گفتگو کی ہوگی۔"

"ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات جو تم ہمیں بتا سکو۔؟"

"نہیں جناب آپ یقین فرمائیں مجھے کچھ اور معلوم ہوتا تو میں آپ کو بتا دیتا۔"

فرقان کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے بعد صوفی نہ مانا کیوں کہ شام پانچ بجے تک اختیار پہلوان نہیں آیا تھا۔ صوفی نے ایس آئی نیک محمد سے کہا۔

"میاں نیک محمد کام ہمارا ہے اور پھر یہاں ایک ایک کو بلاتے رہیں گے تو بہت سی باتوں کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکے گا۔ ذرا موقع واردات کا جائزہ بھی لے لیا جائے۔ درویشوں کے کرم سے ہو سکتا ہے اصل جگہ پہنچنے کے بعد درویش رہنمائی کر دیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں صوفی صاحب! میں گاڑی تیار کرتا ہوں۔"

"صوفی اپنی وردی میں ہمیشہ احمق لگتا تھا بلکہ شبہ پولیس کی وردی پر تھا لیکن اب صوفی کے جسم کو کیا کیا جائے جس پر صرف کپڑے ہی دھو کر ٹانگے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ وردی کی جیبیں پھولی ہوا کرتی تھیں۔ یہاں مطلق العنانی تھی۔ کسی کا خوف نہ ڈر چناں چہ پانوں کی بھی محفل جمی رہتی تھی۔ اکثر قوالیوں کی باتیں ہوا کرتی تھیں اور تھانے کا ماحول درحقیقت اس شخص کے کہنے کے مطابق کسی خانقاہ کا ماحول معلوم ہوتا تھا۔

پولیس کی جیپ نیلم نگر میں داخل ہو گئی اور پھر اس جگہ جا کر رک گئی جہاں کی نشان دہی نقشے میں کی گئی تھی۔ جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ ان پر چھروں کے غول اڑ رہے تھے سامنے کی سمت میں گھروں کا سلسلہ تھا۔ نیلم نگر کچی بستی تھی اور یہاں کے رہنے والے بس ملی جلی کیفیات کے حامل تھے۔ مجموعی طور پر غریبوں کی تعداد زیادہ تھی۔ چھوٹے سے بازار بھی کھلے ہوئے تھے لیکن یہ باقاعدہ نہیں تھے، بس جسے جگہ ملی تھی اس نے دکان بنا ڈالی تھی۔

صوفی کی جیپ جھاڑیوں کے پاس جا کر رک گئی اور صوفی موقعہ واردات کا معائنہ کرنے لگا۔ آس پاس کے چند لوگوں کو طلب کر لیا گیا تھا اور ان سے معلومات حاصل کی جا رہی تھیں۔ نسرین کے قتل کے سلسلے میں لوگ حیران تھے کہ قاتل تو گرفتار ہو چکا ہے پھر یہ تفتیش کس لیے ہو رہی ہے۔ صوفی نے نسرین کا گھر، شمیم احمد کا گھر، اختیار پہلوان کا مکان سب کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں اور پھر جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ کوئی بھی حتمی بات سامنے نہیں آئی تھی کہ اگر آبروریزی کی واردات ہوئی تو کہاں۔ لاش کو اگر جھاڑیوں میں پھینکا تو کس طرح پھینکا گیا جس جگہ یہ جھاڑیاں تھیں وہاں سے نعیم احمد کا مکان کافی فاصلے پر تھا اور درمیان

میں اچھے خاصے پررونق علاقے تھے۔ البتہ اس بات کی گنجائش تھی کہ رات کو یہ واردات کرنے کے بعد لاش کو رات ہی کے کسی حصے میں طویل فاصلہ طے کر کے جھاڑیوں تک لایا گیا ہو اور یہاں ٹھکانے لگا دیا گیا ہو۔

صوفی پوری طرح جائزہ لیتا رہا نعیم احمد کے گھر جا کر اس نے اس گھر کا نقشہ بھی دیکھا، چھوٹا سا مکان تھا، نسیم احمد کی دو بیٹیاں، خود نعیم احمد اور ان کی بیوی اس چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے۔ ایسی کوئی بھی جگہ نہیں تھی جہاں ایسی کوئی واردات کی جا سکے۔

ان پانچ افراد کے لئے یہ مکان ناکافی تھا۔ اب ظاہر ہے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ شمیم احمد کے والدین شمیم احمد کو اس بدکاری کے لئے گھر میں موقع دیں۔ اس کے بعد دوسری جگہوں کا جائزہ لیا گیا اور آخر میں ایک شخص ایک پیغام لے کر پہنچا۔ اختیار پہلوان نے اطلاع بھجوائی تھی کہ تھانیدار صاحب کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ چائے تیار ہے ایس آئی نیک محمد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''دیکھا آپ نے صوفی صاحب کتنا مغرور ہے یہ اختیار پہلوان خود نہیں آیا۔ چائے پر پولیس کو بلوایا ہے۔''

''اگر وہ مغرور ہے۔ درویشوں کے کرم سے تو ہم غرور کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ چلیں گے اس کے پاس۔''

بازار سے گزرتے ہوئے صوفی نے ادھر ادھر دیکھا اور دل ہی دل میں کچھ سوچتا بالآخر اختیار پہلوان کے مکان پر پہنچ گیا۔ نیلم نگر جیسی کچی بستی کا جائزہ لیتے ہوئے جب اس خوبصورت مکان پر نظر پڑی تو صاف اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ اختیار پہلوان ہی کا گھر ہو سکتا ہے۔ بڑے سے دروازے سے اندر داخل ہو کر وسیع و عریض اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ جس میں مٹی پڑی ہوئی تھی، اور چار چھ مسٹنڈے مٹی میں لوٹیں لگا رہے تھے۔ اختیار پہلوان ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے حقے کو منہ میں لگائے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔

جوان آدمی تھا بڑی بڑی مونچھیں، سرخ و سفید پھولا ہوا چہرہ، بدن واقعی شاندار تھا، لیکن توند نکلی ہوئی تھی۔ جو غالباً کھانے پینے کے شوق کی وجہ سے تھی۔ کھڑے ہو کر اس طرح صوفی کا استقبال کیا جیسے کوئی بہت عزیز دوست ملنے کے لئے آیا ہو۔ بیٹھنے کیلئے کرسیاں اور مونڈھے لگوا دیئے گئے تھے۔ صوفی سے مصافحہ کر کے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''معاف کرنا تھانیدار جی، بڑی مصروفیات ہیں، بھئی الیکشن کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں۔''

''اس اکھاڑے میں درویشوں کے کرم سے؟'' صوفی نے اکھاڑے کی طرف اشارہ کیا اور اختیار پہلوان نے قہقہہ لگایا۔

''نہیں جی یہ تو اپنا ذاتی شوق ہے، سیاست کا ڈپارٹمنٹ گھر کے پچھلے حصے میں ہے۔''

''اچھا اچھا تو آپ سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔؟''

''لو جی اپنے نیلم نگر کے لوگ اپنے علاوہ کسی اور پر بھروسہ ہی نہیں کرتے۔ سب نے مل جل کر کہا۔ اختیار پہلوان تم سے اچھا بھلا نیلم نگر کے لئے اور کون ہو سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر گھر کا ایک ایک آدمی تمہیں ووٹ دے گا بس جی یاروں کی خوشی کے لئے فیصلہ کر لیا کہ کھڑے ہو جائیں گے الیکشن۔ میں ہمارے

لئے کون سی مشکل ہو گی۔''

''یقیناً یقیناً۔''

''ہم نے سنا ہے اس لونڈے کا معاملہ پھر سے کھڑا ہو گیا ہے ارے بھئی جمیل احمد بہت شریف آدمی ہے برا ہوا اس کے ساتھ اور ہم تو ذمے دار قرار دیتے ہیں شمیم احمد کے باپ نعیم احمد کو۔ بیٹے کی صحیح تربیت نہیں کی۔ تھانیدار جی اس نے اور پھر آج کل تو یہ دیکھو لگتا ہے لونڈیوں اور لونڈوں کو عشق و محبت کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں رہ گیا۔ بھئی پہلے بھی انسان زندگی گزارتے تھے شادی بیاہ ہوتے تھے لیلیٰ مجنوں ہوتے تھے مگر کہیں کہیں۔ اب تو آج کل ہر گلی کونے پر چار چھ مجنوں کھڑے ہوتے ہیں اور لیلائیں ہیں کہ ہاتھوں میں جھاڑو لئے کبھی ادھر سے جھانک رہی ہیں۔ کبھی الگنی پر کپڑے ٹانگنے جا رہی ہیں۔ طرح طرح کے بہانے اور پھر یہ ہندوستانی فلمیں توبہ توبہ جی توبہ، توبہ انہوں نے تو ہر گھر میں لیلیٰ مجنوں کی بھرمار کر دی ہے تھانیدار جی توبہ توبہ۔'' اختیار پہلوان نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

صوفی خاموشی سے اختیار پہلوان کی لن ترانیاں سنتا رہا تھا اس نے کہا۔

''شمیم اور فرقان نسرین سے محبت کرتے تھے؟''

''ہاں جی محبت تو کرنی تھی انہوں نے کسی نہ کسی سے نسرین سے ہی کرنے لگے۔''

''شمیم کی بے روزگاری سے تنگ آ کر فیصلہ کیا گیا کہ نسرین کی شادی فرقان سے کر دی جائے۔ درویشوں کے کرم سے۔''

''اس کی تو ہمیں معلوم نہیں جی، مگر جمیل احمد صاحب ملے ضرور تھے ہم سے کہا تھا انہوں نے کہ ان کی لونڈیا کو سمجھائیں۔ ہم نے کہا بھئی بھیج دو ہمارا تو کام ہی سماجی خدمت کرنا ہے۔''

''بچی سے بات کی ہم نے کچے ذہن کی بچیاں ہیں۔ فیصلوں میں عقل سے کام تو لیتی نہیں ہیں۔ سوچ میں ڈوب گئی بس کہنے لگی کہ سوچ کر جواب دوں گی۔ پہنچی ہو گی تھانیدار صاحب! سیدھی شمیم کے پاس اب کیا پتہ اسے نتیجہ کیا ہو گا۔ بس جی شمیم سے برداشت نہ ہو سکا۔ اور اس نے اپنا کام کر دکھایا۔''

چائے کی پیشکش کی گئی لیکن صوفی نے معذرت کر لی۔

''اماں بھائی تھانیدار صاحب کوئی رشوت کی چائے تھوڑی پلا رہے ہیں۔ ہم الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں تم لوگوں کے بل ہی پر تو اتنا بڑا کام کریں گے۔ چائے تو ویسے بھی ہر آنے جانے والے کے لئے ہوتی ہے۔''

''ہم ڈیوٹی پر کبھی کسی کی کوئی پیشکش قبول نہیں کرتے درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''آپ کی مرضی ہے بڑی مایوسی ہوئی مجھے۔ تھانے پہنچوں گا کسی وقت آپ نے بلایا تھا، مگر ذمہ داریاں اتنی ہیں کہ اس وقت نہیں آ سکا۔''

صوفی اختیار پہلوان کے مکان سے باہر نکل آیا سارے محلے میں تفتیش کرنا چاہتا تھا۔ اب جب ادھر آیا ہے تو کچھ نہ کچھ کام کی بات معلوم ہونی چاہئے۔ شمیم احمد سے گفتگو ہوئی تھی وہ دل کو لگی تھی۔ بس ایک اندازہ تھا اس کا کہ قاتل شمیم احمد نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کون ہے؟ فرقان پر بھی شبہ کیا جا سکتا تھا مگر جو حالات

نگاہوں کے سامنے آئے تھے وہ ذرا مختلف ہیں۔ فرقان نے بڑی سادگی سے تھانے میں بیان دیا تھا۔

مگر اب صوفی سوچ رہا تھا کہ ذرا گہرائیوں میں جانا پڑے گا۔ صوفی جمیل احمد صاحب کے گھر پہنچ گیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ نسرین کی ماں سے ملنا چاہتا ہے نسرین کی ماں آ گئی تو صوفی نے جمیل احمد کو سامنے سے ہٹا دیا اور کہنے لگا۔

''ہمشیرہ عزیزہ بچی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا۔ اس نے یقینی طور پر آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہوگا۔ درویشوں کی دعاؤں سے۔ ہم میرا مطلب ہے کہ آپ کو بلاشبہ دکھ ہوا ہوگا۔ درویشوں کے کرم سے، للہ، لیکن آپ قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے میں پولیس کی مدد کیجئے گا۔''

''بتائیے میں کیا کروں، بدنامی الگ ہوئی پلی پلائی بچی خاک میں مل گئی۔'' بیگم جمیل نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

صوفی نے افسردگی سے گردن ہلائی پھر بولا۔

''آپ لوگوں میں سے کوئی بچی کے ساتھ اختیار پہلوان کے گھر نہیں گیا تھا۔''

''نہیں انہوں نے اسے تنہا ہی بلایا تھا۔ بڑے اچھے آدمی ہیں بے چارے۔''

''نسرین وہاں سے سیدھی گھر ہی واپس آئی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''پھر وہ شمیم کے گھر گئی تھی؟''

''یہاں سے یہ کہہ کر نہیں گئی تھی بس پریشان تھی، بہت دیر تک اپنے کمرے میں بند رہی پھر جب اٹھ کر جانے لگی تو میں نے پوچھا کہ اب کہاں جا رہی ہو جھلا کر بولی جہنم میں اور اس کے بعد چلی گئی۔

''درویش کرم کریں۔'' صوفی نے آہستہ سے کہا۔'' پھر..... اور اس کے بعد واپس نہیں آئی۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''دراصل وہ اپنی سہیلیوں کے گھر بھی آتی جاتی رہتی تھی اور بعض اوقات وہ دیر سے بھی گھر آیا کرتی تھی۔'' میں نے سوچا کہ وہ مہتاب علی کی بیٹی صفیہ سے ملنے گئی ہوگی۔ وہی اس کی رازدار سہیلی تھی۔

صوفی یہ نیا نام سن کر چونک پڑا اس نے کہا۔'' مہتاب علی کون ہیں؟''

''دھوبی ہیں وہ جو چھٹے گھر پر دکان نظر آتی ہے نا جس کے دروازے کے سامنے گدھا بندھا ہوا ہے وہی مہتاب علی کا گھر ہے ان کی بیٹی صفیہ سے نسرین کی دوستی تھی۔''

''یہ اچھی بات بتائی آپ نے اچھا بس اتنا ہی پوچھنا تھا آپ سے۔'' اب اجازت دیجئے گا۔ ایس آئی نیک محمد نے صوفی کے باہر نکلنے کے بعد کہا۔

''صوفی صاحب اب کیا اس محلے سے واپسی کا ارادہ نہیں ہے۔ اس طرح گھر گھر جا کر معلومات حاصل کرتے نہ تو کسی کو دیکھا اور نہ ہی سنا.....''

میاں آرام سے بیٹھو درویشوں کی دعاؤں سے کسی شے کی حاجت ہو تو گاڑی لے کر چلے جاؤ۔

میں ذرا کام کر رہا ہوں، مجھے کام کرنے دو۔''

''چائے پی آئیں ذرا بازار جا کر۔؟''

''ہاں ہاں بہ خوشی بہ خوشی درویشوں کے کرم سے۔'' نیک محمد چلا گیا صوفی معلومات حاصل کرتا ہوا مہتاب علی دھوبی کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔

مہتاب علی گیسو دراز تھے۔ لمبے لمبے بال شانوں تک بکھرے ہوئے۔ سر پر لمبی سی ٹوپی لگائے ہوئے۔ چغہ جیسا لباس پہنے ہوئے لنگی میں ملبوس دوکان پر بیٹھے ہوئے کپڑوں کا حساب کتاب کر رہے تھے۔

صوفی نے سوال کیا تو گردن اٹھا کر دیکھا بڑا ہی وحشیانہ انداز تھا۔ جواب دے کر بولے۔'' حق اللہ۔'' صوفی کے دانت باہر نکل آئے بڑی محبت سے مصافحہ کیا گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

''میاں بلند شہر کے بھانڈ معلوم ہوتے ہو۔ وہ جو بہروپ بدل کر دوکان دوکان جاتے ہیں، پہلے رعب جھاڑتے ہیں اور اس کے بعد انعام مانگتے ہیں سچ سچ پولیس والے ہو یا پورے محلے کو الو بنا دیا ہے۔؟''

مہتاب علی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مہتاب علی ہیں؟'' درویشوں کے کرم سے۔

''اماں سبحان اللہ کیا انداز ہے کیا واقعی پولیس والے ہو بتا دو تمہیں اللہ کی قسم۔''

''جج..... جی ہاں ہوں تھانیدار ہی مگر مہتاب علی صاحب آپ کا یہ حلیہ دیکھ کر میرا اس قدر جی خوش ہوا کہ نا قابل بیان کون سے سلسلے ہیں؟''

''بس جی کرم ہے بزرگوں کا پیر جمال شاہ کے عقیدت مند ہیں کیا بات تھی پیر کی، حق اللہ، حق اللہ۔ حق اللہ۔''

صوفی نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اٹھائیں اور شانے اچکانے لگا۔ پھر وہ اطمینان سے دوکان میں گھس کر لکڑی کے ایک چھوٹے سے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

''پیر جمال شاہ کا شجرہ کہاں جا کر ملتا ہے؟'' مہتاب علی نے بھی کام دھندہ چھوڑ دیا اور پیر جمال شاہ کا شجرہ بتانے لگ گیا اور اس کے بعد جو درویشوں ولیوں اور بزرگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچا۔ صوفی سب کچھ بھول گیا تھا بہت دیر کے بعد بات اس موضوع پر آئی۔ مہتاب علی نے کہا۔

''سنا ہے جمیل احمد صاحب کی لونڈیا کے بارے میں تحقیقات کرنے آئے ہو، پہلے تو دوسرے پولیس والے آئے تھے، یہ توند یہ مونچھیں تم جیسا تھانیدار صوفی پہلا پہلا ہی دیکھا ہے۔''

اماں مہتاب علی حلیے سے کیا ہوتا ہے۔ درویشوں کی دعاؤں سے بس تھانیداری کر لی ہے۔ روٹی پانی کا خرچہ چل جاتا ہے۔ درویشوں کے کرم سے۔''

''حق اللہ..... حق اللہ۔''

''یہ نسرین کا کیا قصہ ہے کچھ تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو سکے گی۔'' مہتاب علی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے کچھ دیر مشکوک نگاہوں سے صوفی کو دیکھتے رہے، پھر آہستہ سے بولے۔

''کہتے ہیں کہ پولیس کی نہ اگاڑی اچھی نہ پچھاڑی دور ہی رہتا ہوں بھیا پولیس والوں سے۔''

''ہمارا آپ کا پولیس والوں کا رشتہ کہاں ہے مہتاب علی صاحب درویشوں کی دعاؤں سے ہمارا تو مسئلہ ہی روحانی ہوگیا ہے بس یہ تو ڈیوٹی پوری کرنے والی بات ہے۔''

''قاتل چاہئے۔'' مہتاب علی نے درویشانہ انداز میں کہا۔

''عنایت فرما دیجئے، درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ مہتاب علی صاحب چند لمحات سوچتے رہے پھر اپنی جگہ سے اٹھے اسٹول ایک کونے میں لے جا کر رکھا ادھر ادھر دیکھا اسٹول پر چڑھ گئے اوپر سے کوئی چیز اتاری ایک لکڑی کی صندوقچی تھی اس میں سے ایک پڑیا نکالی اور پھر پڑیا کھول کر صوفی کے سامنے رکھ دی۔ پڑیا میں ایک چھوٹا سا سونے کا بندہ ٹکا ہوا تھا۔

''لیجئے صوفی میاں! قاتل حاضر ہے۔''

صوفی نے بندہ ہاتھ میں لے لیا اسے بہ غور دیکھا پھر مہتاب علی کی صورت دیکھنے لگا بہ خدا سمجھے نہیں درویشوں کے کرم سے۔''

''عزیزی اس سلسلے میں زندگی بھر زبان بند رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر تم ہو ہی درویش زادے کہ زبان کھلوالی تم نے مہتاب علی کی۔ بس آرام سے بیٹھو تفصیل بتاتے ہیں تمہیں کیا سمجھے۔ اصل میں پولیس کا رویہ لوگوں کے ساتھ اتنا برا ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی سچی بات معلوم بھی ہوتی ہے تب بھی وہ نہیں بتاتا اور کان پکڑ کر کونے میں گھس جاتا ہے وجہ یہی کہ پولیس کو بتاؤ اور مصیبت میں پھنس جاؤ۔ ایسی ایسی پٹخنیاں کھانی پڑتی ہیں کہ رہے نام اللہ کا۔ میں نے بھی اپنی لونڈیا سے کہا کہ بیٹا خبردار جو کسی کے سامنے زبان کھولی زبان کھینچ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گا۔ وہ بے چاری تو چپ ہوگئی۔ مگر تم نے ہماری زبان کھلوالی صوفی میاں اماں یکے ہو تم اللہ کی پکے پولیس والے ہو، آنکھوں میں گھس کر کلیجے میں گھس جانے والوں میں سے ہو، ورنہ مجال تھی کسی کی جو ہم سے ایک لفظ بھی پوچھ لیتا۔''

''اب جو معلومات آپ کو حاصل ہیں ہمیں مرحمت فرما دیجئے درویشوں کے کرم سے۔''

''قاتل اختیار پہلوان ہے۔ ان گناہگار آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا۔ اس محلے میں اماں زندگی گزر گئی صوفی میاں۔ وہ عیاشیاں کرتا ہے، پیسے کے بل پر، لونڈے پھانس رکھے ہیں۔ محلے کے بچوں کو بگاڑتا ہے۔ رات کی تاریکیوں میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ جانتے ہیں مگر گریز کرتے ہیں۔ قصور خود جمیل احمد کا ہے، فیصلے کے لئے لونڈیا کو اکیلے بھیج دیا۔

معلوم تھا اسے اختیار پہلوان کیا چیز ہے۔ بس چلی گئی نسرین اس کے ہاں۔ فرقان تو آج کل اس کے الیکشن کے لئے کام کر ہی رہا ہے۔ اس لئے ناک کا بال بنا ہوا ہے۔ اختیار پہلوان نے پہلے تو اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ مان جائے فرقان کے رشتے پر نسرین بولی اسے وقت دیا جائے تو کہا کہ خاموشی سے اس بات کا جواب لے کر اختیار پہلوان کے پاس پہنچ جائے یہ بات شاید فرقان کو بھی نہیں پتہ چلی۔ اب وہ بے چاری لونڈیا میری بیٹی کی دوست سیدھی اس کے پاس آئی اور اس سے باتیں کرتی رہی۔ صفیہ نے کہا دیکھو نسرین اگر سچی محبت ہے تجھے شمیم سے تو صاف منع کر دے کہ نہیں کرتی تو نے شادی وادی فرقان سے۔

جب ماں باپ کے سامنے زبان کھول ہی دی۔ تو اب اس زبان پر قائم رہ، فرقان سے تیری

شادی ہو بھی گئی تو کیا فرقان یہ بات بھول جائے گا کہ یہ شمیم سے محبت کرتی رہی ہے، ساری زندگی جھلسا جھلسا کر مارے گا۔ اطمینان ہو گیا تھا لونڈیا کو اور اس کے بعد جانتے ہو کہاں گئی وہ سیدھی اختیار پہلوان کے گھر یہ بتانے کے لئے کہ وہ کسی بھی قیمت پر فرقان سے شادی نہیں کرے گی، کیا سمجھے بس اس کے بعد آگے کا کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہوا۔

اماں تم تو تھانیدار ہو ہم جیسے کوڑھ مغزوں سے پوچھو تو ہم بتا سکتے ہیں کہ کیا ہوا ہوگا اور بس جو ہونا تھا اس بے چاری کے ساتھ وہ ہوا۔ قتل نہ کر دیتا وہ ظالم تو کیا دنیا سے یہ کہلواتا کہ وہ بدکار ہے۔ آخر اسے الیکشن میں کھڑے ہونا ہے پھنس گیا ہے بے چارہ نعیم احمد کا لونڈا دعا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے بھیا! ہم، پولیس سے بھی ڈر لگے ہے اور غنڈہ گردی سے بھی مگر اماں کہاں سے مصیبت بن کر آ گئے ہمارے سر پر۔''

''درویش کرم کریں گے واقعی آپ نے بڑا عجیب وغریب انکشاف کیا ہے لیکن بے فکر رہیں پولیس کے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا آپ کو یہ میرا وعدہ ہے درویشوں کی دعاؤں سے اس بندے کا کیا قصہ ہے؟''

''نسرین کا ہے میاں ہمیں اس قصے کا اور یقین ہو گیا۔ اختیار پہلوان کے کپڑے ہمارے ہی ہاں دھلنے آتے ہیں پتہ ہے بندہ کہاں ملا۔؟''

''کک کہاں درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

''اختیار پہلوان کی قمیض کی بغل کے پاس اٹکا ہوا تھا، بندے کا کانٹا۔

نہیں دیکھا ہوگا۔ کپڑے آگے دھلنے کے لئے ہم تلاشی وغیرہ لے لیتے ہیں کپڑوں کی بندہ اٹکا ملا جمیل احمد کی لونڈیا کا قتل ہو چکا تھا دماغ ہمارا اس طرف لگا ہوا تھا۔ اپنی بیٹی صفیہ کو بندہ دکھایا تو اس نے صاف پہچان کر لیا کہ نسرین کا ہے۔ اب ماں باپ تو ظاہر ہے بے چارے لگے ہوئے ہیں۔ بیٹی کی مصیبت پر غور ہی نہیں کیا ہوگا گر در گیا ہوگا کہیں یا جھاڑیوں میں پڑا ہوگا۔ ایک تو کان ہی میں مل گیا تھا۔ سوچا تھانیدار جی یہ بندہ اختیار پہلوان کے کرتے کی بغل میں کیسے اٹکا ہوا تھا۔ کچھ تو ہوگا۔''

صوفی نے آنکھیں بند کر لیں اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بد بدانے لگا پھر اپنے سینے پر پھونک ماری اور جیب سے پانوں کی ڈبیا نکالی اس نے دیکھ لیا تھا کہ مہتاب علی بھی پان کھانے والوں میں سے ہیں۔ مہتاب علی پانوں کی ڈبیا دیکھ کر خوش ہو گئے۔

''یہاں ایک بات ہے، ہو وضعدار قوام کون سا کھاتے ہو؟''

''تین سو نمبر کا درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''اے سبحان اللہ۔ سبحان اللہ یہ ہے ذوق کی بات ذرا چٹاؤ ہمیں بھی۔'' صوفی نے بڑے ادب سے پان کی گلوری پیش کر دی اور اس کے بعد چھالیہ تمباکو پھر کہنے لگا۔

''یہ بندہ آپ اپنی تحویل میں رکھنا چاہتے ہیں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''کیا کرنا ہے..... کیا کرنا ہے، ہمیں مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں میاں اگر واپس کرتے جمیل کو تو بات الگ بگڑتی پھنستے الگ مصیبت میں بس حلق میں اٹکا ہوا تھا، رکھ چھوڑا تھا کہ سوچ لیں گے آگے چل کے آپ کو چاہیے آپ لے جائیں۔''

''پولیس کی تفتیش میں کام آئے گا آپ بالکل مطمئن رہیں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے مگر ایک بات سن لو بھائی کسی بھی رشتے ناطے سے درویش اور ولیوں کے ناطے سے ہمیں مصیبت میں مت پھنسانا، جوان لونڈیا کے باپ ہیں کہاں لڑتے پھریں گے۔ ان غنڈوں سے بس میاں ہاتھ جوڑتے ہیں تمہارے سامنے۔''

''مطمئن رہیں قبلہ مہتاب علی بالکل مطمئن رہیں آپ نے تو مسئلہ ہی حل کر دیا ہے۔'' صوفی نے خوشی کے عالم میں کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا جیپ کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی، نیک محمد اور حوالدار شریف محمد وغیرہ کانسٹیبلوں کے ساتھ موجود تھے اور چائے پی کر آ چکے تھے صوفی جیپ میں جا بیٹھا اور اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''پھر سے اختیار پہلوان کے گھر چلو۔''

جیپ دوبارہ اختیار پہلوان کے گھر کے سامنے جا کر رکی۔ اختیار پہلوان باہر آ گیا تھا، صوفی نے سروس پستول نکال کر اس کے سینے کی جانب تان دیا اور اپنے ساتھ کانسٹیبلوں کی جانب رخ کر کے بولا۔

''ہتھکڑیاں ڈال دو پہلوان صاحب کی کلائیوں میں درویشوں کی دعاؤں سے۔''

اختیار پہلوان صاحب ہکا بکا رہ گئے تھے۔ کانسٹیبلوں نے صوفی صاحب کے حکم کی فوراً تعمیل کی تھی۔ اختیار پہلوان نے خوب ہی اچھل کود مچائی۔

''اماں یہ، کیا کر رہے ہیں تھانیدار جی جانتے ہو میں کون ہوں اختیار پہلوان ہے میرا نام پولیس کی وردی میں نہ ہوتے تو اولاد کی قسم ہڈیاں پیس کر رکھ دیتا۔ اماں سن رہے ہو یہ بدتمیزی مت کرو نہیں تو یہ وردی اتار کر سامنے آ جاؤ اولاد کی قسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ پٹخوں تو میرا نام اختیار پہلوان نہیں ہے۔ اماں محلے والو! تم دیکھ رہے ہو کیا زیادتی ہو رہی ہے میں ہمیشہ تمہارے کام آنے والوں میں سے ہوں ساتھ دیا ہے میں نے ہمیشہ تمہارا جلوس تیار کرو تھانے پہنچ جاؤ جلوس بنا کر نعرے لگاؤ کہ اختیار پہلوان کو رہا کرو دیکھو! تھانیدار حشر کر دوں گا تمہارا۔ کیا بدتمیزی ہے یہ۔؟''

''قبلہ تشریف لے چلئے کیا فائدہ ہم اس ڈنڈے سے آپ کی ساری پہلوانی اس اکھاڑے میں بہا دیں گے اور اس کے بعد آپ کو گھسیٹتے ہوئے لے چلیں گے جو کچھ کہنا ہے تھانے چل کر کہیئے گا۔ چلو انہیں اپنی گاڑی میں بٹھاؤ درویشوں کے کرم سے۔'' اور تھوڑی دیر کے بعد اختیار پہلوان کو لئے ہوئے تھانے کی جانب جا رہی تھی۔

محلے بھر میں ہنگامہ ہو گیا بہت سے گرگے تھے اختیار پہلوان کے انہوں نے راستہ روکنا چاہا۔ لیکن کانسٹیبلوں نے بندوقیں تان لیں تھیں اختیار پہلوان چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''سازش ہوئی ہے میرے خلاف الیکشن میں میرے مخالف امیدواروں نے یہ سازش کی ہے منسٹر صاحب کو فون کرنا جلوس کی تیاری کرنا۔''

پولیس جیپ اختیار پہلوان کو لے کر تھانے میں داخل ہو گئی اور انہیں لاک اپ کر دیا۔

نیک محمد، شریف خان اور شرافت حسین حیران تھے۔ انوکھا تھانیدار تھا پہلی تفتیش کے لئے نکلا تھا اور مجرم کو ہتھکڑی لگا کر لے آیا تھا۔ شرافت حسین نے شریف خان کے کان میں کہا۔

''صوفی صاحب! نے بہت بڑے آدمی پر ہاتھ ڈال دیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔''

''میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے تھا۔ محلے میں جو گڑبڑ ہو رہی تھی وہ رنگ لائے گی تم دیکھ لینا شرافت حسین۔''

شرافت حسین گردن ہلا کر خاموش ہو گیا تھا۔ صوفی نے سارا دن اختیار پہلوان سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اختیار پہلوان تھانے میں اچھل کود مچاتا رہا۔ ادھر وس بارہ گرگے اکٹھے ہو کر تھانے کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

اور اختیار پہلوان کی رہائی کے لئے نعرے لگا رہے تھے مگر صوفی نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ البتہ یہ کہہ دیا تھا اس نے اگر ذرا بھی بدتمیزی کی تو گولی چلوا دی جائے گی، خیال رکھا جائے۔

رات ہو گئی صوفی اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف رہا تھا کوئی عمل نہیں کیا تھا اس نے البتہ اختیار پہلوان کو شور مچانے سے بھی نہیں روکا تھا۔ لاک اپ میں اچھلتا کودتا پھر رہا تھا کئی بار صوفی کو چیلنج کر ڈالا تھا۔

دوسرے دن گیارہ بجے کے قریب چند افراد پہنچے جن میں ایک شخص نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ بڑے کڑے تیوروں کے ساتھ صوفی کے سامنے پہنچا۔

''تم اس تھانے کے انچارج ہو؟''

''درویشوں کے کرم سے۔'' صوفی نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اس کی حیثیت کا اندازہ کرنا ضروری نہیں ہے کیا؟''

''حضور انور کا اسم گرام؟''

''میں جہاں سے آیا ہوں بس اس کے بارے میں بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ فوراً اختیار پہلوان کو لاک اپ سے نکالو اور میرے ساتھ روانہ کر دو ورنہ خواہ مخواہ تمہاری نوکری خطرے میں پڑ جائے گی۔ ابھی ہم نے یہ کام غیر سرکاری پیمانے پر کیا ہے۔ اگر بات زیادہ اُوپر تک پہنچا دی تو تمہیں نقصان پہنچ جائے گا۔ یہی نہیں ہتک عزت میں تمہیں سزا بھی ہو سکتی ہے۔''

''حضور کا اسم شریف درویشوں کی دعاؤں سے۔'' صوفی نرم لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے کہا ناں جس شخص کا نام میں نے تمہارے سامنے لے لیا ہے، اسی پر اکتفا کرو۔'' صوفی نے شریف خان کو بلایا اور کہنے لگا۔

''عالی حضرت تشریف لائے ہیں۔ اسم شریف نہیں بتاتے اس لئے شریف خان انہیں اندر لے جاؤ اور بند کر دو۔'' وہ شخص اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا..... شریف خان نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا۔ آنے والا آپے سے باہر ہو گیا مگر صوفی نے اسے اندر کر دیا۔

تقریباً ڈھائی بجے ایک صاحب تشریف لائے یہ غالباً ان لوگوں کے اشارے پر پہنچے تھے جو پہلے آدمی کی گرفتاری کے بعد واپس چلے گئے تھے۔

اچھل کود انہوں نے بھی بہت مچائی صوفی کو طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں اور نتیجے میں پہلے آدمی کے پاس پہنچ گئے تھانے کا سارا عملہ ششدر تھا اور اس بات کا یقین کر چکا تھا کہ اب کم از کم اس پورے سٹاف کو تبدیل ہونا پڑے گا۔

بہر حال تن بہ تقدیر تھے۔ نئے انچارج صاحب جو کچھ بھی کریں یہ ان کا اپنا عمل ہے۔

کوئی چار بجے کا وقت تھا، صوفی کو اس درمیان کوئی ٹیلی فون موصول نہیں ہوا تھا۔ جو لوگ دھمکیاں دینے آئے تھے وہ غالباً ذاتی بنیاد پر ہی یہ سب کچھ کر رہے تھے لیکن جو نام وہ اپنے ساتھ لائے تھے وہ بڑے بڑے نام تھے، صوفی نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ آئی جی صاحب نے جو اختیار دیا ہے ذرا دیکھنا ہے کہ خود اس سلسلے میں کس قدر بااختیار ہیں بہر طور شام کے وقت صوفی نے اختیار پہلوان کو تھانے کے عقبی حصے میں جہاں درختوں کی چھاؤں میں کچی زمین کا ایک بڑا ٹکڑا تھا، طلب کر لیا۔ چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ صوفی اطمینان سے ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اختیار پہلوان کو بیٹھنے کی پیش کش کی گئی تو وہ خونی نگاہوں سے صوفی کو دیکھنے لگا اور پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ ”دیکھ بھئی تھانیدار بڑا تیس مار خان بنا ہوا ہے ابھی تو لیکن آنے والے وقت کو تقدیر کا لکھا سمجھ لے نہیں چھوڑوں گا..... نہیں بچے کا حساب کتاب تو میں تیرا وہیں اپنے محلے میں کر دیتا، اگر پولیس کی وردی میں نہ ہوتا۔“

”اختیار پہلوان بات مردوں والی ہونی چاہیے۔ درویشوں کے کرم سے پہلا سوال اگر ہم تم سے یہ کریں کہ تم باپ دادا کی شناخت رکھتے ہو۔ درویشوں کی دعاؤں سے یا نہیں تو برا مت ماننا، سوال تو سوال ہی ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اختیار پہلوان نے کہا۔

”اپنے باپ کے بیٹے ہو نا۔“

”مجھے گالی دے رہے ہو؟“

”ابھی یہ گالی گالی نہیں ہے درویشوں کی دعاؤں سے ہاں اگر جو کچھ زبان سے کہو اور اسے پورا نہ کرو تو پھر یہ پکی گالی بن جائے گی۔“ میں پوچھتا ہوں مطلب کیا ہے تمہارا۔“

”اگر تمہارا غرور ٹوٹ جائے تو سچ بولنا پسند کرو گے درویشوں کے کرم سے؟“

”کیا مطلب؟“

”پہلوان ہو تم اور تم نے کہا تھا یہ وردی میرے بدن پر نہ ہو تو میری ہڈیاں چور چور کر دو گے۔“

”تمہارا مطلب میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھانیدار جی؟“

”میاں کشتی لڑو ہم سے..... پچھاڑو ہمیں تو قسم ایمان کی چھوڑ دیں گے تمہیں۔ پٹ گئے ہم سے تو پھر سچ بول دینا اور اگر اس پر بھی جھوٹ بولا تو پھر مرحومہ کی شخصیت داغدار ہو جائے گی۔ درویشوں کی دعاؤں سے ہمارا مطلب تمہاری والدہ سے ہے۔“

اختیار پہلوان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر صوفی کو دیکھنے لگا۔ پھر ہیجانی انداز میں ہنس پڑا۔

ایک بات سنو تھانیدار جی کیا جو گالی تم نے مجھے دی ہے اس پر تم بھی عمل کر سکتے ہو؟“

”مطلب؟“

”اگر اپنے پیروں سے کھڑے ہو گئے تو سچ بول دیں گے، اگر کھڑے نہ ہو سکے تو پھر نوکری چھوڑ دینا، ہمیں تو چھوڑنا ہی پڑے گا تمہیں۔“

”وعدہ ہے مگر بات سچائی کی ہو گی۔“

”ہاں بات جب ماں کی عزت پر آ پڑی ہے تو پھر سچ ہی بولیں گے لیکن شرط وہی ہو گی۔“

صوفی نے وردی اتارنا شروع کر دی اور ایس آئی نیک محمد شرافت حسین، شریف خان اور تھانے کے دوسرے سپاہیوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ایک طرف اختیار پہلوان پلے پلائے جسم کا مالک جو دیکھنے ہی میں دیو قامت..... دوسری طرف لمبا، پھٹا ہوا بانس جس کے بارے میں بس یہی کہا جاتا تھا کہ اپنے پیروں پر چل لیتا ہے۔ تو بہت ہے پھر وردی کے نیچے سے جو جسم برآمد ہوا تھا۔ اس نے کانسٹیبلوں کو منہ دبا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک عجیب و غریب منظر نگاہوں کے سامنے تھا اقبال جرم کرانے یا کرنے کا جو نیا طریقہ سامنے آیا تھا وہ ناقابل یقین تھا اور اگر اس کے بارے میں کہیں اور معلوم ہوتا تو لطیفہ ہی بن جاتا۔ کشتی کے اصولوں کے مطابق دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈالا گیا۔

اختیار پہلوان نے فوراً ہی گردن دبوچ کر کلاجنگ مارنے کی کوشش کی لیکن صوفی نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے سر سے اونچا اٹھا لیا اور کمر پر لا دلیا۔ پھر ایک دم چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا، اختیار پہلوان زور سے زمین پر گرا تھا۔

اور صوفی دیسی پہلوانی داؤ کے تحت اس کے اوپر چھا گیا تھا۔ اختیار پہلوان نے فوراً ہی پلٹی کھائی اور سینہ زمین پر ٹکا لیا لیکن صوفی نے اس کی پشت پر ایک قلابازی کھا کر پیچھے سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔

یہ بھی ایک ناقابل یقین منظر تھا ہڈیوں کے اس ملغوبے نے اختیار پہلوان کو ایک بار پھر اسی انداز میں اٹھایا، اختیار پہلوان زمین پر گرنے کے بجائے پلٹی کھا کر سیدھا ہوا تو صوفی نے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال کر دھوبی پاٹ لگایا اور اختیار پہلوان اس بار اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔ اس کے منہ سے گھگھیائی ہوئی آواز نکلی۔

”اماں خلیفہ زمین پکی ہے روک روک کے۔“

لیکن صوفی نے دیسی کے ساتھ ساتھ انگریزی داؤ بھی استعمال کرنا شروع کر دیئے اور فوراً ہی اختیار پہلوان کی ٹانگوں پر گرہ باندھ کر بوسٹن کریب لگایا اور اختیار پہلوان کے حلق سے دہاڑیں نکلنے لگیں۔

”اماں قسم سے مر جاؤں گا اماں تھانیدار جی، اماں چھوڑو اماں وعدہ پورا کرنے کو تیار ہوں، اماں خلیفہ، اماں بھائی صاحب چھوڑیو، چھوڑیو، بھیئے، ریڑھ کی ہڈی گئی، تمہیں اللہ کی قسم چھوڑ دو پہلوان چھوڑ دو۔“

چاروں طرف سے قہقہے ابھر رہے تھے، اب بھلا اس کا کیا سوال تھا کہ وہ اپنی ہنسی روک سکیں۔

صوفی نے اسے چھوڑ دیا۔

اختیار پہلوان کمر پر ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا۔ اس نے صوفی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اماں کس کے پٹھے ہو؟“

”بس یہ ہی سوال نہ کرنا درویشوں کی دعاؤں سے۔“ صوفی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

اس کیس کا اختتام بھی ناقابل یقین انداز میں ہوا۔ اختیار پہلوان جیسے اس کے بعد فرشتہ بن گیا تھا۔

اس نے اعتراف کیا کہ نسرین کا قاتل وہی ہے۔

اپنی ہوس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے دوسری چال چلی۔ اصل میں نسرین کو دیکھ کر وہ بے اختیا

ہوگیا تھا۔ پہلی بار جب وہ سمجھانے بجھانے سے چلی گئی تو اختیار پہلوان نے اسے دوبارہ طلب کیا تھا کہ اگر اسے قائل کرسکی تو اس کی شادی شمیم سے ہی کرائی جائے گی۔

لیکن اصل میں اختیار پہلوان نے دھوکے سے اسے اپنے پاس بلوایا تھا اور پھر جب وہ نسرین کو دھوکہ دے چکا تو اس کی زندگی مناسب نہ سمجھی اور اسے قتل کرکے لاش جھاڑیوں میں پھینک دی۔

غرض یہ کیس حل ہوگیا تھا جن لوگوں کو بند کیا گیا تھا انہیں تیسرے دن ہی رہائی نصیب ہوئی۔

صوفی نے انہیں یہ کہہ کر چھوڑا تھا کہ اگر آئندہ سرکاری معاملات میں مداخلت کی تو مجرموں کے ساتھ ہی پھانسی کے تختے پر پہنچنا پڑے گا۔ کم از کم اس تھانے میں آنے والے کسی کیس کے بارے میں سفارش نہ لائی جائے۔

بورڈ پڑھ لیا جائے جس پر لکھا ہے کہ

رشوت اور سفارش لے کر اس تھانے میں مت آنا ورنہ واپس نہیں جاؤ گے، درویشوں کے کرم سے۔

"بحکم صوفی"

آغاز الدین کے نام کے ساتھ پوری کہانی یاد آ گئی تھی۔ گزارے ہوئے وقت کی بہت سی ایسی داستانیں تھیں جن کے خصوصی کردار وقت کے ساتھ ساتھ بہت دور ہو گئے تھے۔ بہرحال وہ ممن خان کے ہوٹل کی جانب بڑھ گیا، آغاز الدین وہاں موجود تھے اور ان کے گرد مجمع لگا ہوا تھا۔ کیڈلک تو ویسے بھی شان دار تھی اور آغاز الدین بھی اتنے ہی شان دار تھے اور کسی نواب کو صوفی کی تلاش میں آتے دیکھ کر ممن خان اور ساتھیوں کے سینے فخر سے پھول گئے تھے، پھر صوفی بھی اچانک ہی پہنچا تھا۔ ایک عجیب سا منظر پیدا ہوگیا تھا۔ آغاز الدین بڑی محبت اور پیار سے اس سے ملے اور بہت سی باتیں ہوتی رہیں، وہ صوفی کے ساتھ اس کے گھر میں آ گئے تھے اور صوفی سے اس کے حالات پوچھتے رہے تھے۔

صوفی نے تمام تفصیلات بتا دی تھیں۔ آغاز الدین نے کہا۔

"تم اتنے ہی فعال ہو جتنا ہونا چاہیے تھا۔"

"یہ سب کچھ تو زندگی کے ساتھ ہے جناب! درویشوں کی دعاؤں سے۔" صوفی نے جواب دیا تھا۔

"خیر چھوڑو! میں تمہارے پاس بہت ہی اہم کام سے آیا ہوں۔"

"حکم فرمائیے میں دل و جان سے حاضر ہوں۔"

"یہاں نہیں یا تو تم اگر ابھی فرصت سے ہو تو میرے ساتھ چلو یا پھر فرصت ملتے ہی میرے پاس ہوٹل کنگ پہنچو۔ کنگ کے روم نمبر تیئیس (23) میں میرا قیام ہے۔"

"جیسا آپ پسند کریں درویشوں کے کرم سے۔"

"تو پھر ابھی چلو۔" نواب آغاز الدین صوفی کو لے کر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد انہوں نے کچھ مشروبات طلب کیے اور اس کے بعد صوفی کے سامنے بیٹھ گئے۔

"ایک الجھن پیش آ گئی تھی میں نے کسی سے وعدہ کرلیا کہ میں اس کی مدد کروں گا۔ اصل میں یوسف خان میرا بہت ہی قدیم دوست ہے بے شمار معاملات میں ہم دونوں نے ایک ساتھ وقت گزارا ہے۔ وہ ایک پہاڑی علاقے کے سردار کا بیٹا ہے۔ دو بھائی تھے ایک اینٹی اسٹیٹ سرگرمیوں میں ملوث ہوگیا اور

آخر کار موت کا شکار ہوگیا۔ یوسف خان اپنے بھائی کی وجہ سے ان سارے معاملات میں الجھا اور ایک تنظیم کے چکر میں پڑ گیا جو بین الاقوامی طور پر شدید مجرمانہ کارروائیاں کرتی رہتی ہے اور بہت ہی خوف ناک تنظیم ہے۔ یوسف خان اس کے جال میں جکڑ گیا۔ اس کے بھائی کی بیٹی ثوبیہ خان بھی اس کے ساتھ تھی۔ ان واقعات میں ملوث ہوگئی تھی۔ بہرحال وہ بڑے مشکل حالات سے گزرے اور اس کے بعد مختلف واقعات سے ہوتے ہوئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان لوگوں نے یوسف خان کو قتل کرکے اس کی جگہ اپنے ایک آدمی کو ہم شکل بنا کر وہاں پہنچا دیا اور یوسف خان کو اپنی دانست میں قتل کر دیا۔

مگر یوسف خان بچ گیا یہاں اس کا ایک فلیٹ ہے وہ اس فلیٹ میں پہنچا اور اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا یہ تفصیلات اس نے مجھے بتائیں اور مجھ سے کہا کہ وہ ہر قیمت پر ملک دشمن سرگرمیوں سے گریز کرنا چاہتا ہے اور مدد کا خواہش مند ہے۔ صوفی میں تمہارے پاس چلا آیا۔ بتاؤ اب کیا کرنا چاہیے۔"

"درویشوں کو رحم کرنا چاہیے۔" صوفی نے جواب دیا اور نواب آغاز الدین مسکرانے لگے۔

"تم آج بھی پیر پرست ہو۔"

"مرتے دم تک رہوں گا درویشوں کی دعاؤں سے۔"

"ضرور رہو بھلا کون تمہیں روک سکتا ہے لیکن اب بتاؤ آگے کیا کرنا ہے۔"

"آگے تو بہت کچھ کرنا ہے جناب! آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا پڑے گا۔" صوفی نے کہا۔

"مگر میں یہاں تمہارے پاس اسی مقصد کے تحت آیا ہوں۔"

"میں مکمل طور پر آپ سے رابطہ رکھوں گا ہر کام کے لیے کوئی نہ کوئی گراؤنڈ بنانا پڑتا ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ مجھے یہ گراؤنڈ بنانا ہے۔"

"تو کیا میں یہیں قیام کروں؟"

"میرا ایک گھر ہے اگر اسے اس قابل سمجھیں تو!..... خیر چھوڑیے یہی جگہ آپ کے لیے مناسب ہوگی۔" صوفی مضطرب ہوگیا تھا اسے تعجب تھا کہ شازیہ نے ابھی تک یہ کیوں نہیں بتایا کہ یوسف خان اپنے فلیٹ پر پہنچ چکا ہے وہ فوری طور پر شازیہ سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

نواب آغاز الدین کے پاس سے واپس آ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ ہی کیا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر شازیہ کی آواز سنائی دی۔

"چھوٹے بابا میں شدید سنسنی کا شکار تھی اور بس آپ کو مخاطب کرنا ہی چاہتی تھی۔"

"ہوا کیا ہے درویشوں کی دعاؤں سے۔" ثوبیہ نے بھی وہ ہی کہانی سنائی تھی جو آغاز الدین صاحب نے سنائی تھی یعنی شازیہ نے ثوبیہ کی حیثیت سے۔

"اسے تم پر شبہ تو نہیں ہوا؟"

"بالکل نہیں..... میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ خاصا پریشان ہے، اس کا کہنا ہے کہ اب وہ ان تمام سرگرمیوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے لیکن جو کچھ اس کے ہاتھوں ہو چکا ہے وہ مٹ نہیں سکتا اور چھوٹے بابا جو اہم بات مجھے معلوم ہوئی ہے اس نے تو میرے اعصاب مفلوج کر دیئے ہیں۔"

''کیا؟'' صوفی نے پوچھا اور شازیہ نے اسے وہی اظہر جبار والی کہانی سنائی تھی۔

♥.....♥.....♥

بریگیڈیئر سکندر رانا نے ایک لمحے کے لیے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ اعلیٰ ترین حکام تک بات پہنچائی گئی تھی چوں کہ معاملہ ایک ایسے محکمے کا تھا جس میں اگر کوئی غلط آدمی آ بیٹھے تو تباہی پھیل جائے اسی رات پوری فورس کے ساتھ اظہر جبار خان کے گھر پر چھاپہ مارا گیا تھا بریگیڈیئر سکندر رانا نے صوفی کو اپنے ساتھ رکھا تھا اظہر جبار خان کو اس کی خواب گاہ سے گرفتار کیا گیا۔ اس کے اہل خاندان سخت پریشان تھے کچھ ذمہ دار لوگوں کو ساتھ لیا گیا۔ ملٹری ہیڈ کوارٹر میں جب اظہر جبار خان کی رونمائی کی گئی تو سب دنگ رہ گئے اس کے پیچھے ایک سفید غیر ملکی چہرہ تھا لیکن اظہر جبار خان کا میک اپ جس خوبصورتی سے کیا گیا تھا وہ ناقابل یقین سا تھا اور اس کی اردو اور خود اظہر جبار کا لہجہ اختیار کرنا بے حد کام کی بات تھی۔

جس شخص کو گرفتار کیا گیا تھا اس کا نام ڈیوڈ الفانسو تھا۔ بہرحال اس سلسلے میں تو مقامی پولیس اور فوج اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی ڈیوڈ الفانسو نے ساری کہانی ان کے سامنے پیش کر دی۔ یوسف خان کا نام بھی سامنے آیا اور اس نے سب سے بڑا انکشاف جو کیا وہ یہ تھا کہ اصلی اظہر جبار کو قتل کر دیا گیا ہے ان لوگوں نے کسی طرح کا کوئی رسک نہیں لیا۔

بہرحال اس کی نشاندہی پر شہر میں جگہ جگہ چھاپے مارے گئے اور تقریباً تیرہ ایسے افراد کو گرفتار کر لیا گیا جن کا تعلق اسی تنظیم سے تھا۔ یہ ایک اعلیٰ ترین کارنامہ سرانجام دیا گیا تھا۔ ادھر شازیہ ثوبیہ خان کی حیثیت سے اپنا کام سرانجام دے رہی تھی۔ یوسف خان واپس آیا تو یہاں بھی فوجی جوان موجود تھے اور ان کی سرکردگی میں یوسف خان کو بھی گرفتار کر لیا گیا لیکن صوفی نے آغاز الدین کو بھی اطلاع دے دی تھی اور ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بس یوسف خان سے تھوڑی سی معلومات حاصل کی جائے گی اور اسے سرکاری گواہ کے طور پر پیش کر دیا جائے گا۔ صوفی نے اپنی تاریخ کے مطابق یہ کارنامہ بھی سرانجام دیا تھا اور اس کے نتیجے میں جو خوش گوار اقدامات ہوئے تھے وہ یہ تھے کہ شاہ میر کو ان کے عہدے پر واپس بلا لیا گیا تھا معذرت کے ساتھ..... خاص طور پر کرنل رحیم شاہ کو انتہائی شان دار فوجی اعزازات کے ساتھ بیرون ملک سے ان کے خاندان سمیت واپس لایا گیا تھا اور ایک فوجی اجتماع میں ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا اور ان سے معذرت کی گئی تھی کہ انہیں اس طرح کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس دوران صوفی کا کہیں نام نہیں آیا تھا لیکن بعد میں صوفی کو بلایا گیا۔ کرنل رحیم شاہ بریگیڈیئر سکندر رانا نواب آغاز الدین، یوسف خان اور دوسرے تمام لوگوں نے صوفی کے سامنے سرخم کیا اور صوفی اپنے مخصوص انداز میں منہ کھول کر رہ گیا۔

''کک..... کیوں شرمندہ فرما رہے ہیں آپ درویشوں کی دعاؤں سے۔''

''شرمندگی نہیں فخر سے گردن اونچی ہو جاتی ہے جب درویش نگاہ سیدھی کرتے ہیں۔ ہمارا سفر تو ابھی اس وقت تک باقی ہے جب تک زندگی نے سانسیں عطا فرمائی ہیں میں فخر کرتا ہوں صوفی جیسے انسان پر جسے قدرت نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔'' صوفی نے شرمائے ہوئے انداز میں گردن جھکا دی۔

♥.....♥.....♥